فیوضاتُ الرّضویہ
فی
تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ھدایہ

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ آرا کتاب
کی جامع و مستند اردو شرح

كِتَابُ
العتاق

باب اللعان
العدة

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

وہ جسے چاہے سیدھے راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف بہ

شرح ہدایہ

جلد ہفتم

کتاب العتاق

باب اللعان، العدة

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

اُستاذُ الفقہ، جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

شرح ہدایہ 7

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اگست 2012ء / رمضان المبارک 1433ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزرز 0322-7202212
قیمت	-/[illegible] روپے

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهِ

بَابُ الْعِدَّةِ

بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

بَابُ الْوَلَدِ مَنْ اَحَقُّ بِهٖ

بَابُ النَّفَقَةِ

کتاب العتاق

بَابُ الْعَبْدِ يُعْتِقُ بَعْضَهُ

باب عتق احد العبدين

باب الحلف بالعتق

بَابُ الْعِتْقِ عَلَى جُعْلٍ

بَابُ التَّدْبِيرِ

بَابُ الاِسْتِيلَادِ

مقدمه رضويه

الحمدُ لله الذى جعل العلماءَ ورثة الأنبياء ، وخلاصةَ الأولياء ، الذين يدعو لهم ملائكةُ السماء ، والسَّمَكُ فى الماء ، والطيرُ فى الهواء . والصلاةُ والسلامُ الأتمّان الأعمَّان على زُبدةِ خُلاصة الموجودات، وعُمدة سُلالة المشهودات، فى الأصفياءِ الأزكياء ، وعلى آله الطيبينَ الأطهارِ الأتقياء ، وأصحابه الأبرار نجومِ الاقتداءِ والاهتداء .اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه البارى ،محمد لياقت على الحنفى الرضوى البريلوى غفرله والوالديه ، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر .اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية . احرر شرح الهدايه باسم "فيوضات الرضويه فى تشريحات الهدايه" بتوفق الله تعالى و بوسيلة النبى الكريم ﷺ . ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعين وائمة المجتهدين فى الامة المسلمة ،(رضى الله عنهم)

﴿حضرت امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کے اسباب﴾

امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ:

حضرت سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اصحاب وتلامذہ کے مابین اختلاف کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک کم سن بچہ کیچڑ میں کھیل رہا ہے آپ نے ازراہ تَلَطُّف فرمایا: کہیں گر نہ جانا۔ اس بچہ نے برجستہ جواب دیا: آپ بچئے کہیں آپ پھسل کر گر نہ جائیں کیونکہ اگر آپ گریں گے تو عالَم کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔ کم سن بچہ کے اس معنی خیز جواب سے آپ متاثر ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب وتلامذہ سے فرمایا: اگر تمہیں مسائل شرعیہ میں میرے قول کے خلاف کوئی قوی دلیل ملے تو اسے اختیار کرلو۔ آپ کی اس ہدایت کے بعد آپ کے تلامذہ میں سے ہر ایک آپ ہی کی روایت سے مسائل اخذ کرتا تھا۔ اس طرح آپ کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جو امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے قول سے باہر ہو۔

"ولوالجیہ" کتاب الجنایات میں ہے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس میں، مَیں نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی مخالفت کی ہو۔ میں نے وہی بات کہی جو آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمائی تھی۔ حضرت

امام زُفر علیہ الرحمہ سے بھی یہی منقول ہے کہ میں نے کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ قول امام بیان کیا پھر آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس سے رجوع فرمایا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ کے طریقہ کے خلاف نہیں گئے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ اجتہاد اور رائے اور قیاس سے کہا اور اسی قول کا اتباع کیا جو ان کے استاد نے فرمایا۔

"اَلْحَاوِیُ الْقُدْسِی" کے اواخر میں ہے: جب اصحاب امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) میں سے کسی کے قول کو اخذ کیا جائے تو یقین سے جان لینا چاہیے کہ ان کا یہ قول امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے تمام اکابر تلامذہ سے یہی روایت ہے (جیسے امام ابویوسف، امام محمد، امام زُفر اور امام حسن رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ہم نے کسی مسئلہ میں وہی قول کیا ہے۔

جو ہم نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے روایت کیا ہے اور یہ بات انہوں نے بڑی یقین دہانی کے ساتھ بیان کی ہے لہٰذا فقہ میں کوئی مسئلہ اور مذہب، مذہب امام کے علاوہ نہیں ہے اور جس قول کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہے وہ مجازاً ہے اور ظاہر میں ہے فی الحقیقت وہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا قول ہی ہے۔ (کتاب حیل ،فصل اذا اختلف الروایات ،ص ۱۸۱)

خصوصاً جب امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ پر تمہیں اقویٰ دلیل مل جائے اسے اختیار کرلو۔ تو اگرچہ یہ الفاظ اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت کرتے ہیں، تاہم چونکہ آپ کے اصحاب نے قوی دلیل سے مسئلہ کے علم کو انہیں اصول وقواعد سے ثابت کیا ہے جو آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خود مقرر فرمادیئے ہیں اس لئے درحقیقت آپ کے اصحاب کا وہ قول بھی امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہی مانا جائے گا اور وہ مرجوع عنہ نہ ہوگا۔

علامہ بیری نے اپنی کتاب "شرح الاشباہ" میں بیان کیا ہے کہ کوئی حدیث ایسی ملے جو مذہب امام کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کیا جائے اور یہی حدیث امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا مذہب ہے کیونکہ صحیح روایت نے آپ سے مروی ہے۔ "اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَمَذْھَبِیْ" حدیث اگر صحیح ہے تو یہی میرا مذہب ہے۔ (مقدمہ ردمحتار، ج۱،ص ۱۶۰، بیروت)

حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کی وجوہات:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اصحاب وتلامذہ نے ایک ہی مسئلہ میں آپ سے مختلف روایات بیان کی ہیں اور یہی ایک وجہ ان کے مابین مسائل میں اختلاف حکم کی ہے امام ابوبکر البلیغی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے "درر" میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کئی وجوہات سے ہوسکتا ہے: اوّل یہ کہ سامع کو سننے میں غلطی ہوگئی ہو۔

دوم یہ کہ امام نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا ہو کسی نے یہ رجوع خود اپنے کانوں سے سن لیا اور کسی نے نہیں سنا تو اسے رجوع کا علم نہ ہوا۔ سوم یہ کہ امام نے ایک قول علی وجہ القیاس فرمایا اور دوسرا قول بروجہ استحسان فرمایا تو جس نے جو سنا روایت کردیا۔

چہارم یہ کہ کسی مسئلہ کے مختلف پہلو تھے آپ نے ایک پہلو سامنے رکھ کر ایک جواب دیا اور دوسرے پہلو کو مدنظر رکھ کر دوسرا جواب دے دیا، ان کے علاوہ بھی علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ "شرح عقود رسم المفتی المنظوم" میں کچھ اور صورتیں بھی اختلاف روایات کی وجوہ میں بیان فرمائی ہیں۔ (رسائل ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی المنظوم)

﴿خلافت فاروقی میں تدوین فقہ﴾

فقہ کی تاریخی اہمیت کا بیان

مالک بن انس فرماتے ہیں۔" جس نے فقہ سیکھی اور تصوف حاصل نہ کیا اس نے نافرمانی کی اور جس نے تصوف حاصل کرلیا اور علم فقہ سے حصہ نہ لیا وہ زندیق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے حق پالیا"

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ کہ حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نیئے وسائل پیدا ہوجانے کے یہ نشرواشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لیے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت کا اہتمام

جہاں تک وقت وفرصت مساعدت کرسکتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبے میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطاء امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے۔ اسی طرح شام وبیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پراثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہوجاتا تھا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جلبیہ جو مشہور خطبہ پڑھا، فقہانے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے سے جابجا نقل کیا ہے۔

وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں۔ تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مؤطا میں بعینہ اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ وہ نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے (موطا امام محمد صفحہ 129)

سن 14 ہجری میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی، تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افسران ملک کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ھذا کتاب الصدقه الغ قضا اور شہادت کے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں۔ لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکونوا من المسرفین لفطر کم۔ زید وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المراۃ لا تصوم تطوعا الا باذن زوجها۔ ابووائل کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان لا هلة بعضها اکبر من بعض۔ اسی طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے، چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ (کتاب مذکور صفحہ 106)، غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدر وقدا خلفتم فمن بعد کم اشد اختلافاً۔ یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی پا کر شائع کی گئی۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ 88)

جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور متفق بات طے ہوئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان کی یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا، جس میں یہ الفاظ تھے۔

الی اشهد کم علی امر الا مصار الی لم ابعثهم الا لیفقهوا الناس فی دینهم

تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں، یہ التزام ملکی افسروں تک

محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب کان اذا جمع الیه جیش من اهل الایمان بعث علیهم رجلاً من اهل الفقه والعلم۔ (کتاب الخراج صفحہ 67)۔

یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم وفضل میں بھی ممتاز تھے۔ اور حدیث وفقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکتی۔

فقہ کی تعلم کا انتظام

تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوسکتا ہے ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ "یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ (اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذین بعثهم عمر الی البصرة یفقهون الناس 14)۔ عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

و کان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الی احل البصرة لیفقههم

ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لیے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں "طبقات الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے "یہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو درداء کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ میں حسان بن ابی جبلة کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ان فقہا کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے۔ اور شائقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابومسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ 30 بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے۔ اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل 12)

فقہا کی تنخواہیں

علامہ ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہوسکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا، مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمٰن بن غنم، عمران بن حصین اور عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہییں۔ (تذکرۃ الحفاظ کراچی درداء)

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ ہر شخص فقہ کے مسائل بیان کرنے کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کروہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن پر صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہمارے بحث سے متعلق ہیں، اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معہذا ابعد عزم خلفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود، در جمیع ایں امور شذر دنز نمیر قتند و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمی ساختند لہذا دریں عصر اختلاف مذہب وتشت آر واقع نشد، ہمہ بریک مذہب متفق، بریک راہ مجتمع۔ چوں ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد وخلافت عامہ ظہور نمود علماء در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتوی می دہد و عائشہ صدیقہ وعبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمائند وابو ہریرہ اوقات خود را بر اکثار، روایت حدیث مصروف مے سازو۔ بالجملہ دریں ایام اختلاف فتاوی پیدا شد یکے را بر رائے دیگر اطلاع نہ اگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ واگر مذاکرہ بمیان آمد ازاملت شبہ وخروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ، اگر تتبع کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمع کہ اور ایام خلافت زندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ رویت کردہ اند ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشاں مقبول وعمل بموجب آنچہ بروایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما درمیان آنچہ حدیث وفقہ ودرزمن فاروق اعظم بود وآنچہ بعد وے حادث شدہ فرق مابین السموت والارض ست۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ 140)۔ الفاروق)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ

اتفاق کیا اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم وبیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا اور وہی حق پر ہیں مثلاً تیمّم، جنابت، تمتع، حج، طلاق ثلاثہ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل اور خصوصاً ان مسائل سے جو معرکۃ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

مذاہب اربعہ کی تدوین کے زمینی قرائن

علامہ احمد پاشا تیمور لکھتے ہیں۔ کہ "ان مذاہب کے پیدا ہونے سے قبل صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں فتوی انہیں سے لیا جاتا تھا، کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام حاملین کتاب اللہ میں سے تھے، اور وہ اس کے دلائل کی پہچان رکھنے والوں میں سے تھے، جب ان کا دور گزر گیا اور تو ہر علاقے اور شہر کی لوگوں نے صحابہ کرام کے فتاوی پر عمل کرنا شروع کر دیا جو صحابی جس علاقے میں تھا اس کا فتوی اس علاقے میں چلنا شروع ہوا، بہت ہی کم دوسرے کے فتوی پر چلتے تھے۔

اس لیے اہل مدینہ میں اکثر فتاوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے، اور اہل مصر میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور اہل مکہ عبداللہ بن عباس اور اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاوی پر چلنے لگے۔

تابعین کے بعد فقہاء کا دور شروع ہوا مثلاً ابوحنیفہ اور امام مالک اور احمد بن حنبل اور شافعی وغیرہ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں، اور جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا، چنانچہ ہر علاقے اور ملک کے لوگوں نے اپنے فقیہ کے مسلک کو اختیار کیا، اور پھر یہ مسلک دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا اور بعض میں ختم ہوگیا۔ (مذاہب الاربعۃ (16-17)

فقہائے کوفہ اور فقہ حنفی کی اساس

حرمین سے نکلنے والے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے کوفہ میں بھی سکونت اختیار کی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عمار بن یاسر' حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ نمایاں صحابہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں جب مختلف صحابہ کو متفرق اسلامی شہروں کی طرف بھیجا تو اس ہجرت کے مرحلے میں بہت سے صحابہ کوفہ بھی منتقل ہوئے۔ مؤرخین کے ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ شہادت تک تقریباً تین صد صحابہ کوفہ منتقل ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ جس وجہ سے یہ شہر صحابہ کی پہلے کی نسبت اور زیادہ توجہ کا مرکز بنا۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے لیے ایک معلم خصوصی کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکتبہ فکر سے مستفید ہونے والے فقہاء وعلماء کے بارے ڈاکٹر تاج عبد

الرحمٰن عروسی لکھتے ہیں۔

اس مکتبہ فکر کے معروف فقہا میں علقمہ بن قیس نخعی' اسود بن یزید نخعی' ابو میسرۃ عمرو بن شراحیل ہمدانی' مسروق بن اجدع ہمدانی اور شریح بن حارث کندی شامل ہیں۔ ان فقہاء کے بعد دوسرا طبقہ آیا' جن میں حماد بن ابی سلیمان' منصور بن معتمر سلمی' مغیرہ بن مقسم الضبی اور سلیمان بن مہران الاعمش اور سعید بن جبیر نمایاں ہیں' یہاں تک کہ اس مدرسہ فکر کی انتہاء ابن ابی لیلیٰ' ابن شبرمہ' شریک القاضی اور ابوحنیفہ پر ہوئی۔" (الفقہ الاسلامی فی میزان التاریخ: ص ۱۱۴)

امام ترمذی کی فقاہت اور فقہ حنفی

امام ترمذیؒ ایک محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ بھی تھے اور مذاہب علماء سے بھی خوب واقف تھے، آپ نے فقہ الحدیث امام بخاری جیسے حاذق محدث سے حاصل کی اور فقہ اہل الرائے اس وقت کے مشہور فقیہ الرازی سے اور فقہ مالکی اسحٰق بن موسیٰ انصاری اور ابو مصعب زہری سے اخذ کی جب کہ امام شافعی کا مذہب قدیم حسن بن محمد زعفرانی اور قول جدید ربیع بن سلیمان سے حاصل کیا، اسی طرح امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور دیگر بہت سے علما کے اقوال و مذاہب کو خوب سلیقہ سے اپنی جامع میں سمودیا۔ آپ کی جامع آپ کے تفقہ فی الحدیث اور مذاہب پر اطلاع کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ہر باب میں علما کے اقوال پیش کر کے ان میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں جس سے قاری کا یہ تاثر بنتا ہے کہ آپ فقہ وحدیث کے بہت بڑے امام تھے۔

امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد

مولانا مبارک پوری لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی مراد نہیں لیے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص 209)

"دوسری طرف ایک اور گروہ تھا... اور یہ اہل عراق تھے' جن کے رہنما ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تھے۔ فقہاء کے اس گروہ کی رائے یہ تھی کہ شرعی احکام معقول المعنی اور ایسی مصالح پر مشتمل ہوتے ہیں جو بندوں کی طرف لوٹتی ہیں اور ان احکام کی بنیاد محکم اصولوں اور منضبط علل پر رکھی گئی ہے۔ پس یہ علماء ان علل کو تلاش کرتے تھے اور ان حکمتوں کا کھوج لگاتے تھے جن کے لیے یہ احکامات دیے گئے ہیں۔ یہ علماء ان علل وحکم کے ساتھ حکم شرعی کے وجود وعدم وجود کو مربوط کرتے تھے۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی: ص ۷۴)

محمد لیاقت علی رضوی

چك سنتيكا بهاولنگر

بَابُ اللِّعَانِ

﴿یہ باب لعان کے بیان میں ہے﴾

باب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ باب لعان کے فقہی مطابقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس باب سے پہلے باب ظہار میں اس کی فقہی مطابقت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ (وہاں ظہار کے باب سے مؤخر کرنے کا سبب یہی بیان کیا گیا ہے کہ لعان تہمت کے ذریعے شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی قسموں کے ساتھ مفارقت ہوتی ہے۔) اور لعان لغوی معنی، پھینکنا اور دوسرے پر لعنت کرنا ہے اور اسی طرح بیوی پر تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۵۴، بیروت)

لعان کے فقہی مفہوم کا بیان

لعان اور ملاعنہ کے معنی ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا، شرعی اصطلاح میں لعان اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا اس کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فریاد کرے قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے ذریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کہلائے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے اس میں سچا ہوں عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔

جب دونوں اس طرح ملاعنت کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کرا دے گا اور ایک طلاق بائن پڑھ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے یعنی یہ اقرار کرلے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا لیکن حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

حکم لعان کے نزول کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک صحابی ہلال ابن امیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی شریک ابن سحماء صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی یعنی ہلال نے کہا کہ شریک ابن سحماء نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا کہ اپنے الزام کے ثبوت میں گواہ پیش کرو ورنہ جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی

جائے گی یعنی اسی کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈ ھنے چلا جائے؟ یعنی اول تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمائے جارہے تھے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر ہلال نے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالی ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری رکھے گا، آخر کا کچھ ہی عرصہ بعد حضرت جبریل تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتیں نازل کی گئی ہیں آیت (وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ) 24۔النور26:)(یعنی اور جو لوگ کہ اپنی بیویوں کو تہمت لگاتے ہیں الخ پھر اس کے بعد کی آیتوں (اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ) 24۔النور26:) تک تلاوت کی اس کے بعد ہلال دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی یعنی لعان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ لعان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالی جانتا ہے کہ میں تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلال کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو صحابہ نے اس کو روکا اور کہا کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لو یہ پانچویں گواہی تم دونوں کے درمیان جدائی کو واجب کردے گی یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت میں عذاب کو واجب کردے گی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں یہ سن کر وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متامل ہوئی جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جائے گی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں لعان سے بچ کر اور اپنے خاوند کے الزام کی تصدیق کر کے اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوا نہیں کروں گی یہ کہہ کر اس نے پانچویں گواہی کو بھی پورا کیا اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو دیکھتے رہنا اگر اس نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرمئی کولہے بھاری اور پنڈلیاں موٹی ہوں تو وہ بچہ شریک ابن سحماء کا ہوگا کیونکہ شریک اسی طرح کے ہیں چنانچہ جب اس عورت نے ایسے ہی بچہ کو جنم دیا جو شریک کے مشابہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا مذکورہ حکم نہ ہوتا جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لعان کرنے والوں پر تعزیر جاری نہیں ہوگی) تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا یعنی شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس عورت کی بدکاری کا ایک واضح قرینہ ہے اس لئے اس کی اس بدکاری پر میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہوتی (بخاری)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ہلال نے لعان کیا ہے اور اس موقع پر لعان کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اس بارے میں جو تحقیقی تفصیل ہے وہ حضرت سہل کی روایت کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالی جانتا ہے الخ، بظاہر زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمائی اور اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص کوئی جھوٹی بات کہے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو

اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات لعان سے پہلے ان دونوں کو جھوٹ کے عواقب سے ڈرانے کے لئے ارشاد فرمائی تھی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم وقاضی کسی بھی معاملہ میں اپنے گمان وخیال قرائن اور کسی علامت کی بنیاد پر کوئی حکم نہ دے بلکہ وہی حکم دے جس کے دلائل وشواہد تقاضا کریں۔

لعان کے حکم کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اُس عورت سے وطی حرام ہے مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوئی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسلام تفریق کردیگا اور اب مطلقہ بائن ہوگئی لہٰذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو طلاق دے سکتا ہے ایلا و ظہار کرسکتا ہے دونوں میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اُسکا ترکہ پائیگا اور لعان کے بعد اگر وہ دونوں علیحدہ ہونا نہ چاہیں جب بھی تفریق کردی جائیگی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کرائی تو شوہر کے الفاظ لعان کہنے کے بعد عورت سے پھر کہلوائے اور دوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کردی تو ہوگئی۔ لعان ہوجانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہوگیا یا معزول ہوگیا اور دوسرا اُس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کی وجہ سے ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق، باب کفارہ ظہار)

لعان کے بنیادی اصول کا فقہی بیان

قَالَ (اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْاَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا اَوْ نَفَى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ) وَالْاَصْلُ اَنَّ اللِّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْاَيْمَانِ مَقْرُوْنَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِيْ حَقِّهِ وَمَقَامَ حَدِّ الزِّنَا فِيْ حَقِّهَا لِقَوْلِهِ تَعَالٰى (وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ) وَالِاسْتِثْنَاءُ اِنَّمَا يَكُوْنُ مِنْ الْجِنْسِ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ) نَصٌّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِيْنِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَ الشَّهَادَةُ الْمُؤَكَّدَةُ بِالْيَمِيْنِ، ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِيْ جَانِبِهِ بِاللَّعْنِ لَوْ كَانَ كَاذِبًا وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ وَفِيْ جَانِبِهَا بِالْغَضَبِ وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الزِّنَا، اِذَا ثَبَتَ هٰذَا نَقُوْلُ لَا بُدَّ اَنْ يَكُوْنَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ لِاَنَّ الرُّكْنَ فِيْهِ الشَّهَادَةُ وَلَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا لِاَنَّهُ قَائِمٌ فِيْ حَقِّهِ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِحْصَانِهَا، وَيَجِبُ بِنَفْيِ الْوَلَدِ لِاَنَّهُ لَمَّا نَفَى وَلَدَهَا صَارَ قَاذِفًا لَهَا ظَاهِرًا وَلَا يُعْتَبَرُ احْتِمَالُ اَنْ

يَكُونَ الْوَلَدُ مِنْ غَيْرِهِ بِالْوَطْءِ مِنْ شُبْهَةٍ، كَمَا إِذَا نَفَى أَجْنَبِيٌّ نَسَبَهُ عَنْ أَبِيهِ الْمَعْرُوفِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهِ. فَنَفْيُهُ عَنِ الْفِرَاشِ الصَّحِيحِ قَذْفٌ حَتّٰى يَظْهَرَ الْمُلْحَقُ بِهِ

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور دونوں میاں بیوی گواہی دینے کے اہل ہوں اور عورت بھی ایسی ہو' اگر کوئی شخص اس پر زنا کا جھوٹا الزام لگائے تو اس پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو' یا شوہر اس عورت کے بچے کے نسب کی نفی کر دے' اور عورت اس بات پر حد قذف ہونے کا مطالبہ کر دے' تو مرد پر لعان کرنا لازم ہو گا۔ اصل یہ ہے: ہمارے نزدیک لعان ایسی گواہی ہے' جس کو قسم کے ذریعے مؤکد کیا جاتا ہے اور جس کے ساتھ لعنت ملی ہوئی ہوتی ہے اور یہ حد قذف کے قائم مقام ہو گی۔ شوہر کے حق میں' اور عورت کے حق میں زنا کی حد کے قائم مقام ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور ان کے پاس گواہ کے طور پر صرف ان کی اپنی ذات ہو''۔ استثناء صرف جنس میں سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: ''تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی' اللہ تعالیٰ کے نام کی' چار گواہیوں کے برابر ہو گی''۔ یہ اس بات کی دلیل ہے: گواہی بھی ہو گی اور یمین (قسم) بھی ہو گی' تو ہم یہ کہیں گے: لعان کا رکن گواہی ہے' جسے قسم کے ذریعے مؤکد کیا گیا ہے' پھر مرد کی طرف میں' اس رکن کے ساتھ لعنت کو شامل کیا گیا ہے' اگر وہ جھوٹا ہو اور یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہو گی' اور عورت کی طرف میں غضب کو شامل کیا گیا ہے' جو حد زنا کے قائم مقام ہو گا۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی' تو ہم یہ کہیں گے: یہ بات ضروری ہے' دونوں میاں بیوی شہادت کے اہل ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے: اس کے بارے میں رکن شہادت ہے اور یہ بھی ضروری ہے' وہ عورت ایسی ہو کہ اس پر پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے والے پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو اس کی دلیل یہ ہے: یہ چیز مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہو گی' اس لئے عورت کا محصنہ ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی لازم ہے۔ بچے کی نفی کی گئی ہو' اس کی دلیل یہ ہے: جب مرد عورت کے بچے کی نفی کر دے گا' تو وہ اس پر زنا کا الزام لگانے والا شمار ہو گا' جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے اور یہاں یہ احتمال معتبر نہیں ہو گا' وہ بچہ کسی دوسرے کا ہو' اور شبہ کے نتیجے میں وطی کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو۔ یہ بالکل اسی طرح ہے: جیسے کوئی اجنبی اس کے باپ کے معروف نسب کا انکار کر دے' اس کی دلیل یہ ہے: نسب میں اصل یہی ہے: فراش صحیح ہو' اور فاسد فراش کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔ تو شوہر کا صحیح فراش کی نفی کرنا' تہمت (زنا کا الزام لگانے) کے مترادف ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے جسے (اس فراش صحیح) کے ساتھ ملایا گیا ہے۔

شرح

اس سلسلے میں ہلال بن امیہ کے مقدمے کی جو تفصیلات صحاح ستہ اور مسند احمد اور تفسیر ابن جریر میں ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے منقول ہوئی ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہلال اور ان کی بہو، دونوں عدالت

نبوی میں حاضر کیے گئے۔ حضور ﷺ نے پہلے حکم خداوندی سنایا۔ پھر فرمایا خوب سمجھ لو کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ ہلال نے عرض کیا میں نے اس پر بالکل صحیح الزام لگایا ہے۔ عورت نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اچھا، تو ان دونوں میں ملاعَنت کرائی جائے۔ چنانچہ پہلے بلال اٹھے اور انہوں نے حکم قرآنی کے مطابق قسمیں کھائی۔ نبی صلی اللہ الیہ وسلم اس دوران میں بار بار فرماتے رہے اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟

پانچویں قسم سے پہلے حاضرین نے ہلال سے کہا خدا سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ یہ پانچویں قسم تم پر عذاب واجب کر دے گی۔ مگر ہلال نے کہا جس خدا نے یہاں میری پیٹھ بچائی ہے وہ آخرت میں بھی مجھے عذاب نہیں دے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے پانچویں قسم بھی کھالی۔ پھر عورت اٹھی اور اس نے بھی قسمیں کھانی شروع کیں۔

پانچویں قسم سے پہلے اسے بھی روک کر کہا گیا کہ خدا سے ڈر، آخرت کے عذاب کی بہ نسبت دنیا کا عذاب برداشت کر لینا آسان ہے۔

یہ آخری قسم تجھ پر عذاب الٰہی کو واجب کر دے گی۔ یہ سن کر وہ کچھ دیر رکتی اور جھجکتی رہی۔ لوگوں نے سمجھا اعتراف کرنا چاہتی ہے مگر پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے قبیلے کو رسوا نہیں کروں گی اور پانچویں قسم بھی کھا گئی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور فیصلہ فرمایا کہ اس کا بچہ (جو اس وقت پیٹ میں تھا) ماں کی طرف منسوب ہو گا، باپ کا نہیں پکارا جائے گا، کسی کو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگانے کا حق نہ ہو گا، جو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگائے گا وہ حد قذف کا مستحق ہو گا، اور اس کو زمانہ عدت کے نفقے اور سکونت کا کوئی حق ہلال پر حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق یا وفات کے بغیر شوہر سے جدا کی جارہی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس کے ہاں جب بچہ ہو تو دیکھو، وہ کس پر گیا ہے۔ اگر اس اس شکل کا ہو تو ہلال کا ہے، اور اگر اس صورت کا ہو تو اس شخص کا ہے جس کے بارے میں اس پر الزام لگایا گیا ہے۔ وضع حمل کے بعد دیکھا گیا کہ وہ مؤخر الذکر صورت کا تھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کو لا الایمان (یا بہ روایت دیگر لو لا مضیٰ من کتاب اللہ) لکان لی ولھا شان، یعنی اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا خدا کی کتاب پہلے ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس عورت سے بری طرح پیش آتا۔

دور نبوی ﷺ میں طلاق ثلاثہ کا نفاذ

عویمر عجلانی کے مقدمے کی روداد سہل بن عد ساعدی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ملتی ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ عویمر اور ان کی بیوی، دونوں مسجد نبوی میں بلائے گئے۔ مُلاعنت سے پہلے حضور ﷺ نے ان کو بھی تنبیہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟ جب کسی نے توبہ نہ کی تو دونوں میں ملاعنت کرائی گئی۔ اس کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب اگر میں اس عورت کو رکھوں تو جھوٹا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے تین طلاقیں دے دیں بغیر اس کے کہ حضور ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہوتا۔ سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ان طلاقوں کو حضور ﷺ نے نافذ فرما دیا اور ان کے درمیان تفریق کرادی اور فرمایا کہ یہ تفریق ہے ہر ایسے جوڑے

کے معاملے میں جو باہم لعان کرے۔ اور سنت یہ قائم ہوگئی کہ لعان کرنے والے زوجین کو جدا کر دیا جائے، پھر وہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر ابن عمر صرف اتنا بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کرادی۔ سہل بن سعد یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عورت حاملہ تھی اور عویمر نے کہا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے۔ اس بنا پر بچہ ماں کی طرف منسوب کیا گیا اور سنت یہ جاری ہوئی کہ اس طرح کا بچہ ماں سے میراث پائے گا اور ماں ہی اس سے میراث پائے گی۔

ان دو مقدموں کے علاوہ متعدد روایات ہم کو کتب حدیث میں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ کن اشخاص کے مقدموں کی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض ان ہی دونوں مقدموں سے تعلق رکھتی ہوں، مگر بعض میں کچھ دوسرے مقدمات کا بھی ذکر ہے اور ان سے قانون لعان کے بعض اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ابن عمر ایک مقدمے کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زوجین جب لعان کر چکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی (بخاری، مسلم، نسائی، احمد، ابن جریر)۔ ابن عمر کی ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص اور اس کی بیوی کے میان لعان کرایا گیا۔ پھر اس نے حمل سے انکار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور فیصلہ فرمایا کہ بچہ صرف ماں کا ہوگا (صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل)

حضرت ابن عمر ہی کی ایک اور روایت ہے کہ ملاعنت کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا حساب اب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے ایک بہر حال جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے مرد سے فرمایا: لا سبيل لك عليها (یعنی اب یہ تیری نہیں رہی۔ نہ تو اس پر کوئی حق جتا سکتا ہے، نہ کسی قسم کی دست درازی یا دوسری انتقامی حرکت اس کے خلاف کرنے کا مجاز ہے)۔ مرد نے کہا یا رسول اللہ اور میرا مال (یعنی وہ مہر تو مجھے دلوایئے جو میں نے اسے دیا تھا)۔ فرمایا: لا مال لك، ان كنت صدقت عليها فهو بما استحلت من فوجها و ان كنت كذبت عليها فذاك ابعد و ابعد لك منها (یعنی مال واپس لینے کا تجھے کوئی حق نہیں ہے، اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو وہ مال اس لذت کا بدل ہے جو تو نے حلال کر کے اس سے اٹھائی، اور اگر تو نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو مال تجھ سے اور بھی زیادہ دور چلا گیا، وہ اس کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ دور ہے) (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

امام دار قطنی نے علی بن ابی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے: سنت یہ مقرر ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے زوجین پھر کبھی باہم جمع نہیں ہو سکتے (یعنی ان کا دوبارہ نکاح پھر کبھی نہیں ہوسکتا)۔ اور دار قطنی ہی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ یہ دونوں پھر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

حضرت قبیصہ بن ذؤیب کی روایت ہے کہ حضرت عمر کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کے حمل کو ناجائز قرار دیا، پھر اعتراف کر لیا کہ یہ حمل اس کا اپنا ہے، پھر وضع حمل کے بعد کہنے لگا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ معاملہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا۔ ؤ نے اس پر حد قذف جاری کی اور فیصلہ کیا کہ بچہ اسی کی طرف منسوب ہوگا (دار قطنی، بیہقی)

حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا میری ایک بیوی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے۔ مگر

اس کا حال یہ ہے کہ کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں جھٹکتی (واضح رہے کہ یہ کنایہ تھا جس کے معنی زنا کے بھی ہو سکتے ہیں اور زنا سے کم تر درجے کی اخلاقی کمزوری کے بھی)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دیدے۔ اس نے کہا مگر میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ فرمایا تو اسے رکھے رہ (یعنی آپ نے اس سے اس کنایے کی تشریح نہیں کرائی اور اس کے قول کو الزام زنا پر محمول کر کے لعان کا حکم نہیں دیا)۔ (سنن نسائی)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کیا میری بیوی نے کالا لڑکا جنا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ ہو میرا ہے (یعنی محض لڑکے کے رنگ نے اسے شبہ میں ڈالا تا ورنہ بیوی پر زنا کا الزام لگانے کے لیے اس کے پاس کوئی اور دلیل نہ تھی)۔ آپ نے پوچھا تیرے پاس کچھ اونٹ تو ہوں گے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے پوچھا ان کے رنگ کیا ہیں؟ کہنے لگا سرخ۔ آپ نے پوچھا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں، بعض ایسے بھی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ رنگ کہاں سے آیا؟ کہنے لگا شاید کوئی رگ کھینچ لے گئی (یعنی ان کے باپ دادا میں سے کوئی اس رنگ کا ہوگا اور اسی کا اثر ان میں آ گیا)۔ فرمایا شاید اس بچے کو بھی کوئی رگ کھینچ لے گئی اور آپ نے اسے نفی وَلد (بچے کے نسب سے انکار) کی اجازت نہ دی (بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لعان پر کلام کرتے ہوئے فرمایا جو عورت کسی خاندان میں ایسا بچہ گھسا لائے جو اس خاندان کا نہیں ہے (یعنی حرام کا پیٹ رکھوا کر شوہر کے سر منڈھ دے) اس کا اللہ سے کچھ واسطہ نہیں، اللہ اس کو جنت میں ہرگز داخل نہ کرے گا۔ اور جو مرد اپنے بچے کے نسب سے انکار کرے حالانکہ بچہ اس کو دیکھ رہا ہو، اللہ قیامت کے روز اس سے پردہ کرے گا اور اسے تمام اگلی پچھلی خلق کے سامنے رسوا کر دے گا (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

آیت لعان اور یہ روایات و نظائر اور شریعت کے اصول عامہ اسلام میں قانون لعان کے وہ مآخذ ہیں جن کی روشنی میں فقہاء نے لعان کا مفصل ضابطہ بنایا ہے۔ اس ضابطے کی اہم دفعات یہ ہیں۔

:(جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے اور لعان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کو طور حد جاری کرنے کا حق نہ تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے فعل پر کوئی مواخذہ ہوگا بہ شرط یہ کہ اس کی صداقت ثابت ہو جائے (یعنی یہ کہ فی الواقع اس نے زنا ہی کے ارتکاب پر یہ فعل کیا)۔ امام احمد اور اسحاق بن راہوَیہ کہتے ہیں کہ اسے اس امر کے دو گواہ لانے ہوں گے کہ قتل کا سبب یہی تھا۔

مالکیہ میں سے ابن القاسم اور ابن حبیب اس پر مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ زانی جسے قتل کیا گیا وہ شادی شدہ ہو، ورنہ کنوارے زانی کو قتل کرنے پر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ مگر جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قصاص سے صرف اس صورت میں معاف کیا جائے گا جب کہ وہ زنا کے چار گواہ پیش کرے، یا مقتول مرنے سے پہلے خود اس امر کا اعتراف کر چکا ہو کہ وہ اس کی بیوی سے زنا کر رہا تھا، اور مزید یہ کہ مقتول شادی شدہ ہو (نیل الاوطار، ج 6، ص 228)

لعان گھر بیٹھے آپس ہی میں نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے عدالت میں جانا ضروری ہے۔

لعان کے مطالبے کا حق صرف مرد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ عورت بھی عدالت میں اس کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ شوہر اس پر بدکاری کا الزام لگائے یا اس کے بچے کا نسب تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

لعان کا کنایہ واستعاریہ سے عدم ثبوت کا بیان

لعان محض کنایے اور استعارے یا اظہار شک وشبہ پر لازم نہیں آتا، بلکہ صرف اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ شوہر صریح طور پر زنا کا الزام عائد کرے یا صاف الفاظ میں بچے کو اپنا بچہ تسلیم کرنے سے نکار کر دے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور لیث بن سعد اس پر یہ مزید شرط بڑھاتے ہیں کہ قسم کھاتے وقت شوہر کو یہ کہنا چاہیے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے بیوی کو زنا میں مبتلا دیکھا ہے۔ لیکن یہ قید نے بنیاد ہے۔ اس کی کوئی اصل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔

لاعن کے قسم سے پہلوتہی کرنے میں مذاہب اربعہ

اگر الزام لگانے کے بعد شوہر قسم کھانے سے پہلوتہی کرے تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے گا اور جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے الزام کا جھوٹا ہونا نہ مان لے، اسے نہ چھوڑا جائے گا، اور جھوٹ مان لینے کی صورت میں اس کو حد قذف لگائی جائے گی۔ اس کے برعکس امام مالک علیہ الرحمہ، شافعی، حسن بن صالح اور لیث بن سعد کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے پہلوتہی کرنا خود ہی اقرار کذب ہے اس لیے حد قذف واجب آ جاتی ہے۔

اگر شوہر کے قسم کھا چکنے کے بعد عورت لعان سے پہلوتہی کرے تو حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ لعان نہ کرے، یا پھر زنا کا اقرار نہ کر لے۔ دوسری طرف مذکورہ بالا ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اسے رجم کر دیا جائے گا۔ ان کا استدلال قرآن کے اس ارشاد سے ہے کہ عورت سے عذاب صرف اس صورت میں دفع ہو گا جب کہ وہ بھی قسم کھا لے۔ اب چونکہ وہ قسم نہیں کھاتی اس لیے لامحالہ وہ عذاب کی مستحق ہے۔

اقرار سے ثبوت حد اور مودودی کی جعل سازی

لیکن اس دلیل میں کمزوری یہ ہے کہ قرآن یہاں عذاب کی نوعیت تجویز نہیں کرتا بلکہ مطلقاً سزا کا ذکر کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سزا سے مراد یہاں زنا ہی کی سزا ہو سکتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا کے لیے قرآن نے صاف الفاظ میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ اس شرط کو محض ایک شخص کی چار قسمیں پورا نہیں کر دیتیں۔ شوہر کی قسمیں اس بات کے لیے تو کافی ہیں کہ وہ خود قذف کی سزا سے بچ جانے اور عورت پر لعان کے احکام مترتب ہو سکیں، مگر اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ ان سے عورت پر زنا کا الزام ثابت ہو جائے۔ عورت کا جوابی قسمیں کھانے سے انکار شبہ ضرور پیدا کرتا ہے اور بڑا قوی شبہ پیدا کر دیتا ہے، لیکن شبہات پر حدود جاری نہیں کی جا سکتیں۔ اس معاملہ کو مرد کی حد قذف پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا قذف تو ثابت ہے، جبھی تو اس کو لعان پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس عورت پر زنا کا الزام ثابت نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے اپنے اقرار یا چار یعنی شہادتوں کے

بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ (نوٹ۔ اقرار سے ثبوت حد میں شرعی نصوص موجود ہیں اہل علم سے مخفی نہیں ہے)

لعان کے قانونی نتائج میں سے بعض متفق علیہ ہیں، اور بعض میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

متفق علیہ نتائج یہ ہیں: عورت اور مرد دونوں کسی سزا کے مستحق نہیں رہتے۔ مرد بچے کے نسب کا منکر ہو تو بچہ صرف ماں کا قرار پائے گا، نہ باپ کی طرف منسوب ہو گا نہ اس سے میراث پائے گا، ماں اس کی وارث ہو گی اور وہ ماں کا وارث ہو گا۔ عورت کو زانیہ اور اس کے بچے کو ولد الزنا کہنے کا کسی کو حق نہ ہو گا، خواہ لعان کے وقت اس کے حالات ایسے ہی کیوں نہ ہوں کہ لوگوں کو اس کے زانیہ ہونے میں شک نہ رہے۔ جو شخص لعان کے بعد اس پر یا اس کے بچے پر سابق الزام کا اعادہ کرے گا وہ حد کا مستحق ہو گا۔ عورت کا مہر ساقط نہ ہو گا۔ عورت دوران عدت میں مرد سے نفقہ اور مسکن پانے کی حق دار نہ ہو گی۔ عورت اس مرد کے لیے حرام ہو جائے گی۔

تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اختلاف دو مسئلوں میں ہے۔ ایک یہ کہ لعان کے بعد عورت اور مرد کی علیحدگی کیسے ہو گی؟ دوسرے یہ کہ لعان کی بنا پر علیحدہ ہو جانے کے بعد کیا ان دونوں کا پھر مل جانا ممکن ہے؟ پہلے مسئلے میں امام شافعی کہتے ہیں کہ جس وقت مرد لعان سے فارغ ہو جائے اسی وقت فرقت آپ سے آپ واقع ہو جاتی ہے خواہ عورت جوابی لعان کرے نہ کرے۔ امام مالک علیہ الرحمہ، لیث بن سعد اور زفر کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں جب لعان سے فارغ ہوں تب فرقت واقع ہوتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ لعان سے فرقت آپ ہی آپ واقع نہیں ہو جاتی بلکہ عدالت کے تفریق کرانے سے ہوتی ہے۔ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر، ورنہ حاکم عدالت ان کے درمیان تفریق کا اعلان کرے گا۔

دوسرے مسئلے میں امام مالک علیہ الرحمہ، ابو یوسف، زمر، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، شافعی، احمد بن حنبل اور حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ لعان سے جو زوجین جدا ہوئے ہوں وہ پھر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں، دوبارہ وہ باہم نکاح کرنا بھی چاہیں تو کسی حال میں نہیں کر سکتے۔ یہی دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی ہے۔

جبکہ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، شعبی، سعید بن جبیر، ابوحنیفہ اور محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر اپنا جھوٹ مان لے اور اس پر حد قذف جاری ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے کے لیے حرام کرنے والی چیز لعان ہے۔ جب تک وہ اس پر قائم رہیں، حرمت بھی قائم رہے گی۔ مگر جب شوہر اپنا جھوٹ مان کر سزا پا گیا تو لعان ختم ہو گیا اور حرمت بھی اٹھ گئی۔

میں عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے

وَيُشْتَرَطُ طَلَبُهَا لِاَنَّهُ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوقِ (فَإِنْ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ اَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ) لِاَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى

اِیفَائِہٖ فَیُحْبَسُ بِہٖ حَتّٰی یَاْتِیَ بِمَا ھُوَ عَلَیْہِ اَوْ یُکَذِّبَ نَفْسَہٗ لِیَرْتَفِعَ السَّبَبُ (وَلَوْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَیْھَا اللِّعَانُ) لِمَا تَلَوْنَا مِنَ النَّصِّ اِلَّا اَنَّہٗ یُبْتَدَاُ بِالزَّوْجِ لِاَنَّہٗ ھُوَ الْمُدَّعِیْ (فَاِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَھَا الْحَاکِمُ حَتّٰی تُلَاعِنَ اَوْ تُصَدِّقَہٗ) لِاَنَّہٗ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَیْھَا وَھِیَ قَادِرَۃٌ عَلٰی اِیفَائِہٖ فَتُحْبَسُ فِیْہِ.

ترجمہ

اور لعان کرنے کے لئے بیوی کا مطالبہ کرنا شرط ہے' کیونکہ لعان کروانا عورت کا حق ہے' تو دوسرے حقوق کی طرح اس میں بھی مطالبہ کرنا اور دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔ اگر عورت کے مطالبہ کرنے پر' شوہر لعان کرنے سے انکار کر دے' تو حاکم وقت اسے قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے گا یا پھر یہ اقرار کرے گا' میرا دعویٰ جھوٹا تھا' تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جاسکے۔ اس کی دلیل یہ ہے: لعان کرنا شوہر پر لازم اور ضروری ہے اور مرد کو اس بات کو پورا کرنے کی قدرت بھی حاصل ہے لہٰذا اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس حق کو پورا کرے یا پھر اپنی بات کی تکذیب کرے' تاکہ جس بنیاد پر یہ حق لازم ہوا تھا' اسے ختم کیا جاسکے۔ اگر شوہر لعان کرتا ہے' تو عورت پر بھی لعان کرنا لازم ہوگا' کیونکہ نص کا تقاضا یہی ہے' البتہ لعان کا آغاز مرد کرے گا' کیونکہ دعویٰ اسی نے کیا ہے۔ اگر عورت لعان سے انکار کر دیتی ہے' تو حاکم اسے قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے گی' یا پھر مرد کے دعوے کی تصدیق کر دے گی' کیونکہ لعان کرنا عورت پر لازم ہے اور یہ بھی اس کی ادائیگی پر قادر ہے تو (انکار پر) عورت کو قید کیا جائے گا۔

لعان کی شرائط کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ لعان کی درج ذیل شرائط ہیں۔ (۱) نکاح صحیح ہو۔ اگر اُس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تہمت لگائی تو لعان نہیں۔ (۲) زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں لہٰذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعان نہیں ہوسکتا اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کرلیا۔ یونہی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا زدلیل کے مرجانے کے بعد تو لعان نہیں اور اگر تہمت کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعان ساقط نہیں۔

(۳) دونوں آزاد ہوں۔ (۴) دونوں عاقل ہوں۔ (۵) دونوں بالغ ہوں۔ (۶) دونوں مسلمان ہوں۔ (۷) دونوں ناطق ہوں یعنی اُن میں کوئی گونگا نہ ہو۔ (۸) اُن میں کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (۹) مرد نے اپنے اِس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

(۱۰) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارسا کہتی ہو اصطلاح شرع میں پارسا اُس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوئی ہو نہ وہ اسکے ساتھ متہم ہو۔ لہٰذا طلاق بائن کی عدت میں اگر شوہر نے اُس سے وطی کی اگرچہ وہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عفیفہ نہیں۔ یونہی اگر نکاح فاسد کر کے اُس سے وطی کی تو عفت جاتی رہی یا عورت کی اولاد ہے جس

کے باپ کو یہاں کے لوگ نہ جانتے ہوں اگرچہ حقیقۃً وہ ولدالزنا3)) نہیں ہے یہ صورت متہم ہونے کی ہے اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو مثلاً حیض ونفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

(۱۱) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اُس کی جو اولاد اسکے نکاح میں پیدا ہوئی اُس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے اُس کو کہتا ہو کہ یہ اُس کا نہیں۔ (۱۲) دارالاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔ (۱۳) عورت قاضی کے پاس اُس کا مطالبہ کرے۔ (۱۴) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دو مرد گواہوں سے ثابت ہو۔ لعان کے وقت عورت کا کھڑا ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (عالم گیری، باب لعان، ۵، ص ۵۱۵، بیروت)

شوہر کے غلام' کافر یا محدود فی قذف ہونے کا حکم

(وَاِذَا کَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا اَوْ کَافِرًا اَوْ مَحْدُوْدًا فِیْ قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَاَتَہٗ فَعَلَیْہِ الْحَدُّ) لِاَنَّہٗ تَعَذَّرَ اللِّعَانُ لِمَعْنًی مِنْ جِھَتِہٖ فَیُصَارُ اِلَی الْمُوْجَبِ الْاَصْلِیِّ وَھُوَ الثَّابِتُ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی (وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ) الْاٰیَۃَ، وَاللِّعَانُ خَلَفٌ عَنْہُ.

ترجمہ

اور اگر کسی کا شوہر غلام ہو' یا اس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو' اور وہ اپنی بیوی پر الزام لگائے' تو اس مرد پر ہی حد قذف جاری ہوگی' کیونکہ شوہر میں ایک ایسا سبب پایا جاتا ہے' جو لعان کے لئے رکاوٹ ہے' تو وہ اصل سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ اس کا حکم اس نص سے ثابت ہے: جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں' اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہو' تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے' اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی''، تو لعان دراصل اسی سزا کا قائم مقام ہے۔

شرح

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (النور، ۴)

اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ اور وہی فاسق ہیں۔ (کنزالایمان)

اہل سنت کے معروف عالم صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

زنا کی شہادت کا نصاب چار گواہ ہیں۔

حدِ قذف مطالبہ پر مشروط ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے تو قاضی پر حد قائم کرنا لازم نہیں۔

مطالبہ کا حق اسی کو ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ زندہ ہو اور اگر مر گیا ہو تو اس کے بیٹے پوتے کو بھی ہے۔

غلام اپنے مولیٰ پر اور بیٹا باپ پر قذف یعنی اپنی ماں پر زنا کی تہمت لگانے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ قذف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ صراحۃً کسی کو یا زانی کہے یا یہ کہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے یا اس کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر پکارے اور ہو اس کی ماں پارسا تو ایسا شخص قاذِف ہو جائے گا اور اس پر تہمت کی حد آئے گی۔

اگر غیر محصن کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کسی غلام کو یا کافر کو یا ایسے شخص کو جس کا کبھی زنا کرنا ثابت ہو تو اس پر حدِ قذف قائم نہ ہوگی بلکہ اس پر تعزیر واجب ہوگی اور یہ تعزیر تین سے انتالیس تک حسب تجویزِ حاکمِ شرع کوڑے لگانا ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے زنا کے سوا اور کسی فجور کی تہمت لگائی اور پارسا مسلمان کو اے فاسق، اے کافر، اے خبیث، اے چور، اے بدکار، اے مخنث، اے بددیانت، اے لوطی، اے زندیق، اے دیوّث، اے شرابی، اے سودخوار، اے بدکار عورت کے بچے، اے حرام زادے، اس قسم کے الفاظ کہے تو بھی اس پر تعزیر واجب ہوگی۔

امام یعنی حاکمِ شرع کو اور اس شخص کو جسے تہمت لگائی گئی ہو ثبوت سے قبل معاف کرنے کا حق ہے۔ اگر تہمت لگانے والا آزاد نہ ہو بلکہ غلام ہو تو اس کے چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ تہمت لگانے کے جرم میں جس کو حد لگائی گئی ہو اس کی گواہی کسی معاملہ میں معتبر نہیں چاہے وہ توبہ کرے لیکن رمضان کا چاند دیکھنے کے باب میں توبہ کرنے اور عادل ہونے کی صورت میں اس کا قول قبول کرلیا جائے گا کیونکہ یہ درحقیقت شہادت نہیں ہے اسی لئے اس میں لفظِ شہادت اور نصابِ شہادت بھی شرط نہیں۔

(خزائن العرفان)

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت پر شوہر نے تہمت لگائی اور اب لعان سے انکار کرتا ہے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا کہے میں نے جھوٹ کہا تھا اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اُس پر حد قذف قائم کریں اور شوہر نے لعان کے الفاظ ادا کرلیے تو ضرور ہے کہ عورت بھی ادا کرے ورنہ قید کی جائیگی یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اور اب لعان نہیں ہوسکتا نہ آئندہ تہمت لگانے سے شوہر پر حد قذف قائم ہوگی مگر عورت پر تصدیق شوہر کی دلیل سے حد زنا بھی قائم نہ ہوگی جبکہ فقط اتنا کہا ہو کہ وہ سچا ہے اور اگر اپنے زنا کا اقرار کیا تو بشرائطِ اقرار زنا حد زنا قائم ہوگی۔

اور جب شوہر کے نا قابل شہادت ہونے کی دلیل سے اگر لعان ساقط ہو مثلاً غلام ہے یا کافر یا اُس پر حد قذف لگائی جاچکی ہے تو حد قذف قائم کی جائے بشرطیکہ عاقل بالغ ہو۔ اور اگر لعان کا ساقط ہونا عورت کی جانب سے ہے کہ وہ اس قابل نہیں مثلاً کافرہ ہے یا باندی یا محدودہ فی القذف یا وہ ایسی ہے کہ اُس پر تہمت لگانے والے کے لیے حد قذف نہ ہو یعنی عفیفہ نہ ہو تو شوہر پر حد قذف نہیں بلکہ تعزیر ہے مگر جبکہ عفیفہ نہ ہو اور علانیہ زنا کرتی ہو تو تعزیر بھی نہیں اور اگر دونوں محدود فی القذف ہوں تو شوہر پر حد قذف ہے۔

(ردمحتار، کتاب طلاق، باب لعان)

بیوی کے کنیز، کافر، محدودہ فی قذف ہونے کا حکم

(وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ اَمَةٌ اَوْ كَافِرَةٌ اَوْ مَحْدُودَةٌ فِيْ قَذْفٍ اَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا) بِاَنْ كَانَتْ صَبِيَّةً اَوْ مَجْنُونَةً اَوْ زَانِيَةً (فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ) لِانْعِدَامِ اَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَعَدَمِ الْاِحْصَانِ فِيْ جَانِبِهَا وَامْتِنَاعِ اللِّعَانِ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا اِذَا صَدَّقَتْهُ، وَالْاَصْلُ فِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اَرْبَعَةٌ لَّا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَزْوَاجِهِمْ: اَلْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ، وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ، وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ(۱)) وَلَوْ كَانَا مَحْدُوْدَيْنِ فِيْ قَذْفٍ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ لِاَنَّ امْتِنَاعَ اللِّعَانِ بِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهٖ اِذْ هُوَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِهٖ

ترجمہ

اگر شوہر گواہی دینے کا اہل ہو مگر اس کی بیوی کنیز ہو یا کافر ہو یا اس پر حد قذف جاری ہوچکی ہو یا وہ ان عورتوں میں سے ہو جن پر الزام لگانے پر سزا نہیں دی جاتی جیسے وہ نابالغ ہو پاگل ہو یا فاحشہ عورت ہو تو عورت پر نہ حد جاری ہوگی نہ لعان کرنا لازم ہوگا کیونکہ عورت شہادت کی اہلیت نہیں رکھتی ہے کیونکہ وہ محصنہ نہیں ہے تو اب چونکہ لعان میں رکاوٹ عورت کی طرف سے ہے اس لئے مرد سے حد ساقط ہوجائے گی۔ جیسے اس وقت ساقط ہوجاتی جب عورت مرد کی بات کی تصدیق کردیتی۔ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "چار آدمی ایسے ہیں جن کے بیویوں اور ان کے درمیان لعان نہیں ہوسکتا (بیوی) یہودی ہو یا عیسائی ہو (اور اس کا شوہر) مسلمان ہو (بیوی) کنیز ہو جس کا شوہر آزاد شخص ہو (بیوی) آزاد عورت ہو (جس کا شوہر غلام ہو) اگر میاں بیوی دونوں پر پہلے حد قذف جاری ہوچکی ہو تو مرد پر حد لازم آئے گی کیونکہ یہاں لعان میں رکاوٹ اس مرد کی دلیل سے آئے گی۔ کیونکہ وہی لعان کرنے کا اہل نہیں ہے۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان لعان نہیں ہوتا ایک تو وہ نصرانیہ عورت یعنی عیسائی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ یعنی یہودی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو (ابن ماجہ)

(۱) أخرجه ابن ماجه في "سننه" برقم (۲۰۷۱)۔ والدارقطني في "سننه" ۳/۱٦۳ من طريق عمرو بن شعيب عن جده مرفوعاً و موقوفاً۔ ودون عمرو من لا يعتمد عليه۔ ورجح الدارقطني الموقوف۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی عورت کسی مسلمان کی نکاح میں ہو اور اس کا خاوند اس پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ اس کی تردید کرے تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان لعان نہیں کرایا جائے گا اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو اس کے درمیان بھی لعان نہیں ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لعان دراصل شہادت و گواہی ہے اس لئے لعان کی صورت میں مرد و عورت دونوں کا اہل شہادت کہ جن کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہوتی ہے ہونا ضروری ہے جب کہ مملوک یعنی غلام و لونڈی اور کافر اہل شہادت نہیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں ان کی شہادت و گواہی شرعی طور پر معتبر نہیں ہے، لہٰذا ان کے درمیان لعان کی کوئی صورت نہیں۔

محدود قذف ہونے والے کی شہادت میں مذاہب اربعہ

جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں۔ تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے، ہاں اگر شہادت پیش کر دیں تو حد سے بچ جائیں گے اور جن پر جرم ثابت ہوا ہے ان پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر شہادت نہ پیش کر سکے تو اسی کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ کیلئے ہمیشہ اُن کی شہادت غیر مقبول رہے گی اور وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے۔ اس آیت میں جن لوگوں کو مخصوص اور مستثنیٰ کر دیا ہے تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ استثنا صرف فاسق ہونے سے ہے یعنی بعد از توبہ وہ فاسق نہیں رہیں گے۔ بعض کہتے ہیں نہ فاسق رہیں گے نہ مردود الشہادۃ بلکہ پھر ان کی شہادت بھی لی جائے گی۔ ہاں حد جو ہے وہ توبہ سے کسی طرح ہٹ نہیں سکتی۔

امام مالک، احمد اور شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ توبہ سے شہادت کا مردود ہونا اور فسق ہٹ جائے گا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے،

لیکن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف فسق دور ہو جائے گا لیکن شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ بعض اور لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ اسے بہتان باندھا تھا اور پھر توبہ بھی پوری کی تو اس کی شہادت اس کے بعد مقبول ہے۔ واللہ اعلم۔

شرائط لعان شوافع واحناف کا اختلاف

کیا لعان ہر زوج اور زدلیل کے درمیان ہو سکتا ہے یا اس کے لیے دونوں میں کچھ شرائط ہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جس کی قسم قانونی حیثیت سے معتبر ہو اور جس کو طلاق دینے کا اختیار ہو وہ لعان کر سکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صرف عاقل اور بالغ ہونا اہلیت لعان کے لیے کافی ہے خواہ زوجین مسلم ہوں یا کافر، غلام ہوں یا آزاد، مقبول الشہادت ہوں یا نہ ہوں، اور مسلم شوہر کی بیوی مسلمان ہو یا ذمی۔ قریب قریب یہی دلیل امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد کی بھی ہے۔

مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ لعان صرف ایسے آزاد مسلمان زوجین ہی میں ہو سکتا ہے جو قذف کے جرم میں سزا یافتہ نہ ہوں۔ اگر عورت اور مرد دونوں کافر ہوں، یا غلام ہوں، یا قذف کے جرم میں پہلے کے سزا یافتہ ہوں تو ان کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا۔ مزید براں اگر عورت کبھی اس سے پہلے حرام یا مشتبہ طریقے پر کسی مرد سے ملوث ہو چکی ہو تب بھی لعان درست نہ ہوگا۔ یہ شرطیں حنفیہ نے اس بنا پر لگائی ہیں کہ ان کے نزدیک لعان کے قانون اور قذف کے قانون میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ غیر آدمی اگر قذف کا مرتکب ہو تو اس کے لیے حد ہے اور شوہر اس کا ارتکاب کرے تو وہ لعان کر کے چھوٹ سکتا ہے۔ باقی تمام حیثیتوں سے لعان اور قذف ایک ہی چیز ہے۔

علاوہ بریں حنفیہ کے نزدیک چونکہ لعان کی قومیں شہادت کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے وہ کسی ایسے شخص کو اس کی اجازت نہیں دیتے جو شہادت کا اہل نہ ہو۔

لعان کرنے کے طریقے کا بیان

(وَصِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّبْتَدِءَ الْقَاضِىْ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّىْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهِ مِنَ الزِّنَا، وَيَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهِ مِنَ الزِّنَا .يُشِيْرُ اِلَيْهَا فِىْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْاَةُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ تَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهِ مِنَ الزِّنَا .وَتَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهِ مِنَ الزِّنَا) وَالْاَصْلُ فِىْ مَا تَلَوْنَاهُ مِنَ النَّصِّ .وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ يَاْتِىْ بِلَفْظَةِ الْمُوَاجَهَةِ يَقُوْلُ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهِ مِنَ الزِّنَا لِاَنَّهُ اَقْطَعُ لِلْاِحْتِمَالِ .وَجْهُ مَا ذُكِرَ فِى الْكِتَابِ اَنَّ لَفْظَةَ الْمُغَايَبَةِ اِذَا انْضَمَّتْ اِلَيْهَا الْاِشَارَةُ انْقَطَعَ الْاِحْتِمَالُ .

ترجمہ

اور لعان کا طریقہ یہ ہے: قاضی شوہر سے آغاز کرے گا شوہر چار بار قسم اٹھائے گا' اور ہر بار یہ لفظ کہے گا۔ ''میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھا کر یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت پر زنا کا الزام لگایا ہے میں اس بارے میں سچا ہوں' اور پانچویں مرتبہ وہ یہ کہے گا: اگر میں اس پر الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو''۔ پانچوں مرتبہ مرد عورت کی طرف اشارہ کر کے یہ

کہے گا۔شوہر کی طرح بیوی بھی چار بار گواہی دے گی اور ہر بار یہی کہے گی۔ ''میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ اس مرد نے مجھ پر جو الزام لگایا ہے وہ جھوٹا ہے''۔ پانچویں مرتبہ وہ یہ الفاظ استعمال کرے گی۔ ''اگر اس نے یہ الزام سچا لگایا ہے' تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو''۔اس بارے میں مذکورہ آیت اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔امام حسن (بن زیاد) نے امام ابوحنیفہ سے یہ بات روایت کی ہے: لعان کی گواہی میں شوہر مخاطب کے صیغے کو استعمال کرے گا' یعنی یہ کہے گا: ''میں نے تم پر جو زنا کا الزام لگایا ہے'' اس کی دلیل یہ ہے: اس میں دوسرا احتمال ختم ہو جاتا ہے' کتاب میں جو بات ذکر کی گئی ہے' غائب کے صیغے کے ساتھ اشارہ بھی موجود ہو' تو احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ان خاوندوں کیلئے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں چھٹکارے کی صورت بیان فرمائی ہے کہ جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو لعان کر لیں۔اس کی صورت یہ ہے کہ امام کے سامنے آ کر وہ اپنا بیان دے جب شہادت نہ پیش کر سکے تو حاکم اسے چار گواہوں کے قائم مقام چار قسمیں دے گا اور یہ قسم کھا کر کہے گا کہ وہ سچا ہے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ پانچویں دفعہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔

اتنا کہتے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی عورت اس سے بائن ہو جائے گی اور ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔ یہ مہر ادا کر دے گا اور اس عورت پر زنا ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت بھی سامنے ملاعنہ کرے تو حد اس پر سے ہٹ جائے گی۔ یہ بھی چار مرتبہ حلفیہ بیان دے گی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے۔

اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔اس نکتہ کو بھی خیال میں رکھئے کہ عورت کیلئے غضب کا لفظ کہا گیا اس لئے کہ عموماً کوئی مرد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کو خواہ مخواہ تہمت لگائے اور اپنے آپ کو بلکہ اپنے کنبے کو بھی بدنام کرے عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور اپنے صدق کی بنا پر ہی وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے۔

اس لئے پانچویں مرتبہ میں اس سے یہ کہلوایا گیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب آئے۔ پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو ایسی آسانیاں تم پر نہ ہوتیں بلکہ تم پر مشقت اترتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے گو کیسے ہی گناہ ہوں اور گو کسی وقت بھی توبہ ہو وہ حکیم ہے، اپنی شرع میں، اپنے حکموں میں، اپنی ممانعت میں "اس آیت کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بھی سن لیجئے۔ "مسند احمد میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار کے سردار ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار یو سنتے نہیں ہو؟ یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم آپ درگزر فرمایئے یہ صرف ان کی بڑھی چڑھی غیرت کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی بیٹی دینے کی جرأت نہیں کرتا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے لیکن اگر میں کسی کو اس کے پاؤں پکڑے ہوئے دیکھ لوں تو بھی میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ میں چار گواہ لاؤں تب تک تو وہ اپنا کام پورا کر لے گا۔اس بات کو ذرا سی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے یہ ان تین شخصوں میں سے ایک غیر مرد ہے خود آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا آپ کو بہت برا معلوم ہوا اور طبیعت پر نہایت ہی شاق گزرا۔سب انصار جمع ہو گئے اور کہنے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی دلیل سے ہم اس آفت میں مبتلا کئے گئے مگر اس صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ کو تہمت کی حد لگائیں اور اس کی شہادت کو مردود ٹھہرائیں۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے واللہ میں سچا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا چھٹکارا کر دے گا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ میرا کلام آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ کی قسم ہے میں سچا ہوں، اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تھے قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حد مارنے کو فرماتے اتنے میں وحی اترنا شروع ہوئی۔ صحابہ آپ کے چہرے کو دیکھ کر علامت سے پہچان گئے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا، اے ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹی نازل فرما دی۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے الحمد للہ مجھے اللہ رحیم کی ذات سے یہی امید تھی۔ پھر آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بلوایا اور ان دونوں کے سامنے آیت ملاعنہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا دیکھو آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالکل سچا ہوں۔ اس عورت نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جھوٹ کہہ رہا ہے آپ نے حکم دیا کہ اچھا لعان کرو۔ تو ہلال کو کہا گیا کہ اس طرح چار قسمیں کھاؤ اور پانچویں دفعہ یوں کہو۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب چار بار کہہ چکے اور پانچویں بار کی نوبت آئی تو آپ سے کہا گیا کہ ہلال اللہ سے ڈر جا۔ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں سے بہت ہلکی ہے یہ پانچویں بار تیری زبان سے نکلتے ہی تجھ پر عذاب واجب ہو جائے گا تو آپ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اللہ کی جس طرح اللہ نے مجھے دنیا کی سزا سے میری صداقت کی دلیل سے بچایا، اسی طرح آخرت کے عذاب سے بھی میری سچائی کی دلیل سے میرا رب مجھے محفوظ رکھے گا۔

پھر پانچویں دفعہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیئے۔ اب اس عورت سے کہا گیا کہ تو چار دفعہ قسمیں کھا کہ یہ جھوٹا ہے۔ جب وہ چاروں قسمیں کھا چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پانچویں دفعہ کے اس کلمہ کے کہنے سے روکا اور جس طرح حضرت

ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھایا گیا تھا اس سے بھی فرمایا تو اسے کچھ خیال پیدا ہو گیا۔ رکی، جھجکی، زبان کو سنبھالا، قریب تھا کہ اپنے قصور کا اقرار کر لے لیکن پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنے کی۔ پھر کہہ دیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں جدائی کرا دی اور حکم دیدیا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ نہ اسے حرام کی اولاد کہا جائے۔ جو اس بچے کو حرامی کہے یا اس عورت پر تہمت رکھے، وہ حد لگایا جائے گا، یہ بھی فیصلہ دیا کہ اس کا کوئی نان نفقہ اس کے خاوند پر نہیں کیونکہ جدائی کر دی گئی ہے۔ نہ طلاق ہوئی ہے نہ خاوند کا انتقال ہوا ہے اور فرمایا دیکھو اگر یہ بچہ سرخ سفید رنگ موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو اسے ہلال کا سمجھنا اور اگر وہ پتلی پنڈلیوں والا سیاہی مائل رنگ کا پیدا ہو تو اس شخص کا سمجھنا جس کے ساتھ اس پر الزام قائم کیا گیا ہے۔ جب بچہ ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس بری صفت پر تھا جو الزام کی حقانیت کی نشانی تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قسموں پر طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت کو قطعاً حد لگاتا۔ یہ صاحبزادے بڑے ہو کر مصر کے والی بنے اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف تھی۔ (ابوداؤد)

اس حدیث کے اور بھی بہت سے شاہد ہیں۔ بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ شریک بن عماء کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اپنی بیوی کو برے کام پر دیکھ کر گواہ ڈھونڈنے جائے؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی توبہ کر کے اپنے جھوٹ سے ہٹتا ہے؟ اور روایت میں ہے کہ پانچویں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کہا کہ اس کا منہ بند کر دو پھر اسے نصیحت کی۔ اور فرمایا اللہ کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اسی طرح اس عورت کے ساتھ کیا گیا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے مرد و عورت کی نسبت مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرا دی جائے؟ یہ واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کے زمانہ کا۔ مجھ سے تو اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا تو میں اپنے مکان سے چل کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل پر آیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ سب سے پہلے یہ بات فلاں بن فلاں نے دریافت کی تھی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنی عورت کو کسی برے کام پر پائے تو اگر زبان سے نکالے تو بھی بڑی بیشرمی کی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی کی خاموشی ہے۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ پھر وہ آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو سوال جناب سے کیا تھا افسوس وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پاس بلا کر ایک ایک کو الگ الگ نصیحت کی۔ بہت کچھ سمجھایا لیکن ہر ایک نے اپنا سچا ہونا ظاہر کیا پھر دونوں نے آیت کے مطابق قسمیں کھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں جدائی کرا دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کا ایک مجمع شام کے وقت جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک

انصاری نے کہا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پائے تو اگر وہ اسے مار ڈالے تو تم اسے مار ڈالو گے اور اگر زبان سے نکالے گا تو تم شہادت موجود نہ ہونے کی دلیل سے اسی کو کوڑے لگاؤ گے اور اگر یہ اندھیر دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھا رہے تو یہ بڑی بے غیرتی اور بڑی بیحیائی ہے۔ واللہ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت دریافت کروں گا۔ چنانچہ اس نے انہی لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور دعا کی کہ یا اللہ اس کا فیصلہ نازل فرما۔ پس آیت لعان اتری اور سب سے پہلے یہی شخص اس میں مبتلا ہوا۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمر نے حضرت عاصم بن عدی سے کہا کہ ذرا جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت تو کرو کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا کرے؟ ایسا تو نہیں کہ وہ قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے بہت ناراض ہوئے۔ جب عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم سے ملے تو پوچھا کہ کہو تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا؟ اور آپ نے کیا جواب دیا؟ عاصم نے کہا تم نے مجھ سے کوئی اچھی خدمت نہیں لی افسوس میرے اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیب پکڑا اور برا مانا۔ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب اگر میں اسے اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت باندھی تھی۔ پس آپ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو جدا کر دیا۔ پھر تو لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت حاملہ تھی اور ان کے خاوند نے اس سے انکار کیا کہ یہ حمل ان سے ہوا۔ اس لئے یہ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتا رہا پھر مسنون طریقہ یوں جاری ہوا کہ یہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارث ہوگی۔ ایک مرسل اور غریب حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر تمہارے ہاں ایسی واردات ہو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے کہا گردن اڑا دیں گے۔ ایسے وقت چشم پوشی وہی کر سکتے ہیں جو دیوث ہوں، اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان مسلمانوں میں ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، نور ۷)

لعان کے بعد تفریق کا بیان

قَالَ (وَاِذَا الْتَعَنَا لَا تَقَعُ الْفُرْقَةُ حَتّٰى يُفَرِّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا) وَقَالَ زُفَرُ: تَقَعُ بِتَلَاعُنِهِمَا لِاَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ الْمُؤَبَّدَةُ بِالْحَدِيْثِ. (۱) وَلَنَا اَنَّ ثُبُوْتَ الْحُرْمَةِ يُفَوِّتُ الْاِمْسَاكَ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَلْزَمُهُ التَّسْرِيْحُ بِالْاِحْسَانِ، فَاِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ، دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ ذٰلِكَ الْمُلَاعِنِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا، هِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا (۲)، قَالَهُ بَعْدَ اللِّعَانِ (وَتَكُوْنُ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ) رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لِاَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيْ انْتَسَبَ اِلَيْهِ كَمَا فِي الْعِنِّيْنِ

(وَهُوَ خَاطِبٌ اِذَا اَكْذَبَ نَفْسَهُ) عِنْدَهُمَا .

وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ :هُوَ تَحْرِيمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اَلْمُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا(۳)) نَصَّ عَلَى التَّابِيدِ .وَلَهُمَا اَنَّ الْاِكْذَابَ رُجُوعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوعِ لَا حُكْمَ لَهَا، لَا يَجْتَمِعَانِ مَا دَامَا مُتَلَاعِنَيْنِ، وَلَمْ يَبْقَ التَّلَاعُنُ وَلَا حُكْمُهُ بَعْدَ الْاِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ .

(۱) كأنه يشير الى الحديث الآتى: "المتلاعنان لا يجتمعان"(۲) أخرجه البخارى فى "صحيحه" ۴۴۹/۸ برقم (۴۷۴۵) و فى ۴۴۶/۹ برقم (۵۳۰۸)۔ و مسلم فى "صحيحه" ۱۱۲۹/۲۔۱۱۳۴ برقم (۱۴۹۲) عن سهل بن سعد الساعدى رضى الله عنه۔

(۳) أخرجه الدارقطنى فى "سننه" ۴۰۶/۲ باسناد جيد بلفظ: "المتلاعنان اذا تفرقا لا يجتمعان أبدا" من حديث ابن عمر، و أخرجه أبو داود فى "سننه" برقم (۲۲۵۰) من حديث سهل انظر "نصب الراية" ۲۵۰/۳۔۳۵۱ و "الدراية" ۷۶/۳۔

ترجمہ

جب دونوں لعان کرلیں گے تو ان کے درمیان علیحدگی واقع نہیں ہوگی جب تک قاضی ان دونوں کے درمیان علیحدگی نہیں کروا دیتا۔ امام زفر فرماتے ہیں: ان دونوں کے درمیان لعان کرنے کی دلیل سے علیحدگی واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے: حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ دائمی حرمت ثابت ہوگئی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: لعان کے نتیجے میں جو حرمت ثابت ہوتی ہے امساک بالمعروف کا مقصد فوت ہونے سے ہے اس لئے شوہر کے لئے یہ بات لازم ہوگی کہ اس عورت کو احسان کے ساتھ رخصت کرے لیکن جب شوہر اس بات سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا تاکہ ظلم اور زیادتی کا ازالہ کیا جاسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لعان کرنے والے صاحب کا قول بھی اسی بات کی دلالت کرتا ہے جنہوں نے یہ کہا تھا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اسے اب بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوں تو اس کا مطلب ہے میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو اسے تین طلاقیں ہیں" انہوں نے یہ بات لعان کرنے کے بعد کہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان یہ علیحدگی ایک بائنہ طلاق شمار ہوگی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: قاضی کا یہ عمل شوہر کی طرف منسوب ہوگا جیسا کہ عنین کی صورت میں ہوتا ہے۔

اگر لعان کرنے والا شخص لعان کے بعد اپنی بات کی تکذیب کردے تو وہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے دائمی طور پر حرام ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "لعان کرنے والے کبھی اکٹھے نہیں ہوسکتے"۔ یہ ابدی حرمت پر نص ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے: تکذیب کرنا رجوع شمار ہوگا تو جس گواہی کے بعد رجوع آجائے اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا میاں بیوی اس وقت تک اکٹھے نہیں

ہوسکتے جب تک لعان کا حکم باقی رہتا لیکن جب لعان باقی نہیں رہا اور اس کا حکم بھی باقی نہیں رہا (مرد کے اپنی ذات کی) تکذیب کرنے کے بعد تو وہ دونوں اکٹھے ہوسکتے ہیں۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ اس لعان کی دلیل سے وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہوگیا یعنی بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور بچہ کو عورت کے حوالے کردیا (بخاری مسلم)

اور حضرت ابن عمر کی ایک روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے۔

تفریق کرادی کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق جدائی حاکم وقاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے نہ کہ محض لعان سے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس لعان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا ہے کہ حضرت عویمر نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد حد یعنی شرعی سزا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو) زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائیگی یعنی اس کو ایک پاکدامن عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کردیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہوسکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگادی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہوگیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعۃً عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کردی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف واقرار نہیں کرتی بلکہ ملاعنت پر تیار ہو جاتی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب یعنی یہاں کی سزا کہیں آسان اور سہل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو سچ بات ہو اس کا اعتراف واقرار کرلو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کرکے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

لعان کے حکم کا فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اُس عورت سے وطی حرام ہے مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوئی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسلام تفریق کر دیگا اور اب مطلقہ بائن ہوگئی لہٰذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو طلاق دے سکتا ہے ایلا و ظہار کر سکتا ہے دونوں میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اُسکا ترکہ پائیگا اور لعان کے بعد اگر وہ دونوں علیحدہ ہونا نہ چاہیں جب بھی تفریق کردی جائیگی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کرائی تو شوہر کے الفاظ لعان کہنے کے بعد عورت سے پھر کہلوائے اور دوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کردی تو ہوگئی۔لعان ہو جانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہوگیا یا معزول ہوگیا اور دوسرا اُس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کرلیل۔(جوہرہ نیرہ، باب لعان)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تین تین بار دونوں نے الفاظ لعان کہے تھے یعنی ابھی پورا لعان نہ ہوا تھا کہ قاضی نے غلطی سے تفریق کردی تو تفریق ہوگئی مگر ایسا کرنا خلاف سنت ہے اور اگر ایک ایک یا دو دو بار کہنے کے بعد تفریق کی تو تفریق نہ ہوئی اور اگر صرف شوہر نے الفاظ لعان ادا کیے عورت نے نہیں اور قاضی غیر حنفی نے (جس کا یہ مذہب ہو کہ صرف شوہر کے لعان سے تفریق ہو جاتی ہے) تفریق کردی تو جدائی ہوگئی اور قاضی حنفی ایسا کریگا تو اُس کی قضا نافذ نہ ہوگی کہ یہ اُس کے مذہب کے خلاف ہے اور خلاف مذہب حکم کرنے کا اُسے حق نہیں۔(درمختار، ج ۵، ص ۱۶۰، بیروت)

بچے کی نفی کی صورت میں لعان کا طریقہ

(وَلَوْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِيْ نَسَبَهُ وَاَلْحَقَهُ بِاُمِّهِ) وَصُورَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّاْمُرَ الْحَاكِمُ الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ :اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّىْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهِ مِنْ نَفْيِ الْوَلَدِ، وَكَذَا فِيْ جَانِبِ الْمَرْاَةِ (وَلَوْ قَذَفَهَا بِالزِّنَا وَنَفَى الْوَلَدَ ذَكَرَ فِي اللِّعَانِ الْاَمْرَيْنِ ثُمَّ يَنْفِي الْقَاضِيْ نَسَبَ الْوَلَدِ وَيُلْحِقُهُ بِاُمِّهِ) لِمَا رُوِيَ (اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَفَى وَلَدَ امْرَاَةِ هِلَالِ بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ هِلَالٍ وَاَلْحَقَهُ بِهَا(۱)) وَلِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذَا اللِّعَانِ نَفْيُ الْوَلَدِ فَيُوَفَّرُ عَلَيْهِ مَقْصُوْدُهُ، فَيَتَضَمَّنُهُ الْقَضَاءُ بِالتَّفْرِيْقِ.وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْقَاضِيْ يُفَرِّقُ وَيَقُوْلُ :قَدْ اَلْزَمْته اُمَّهُ وَاَخْرَجْته مِنْ نَسَبِ الْاَبِ لِاَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِهِ (فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَاَكْذَبَ نَفْسَهُ حَدَّهُ الْقَاضِيْ) لِاِقْرَارِهِ بِوُجُوْبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ (وَحَلَّ لَهُ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا) وَهٰذَا عِنْدَهُمَا لِاَنَّهُ لَمَّا حُدَّ لَمْ يَبْقَ اَهْلًا لِلِّعَانِ فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ

الْمَنُوْطُ بِهِ وَهُوَ التَّحْرِيْمُ (وَكَذٰلِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهِ) لِمَا بَيَّنَّا (وَكَذَا اِذَا زَنَتْ فَحُدَّتْ) لِانْتِفَاءِ اَهْلِيَّةِ اللِّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا

ترجمہ

اور اگر زنا کا یہ الزام' بچے کے نسب کی نفی کی صورت میں ہو' تو قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کردے گا' اور اسے اس کی ماں کے ساتھ شامل کردے گا۔لعان کی صورت یہ ہوگی: حاکم مرد سے یہ کہے گا: وہ یہ کہے: میں اللہ تعالیٰ کے نام (کی قسم اٹھا کر) اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔کہ میں سچا ہوں جو میں نے بیوی پر یہ الزام لگایا ہے جس میں بچے کے نسب کی نفی کی ہے۔اسی طرح عورت کی طرف سے بھی یہی بات کی جائے گی۔اگر مرد عورت پر زنا کا الزام لگائے اور بچے کی نفی بھی کردے' تو وہ لعان میں ان دونوں کا ذکر کرے گا' اور قاضی بچے کے نسب کی نفی کر کے اسے ماں کے ساتھ شامل کردے گا اس کی دلیل یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات منقول ہے: آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کی' ہلال سے نسبت کی نفی کردی تھی اور اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کردیا تھا۔نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: لعان کا اصل مقصد یہ ہے: بچے کے نسب کی نفی کی جائے' تاکہ شوہر کا مقصد پورا ہو سکے تو نسب کی نفی کے لئے قاضی کا اتنا کہنا کافی ہوگا' میں نے دونوں کے درمیان لعان کی تفریق کردی۔امام ابویوسف سے یہ روایت منسوب ہے: قاضی علیحدہ طور پر ذکر کرے گا' اور یہ کہے گا: میں اسے ماں کے ساتھ ملا رہا ہوں' میں اسے باپ کے نسب سے نکال رہا ہوں' اس کی دلیل یہ ہے: اس کو باپ کے نسب سے علیحدہ کرنا ضروری ہے' تو اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا۔اگر شوہر رجوع کرے اور اپنی بات کی تکذیب کردے' تو قاضی اس پر حد جاری کرے گا' کیونکہ اس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جس کے نتیجے میں حد واجب ہو جاتی ہے۔مرد کے لئے یہ بات جائز ہوگی کہ وہ اسی عورت کے ساتھ شادی کرلے' یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے: جب اس پر حد جاری ہوگئی' تو وہ لعان کا اہل نہیں رہا' لہٰذا لعان کا حکم اٹھ جائے گا' اور وہ حکم دائمی حرمت کا ہے۔اسی طرح اگر وہ کسی دوسری عورت پر زنا کا الزام لگاتا ہے' تو اس کے نتیجے میں حد جاری ہوتی ہے (تو یہی حکم ہے) اس کی دلیل ہم بیان کرچکے ہیں۔اسی طرح اگر وہ عورت زنا کرتی ہے' تو اس پر حد جاری ہوتی ہے۔(تو یہی حکم ہوتا) اس کی دلیل یہ ہے: عورت کی طرف سے لعان کی اہلیت ختم ہوگئی ہے۔

بچے کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ

(۲) أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۲٤٦) عن ابن عباس رضي الله عنهما۔ في سنده عباد بن منصور مختلف فيه فقد و ثقه يحيى القطان وقال أبو حاتم الرازي: كان ضعيف الحديث، يكتب حديثه، انظر "نصب الراية" ۳/۲۵۱۔۲۵۲۔ وأخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۵۳۱۵) و مسلم في "صحيحه" برقم (۱٤۹٤) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ لا عن بين رجل و امرأته ففرق بينهما و ألحق الولد بالمرأة"

ہواوران دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہوگا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔

جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مرگیا اور اُس نے اولاد چھوڑی اب لعان کرنے والے نے اُس کو اپنا پوتا پوتی قرار دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی اجنبی نے عورت پر تہمت لگائی اور اُس بچہ کو خرامی کہا اس پر حد قذف قائم ہوئی تو اب اُسکا نسب ثابت ہے اور کبھی منتفی نہ ہوگا۔ عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا یہ میرا نہیں یا یہ زنا سے ہے اور کسی دلیل سے لعان ساقط ہوگیا تو نسب منتفی نہ ہوگا حد واجب ہو یا نہیں۔ یونہی اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منتفی نہ ہوگا۔ (درمختار، ج ۵، ص ۱۷۰، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جس نے نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھا بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اُس سے انکار کیا تو لعان ہوسکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذمہ ہوگا اور مہر پورا دینا ہوگا۔ (عالم گیری، باب لعان)

تہمت زنا سے ثبوت لعان کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے عورت سے کہا اے زانیہ، زانیہ کی بچی تو عورت اور اُس کی ماں دونوں پر تہمت لگائی اب اگر ماں بیٹی دونوں ایک ساتھ مطالبہ کریں تو ماں کا مطالبہ مقدم قرار دیکر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط ہو جائیگا اور اگر ماں نے مطالبہ نہ کیا اور عورت نے کیا تو لعان ہوگا پھر بعد میں اگر ماں نے مطالبہ کیا تو حد قذف قائم کرینگے۔ اور اگر صورت مذکورہ میں عورت کی ماں مرچکی ہے اور عورت نے دونوں مطالبے کیے تو ماں کی تہمت پر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط اور اگر صرف اپنا مطالبہ کیا تو لعان ہوگا۔ یونہی اگر اجنبیہ پر تہمت لگائی پھر اُس سے نکاح کر کے پھر تہمت لگائی اور عورت نے لعان و حد دونوں کا مطالبہ کیا تو حد ہوگی اور لعان ساقط اور اگر لعان کا مطالبہ کیا اور لعان ہوا پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد بھی قائم کرینگے۔

اپنی عورت سے کہا میں نے جو تجھ سے نکاح کیا اس سے پہلے تو نے زنا کیا یا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ تہمت چونکہ اب لگائی لہٰذا لعان ہے اور اگر یہ کہا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کی تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ حد قائم ہوگی۔ عورت سے کہا میں نے تجھے بکر نہ پایا تو نہ حد ہے نہ لعان۔

اولاد سے انکار اُس وقت صحیح ہے جب مبارکبادی دیتے وقت یا ولادت کے سامان خرُیدنے کے وقت نفی کی ہو ورنہ سکوت رضا سمجھا جائیگا اب پھر نفی نہیں ہوسکتی مگر لعان دونوں صورتوں میں ہوگا اور اگر ولادت کے وقت شوہر موجود نہ تھا تو جب اُسے خبر ہوئی نفی کے لیے وہ وقت بمنزلہ ولادت کے ہے۔ شوہر نے اولاد سے انکار کیا اور عورت نے بھی اُس کی تصدیق کی تو لعان نہیں ہو سکتا۔ (درمختار، باب لعان، ج ۵، ص ۱۶۳، بیروت)

عورت نابالغ یا مجنون ہو تو لعان کا حکم

(وَاِذَا قَذَفَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ اَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا) لِاَنَّهُ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا لَوْ كَانَ

اَجْنَبِيًّا، فَكَذَا لَا يُلَاعِنُ الزَّوْجُ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (وَكَذَا اِذَا كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا اَوْ مَجْنُوْنًا) لِعَدَمِ اَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ (وَقَذْفُ الْاَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ) لِاَنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالصَّرِيْحِ كَحَدِّ الْقَذْفِ، وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَهٰذَا لِاَنَّهُ لَا يَعْرٰى عَنِ الشُّبْهَةِ وَالْحُدُوْدُ تَنْدَرِءُ بِهَا

ترجمہ

اور جو شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور وہ عورت نابالغ ہو یا پاگل ہو تو دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا' اس کی دلیل یہ ہے: ایسی عورت پر زنا کا الزام لگانے پر حد جاری نہیں ہوتی ہے' اگر وہ الزام لگانے والا شخص اجنبی ہو' تو اسی طرح اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ لعان نہیں کرسکتا' کیونکہ لعان اس حد قذف کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر شوہر نابالغ ہو' یا پاگل ہو (تو بھی یہی حکم ہوگا) کیونکہ اس میں گواہی کی اہلیت نہیں پائی جاتی۔ گونگے شخص کے زنا کا الزام لگانے پر لعان متعلق نہیں ہوگا' کیونکہ یہ صریح لفظ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حد قذف میں یہی حکم ہوتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل مختلف ہے۔ اس حکم کی دلیل یہ ہے: اس میں شبہ پایا جائے گا' اور شبہ کی دلیل سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سویا ہوا شخص جب تک بیدار نہ ہو جائے نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور دیوانہ جب تک اسے عقل نہ آ جائے۔ حماد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں بے ہوش جب تک اسے ہوش نہ آ جائے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 152)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔"

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر [illegible])

اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو "حد" سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ ملزم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ ملزم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے

ہو؟

کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارتکاب کے بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھو لیا ہو۔ اور اب تم اس کو اپنے اقرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو غرضیکہ اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تا کہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ ماعز وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطاء سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ وتاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگر چہ غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ ملزم کی برات میں بہر حال ایک مسلمان کی جان وعزت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

حمل کی نفی پر لعان کرنے کا بیان

(وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّي فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا) وَهٰذَا قَوْلُ اَبِي حَنِيْفَةَ وَزُفَرَ لِاَنَّهُ لَا يَتَيَقَّنُ بِقِيَامِ الْحَمْلِ فَلَمْ يَصِرْ قَاذِفًا. وَقَالَ اَبُو يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: اللِّعَانُ يَجِبُ بِنَفْيِ الْحَمْلِ اِذَا جَائَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنٰى مَا ذُكِرَ فِي الْاَصْلِ، لِاَنَّا تَيَقَّنَّا بِقِيَامِ الْحَمْلِ عِنْدَهُ فَيَتَحَقَّقُ الْقَذْفُ. قُلْنَا: اِذَا لَمْ يَكُنْ قَذْفًا فِي الْحَالِ يَصِيْرُ كَالْمُعَلَّقِ بِالشَّرْطِ فَيَصِيْرُ كَاَنَّهُ قَالَ: اِنْ كَانَ بِكِ حَمْلٌ فَلَيْسَ مِنِّي. وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ (وَاِنْ قَالَ لَهَا زَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلَاعَنَا) لِوُجُوْدِ الْقَذْفِ حَيْثُ ذَكَرَ الزِّنَا صَرِيْحًا (وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَنْفِيْهِ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَفَى الْوَلَدَ عَنْ هِلَالٍ وَقَدْ قَذَفَهَا حَامِلًا (۱). وَلَنَا اَنَّ الْاَحْكَامَ لَا تَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ اِلَّا بَعْدَ الْوِلَادَةِ لِتَمَكُّنِ الْاِحْتِمَالِ قَبْلَهُ، وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّهُ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبَلِ

(۱) أخرجه اسحاق بن راهويه فى "مسنده" فى حديث عباد بن منصور المقتدم عن أبى داود برقم (۲۲۵۶) وزاد اسحاق: و كانت حاملاً، ولعبد الرزاق "مصنف" دليل آخر عن ابن عباس: لاعن رسول الله ﷺ بين العجلانى و امرأته و كانت حبلى، وقصة هلال بن أمية فى البخارى فى "صحيحه" ۸/۴۴۹ برقم (۴۷۴۷) عن ابن عباس رضى الله عنهما۔

بِطَرِيْقِ الْوَحْيِ.

ترجمہ

اور جب شوہر یہ کہہ دے: تمہارا حمل مجھ سے نہیں ہے' تو ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: حمل کا موجود ہونا یقینی نہیں اس لئے مرد الزام لگانے والا شمار نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک حمل کی نفی کے نتیجے میں لعان واجب جائے گا اگر وہ عورت چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کو جنم دیتی ہے' اور یہ اس بات کا مفہوم ہے' جس کا ذکر کتاب الاصل (المبسوط) میں ہوا ہے' اس کی دلیل یہ ہے: قذف کے وقت ہمیں حمل موجود ہونے کا یقین ہو جائے' تو تہمت لگانا متحقق ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: زمانہ حال میں قذف نہیں ہے' تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اسے کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا ہے' تو یہ یوں ہوگا: گویا اس مرد نے کہا: اگر تمہیں حمل ہوا تو مجھ سے نہیں ہوگا۔ اور اس شخص کے معلق کر دینے سے قذف درست نہیں ہوتا۔ اگر مرد نے عورت سے یہ کہا: تم نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا کے نتیجے میں ہے' تو وہ دونوں لعان کریں گے' کیونکہ یہاں قذف کا وجود پایا جا رہا ہے' کیونکہ اس نے صریح طور پر زنا کا ذکر کیا ہے۔ لیکن قاضی حمل کی نفی نہیں کرے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: وہ نفی کر دے گا' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال کے بیٹے کی نفی کر دی تھی۔ حالانکہ انہوں نے اپنی حاملہ بیوی پر الزام لگایا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے: اس پر احکام بچے کی پیدائش کے بعد مرتب ہوں گے' کیونکہ اس سے پہلے دوسرا احتمال پایا جا سکتا ہے۔ جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس صورت پر محمول ہوگی: آپ e کو وحی کے ذریعے حمل کے قیام کا پتہ چل گیا تھا۔

حالت حمل کے لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اگر لعان کے وقت عورت حاملہ ہو تو امام احمد کے نزدیک لعان بجائے خود اس بات کے لیے کافی ہے کہ مرد اس حمل سے بری الذمہ ہو جائے اور بچہ اس کا قرار نہ پائے قطع نظر اس سے کہ مرد نے حمل کو قبول کرنے سے انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مرد کا الزام زنا اور نفی حمل دونوں ایک چیز نہیں ہیں، اس لیے مرد جب تک حمل کی ذمہ داری قبول کرنے سے صریح طور پر انکار نہ کرے وہ الزام زنا کے باوجود اسی کا قرار پائے گا کیونکہ عورت کے زانیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو حمل بھی زنا ہی کا ہو۔

۔۔ امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد دوران حمل میں مرد کو نفی حمل کی اجازت دیتے ہیں اور اس بنیاد پر لعان کو جائز رکھتے ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کے الزام کی بنیاد زنا نہ ہو بلکہ صرف یہ ہو کہ اس نے عورت کو ایسی حالت میں حاملہ پایا ہے جب کہ اس کے خیال میں حمل اس کا نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں لعان کے معاملے کو وضع حمل تک ملتوی کر دینا چاہیے، کیونکہ بس اوقات کوئی بیماری حمل کا شبہ پیدا کر دیتی ہے اور در حقیقت حمل ہوتا نہیں ہے۔

اگر شوہر طلاق دینے کے بعد مطلقہ بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک لعان نہیں ہوگا بلکہ اس پر قذف کا مقدمہ قائم کیا جائے گا، کیونکہ لعان زوجین کے لیے ہے اور مطلقہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے۔ الا یہ کہ طلاق رجعی ہو اور مدت رجوع کے اندر وہ الزام لگائے۔ مگر امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قذف صرف اس صورت میں ہے جب کہ کسی حمل یا بچے

کا نسب قبول کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ درمیان میں نہ ہو۔ ورنہ مرد کو طلاق بائن کے بعد بھی لعان کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ عورت کو بد نام کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود ایک ایسے بچے کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے لعان کر رہا ہے جسے وہ اپنا نہیں سمجھتا۔ قریب قریب یہی دلیل امام شافعی کی بھی ہے۔

دعویٰ نسب میں بچے کی نفی کا اعتبار

(وَاِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَاَتِهٖ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ اَوْ فِي الْحَالَةِ الَّتِيْ تَقْبَلُ التَّهْنِئَةَ وَتُبْتَاعُ آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَاعَنَ بِهٖ وَاِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَاعَنَ، وَيَثْبُتُ النَّسَبُ هٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَصِحُّ نَفْيُهُ فِيْ مُدَّةِ النِّفَاسِ) لِاَنَّ النَّفْيَ يَصِحُّ فِيْ مُدَّةٍ قَصِيْرَةٍ وَلَا يَصِحُّ فِيْ مُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النِّفَاسِ لِاَنَّهٗ اَثَرُ الْوِلَادَةِ. وَلَهٗ اَنَّهٗ لَا مَعْنٰى لِلتَّقْدِيْرِ لِاَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّاَمُّلِ وَاَحْوَالُ النَّاسِ فِيْهِ مُخْتَلِفَةٌ فَاعْتَبَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَبُوْلُهُ التَّهْنِئَةَ اَوْ سُكُوْتُهُ عِنْدَ التَّهْنِئَةِ اَوْ ابْتِيَاعُهُ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ اَوْ مُضِيُّ ذٰلِكَ الْوَقْتِ فَهُوَ مُمْتَنِعٌ عَنِ النَّفْيِ. وَلَوْ كَانَ غَائِبًا وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا عَلَى الْاَصْلَيْنِ.

قَالَ (وَاِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْاَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا) لِاَنَّهُمَا تَوْاَمَانِ خُلِقَا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ (وَحُدَّ الزَّوْجُ) لِاَنَّهٗ اَكْذَبَ نَفْسَهٗ بِدَعْوَى الثَّانِيْ، وَاِنِ اعْتَرَفَ بِالْاَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَاعَنَ لِاَنَّهٗ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِيْ وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ، وَالْاِقْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ اِنَّهَا عَفِيْفَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ زَانِيَةٌ، وَفِيْ ذٰلِكَ التَّلَاعُنُ كَذَا هٰذَا.

ترجمہ

اور جب مرد اپنی بیوی کے بچے کی پیدائش کے فوراً بعد نفی کر دے یا ایسی حالت میں نفی کرے جب مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہے، تو اس کا حمل کی نفی کرنا صحیح ہوگا اور اس دلیل سے لعان کیا جائے گا۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ کسی اور وقت میں نفی کرتا ہے اور لعان کرتا ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بچے کا نسب ثابت ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: نفاس کی مدت کے دوران اس کا نفی کرنا درست ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہ نفی تھوڑی مدت میں درست ہوتی ہے۔ یہ طویل مدت میں درست نہیں ہوسکتی اس لئے ہم ان دونوں کے درمیان نفاس کی مدت کے ذریعے علیحدگی کریں گے کیونکہ وہ ولادت

کا اثر ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: مدت مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ سوچ بچار کے لئے ہوتی ہے، لیکن سوچ بچار کے لحاظ سے لوگوں کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے۔ تو ہم ایسی بات کا اعتبار کریں گے جو بچے کے انکار نہ کرنے پر دلالت کرتی ہو، جیسے اس شخص نے پیدائش پر مبارکباد قبول کر لی یا مبارک دیئے جانے کے وقت خاموش رہا، یا بچے کی پیدائش کے وقت جو اشیاء خریدی جاتی ہیں، وہ اس نے خرید لیں یا وہ وقت گزر گیا، تو اس صورت میں نفی ناممکن ہو جائے گا۔ لیکن مرد اگر وہاں موجود نہ ہو اور اسے پیدائش کا پتہ نہ چل سکے پھر وہ آئے تو اس مدت کا اعتبار ہوگا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ دونوں کی اصل کے مطابق ہوگا۔ اگر عورت ایک ساتھ دو بچوں کو جنم دے، اور مرد پہلے کے نسب کی نفی کر دے، اور دوسرے کا اعتراف کرے، تو دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: وہ دونوں بچے ایک ہی نطفے سے پیدا ہوئے ہیں اور شوہر پر حد جاری کی جائے گی، کیونکہ اس نے دوسرے دعوے کے ذریعے اپنی بات کی نفی کر دی ہے۔ اگر وہ پہلے بچے کا اعتراف کر لیتا ہے اور دوسرے کی نفی کر دیتا ہے، تو ان دونوں کا نسب ثابت ہوگا اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ شوہر کو لعان کرنا ہوگا، کیونکہ دوسرے بچے کی نفی کے نتیجے میں وہ الزام لگا رہا ہے اور اس نے اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا، جبکہ بیوی کے پاک دامن ہونے کا اقرار اس نے پہلے کیا ہے، تو یہ بالکل اس طرح ہو جائے گا جیسے پہلے وہ کہہ دے: میری بیوی پاک دامن ہے اور بعد میں کہہ دے: یہ زانیہ ہے۔ لہٰذا پہلے بچے کے اعتراف کے بعد دوسرے بچے کی نفی کرنے کا بھی یہی حکم ہوگا۔

شرح

اگر شوہر نے اُس بچہ کی نسبت جو اس کے نکاح میں پیدا ہوا ہے اور زندہ بھی ہے یہ کہا کہ یہ میرا نہیں ہے اور لعان ہوا تو قاضی اُس بچہ کا نسب شوہر سے منقطع کر دیگا اور وہ بچہ اب ماں کی طرف منتسب ہوگا بشرطیکہ علوق، ایسے وقت میں ہوا کہ عورت میں صلاحیت لعان ہو، لہٰذا اگر اُس وقت باندی تھی اب آزاد ہے یا اُس وقت کافرہ تھی اب مسلمان ہے تو نسب منتفی نہ ہوگا، اس واسطے کہ اس صورت میں لعان ہی نہیں اور اگر وہ بچہ مر چکا ہے تو لعان ہوگا اور نسب منتفی نہیں ہوسکتا ہے۔ یونہی اگر دو بچے ہوئے اور ایک مر چکا ہے اور ایک زندہ ہے اور دونوں سے شوہر نے انکار کر دیا یا لعان سے پہلے ایک مر گیا تو اُس مُردہ کا نسب منتفی نہ ہوگا۔ نسب منتفی ہونے کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) تفریق (۲) وقت ولادت یا اس کے ایک دن یا دو دن بعد تک ہو دو دن کے بعد انکار نہیں کر سکتا۔

(۳) اس انکار سے پہلے اقرار نہ کر چکا ہو اگرچہ دلالۃً اقرار ہو مثلاً اسکو مبارکباد کہی گئی اور اس نے سکوت کیا یا اُس کے لیے کھلونے خریدے۔ (۴) تفریق کے وقت بچہ زندہ ہو۔ (۵) تفریق کے بعد اُسی حمل سے دوسرا بچہ نہ پیدا ہو یعنی چھ مہینے کے اندر۔ (۶) ثبوت نسب کا حکم شرعاً نہ ہو چکا ہو، مثلاً بچہ پیدا ہوا اور وہ کسی دودھ پیتے بچہ پر گرا اور یہ مر گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ اُس بچہ کے باپ کے عصبہ اس کی دیت ادا کریں اور اب باپ یہ کہتا ہے کہ میرا نہیں تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہ ہوگا۔

(ردمحتار، کتاب طلاق باب لعان)

اور اگر باپ بچے کے نسب سے انکار کرے تو بالاتفاق لعان لازماً آتا ہے۔ اور اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دفعہ بچے کو قبول کر لینے کے بعد (خواہ یہ قبول کر لینا صریح الفاظ میں ہو یا قبولیت پر دلالت کرنے والے افعال، مثلاً پیدائش پر مبارک باد لینے یا بچے کے ساتھ پدرانہ شفقت برتنے اور اس کی پرورش سے دلچسپی لینے کی صورت میں) پھر باپ کو انکار نسب کا حق نہیں رہتا، اور اگر کرے تو حد قذف کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ باپ کو کس وقت تک انکار نسب کا حق حاصل ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر شوہر اس زمانے میں گھر پر موجود رہا ہے جب کہ بیوی حاملہ تھی تو زمانہ حمل سے لے کر وضع حمل تک اس کے لیے انکار کا موقع ہے، اس کے بعد وہ انکار کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ اگر وہ غائب تھا اور اس کے پیچھے ولادت ہوئی تو جس وقت اسے علم ہو وہ انکار کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر پیدائش کے بعد ایک دو روز کے اندر وہ انکار کرے تو لعان کر کے وہ بچے کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، لیکن اگر سال دو سال بعد انکار کرے تو لعان ہوگا مگر وہ بچے کی ذمہ داری سے بری نہ ہو سکے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ولادت کے بعد، یا ولادت کا علم ہونے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر باپ کو انکار نسب کا حق ہے، اس کے بعد یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ صحیح بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے کہ ولادت کے بعد یا اس کا علم ہونے کے بعد ایک دو روز کے اندر ہی انکار نسب کیا جا سکتا ہے، الا یہ کہ اس میں کوئی ایسی ہو جسے معقول رکاوٹ تسلیم کیا جا سکے۔

بَابُ الْعِنِّينِ وَغَيْرِهٖ

﴿یہ باب عنین (نامرد ہونے) وغیرہ کے بیان میں ہے﴾

باب عنین کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب تندرستوں سے متعلق احکام نکاح وطلاق سے فارغ ہوئے ہیں تو اب مصنف نے عنین یعنی بیمار شخص سے متعلق احکام نکاح وطلاق کو بیان کرنا شروع کیا ہے کیونکہ عوارض ہمیشہ بعد میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اور عنین اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس میں عورتوں کے پاس یعنی جماع کی صورت میں آنے کی صلاحیت نہ ہو اسے عنین کہتے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶ ص ۸۱، بیروت)

عنین کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عنین اُس کو کہتے ہیں کہ آلہ موجود ہو اور زدلیل کے آگے کے مقام میں دخول نہ کر سکے اور اگر بعض عورت سے جماع کر سکتا ہے اور بعض سے نہیں یا ثیب کے ساتھ کر سکتا ہے اور بکر کے ساتھ نہیں تو جس سے نہیں کر سکتا اُس کے حق میں عنین ہے اور جس سے کر سکتا ہے اُس کے حق میں نہیں۔ اس کے اسباب مختلف ہیں مرض کی دلیل سے ہے یا تخلیقاً ایسا ہے یا بُڑھاپے کی دلیل سے یا اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اگر فقط حشفہ داخل کر سکتا ہے تو عنین نہیں اور حشفہ کٹ گیا ہو تو اُس کی مقدار عضو داخل کر سکنے پر عنین نہ ہوگا اور عورت نے شوہر کا عضو کاٹ ڈالا تو مقطوع الذکر کا حکم جاری نہ ہوگا۔ شوہر عنین ہے اور عورت کا مقام بند ہے یا ہڈی نکل آئی ہے کہ مرد اُس سے جماع نہیں کر سکتا تو ایسی عورت کے لیے وہ حکم نہیں جو عنین کی زدلیل کو ہے کہ اس میں خود بھی قصور ہے۔ (درمختار، باب عنین)

عنین کو دی جانے والی مہلت کا بیان

(وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّينًا اَجَّلَـهُ الْحَاكِمُ سَنَةً، فَاِنْ وَصَلَ اِلَيْهَا وَاِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا اِذَا طَلَبَتْ الْمَرْاَةُ ذٰلِكَ) هٰكَذَا رُوِىَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ(١)، وَلَاَنَّ الْحَقَّ ثَابِتٌ لَهَا فِى الْوَطْءِ، وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ الِامْتِنَاعُ لِعِلَّةٍ مُعْتَرِضَةٍ، وَيَحْتَمِلُ لِآفَةٍ اَصْلِيَّةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ

(٢) أما عن عمر: فعند عبدالرزاق فی "مصنفه" والدارقطنی من رواية سعيد بن المسيب قال: قضى عمر فی العنين أن يؤجل سنة۔ وأخرجه ابن أبی شيبة من دليل آخر عن سعيد ١٢٤/٤ والدارقطنی فی "سننه" ٤١٨/٢ وأخرجه محمد بن الحسن فی "الآثار" وأما حديث علی رضی الله عنه فأخرجه عبدالرزاق فی "مصنفه" و ابن أبی شيبة فی "مصنفه" باسنادين ضعيفين۔ وأما ابن مسعود رضی الله عنه فأخرجه عبدالرزاق و ابن أبی شيبة والدارقطنی فی "سننه" ص ٤١٨۔

مَعْرِفَةِ ذٰلِكَ، وَقَدَّرْنَاهَا بِالسَّنَةِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ .

ترجمہ

اور جب شوہر عنین (نامرد) ہو تو قاضی اسے ایک سال کی مہلت دے گا اگر وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دے گا۔ جب عورت اس کا مطالبہ کرے۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: صحبت کرنے میں عورت کا حق ثابت ہے اور اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ رکاوٹ کسی عارضی علت کی دلیل سے ہو اور اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ یہ اصل آفت ہو اس لیے کوئی مدت ضروری ہوگی جس میں اس بات کا پتہ چل سکے تو وہ مدت ہم نے ایک سال مقرر کی ہے، کیونکہ وہ چاروں موسموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

عنین کیلئے مدت سال میں فقہی تصریحات

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں حضرت امام عبدالرزاق نے روایت کی، کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عنین کو ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی، امیر المومنین نے قاضی شریح کے پاس لکھ بھیجا کہ یوم مرافعہ سے ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ نے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور حسن بصری و شعبی و ابراہیم نخعی و عطاؔ و سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق، باب عنین)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی عورت نے دعویٰ کیا اور شوہر کہتا ہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت ثیب ہے تو شوہر سے قسم کھلائیں قسم کھالے تو عورت کا حق جاتا رہا انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اور اگر عورت اپنے کو بکر بتاتی ہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اُسے ثیب بتائیں تو شوہر کو قسم کھلا کر اُس کی بات مانیں اور یہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم مانی جائے گی اور ان عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے کوئی بکر کہتی ہے کوئی ثیب تو کسی اور سے تحقیق کرائیں، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں۔ عورت کا دعویٰ قاضی شہر کے پاس ہوگا دوسرے قاضی یا غیر قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور اُس نے مہلت بھی دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یونہی عورت کا بطور خود بیٹھی رہنا بیکار ہے۔

مہلت کے بعد عدم قدرت پر ہونے والی علیحدگی کا حکم

فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَصِلْ اِلَيْهَا تَبَيَّنَ اَنَّ الْعَجْزَ بِآفَةٍ اَصْلِيَّةٍ فَفَاتَ الْاِمْسَاكُ

بِالْمَعْرُوْفِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ التَّسْرِيْحُ بِالْاِحْسَانِ، فَاِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِىْ مَنَابَهٗ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا لِاَنَّ التَّفْرِيْقَ حَقُّهَا (وَتِلْكَ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ) لِاَنَّ فِعْلَ الْقَاضِىْ اُضِيْفَ اِلَى الزَّوْجِ فَكَاَنَّهٗ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهٖ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ فَسْخٌ لٰكِنَّ النِّكَاحَ لَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ عِنْدَنَا، وَاِنَّمَا تَقَعُ بَائِنَةً لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا لَا يَحْصُلُ اِلَّا بِهَا لِاَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكُنْ بَائِنَةً تَعُوْدُ مُعَلَّقَةً بِالْمُرَاجَعَةِ .

ترجمہ

اور جب یہ مدت گزر جائے گی اور پھر بھی مرد عورت کے ساتھ صحبت نہیں کر سکے گا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس کا عاجز ہونا اصل آفت کے اعتبار سے ہے اس لیے امساک بالمعروف کا پہلو فوت ہو جائے گا، اور تسریح بالاحسان اس پر لازم ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے، تو قاضی اس کا قائم مقام بن جائے گا اور ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دے گا، لیکن اس کے لئے عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ عورت کا حق ہے۔ یہ علیحدگی ایک بائنہ طلاق شمار ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے: قاضی کے فعل کی نسبت شوہر کے فعل کی طرف کی جائے گی گویا کہ مرد نے بذات خود اسے طلاق دی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: یہ فسخ شمار ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک فسخ نہیں ہوگا۔ نیز قاضی کی تفریق اس لیے بھی بائنہ شمار ہوگی، کیونکہ اصل مقصد عورت کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو ختم کرنا ہے اور یہ بائنہ طلاق کے ذریعے ہی پورا ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر عورت بائنہ نہیں ہوگی، تو شوہر اس سے پھر رجوع کر لے گا، اور وہ پھر معلق ہو جائے گی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تفریقِ قاضی طلاق بائن قرار دی جائیگی اور خلوت ہو چکی ہے تو پورا مہر پائیگی اور عدت بیٹھے گی ورنہ نصف مہر ہے اور عدت نہیں اور اگر مہر مقرر نہ ہوا تھا تو متعہ ملے گا۔ قاضی نے ایک سال کی مہلت دی تھی سال گزرنے پر عورت نے دعویٰ نہ کیا تو حق باطل نہ ہوگا جب چاہے آکر پھر دعویٰ کر سکتی ہے اور اگر شوہر اور مہلت مانگتا ہے تو جب تک عورت راضی نہ ہو قاضی مہلت نہ دے اور عورت کی رضامندی سے قاضی نے مہلت دی تو عورت پر اس میعاد کی پابندی ضرور نہیں جب چاہے دعویٰ کر سکتی ہے اور یہ میعاد باطل ہو جائے گی اور اگر میعاد اول کے بعد قاضی معزول ہو گیا یا اُس کا انتقال ہو گیا اور دوسرا اُس کی جگہ پر مقرر ہوا اور عورت نے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ قاضی اول نے مہلت دی تھی اور وہ زمانہ ختم ہو چکا تو یہ قاضی سرے سے مدت مقرر نہ کریگا بلکہ اُسی پر عمل کریگا جو قاضی اول نے کیا تھا۔ (عالم گیری، باب عنین)

عنین اور اس کی بیوی کے احکام

(وَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا اِنْ كَانَ خَلَا بِهَا) فَاِنَّ خَلْوَةَ الْعِنِّيْنِ صَحِيْحَةٌ (وَيَجِبُ الْعِدَّةُ) لِمَا

بَيَّنَّا مِنْ قَبْلِ هٰذَا اِذَا اَقَرَّ الزَّوْجُ اَنَّهُ لَمْ يَصِلْ اِلَيْهَا (وَلَوْ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْاَةُ فِى الْوُصُوْلِ اِلَيْهَا فَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ثُمَّ يَمِيْنُهُ) لِاَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفُرْقَةِ وَالْاَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِى الْجِبِلَّةِ (ثُمَّ اِنْ حَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا، وَاِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً، وَاِنْ كَانَتْ بِكْرًا نَظَرَ اِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَاِنْ قُلْنَ هِىَ بِكْرٌ اُجِّلَ سَنَةً) لِظُهُوْرِ كَذِبِهٖ (وَاِنْ قُلْنَ هِىَ ثَيِّبٌ يَحْلِفُ الزَّوْجُ، فَاِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا، وَاِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً، وَاِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا فِى الْحَالِ اِنْ طَلَبَتْ) لِاَنَّهُ لَا فَائِدَةَ فِى التَّاْجِيْلِ (وَالْخَصِىُّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ) لِاَنَّ وَطْاَهُ مَرْجُوٌّ (وَاِذَا اُجِّلَ الْعِنِّيْنُ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَاَنْكَرَتْ نَظَرَ اِلَيْهَا النِّسَاءُ. فَاِنْ قُلْنَ :هِىَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ) لِاَنَّ شَهَادَتَهُنَّ تَاَيَّدَتْ بِمُؤَيِّدٍ وَهِىَ الْبَكَارَةُ (وَاِنْ قُلْنَ :هِىَ ثَيِّبٌ حَلَفَ الزَّوْجُ، فَاِنْ نَكَلَ خُيِّرَتْ) لِتَاَيُّدِهَا بِالنُّكُوْلِ، وَاِنْ حَلَفَ لَا تُخَيَّرُ، وَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فِى الْاَصْلِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ (فَاِنْ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ خِيَارٌ) لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِبُطْلَانِ حَقِّهَا

ترجمہ

اور اگر عنین شخص، عورت کے ساتھ خلوت کر چکا ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا' کیونکہ عنین شخص کی خلوت' خلوتِ صحیحہ شمار ہوگی اور (علیحدگی ہو جانے کے بعد) عورت پر عدت کی ادائیگی لازم ہوگی' جیسا کہ ہم یہ مسئلہ مہر کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب شوہر یہ اقرار کرے کہ میں نے بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی ہے۔ اگر صحبت کرنے کے بارے میں مرد اور عورت کے بیان کے درمیان اختلاف ہو جائے' تو اگر عورت ثیبہ ہو' تو مرد سے قسم لے کر اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا' کیونکہ وہ علیحدگی کے حق کو ثابت کرنے سے انکار کر رہا ہے اور اس میں اصل یہی ہے: عضو سالم ہونا چاہئے۔ اگر شوہر نے قسم اٹھالی تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا' اور اگر شوہر نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر عورت باکرہ ہو' تو دوسری عورتیں اس کا جائزہ لیں گی اگر وہ عورتیں اس کے باکرہ ہونے کی تصدیق کر دیتی ہیں' تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی تا کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

اگر اس کا جائزہ لینے والی عورتیں کہیں: یہ ثیبہ ہے' تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی' اگر وہ قسم اٹھالے تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا' اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے' تو پھر اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر شوہر کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو' تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی' لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے عورت نے مطالبہ کیا ہو' کیونکہ ایسی صورت میں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ خصی مرد کو بھی نامرد کی طرح مہلت دی جائے گی' کیونکہ اس سے بھی یہ امید کی جا سکتی ہے: وہ

صحبت کرنے کے قابل ہو جائے' نیز جب خصی مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے اور پھر وہ عدالت میں آ کر یہ کہہ دے: میں نے صحبت کر لی ہے' لیکن بیوی اس بات کا انکار کر دے' تو عورتیں اس کا معائنہ کریں گی اگر وہ یہ کہہ دیں: یہ باکرہ ہے' تو عورت کو اختیار حاصل ہوگا' کیونکہ بکارت کی دلیل سے عورتوں کی شہادت مکمل ہوگئی۔ لیکن اگر عورتیں یہ کہہ دیں: یہ ثیبہ ہے' تو اس صورت میں خاوند سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے' تو اس عورت کو (علیحدگی کا) اختیار ہوگا' کیونکہ شوہر نے قسم سے انکار کر کے عورت کے دعوے کی تائید کر دی ہے۔ اگر شوہر قسم اٹھا لیتا ہے' تو بیوی کو اختیار نہیں رہے گا' اگر چہ وہ پہلے ہی سے ثیبہ ہو' صرف مرد سے قسم لے کر اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس بات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اگر بیوی ایک مرتبہ شوہر کو اختیار کر لے' تو اس کے بعد اسے کبھی بھی اختیار نہیں ہوگا' کیونکہ اس نے اپنے حق کو ختم کرنے پر خود رضامندی ظاہر کی ہے۔

عنین کیلئے شرعی مہلت کا بیان

سعید بن مسیب کہتے تھے جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے جماع نہ کر سکے اس کو ایک برس کی مہلت دی جائے اور اس عرصہ میں اگر جماع کرے گا تو بہتر نہیں تو تفریق کر دی جائے گی۔ موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1100

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں اور جب کسی عورت نے دعویٰ کیا اور شوہر کہتا ہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت ثیب ہے تو شوہر سے قسم کھلائیں قسم کھالے تو عورت کا حق جاتا رہا انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اور اگر عورت اپنے کو بکر بتاتی ہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اُسے ثیب بتائیں تو شوہر کو قسم کھلا کر اُس کی بات مانیں اور یہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم مانی جائے گی اور اِن عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے کوئی بکر کہتی ہے کوئی ثیب تو کسی اور سے تحقیق کرائیں، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں۔

عورت کا دعویٰ قاضی شہر کے پاس ہوگا دوسرے قاضی یا غیر قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور اُس نے مہلت بھی دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یونہی عورت کا بطور خود بیٹھی رہنا بیکار ہے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق، باب عنین)

احناف کے یہاں ایک مشہور مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کا حق جماع زندگی میں ایک ہی دفعہ ہے۔ اگر ایک دفعہ شوہر نے بیوی سے ہم بستری کر لی اور اس کے بعد عنین ہو گیا تو اس کی بیوی فسخ نکاح کا دعویٰ دائر نہیں کر سکتی۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب شوہر جماع پر قادر ہو اور ایک دفعہ قربت کر چکا ہو۔ لیکن اس کے بعد اس نے قطع تعلق کر رکھا ہو : ولو وطی مرة ثم عجز عن الوطی فی هذا النكاح لايكون لها حق الخصومة (طحطاوی) مگر علامہ ابن نجیم مصریؒ کے بیان کے مطابق یہ نقطہ نظر فقہاء کے ایک گروہ کا ہے کہ قضا صرف ایک بار جماع واجب ہے، اس کے بعد دیانتاً واجب ہے نہ کہ قضاً لیکن حنفیہ کے دوسرے گروہ کے نزدیک قضاءً بھی واجب ہے۔ علامہ شامی نقل کرتے ہیں۔

قال فی البحر وحیث علم ان الوطی لا يدخل تحت القسم ، فهل هو واجب للزوجة ؟ وفی البدائع لها

ان تطالبه بالوطی لان حله لها حقها كما ان حلها له حقه واذا طالبته يجب عليه ، ويجبر عليه فی الحكم مرة والزيادة تجب عليه فی الحكم .(ردالمحتار ، باب القسم ،بيروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت کے نزدیک عورت کی ضرورت کے مطابق جماع قضاء بھی اس کا حق ہے۔

مہلت میں قمری سال کا اعتبار ہوگا

وَفِی التَّاْجِيلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ وَيُحْتَسَبُ بِاَيَّامِ الْحَيْضِ وَبِشَهْرِ رَمَضَانَ لِوُجُوْدِ ذٰلِكَ فِی السَّنَةِ وَلَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهِ وَمَرَضِهَا لِاَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخْلُو عَنْهُ .

ترجمہ

اور صحیح قول کے مطابق اس مہلت میں قمری سال کا اعتبار کیا جائے گا' اور حیض کے مخصوص ایام اور رمضان کا مہینہ بھی اس سال کا حصہ ہوں گے' کیونکہ یہ دونوں چیزیں سال کے دوران ہی پائی جاتی ہیں' لیکن مرد یا عورت کا بیمار ہونا' سال کی مہلت میں شامل نہیں ہوگا' کیونکہ کبھی پورا سال بیماری سے خالی ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہاں سال سے مُراد اس مقام پر شمسی سال ہے یعنی تین سو پینسٹھ دن اور ایک دن کا کچھ حصہ اور ایام حیض و ماہ رمضان اور شوہر کے حج اور سفر کا زمانہ اسی میں محسوب ہے اور عورت کے حج اور غیبت کا زمانہ اور مرد یا عورت کے مرض کا زمانہ محسوب نہ ہوگا اور اگر احرام کی حالت میں عورت نے دعویٰ کیا تو جب تک احرام سے فارغ نہ ہولے قاضی میعاد مقرر نہ کریگا۔ (درمختار، باب عنین)

بیوی میں عیب ہو تو شوہر کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا

(وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِلزَّوْجِ) وَقَالَ الشَّافِعِیُّ :تُرَدُّ بِالْعُيُوبِ الْخَمْسَةِ وَهِیَ :الْجُذَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُونُ وَالرَّتَقُ وَالْقَرَنُ لِاَنَّهَا تَمْنَعُ الِاسْتِيفَاءَ حِسًّا اَوْ طَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ .قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فِرَّ مِنْ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنْ الْاَسَدِ(۱)) وَلَنَا اَنَّ فَوْتَ الِاسْتِيفَاءِ اَصْلًا بِالْمَوْتِ لَا يُوجِبُ الْفَسْخَ فَاخْتِلَالُهُ بِهٰذِهِ

(۱) أخرجه البخاری فی "صحيحه" ۱۵۸/۱۰ برقم (۵۷۰۷) و مسلم فی "صحيحه" ۱۷۴۳/٤ برقم (۲۲۲۰) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: "لا عدوی ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الأسد"

الْعُيُوبِ اَوْلَى، وَهٰذَا لِاَنَّ الِاسْتِيفَاءَ مِنْ الثَّمَرَاتِ وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ .

ترجمہ

لیکن اگر بیوی کے اندر کوئی عیب ہو' تو شوہر کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: پانچ عیوب کی بنیاد پر نکاح کو مسترد کیا جا سکتا ہے۔ وہ عیوب یہ ہیں: جزام' برص' جنون' رتق' قرن، اس کی دلیل یہ ہے: یہ حسی طور پر اور طبعی طور پر تمتع میں رکاوٹ ہوتے ہیں اور طبیعت کی تائید شریعت سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''مجذوم سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو'۔ ہماری دلیل یہ ہے: موت کی دلیل سے تمتع کا حصول ناممکن ہو جانا' نکاح کو فسخ نہیں کرتا' تو ان عیوب کی دلیل سے بدرجہ اولیٰ فسخ نہیں کرے گا' جبکہ ان عیوب کی موجودگی میں کسی نہ کسی حد تک تو تمتع کیا جا سکتا ہے اور تمتع کرنا نکاح کا ثمرہ ہے اور نکاح کا اصل حق صرف یہ ہے: شوہر تمتع پر قادر ہو اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔

پیدائشی نقص کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

فسخ نکاح کا ایک سبب بتارھی وہ ھے :(شوہر و بیوی میں سے کسی کو بھی) دوسرے میں شدید پیدائشی خامی کی بنا پر علاحدگی، اللہ تبارک وتعالی نے شادی کو جائز قرار دیکر، اسکوان تمام ذرائع سے گھیر لیا، جواز دواجی تعلقات کو ہر اس شئے سے خالی ہونیکی ضمانت دیں، جس سے شادی کا شفاف شیشہ دھندلا ہو، نیز اس بات کی ضمانت دیں کہ وہ اپنا نفسیاتی، مالی، اور معاشرتی کردار بخوبی ادا کرسکیں، چنانچہ جب کوء ایسی پیدائشی خامی سامنے آجاتی ھے، جو اس شادی کے مقصد میں رکاوٹ بن رھی ھے، تو پھر از روئے شریعت، اس عیب کی بنا پر، شوہر و بیوی میں علاحدگی جائز ھے، مثلا جنسی کمزوری، اعضائے تناسلی میں کوء عیب، عقلی کمزوری اور جذام وغیرہ۔

فقہاء میں پیدائشی خامی کی بنا پر علاحدگی کے بارے میں کچھ اختلاف ھے، اکثر علماء کا خیال ھیکہ یہ جائز ھے، اور یہی اس آئین کی پسند ھے۔

حنفی اور مالکی حضرات کا کہنا ھیکہ یہ علیحدگی طلاق بائنہ شمار ہوگی، جبکہ شافعی اور حنبلی حضرات کا مذھب ھیکہ یہ علیحدگی فسخ کہلاء جائیگی،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں البتہ جذامی شخص سے ایسا بھاگتا رہ جیسا کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (بخاری)

جذام ایک خراب مشہور بیماری ہے جس میں خون بگڑ کر سارا جسم گلنے لگ جاتا ہے۔ آخر میں ہاتھ پاؤں کی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں۔ ہر چند مرض کا پورا ہونا بہ حکم الٰہی ہے مگر جذامی کے ساتھ خلط ملط اور یکجائی اس کا سبب ہے اور سبب سے پرہیز کرنا مقتضائے

دانشمندی ہے یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔ جب یہ اعتقاد ہو کہ سبب اس وقت اثر کرتا ہے جب مسبب الاسباب یعنی پروردگار اس میں اثر دے۔ بعضوں نے کہا آپ نے پہلے فرمایا جذامی سے بھاگتا رہ یہ اس کے خلاف نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ اکثر شر سے ڈرنے والے کمزور لوگ ہوتے ہیں ان کو جذامی سے الگ رہنا ہی بہتر ہے ایسا نہ ہو کہ ان کو کوئی عارضہ ہو جائے تو علت اس کی جذامی کا قرب قرار دیں اور شرک میں گرفتار ہوں گویا یہ حکم عوام کے لیے ہے اور خواص کو اجازت ہے وہ جذامی سے قرب رکھیں تو بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے جذامی کے ساتھ کھانا کھایا اور فرمایا کل بسم اللہ ثقة بالله وتوکلا علیہ طاعون زدہ شہروں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاضی کی تفریق کے بعد گواہوں نے شہادت دی کہ تفریق سے پہلے عورت نے جماع کا اقرار کیا تھا۔ تو تفریق باطل ہے اور تفریق کے بعد اقرار کیا ہو تو باطل نہیں۔ تفریق کے بعد اسی عورت نے پھر اُسی شوہر سے نکاح کیا یا دوسری عورت نے جس کو یہ حال معلوم تھا تو اب دعویٰ تفریق کا حق نہیں۔ اگر شوہر میں اور کسی قسم کا عیب ہے مثلاً جنون، جذام، برص یا عورت میں عیب ہو کہ اُس کا مقام بند ہو یا اُس جگہ گوشت یا ہڈی پیدا ہوگئی ہو تو فسخ کا اختیار نہیں۔ شوہر جماع کرتا ہے مگر منی نہیں ہے کہ انزال ہو تو عورت کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے۔ (درمختار، باب عنین)

بیماریوں سے پناہ طلب کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے (اللهم انی اعوذبك من البرص والجذام والجنون ومن سیء الاسقام)۔ اے اللہ ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ سے، جذام سے، دیوانگی سے، اور بری بیماریوں سے، (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1001، ابوداؤد، نسائی)

سیء الاسقام (بری بیماریوں) کا ذکر تعمیم بعد تخصیص کے طور پر ہے یعنی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر چند بری بیماریوں کا نام لیتے ہوئے پناہ مانگی۔ پھر عام طور پر ہر بری بیماری مثلاً استسقاء اور دق وغیرہ سے پناہ مانگی۔ ان بیماریوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ اس لئے مانگی کہ جس شخص کو ان میں سے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اکثر لوگ اس سے گھبراتے ہیں اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ نیز برص اور کوڑھ تو ایسے مرض ہیں جن کی دلیل سے مریض کا جسم بدہیئتی اور بدنمائی کا شکار ہو جاتا ہے اس طرح وہ جسم کے معاملہ میں اپنے ہی جیسے انسانوں کی صف سے باہر ہو جاتا ہے پھر یہ کہ مرض ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتے ہیں جو کبھی اچھے نہیں ہوتے برخلاف اور امراض کے مثلاً بخار، سر درد وغیرہ کا یہ حال نہیں ہوتا ان میں تکلیف بھی کم ہوتی ہے اور ثواب بھی بہت ملتا ہے۔

ابن مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو مرض ایسا ہو کہ لوگ مریض سے احتراز کرتے ہوں۔ نہ خود مریض دوسروں سے منقطع ہو سکتا ہو اور نہ دوسرے اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور مریض اس مرض کی دلیل سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہو تو اس مرض سے پناہ مانگنی مستحب ہے۔

علماء کا خیال یہ ہے کہ اور جذام بالطبع متعدی نہیں ہیں یعنی یہ مرض کسی کو از خود نہیں لگتے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوڑھی کے بدن سے اپنا بدن لگانے کی دلیل سے جذامی کی پیپ لگ کر یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

فسخ نکاح کے ذرائع واسباب

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر بیوی کے اندر اگر کوئی ایسا عیب موجود ہو جس کی دلیل سے شوہر اس کے ساتھ صحبت نہ کر سکتا ہو۔ تو اس بارے میں شوہر کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا اس سے مراد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ورنہ طلاق دینے کا اختیار تو اسے بہر حال حاصل ہی ہوگا۔ وہ پانچ عیوب یہ ہیں۔

۱- جذام کوڑھ کی بیماری۔

۲- برص: یعنی پھلبہری اس بیماری میں جلد پر سفید داغ بن جاتا ہے۔ جو بعض اوقات جسم کے کسی ایک حصے پر ہوتا ہے' اور بعض اوقات پورے جسم پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کے پورا جسم سفید ہو جاتا ہے۔

۳- جنون: یعنی پاگل پن خواہ یہ مستقل ہو یا عورت پر پاگل پن کے دورے پڑتے ہوں۔

۴- رتق: اس کا لغوی معنی کسی چیز کا بند ہونا عام طور پر عورت کی شرمگاہ میں دو راستے ہوتے ہیں ایک پیشاب کا اور دوسرا صحبت کے لئے جہاں سے حیض کا خون خارج ہوتا ہے' لیکن بعض اوقات کسی پیدائشی خرابی کی دلیل سے عورت کو شرمگاہ میں صرف پیشاب والا سوراخ ہوتا ہے جس کی دلیل سے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جا سکتی۔

۵- قرن۔ اس کا لغوی معنی ملنا ہے' اور یہاں اس مراد یہ ہے: عورت کو شرمگاہ میں کسی ہڈی کے بڑھ جانے کی دلیل سے، یا کسی اور دلیل سے منہ اتنا تنگ ہو جائے کہ مرد کا آلۂ تناسل اس میں داخل نہ ہو سکے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں: یہ عیوب حسی اعتبار سے بھی اور طبعی اعتبار سے بھی صحبت کرنے کے عمل میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اور یہ بات شریعت سے ثابت ہے: طبعی طور پر جو چیز رکاوٹ ہو اسے حکم کی علت قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسے نبی اکرم e نے ارشاد فرمایا ہے۔

"تم جذام کے مریض سے اس طرح دور بھاگو جیسے شیر سے دور بھاگتے ہو"۔ احناف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اپنی اصل کے اعتبار سے صرف موت کی صورت میں مرد عورت کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا تو جب موت کی صورت میں، جو صحبت کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے فسخ کا حق حاصل نہیں ہوتا' تو کسی اور بیماری کی دلیل سے یہ حق بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں ہوگا۔

یہاں مصنف نے دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: صحبت نکاح کا ثمرہ ہے' اور شوہر کا حق عورت کو اپنے قابو میں رکھنا ہے' اور یہ صورت یہاں پائی جا رہی ہے' لہٰذا اسے فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ پر مذاہب اربعہ

دوسرا مسئلہ خیارِ بلوغ کا ہے۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صرف باپ یا باپ اور دادا ہی کو نابالغ بچوں کے نکاح کا حق حاصل ہے اور اس طرح باپ یا دادا جو نکاح کردیں، وہ ان پر لازم ہے۔ حنفیہ کے یہاں باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء بھی نابالغ کا نکاح کرسکتے ہیں۔ لیکن انھیں ولایت لزام حاصل نہیں ہے۔ یعنی ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں ہوگا۔ بل کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو رد کردینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ البتہ باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ معروف بسوء الاختیار یا فاسق مت ہتک ہو یا نشے کی حالت میں نکاح کردے:

احدهما :اذا زوجهم الاب والجد ، فلا خيار لها بعد بلوغها بشرطين :ان لا يكون معروفاً بسوء الاختيار قبل العقد ، ثانيهما :ان لا يكون سكرانا فيقضى عليه سكره بتزويجها بغير مهر المثل او فاسق او غير كفوء . (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة)

نعم ، اذا كان متهتكا لا ينفذ تزويجه اياها بنقص عن مهر المثل ومن غير كفوء .وحاصله ان العنين وان كان لا يسلب الاهلية عندنا لكن اذا كان الاب لا ينفذ تزويجه الا بشرط المصلحة . (ردالمحتار ، باب الولى)

لیکن قاضی ابوشریح کے نزدیک اگر باپ دادا نے نکاح کیا ہو تب بھی لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد دعویٰ تفریق کا حق حاصل ہے: اذا الرجل زوج ابنه او ابنته، فالخيار لهما اذا شبا(مصنف ابن ابی شيبه)

حقیر کی رائے میں موجودہ دور کو دیکھتے ہوئے قاضی شریح کی رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

خیار بلوغ میں لڑکے کو اس وقت تک تفریق کے دعوے کا حق دیا گیا ہے، جب تک اس کی جانب سے نابالغی کے اس رشتے پر رضامندی کا اظہار نہ ہوجائے۔ لیکن باکرہ لڑکی پر یہ بات ضروری قرار دی گئی ہے کہ وہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر کردے۔ ورنہ اس کا حق خیار ختم ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ بعض فقہاء نے تو لڑکی کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ بروقت کسی کو گواہ بنانے پر قادر نہیں ہے تو بعد میں جب گواہ میسر آئے جھوٹ بولتے ہوئے کہہ دے کہ وہ ابھی بالغ ہوئی ہے اور حق خیار کا استعمال کرنا چاہتی ہے: لا تصديق فى الاشهاد جاز لها ان تكذب كى لا يبطل حقها .(عمدة الرعاية)

مشرقی معاشرے میں کسی باکرہ لڑکی سے اس بات کی توقع نہیں کہ وہ حیض آتے ہی اس بات کا اعلان کردے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور فلاں نکاح کو ناپسند کرتی ہوں۔ اس لیے لڑکوں اور ثیبہ عورتوں کی طرح باکرہ لڑکیوں کو بھی یہ حق ہونا چاہیے کہ جب تک قول یا فعل کے ذریعے سابقہ نکاح پر اس کی رضامندی ظاہر نہ ہوجائے، اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہو۔

شوہر کے کن عیوب کی دلیل سے عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا؟

(وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ بَرَصٌ اَوْ جُذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ :لَهَا الْخِيَارُ) دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِى الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، بِخِلَافِ جَانِبِهِ لِاَنَّهٗ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلَاقِ .

وَلَهُمَا اَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ، وَاِنَّمَا يَثْبُتُ فِى الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ لِاَنَّهُمَا يُخِلَّانِ بِالْمَقْصُوْدِ الْمَشْرُوْعِ لَهُ النِّكَاحُ، وَهٰذِهِ الْعُيُوْبُ غَيْرُ مُخِلَّةٍ بِهٖ فَافْتَرَقَا، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب شوہر کو جنون ہو یا برص ہو یا جذام ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بیوی کو (علیحدگی) کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اسے اختیار ہوگا تا کہ اس سے ضرر کو دور کیا جاسکے جیسا کہ شوہر مجبوب یا عنین ہو (تو اختیار ہوتا ہے) جبکہ مرد کی جانب کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے: اصل اختیار کا نہ ہونا ہے' کیونکہ اس صورت میں شوہر کے حق کو باطل کیا جاتا ہے' جبکہ مجبوب یا عنین ہونے میں یہ ثابت ہے' کیونکہ یہ دونوں مقصود سے خالی ہوتے ہیں جو نکاح کا اصل مقصد ہے' جبکہ یہ عیوب اس بارے میں خلل انداز ہوتے ہیں' لہٰذا ان دونوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

مجنون نامرد ہے یا اُس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا عورت مسلمان ہوگئی اور مجنون کے والدین اسلام سے منکر ہیں تو ان صورتوں میں قاضی تفریق کردے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی۔ (درمختار، ج۴، ص۴۳۷)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر کو برص یا جذام کا مرض لاحق ہو' تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو علیحدگی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اس بارے میں امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل مختلف ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: عورت کو اختیار حاصل ہوگا' اور اس کی دلیل یہ ہے۔ تا کہ اس عورت سے ضرر کو دور کیا جاسکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شوہر کے نامرد ہونے' یا اس کا آلۂ تناسل کٹے ہونے کی صورت میں عورت سے ضرر کو دور کرنے کے لئے اختیار دیا جاتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر یہی بیماری بیوی میں ہو تو شوہر کو فسخ کا اختیار نہیں دیتے ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: اس کا حکم مختلف ہے' کیونکہ اگر یہ بیماری بیوی کو لاحق ہو' تو شوہر کے پاس یہ اختیار ہے' وہ طلاق دے کر بیوی کو الگ کرسکتا ہے' اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے اپنے مؤقف کو تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اصل کے اعتبار سے تو یہاں عورت کو

بھی اختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے' لیکن شوہر کے نامرد ہونے یا اس کا آلہ تناسل کٹے ہوتے کی صورت میں بیوی کے لئے یہ اختیار ثابت ہوتا ہے' کیونکہ یہ دونوں عیوب اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جس کے لئے نکاح تو مشروط کیا گیا ہے' اور وہ مقصد صحبت کرنا ہے' لیکن ان دوسرے عیوب کی دلیل سے اس مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی لہٰذا دونوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جذام سے بچنے کے فقہی مفہوم میں احادیث

فقیہ مدینہ حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کو کچھ لوگوں کی دعوت کی، لوگوں کو کچھ تشویش ہوئی کہ ان میں حضرت معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کو یہ مرض تھا۔ لیکن ان کو سب کیساتھ کھانے میں شریک کیا گیا اور امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا: اپنے قریب سے اپنی طرف سے لیجئے اگر آپ کے سوا کوئی اور اس مرض کا ہوتا تو میرے ساتھ ایک رکابی میں نہ کھاتا اور مجھ میں اور اس میں ایک نیزے کا فاصلہ ہوتا۔

(الطبقات الکبری لابن سعد، کنز العمال)

حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض ساکنان موضع جرش نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جزامی سے بچو جیسے درندے سے بچتے ہو وہ ایک نالے میں اترے تو تم دوسرے میں اترو میں نے کہا: واللہ! اگر عبداللہ بن جعفر نے یہ حدیث بیان کی تو غلط نہ کہا جب میں مدینہ طیبہ آیا۔ ان سے ملا اور اس حدیث کا حال پوچھا۔ کہ اہل جرش آپ سے یوں ناقل تھے۔ فرمایا: واللہ انہوں نے غلط نقل کی میں نے یہ حدیث ان سے نہ بیان کی۔ میں نے تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم کو یہ دیکھا کہ پانی ان کے پاس لایا جاتا۔ وہ معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیتے۔ معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پی کر اپنے ہاتھ سے امیر المؤمنین کو دیتے امیر المؤمنین ان کے منہ رکھنے کی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے۔ میں سمجھتا کہ امیر المؤمنین یہ اس لئے کرتے ہیں کہ بیماری اڑ کر لگنے کا خطرہ ان کے دل میں نہ آنے پائے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: امیر المؤمنین فاروق اعظم جسے طبیب سنتے معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے اس سے علاج چاہتے۔ دو حکیم یمن سے آئے۔ ان سے بھی فرمایا: وہ بولے جاتا رہے یہ تو ہم سے ہو نہیں سکتا۔ ہاں ایسی دوا کردیں گے کہ بیماری ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: بڑی تندرستی ہے کہ مرض ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے انہوں نے دو بڑی زنبیلیں بھروا کر اندرائن کے تازہ پھل منگوائے جو خربوزہ کی شکل اور نہایت تلخ ہوتے ہیں۔ پھر ہر پھل کے دو دو ٹکڑے کئے اور معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا کر دونوں طبیبوں نے ایک ایک تلوے پر ایک ایک ٹکڑا ملنا شروع کیا۔ جب وہ ختم ہو گیا دوسرا لیا یہاں تک معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کی کڑوی رطوبت نکلنے لگی اس وقت چھوڑ کر دونوں طبیبوں نے کہا اب بیماری کبھی ترقی نہ کرے گی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ واللہ! معیقیب اس کے بعد ایک ٹھہری حالت پر رہے۔ تادم مرگ مرض کی زیادتی نہ ہوئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ یہ اپنے والد حضرت قاسم بن محمد سے راوی کہ امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں قوم ثقیف کی سفارت حاضر ہوئی کھانا حاضر لایا گیا۔ وہ لوگ نزدیک آئے مگر ایک صاحب کہ اس مرض میں مبتلا تھے الگ ہوگئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قریب آؤ قریب آئے فرمایا: کھانا کھاؤ کھانا کھایا۔ حضرت قاسم فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح شروع کیا کہ جہاں سے وہ مجذوم نوالہ لیتے وہیں سے صدیق اکبر نوالہ لیکر نوش فرماتے۔

حضرت نافع بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنی دادی حضرت فطیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روای۔ فرماتی ہیں: کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجذوموں کے بارے میں یہ فرماتے کہ ان سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو؟ ام المؤمنین نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ یہ فرماتے تھے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اڑ کر لگی۔

(کنز العمال، ٢٨٦٩٨، طبقات ابن سعد، ٦، ١١٧)

بیماری اڑ کر نہ لگنے میں فقہی تصریحات

امام احمد رضا محدث بریلی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ام المؤمنین کا یہ انکار اپنے علم کی بنا پر ہے، یعنی میرے سامنے ایسا نہ فرمایا بلکہ یوں فرمایا اور ہے یہ کہ دونوں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت کافیہ ثابت ہیں۔

حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر جس سے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استدلال کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا عدوی** بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔

یہ حدیث تیرہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اس کے متعدد طرق میں وہ جواب قاطع ہر شک وارتیاب ہوا جسے ام المؤمنین نے اپنے استدلال میں روایت فرمایا۔

صحیحین وسنن ابی داؤد وشرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہا میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، تو ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ پھر اونٹوں کا کیا حال ہے کہ ریتی میں ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن، ایک اونٹ خارش والا آکر ان میں داخل ہوتا ہے جس سے خارش ہو جاتی ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **فمن اعدی الاول**، اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگی۔

احمد ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر سے ہے ارشاد فرمایا: **ذلکم القدر فمن اجرب الاول** یہ تقدیری باتیں ہیں بھلا پہلے کو کس نے کھجلی لگادی۔

یہی ارشاد احادیث عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس ابوامامہ باہلی، اور عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مروی ہوا حدیث اخیر میں اس توضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا: **الم تروا الی البعیر یکون فی الصحراء فیصبح و فی کرکرتہ اوفی**

مراق بطنه نكتة من جرب لم تكن قبل ذلك فمن اعدى الاول

کیا دیکھتے نہیں کہ اونٹ جنگل میں ہوتا ہے یعنی الگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی بیمار اونٹ نہیں صبح کو دیکھو تو اس کے بیچ سینے یا پیٹ کی نرم جگہ میں کھجلی کا دانہ موجود ہے بھلا اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگ گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کیلئے ابتداء بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اس میں بیماری پیدا ہونے کا ماننا لازم ہے۔تو حجت قاطعہ سے ثابت ہوا کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہو جاتی ہے۔اور جب یہ مسلم تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض وہم علیل وادعائے بے دلیل رہا۔(فتاوی رضویہ حصہ اول)

اب بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق حکم سنئے۔اقول وباللہ التوفیق: احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا۔کوئی تندرست بیمار کے قرب واختلاط سے بیمار نہیں ہو جاتا۔جسے پہلے شروع ہوئی اس کو کس کی اڑ کر لگی،ان متواتر وروشن وظاہر ارشادات عالی کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقع میں تو بیماری اڑ کر لگتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کا وسوسہ اٹھانے کے لئے مطلقا اس کی نفی فرمائی ہے

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عملی کارروائی مجذوموں کو اپنے ساتھ کھلانا،ان کا جوٹھا پانی پینا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا،خاص ان کے کھانے کی جگہ نوالہ اٹھا کر کھانا،جہاں منہ لگا کر انہوں نے پانی پیا بالقصد اسی جگہ منہ رکھ کر نوش کرنا یہ اور بھی واضح کر رہا ہے کہ عدوی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال باطل ہے۔ورنہ اپنے کو بلا کیلئے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی۔قال اللہ تعالیٰ

و لا تلقوا بايديكم الى التهلكة آپ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔رہیں قسم اول(مجذوموں سے دور ونفور رہنے) کی حدیثیں وہ اس درجۂ عالیہ صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔ان میں اکثر ضعیف ہیں۔اور بعض غایت درجہ حسن ہیں صرف حدیث اول کی تصحیح ہو سکی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلیٰ دلیل پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوی موجود کہ مجذوم سے بھاگو اور بیماری اڑ کر نہیں لگتی تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ اور اندیشہ کی بنا پر نہیں۔

معہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ اسے امام بخاری نے مسندا روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق۔لہذا اصلاً کوئی حدیث ثبوت عدوی میں نص نہیں۔یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑ کر لگ جاتی ہے۔

ہاں وہ حدیث کہ جذامیوں کی طرف نظر جما کر نہ دیکھو ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو۔صاف یہ تحمل رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھن آئے گی،نفرت پیدا ہوگی،ان مصیبت زدوں کو تم حقیر سمجھو گے۔ایک تو یہ خود حضرت عزت کو پسند نہیں،پھر اس سے ان گرفتاران بلا کو ناحق ایذاء پہنچے گی۔اور یہ روا نہیں۔علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔(لا تحدو النظر) لانه اذى ان

لا تعافوهم فتزدروهم او تحتقروهم .

علامہ فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں لا تديموا النظر الى المجذومين .لانه اذا ادامه حقر و تازى به المجذوم .

اور ایک حدیث میں وفد ثقیف کے ایک ثقفی سے فرمایا:پلٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی،اس میں متعدد وجوہ ہیں۔انہیں مجلس اقدس میں نہ بلایا کہ حاضرین دیکھ کر حقیر نہ سمجھیں۔☆ حضار میں کسی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ہم ان سے بہتر ہیں۔خود بینی اس مرض سے بھی سخت تر بیماری ہے۔☆ مریض اہل مجمع کو دیکھ کر غمگین نہ ہو کہ یہ سب ایسے چین میں ہیں اور وہ بلا میں۔تو اسکے قلب میں تقدیر کی شکایت پیدا ہوگی ☆ حاضرین کا لحاظ خاطر فرمایا کہ عرب بلکہ عرب وعجم جمہور بنی آدم بالطبع ایسے مریض کی قربت سے برا مانتے ہیں،نفرت لاتے ہیں۔☆ ممکن کہ خاطر مریض کا لحاظ فرمایا۔کہ ایسا مریض خصوصاً نو مبتلا خصوصاً ذی وجاہت مجمع میں آتے ہوئے شرماتا ہے۔☆ ممکن کہ مریض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے رطوبت نکلتی تھی تو نہ چاہا کہ مصافحہ فرمائیں۔غرضکہ واقعۂ حال محل صد گونہ احتمال ہوتا ہے،حجت عام نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں بچھونا لپیٹنے کو فرمایا۔اقول: ممکن کہ اس لئے فرمایا ہو کہ مریض کے پاؤں سے رطوبت نہ ٹپکے ایک حدیث میں یہ کہ اگر کوئی بیماری اڑ کر لگتی ہو تو جذام ہے۔اگر کا لفظ خود بتاتا ہے کہ اڑ کر لگنا ثابت نہیں۔

تیسیر میں ہے۔قوله ان كان ، دليل على ان هذا الامر غير محقق عنده ،رہا اس وادی سے جلد گزر جانا اقول: اس میں وہ پانچ وجوہ پیشیں جاری جو حدیث سابق کے بارے میں گزریں۔فافهم

اور وہ حدیث کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بی بی کو منع فرمایا:اقول:وہاں بھی چار دلیل اولیں جاری كما لا يخفى۔

اور دو حدیثوں میں امیر المؤمنین کا حضرت معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمانا: کہ دوسرا ہوتا تو مجھ سے ایک نیزے کے فاصلہ پر بیٹھتا۔اقول:انہیں حدیثوں میں ہے کہ ان کو اپنے ساتھ کھلایا،اگر یہ امر عدویٰ کا سبب عادی ہوتا تو اہل فضل کی خاطر سے اپنے آپ کو معرض بلا میں ڈالنا روا نہ ہوتا۔اور بعد کی حدیث نے تو خوب ظاہر کر دیا کہ امیر المؤمنین خیال عدویٰ کی بیخ کنی فرماتے تھے۔نری خاطر منظور تھی تو اس شدت مبالغہ کی کیا حاجت تھی کہ پانی انہیں پلا کر ان کے ہاتھ سے لیکر خاص منہ رکھنے کی جگہ پر منہ لگا کر خود پیتے۔معلوم ہوا کہ عدویٰ بے اصل ہے،تو اس فرمانے کا منشا مثلا یہ ہوا کہ ایسے مریض سے تنفر انسان کا طبعی امر ہے،آپ کا فضل اس پر حامل ہے کہ وہ تنفر مضمحل وزائل ہوگیا۔دوسرا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

قول مشہور ومذہب جمہور ومشرب منصور کہ دوری وفرار کا حکم اس لئے ہے کہ اگر قرب واختلاط رہا اور معاذ اللہ قضا وقدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہو گیا تو ابلیس لعین اسکے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی۔اول تو یہ ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا۔اسی قدر فساد کیلئے کیا کم تھا پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے

بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ یہ وسوسہ دل میں جمنا سخت خطرناک اور ہائل ہوگا۔لہذا ضعیف الیقین لوگوں کو اپنا دین بچانے کیلئے دوری بہتر ہے ہاں، کامل الایمان وہ کرے جو صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور کس قدر مبالغہ کے ساتھ کیا۔اگر عیاذاً باللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا۔ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا بے تقدیر الٰہی کچھ نہ ہو سکے گا۔

اسی طرف اس قول وفعل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایا اور کل ثقة باللہ و توکلا علیہ فرمایا ۔

امام اجل امین ۔امام الفقہاء والمحدثین، امام اہل الجرح والتعدیل امام اہل التصحیح والتعلیل، حدیث وفقہ دونوں کے حاوی سیدنا امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار شریف میں دربارہ نفی عدویٰ احادیث روایت کر کے یہی تفصیل بیان فرمائی۔بالجملہ مذہب معتمد وصحیح ورجیح و نجیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طاعون وغیرہا اصلاً کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اڑ کر نہیں لگتی، یہ محض اوہام بے اصل ہیں۔کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہوجاتا ہے کہ ارشاد ہوا ۔انا عند ظن عبدی بی۔وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی بلکہ خود اس کی باطنی بیماری کہ وہم پرورده تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہوگئی۔

فیض القدیر میں ہے۔بل الوهم وحده من اکبر اسباب الاصابة اس لئے اور نیز کراہت واذیت وخود بینی وتحقیر مجذوم سے بچنے کے واسطے اور اس دور اندیشی سے کہ مبادا اسے کچھ پیدا ہوا اور ابلیس لعین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اور معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطل فرما چکے۔یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا۔ان وجوہ سے شرع حکیم ورحیم نے ضعیف الیقین لوگوں کو حکم استحبابی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں۔اور کامل الایمان بندگان خدا کیلئے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔خوب سمجھ لیا جائے کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی دلیل سے ہے۔نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔اسے تو اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد فرما چکے جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔اقول : پھر از آنجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استحبابی ہے واجب نہیں۔لہذا ہرگز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے گا۔مثلا معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہو اس کے اولاد واقارب وزدلیل سب اس احتیاط کے باعث اس سے دور بھاگیں اور اسے تنہا وضائع چھوڑ جائیں یہ ہرگز حلال نہیں۔بلکہ زدلیل ہرگز اسے ہم بستری سے بھی منع نہیں کرسکتی۔لہذا ہمارے شیخین مذہب امام اعظم، وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جذام شوہر سے عورت کو درخواست فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔اور خدا ترس بندے تو ہر بیکس بے یار کی اعانت اپنے ذمہ پر لازم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ اللہ فی من لیس له الا اللہ ۔اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، اس کے بارے میں جس کا کوئی نہیں سوا اللہ کے۔لہذا علماء کا اتفاق ہے کہ مجذوم کے پاس بیٹھنا اٹھنا مباح ہے اور اس کی خدمت گزاری و تیمارداری موجب ثواب۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی رضویہ حصہ دوم)

بَابُ الْعِدَّةِ

﴿یہ باب عدت کے بیان میں ہے﴾

عدت کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عدت فرقت کے اثر کا نام ہے اور یہ فرقت خواہ طلاق کے ذریعے ہو یا کسی اور سبب سے ہو۔کیونکہ اثر ہمیشہ مؤثر کے بعد آتا ہے۔جبکہ لغت میں عدت عورت کے ایام اقراء کو کہتے ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج۶، ۹۵، بیروت)

مرد اور عورت کے ملنے کا سبب نکاح ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور اس نکاح کے عقد کو جس سبب سے اٹھایا جاتا ہے اس کا نام طلاق ہے یا فسخ نکاح کے دیگر ذرائع ہیں اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے ان کو نکاح سے مؤخر اور عدت سے مقدم ذکر کیا ہے اور عدت کے احکام کا ان تمام احکام کے بعد ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان پر موقوف ہے۔لہذا عدت کے احکام مؤخر بیان کیے ہیں۔

عدت کا لغوی وفقہی مفہوم

لغت میں عدت کے معنی ہیں شمار کرنا اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع وایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلا نکاح فاسد ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت (کہ جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کے لغوی معنی: شمار کرنے کے ہیں۔فقہ کی اصطلاح میں عدت : اس مدت کو کہتے ہیں جس میں نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علیحدگی کے فیصلہ یا باہمی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق یا شبہ کی بنا پر وطی کے بعد اپنے آپ کو خاص مدت تک روکے رکھے۔

وَعِدَّةُ الْمَرْأَةِ قِيلَ أَيَّامُ أَقْرَائِهَا مَأْخُوذٌ مِنْ الْعَدِّ وَالْحِسَابِ (المصباح المنير) معنى العدة :العِدَّة بكسر العين جمع عِدَد، وهي لغة :الإحصاء (الفقه الاسلامي وادلته المبحث الأول ـ تعريف العدة)

عدت کے مقاصد کا بیان

عدت سے شریعت کا مقصود نسب کا تحفظ ہے، اسلام کی نظر میں نسب کی ایک خاص اہمیت ہے اور اس پر خاندانی زندگی کا مدار وانحصار ہے، اگر باپ کی شناخت باقی نہ رہے اور اولاد کو اس کا حقیقی خاندان میسر نہ آسکے تو پھر انسان اور حیوان کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ اسی لیے اسلام نے ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کے نکاح میں جانے کے درمیان ایک وقفہ رکھا ہے تاکہ نسب میں اختلاط نہ ہو، اسی وقفہ کا نام عدت ہے۔

اس کے علاوہ عدت سے کچھ اور اخلاقی مقاصد بھی متعلق ہیں، میاں بیوی کا رشتہ نہایت قربت کا رشتہ ہے، جب تک ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے ہر نشیب وفراز اور سرد وگرم میں ایک دوسرے کی رفاقت کا حق ادا کرتے ہیں، راحت پہنچاتے ہیں اور تکلیف بھی اٹھاتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کو سہتے ہیں اور کبھی سہے جاتے ہیں، بیوی تو چراغ خانہ ہوتی ہے، لیکن مرد اس کو روشن رکھنے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا، پسینے بہاتا، پریشانیاں اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، اب جب شوہر کی وفات ہوئی تو اس پر دلگیر وحزیں ہونا اس کا فطری اور اخلاقی فریضہ ہے ہی، اگر طلاق کی بناپر علاحدگی ہوئی ہو تب بھی روا نہیں کہ پچھلے تعلقات سے محرومی پر حسرت و افسوس کا ایک اشک بھی نہ گرایا جائے، عدت اسی اخلاقی فرض کی ادائیگی سے عبارت ہے۔

عدت کے دوران مطلقہ عورت اپنے خاوند کی بیوی ہی رہتی ہے۔ اور اس دوران خاوند کے حقوق کی نگہداشت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا :(فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا 49)-33 الأحزاب 49:) یعنی خاوند کے ہاں عدت گزارنا مطلقہ عورت کی ذمہ داری ہے اور مرد کا یہ حق ہے کہ عورت اسی کے ہاں عدت گزارے اس دوران مرد اس سے صحبت کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اور وہ عورت کی رضامندی کے بغیر بھی اپنا یہ حق استعمال کرسکتا ہے۔

عدت کے دوران کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس عورت سے نکاح تو دور کی بات ہے منگنی کے لیے پیغام تک بھی دے سکے۔ اور اگر خاوند نے عورت کو اس حالت میں طلاق دی کہ وہ گھر پر موجود ہی نہ تھی یا اپنے میکے گئی ہوئی تھی یا اسے اس کے میکے پیغام بھیج دیا گیا تھا اور عورت عدت کے دوران نکاح کرلے تو وہ نکاح باطل ہوگا۔

عدت کی حکمت کا بیان

وحكمة العدة :إما التعرف على براءة الرحم، أو التعبد، أو التفجع على الزوج، أو إعطاء الفرصة الكافية للزوج بعد الطلاق ليعود لزوجته المطلقةوفي فرقة الوفاة: يراد من العدة تذكر نعمة الزواج، ورعاية حق الزوج وأقاربه، وإظهار التأثر لفقده، وإبداء وفاء الزوجة لزوجها، وصون سمعتها وحفظ كرامتها، حتى لا يتحدث الناس بأمرها، ونقد تهاونها، والتحدث عن خروجها وزينتها، خصوصاً من أقارب زوجها

(الفقہ الاسلامی وادلتہ حکمۃ العدۃ)

عدت کی مدت کا بیان

جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہوگیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے یعنی وہ تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق ملی ہو بیٹھی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے اسی طرح جس عورت کے ساتھ شبہ میں جماع ہوگیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے یعنی کسی مرد نے کسی غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے صحبت کرلی تو اس عورت کو بھی تین حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہوگا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر کو جماع نہ کرنے دے۔ جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو جیسے موقت نکاح اور پھر تفریق کرادی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی خاوند مرگیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تین حیض ہے۔ ام ولد جب کہ آزاد کردی جائے یا اس کا مولی مرجائے تو اس کی عدت بھی تین حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کیوجہ سے یا بانجھ ہونے کی وجہ سے اور یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

جس آزاد عورت کا خاوند مرگیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ ہو خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ اور یا آئسہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اس کو حیض آئے یا نہ آئے۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی ہو یا اس کا خاوند مرگیا ہو اور خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی ولادت ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہوجائیگی اگرچہ خاوند کے طلاق دینے یا خاوند کے مرنے کے کچھ ہی دیر بعد ولادت ہوجائے یہاں تک کہ کتاب مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مرگیا ہو اور وہ ابھی تختہ پر نہلایا جارہا تھا یا کفنایا جارہا تھا کہ اس عورت کے ہاں ولادت ہوگئی تو اس صورت میں بھی اس کی عدت پوری ہوجائیگی۔

جو عورت آزاد نہ ہو یعنی کسی کی لونڈی ہو اور اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو اس کی عدت دو حیض ہے بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی اور اگر اسکا خاوند مرجائے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

عدت کی ابتدائی وقت کا بیان

طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوگی یعنی طلاق کے بعد جو تین حیض آئیں گے ان کا شمار ہوگا اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہوگی تو اس حیض کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد کے تین حیض کا اعتبار کیا جائے گا اور وفات میں عدت

کا شمار شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگا اگر عورت کو طلاق یا وفات کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگی عدت کے مسائل کی باقی تفصیل ہم اپنی اس شرح میں بیان کر رہے ہیں۔

آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے

(وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا اَوْ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ اَقْرَاءٍ) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ) وَالْفُرْقَةُ اِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَهِيَ فِيْ مَعْنَى الطَّلَاقِ لِاَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِئَةِ عَلَى النِّكَاحِ، وَهٰذَا يَتَحَقَّقُ فِيْهَا.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدے رجعی طلاق دیدے یا ان دونوں کے درمیان طلاق کے بغیر علیحدگی واقع ہو جائے اور عورت آزاد ہو اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار کی حالت میں رکھیں گی"۔ اگر طلاق کے بغیر علیحدگی واقع ہوئی ہو تو وہ بھی طلاق کے حکم میں ہوگی کیونکہ عدت کو ضروری قرار دینے کا بنیادی مقصد یہ ہے: نکاح پر وارد ہونے والی علیحدگی کی وجہ سے رحم بری ہو جائے اور طلاق کے بغیر علیحدگی میں بھی یہی حکم ہے۔

قرؤ کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہ نے جو صدیقہ کی دوسری بھتیجی ہیں، اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا اقراء سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)

بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھدار علماء فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا)

امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی مستحق امر یہی ہے۔ ابن عباس، زید بن ثابت، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، عطاء، قتادہ، زہری اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابوثور بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ آیت (فطلقوهن لعدتهن) یعنی انہیں عدت میں یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو، چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا کی یعنی پاکی حالت ہے، اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت نے اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہوگیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے۔ بتیس دن اور دو لحظہ ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں، اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہولے تب تک وہ عدت ہی میں ہے۔ بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جبکہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابودرداء، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، ابراہیم، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعبی، ربیع، مقاتل بن حیات، سدی، مکحول، ضحاک، عطاء خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام سے یہی مروی ہے۔ ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، ابوعبید اور اسحٰق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن ابی جیش سے فرمایا تھا نماز کو اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں لغت کے اعتبار قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی او بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے واللہ اعلم۔

اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو ابو عمر بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں کے معنی قرء کے ہیں البتہ اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف یعنی حیض کے معنی کی جانب گئی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۲۸)

قرؤ سے مراد طہر میں فقہاء شوافع کا استدلال

امام شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: والمطلّقاتُ يَتَرَبَّصْنَ بأنفسِهِنَّ ثلاثةَ قُرُوْء ۔

طلاق یافتہ خواتین اپنے آپ کو (دوسری شادی سے) تین دورانیے تک روکے رکھیں۔ (البقرہ 2:228)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ یہاں لفظ "قروء" سے مراد طہر (خاتون کی پاکیزگی کے دورانیے) ہے۔ اس کے مثل رائے سیدنا زید بن ثابت، سیدنا ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں "قروء" کا مطلب خاتون کے حیض کے پیریڈ ہیں۔ اس طلاق یافتہ خاتون کے لئے اس وقت تک (دوسری شادی کرنا) جائز نہ ہوگا جب تک کہ وہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل نہ کر لے۔

سائل: ان دونوں گروہوں نے کس کس بنیاد پر اپنی رائے پیش کی ہے؟

شافعی": قروء" کا مطلب ہے "دورانیہ"۔ یہ دورانیے اس بات کی علامت ہیں کہ جب تک یہ پورے نہ ہو جائیں، طلاق یافتہ خاتون دوسری شادی نہ کرے۔ جو لوگ اس دورانیے سے "حیض کا دورانیہ" مراد لیتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں کم سے کم اوقات کا ذکر ہوا ہے اور کم اوقات سے ہی وقت میں حدود مقرر کی جا سکتی ہیں۔ "حیض کا دورانیہ"، "پاکیزگی کے دورانیے" سے کم ہوتا ہے اس وجہ سے زبان کے نقطہ نظر سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ اسے عدت کی مدت مقرر کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہ اسی طرح ہے کہ دو مہینوں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لئے چاند نظر آنے کو حد مقرر کیا گیا ہے۔

غالباً انہوں نے یہ رائے اس بنیاد پر اختیار کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں حاصل کردہ ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے اس وقت تک ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے جائیں جب تک ایک مرتبہ حیض آنے سے اس کا "استبراء" نہ ہو جائے (یعنی یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ تو نہیں ہے۔) آزاد اور لونڈی کے بارے میں استبراء میں فرق کیا گیا ہے۔ آزاد خاتون کا استبراء تین مکمل حیض کے دورانیوں سے ہوتا ہے جب وہ پاک ہو جائے اور لونڈی کا استبراء ایک ہی مکمل حیض سے پاکیزگی کے بعد ہوتا ہے۔

سائل: یہ تو ایک نقطہ نظر ہوا۔ آپ نے کس بنیاد پر دوسرا نقطہ نظر اختیار کیا ہے جب کہ آیت میں دونوں معانی کا احتمال موجود ہے؟

شافعی: اللہ تعالی نے نئے چاند کو مہینوں کی نشاندھی کے لئے بنایا ہے اور وقت کا شمار رویت ھلال سے کیا جاتا ہے۔ ھلال دن

اور رات کے علاوہ ایک علامت ہے۔ یہ تیس دن کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور انتیس دن کے بعد بھی۔ بیس تیس دن کے اعداد تو چھوٹے ایام کے مجموعے ہی ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اگر "قروء" وقت کا نام ہے تو پھر یہ دن اور رات کے کسی مجموعے کا نام ہوگا۔ عدت کی طرح حیض کے مدت کا تعین بھی دن اور رات ہی سے کیا جائے گا۔ وقت کسی (علاقے کی) حدود کی طرح ہوتا ہے۔ کبھی یہ حد علاقے میں داخل ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ وقت کا ایک خاص مطلب بھی ہے۔

سائل: وہ کیا ہے؟

شافعی: اگر خون رحم سے باہر نکل آئے اور ظاہر ہو جائے تو اس کا نام "حیض" ہے اور اگر ظاہر نہ ہو اور رحم کے اندر ہی رہ جائے تو اس کا نام "طہر" ہے۔ "طہر" اور "قروء" دونوں الفاظ کا تعلق خون کو روکنے سے ہے نہ کہ بہنے سے۔ "طہر" سے اگر وقت مراد لیا جائے تو عربی زبان میں اسے "قروء" کہنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس کا تعلق خون کو روکنے سے ہے۔

جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو کہیں کہ وہ خاتون سے رجوع کر لیں اور (اگر طلاق دینی ہی ہے تو) پھر اس حالت میں طلاق دیں جب وہ (حیض سے) پاک ہو جائیں اور ان سے (پاک ہونے کے بعد) ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے گئے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا": یہ عدت کا وقت ہے جسے اللہ نے طلاق (سے شروع کرنے) کا حکم دیا ہے۔" (مالک)

اللہ تعالی کے اس ارشاد کہ "إذا طَلَّقتُمُ النساءَ فطلِّقوهنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" یعنی "جب تم خواتین کو طلاق دو تو انہیں عدت (شروع کرنے) کے لئے طلاق دو۔" یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ واضح فرمادیا کہ عدت طہر سے شروع ہوگی نہ کہ حالت حیض سے۔ اللہ تعالی نے "تین قروء" کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خاتون کو تین طہر تک انتظار کرنا چاہیے۔

اگر تیسرا طہر لمبا ہو جائے اور حیض شروع نہ ہو تو اس خاتون کے لئے اس وقت دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ حیض آ نہ جائے۔ اگر وہ خاتون حیض کے آنے سے (اپنی عمر یا بیماری کے باعث) مایوس ہو جائے یا اسے اس کا اندیشہ بھی ہو تو پھر وہ مہینوں کے ذریعے اپنی عدت کا شمار کرے۔ اس معاملے میں خاتون کے غسل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ غسل تو تین کے علاوہ ایک چوتھی چیز ہے۔ جو شخص خاتون کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دینے کے لئے غسل کو ضروری قرار دیتا ہے، اسے پھر یہ بھی کہنا چاہیے کہ اگر وہ ایک سال یا اس سے بھی زیادہ بغیر غسل کے بیٹھی رہے تو اس کے لئے شادی کرنا جائز نہ ہوگی۔

ان دونوں اقوال میں سے یہ کہ "قروء سے مراد طہر ہے" کتاب اللہ کے زیادہ قریب ہے اور زبان بھی اسی معنی میں واضح ہے۔ بہر حال اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کنیز کے بارے میں ایک حیض کے ذریعے استبراء (یعنی حمل نہ ہونے کا یقین کرنے) کا حکم دیا۔ اگر وہ کنیز حالت طہر میں تھی، پھر اس حیض آ گیا تو حیض کے مکمل ہونے کے بعد اس کے نئے طہر کے شروع ہونے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حاملہ نہیں تھی۔ خون کا صرف نظر آ جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حیض کے پورا ہونے کا انتظار ضروری ہے کیونکہ وہی طہر

حمل کے بغیر سمجھا جائے گا جس سے پہلے ایک حیض مکمل ہو چکا ہو۔

خاتون کو عدت دو وجہ سے پوری کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ یقین کرنا ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اور دوسری وجہ اس کے علاوہ ہے۔ جب خاتون نے دو حیض، دو طہر اور اس کے بعد تیسرا طہر بھی گزار لیا تو پھر وہ استبراء کے عمل سے دو بار گزر چکی۔ استبراء کے علاوہ دوسری وجہ اللہ کے حکم کی پابندی بھی ہے (کیونکہ اس نے تین قروء تک رکنے کا حکم دیا ہے۔ (کتاب الرسالہ، باب ۱۴)

قروء سے مراد کیا ہے؟

وَالْاَقْرَاءُ الْحِيَضُ عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :اَلْاَطْهَارُ وَاللَّفْظُ حَقِيقَةٌ فِيهِمَا اِذْ هُوَ مِنْ الْاَضْدَادِ، كَذَا قَالَهُ ابْنُ السِّكِّيتِ وَلَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةً لِلاشْتِرَاكِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيْضِ اَوْلَى، اِمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ، لِاَنَّهُ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْاَطْهَارِ وَالطَّلَاقُ يُوْقَعُ فِي طُهْرٍ لَمْ يُبْقِ جَمْعًا، اَوْ لِاَنَّهُ مُعَرِّفٌ لِبَرَاءَةِ الرَّحِمِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ، اَوْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(وَعِدَّةُ الْاَمَةِ حَيْضَتَانِ) " فَيَلْتَحِقُ بَيَانًا بِهِ

ترجمہ

اور ہمارے نزدیک (قرآن پاک میں استعمال ہونے والے لفظ) ''قروء'' سے مراد حیض ہے۔ امام شافعی a فرماتے ہیں: اس سے مراد طہر ہے۔ یہ لفظ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے' حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ابن سکیت نے یہ بات بیان کی ہے۔ لیکن اشتراک کی وجہ سے یہ لفظ ان دونوں مفاہیم کو شامل نہیں ہوگا اور اس کو حیض پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے' یا تو اس اعتبار سے کہ جمع کا لفظ ہے اس پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ اگر اسے طہر پر محمول کیا جائے' تو ایک طلاق ایسے طہر میں واقع ہوگی جس کے ساتھ جمع کا پہلو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: قرء رحم کے بری ہونے کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہے اور یہی اصل مقصد بھی ہے۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''کنیز کی عدت' دو حیض ہوتی ہے''۔ تو یہ اس کی وضاحت کے طور پر اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔

حاملہ وغیر حاملہ کا تعین حیض سے ہوتا ہے

امین حسن اصلاحی لکھتا ہے کہ اس آیت میں 'قروء ' 'قرء ' کی جمع ہے۔ یہ لفظ جس طرح حیض کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح طہر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اصل مادہ اور اُس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے، اُس سے ہمارا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں، لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر بھی لازماً لگا ہوا ہے، اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں، جس طرح رات کے لفظ سے اُس کے ساتھ لگے ہوئے دن کو یا دن کے لفظ سے اُس کے ساتھ لگی ہوئی رات کو۔ اس قسم کے استعمال کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔ (532 /1)

ہم نے اِسے حیض کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل مسئلہ ہی یہ متعین کرنے کا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حیض سے ہوتا ہے، نہ کہ طہر سے۔ پھر اس کے لیے توقف کی مدت مقرر کی گئی ہے اور یہ بھی حیض سے بالکل متعین ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی ابتدا کے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

عام حالات میں عدت یہی ہے، لیکن عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو یا حیض کی عمر کو پہنچنے کے باوجود اُسے حیض نہ آیا ہو 35 تو سورہ طلاق کی اِن آیتوں میں قرآن نے بتایا ہے کہ پھر یہ تین مہینے ہوگی۔ اِسی طرح یہ بھی بتا دیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ حیض سے مایوس عورتوں کے ساتھ اِن آیتوں میں 'اِنِ ارْتَبْتُم ' کی شرط بھی لگی ہوئی ہے۔ استاذ امام اِس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

میرا ذہن اِس طرف جاتا ہے کہ 'اِنِ ارْتَبْتُمْ ' کی شرط یہاں آئسہ مدخولہ اور آئسہ غیر مدخولہ کے درمیان امتیاز کے لیے آئی ہے۔ یعنی آئسہ اگر مدخولہ ہے تو آئسہ ہونے کے باوجود اِس کا امکان ہے کہ شاید یاس کی حالت عارضی ہو، پھر امید کی شکل پیدا ہو گئی ہو اور اُس کے رحم میں کچھ ہو۔ یہی صورت اُس کو بھی پیش آ سکتی ہے جس کو ابھی اگرچہ حیض نہیں آیا ہے، لیکن وہ مدخولہ ہے ... ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر یہی بات کہنی تھی تو صاف صاف یوں کیوں نہ کہہ دی کہ اگر آئسہ مدخولہ ہو تو اُس کی عدت تین مہینے ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر بات یوں کہی جاتی تو اُس سے عدت کی اصل علت واضح نہ ہوتی، جبکہ اُس کا واضح ہونا ضروری تھا۔ اِس عدت کی اصل علت عورت کا مجرد مدخولہ ہونا نہیں، بلکہ یہ اشتباہ ہے کہ ممکن ہے کہ اُس کے رحم میں کچھ ہو۔ (تدبر قرآن (8/442)

فقہاء شوافع و مالکیہ سے قروء کے معنی میں فقہاء احناف کی ترجیح کا بیان

قروء، قرء کی جمع ہے اور قرء کا معنی لغوی لحاظ سے حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ یعنی یہ لفظ لغت ذوی الاضداد سے ہے۔ احناف اس سے تین حیض مراد لیتے ہیں۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ طہر مراد لیتے ہیں۔ اس فرق کو درج ذیل مثال سے سمجھئے۔

طلاق دینے کا صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ عورت جب حیض سے فارغ ہو تو اسے طہر کے شروع میں ہی بغیر مقاربت کئے طلاق دے دی جائے اور پوری مدت گزر جانے دی جائے۔ عدت کے بعد عورت بائن ہو جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ کسی عورت ہندہ نامی کی عادت یہ ہے کہ اسے ہر قمری مہینہ کے ابتدائی تین دن ماہواری آتی ہے۔ اس کے خاوند نے اسے حیض سے فراغت کے بعد ۴ محرم کو طلاق دے دی۔ اب احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہے یعنی ۳ ربیع الثانی کی شام کو جب وہ حیض سے فارغ ہوگی، تب اس کی عدت ختم ہوگی۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک تیسرا حیض شروع ہونے تک اس کے تین طہر پورے ہو چکے ہوں گے۔ یعنی یکم ربیع الثانی کی صبح کو حیض شروع ہونے پر اس کی عدت ختم ہو چکی ہوگی۔ اس طرح قروء کی مختلف تعبیروں سے تین دن کا فرق پڑ گیا۔ اور ہم نے جو قروء کا ترجمہ حیض کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش سے فرمایا کہ دعی الصلوۃ ایام اقرائك یعنی ایام حیض میں نماز چھوڑ دو۔ علاوہ ازیں خلفائے اربعہ، بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کبار اور تابعین اس

بات کے قائل ہیں کہ قروء کا معنی حیض ہے۔

اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت مہینے کے اعتبار سے ہوگی

(وَاِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَاللَّائِى يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ) اَلْاٰيَةَ (وَكَذَا الَّتِىْ بَلَغَتْ بِالسِّنِّ وَلَمْ تَحِضْ) بِآخِرِ الْاٰيَةِ.

ترجمہ

اور جب وہ ایسی عورت ہو جسے حیض نہیں آتا، کمسنی کی وجہ سے یا عمر زیادہ ہونے کی وجہ تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہیں''۔ اسی طرح (یہ آیت ہے) ''اسی طرح وہ عورتیں جو اس عمر کی ہوں کہ انہیں حیض نہ آتا ہو''۔

آئسہ کی عدت میں فقہی تصریحات

جن بڑھیا عورتوں کی اپنی بڑی عمر کی وجہ سے ایام بند ہو گئے ہوں یہاں ان کی عدت بتائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت گذاریں، جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیت، اسی طرح وہ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ انہیں حیض آئے ان کی عدت بھی یہی تین مہینے رکھی، اگر تمہیں شک ہو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ خون دیکھ لیں اور تمہیں شبہ گذرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک باقی رہ جائے اور تم اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یاد رکھ لو، یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے،

اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی عورتوں کی عدت ابھی بیان نہیں ہوئی کمسن لڑکیاں بوڑھی بڑی عورتیں اور حمل والی عورتیں اس کے جواب میں یہ آیت اتری، پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گذارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گذر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے،

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد

چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گذارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے، ابو سلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے چچازاد بھائی حضرت ابو سلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے،

حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابو السنابل بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتابوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابو السنابل بن بلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کر لو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابو یعلی بھی تھے جن کی تعظیم تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سبیعہ والی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹہوکے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے میں حضرت ابو عطیہ مالک بن عامر سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورۃ طلاق سورہ نساء طولی کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے،

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عرتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت

گذاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے، یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آئسہ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ ان عورتوں کا حکم ہے جن کو حیض آنا قطعی بند ہو چکا ہو اور کبر سنی کی وجہ سے وہ سن ایاس میں داخل ہو چکی ہوں۔ ان کی عدت اس روز سے شمار ہو گی جس روز انہیں طلاق دی گئی ہو۔ اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئی ہو تو بالاتفاق رویت ہلال کے لحاظ سے عدت شمار ہو گی، اور اگر مہینے کے بیچ میں کسی وقت طلاق دی گئی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک 30 دن کا مہینہ قرار دے کر 3 مہینے پورے کرنے ہوں گے۔

(بدائع الصنائع، کتاب عدۃ)

رہیں وہ عورتیں جن کے حیض میں کسی نوع کی بے قاعدگی ہو، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔

حضرت سعید بن السیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر ایک دو مرتبہ حیض آنے کے بعد اس کا حیض بند ہو گیا ہو، وہ 9 مہینے انتظار کرے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ 9 مہینے گزرنے کے بعد وہ مزید تین مہینے عدت گزارے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کے لیے حلال ہو گی۔

ابن عباس، قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال بھر حیض نہ آیا ہو اسکی عدت تین مہینے ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال میں ایک مرتبہ حیض آئے اس کی عدت تین حیض ہے۔ یہی رائے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے مروی ہے۔

امام مالک کی روایت ہے کہ ایک صاحب حبان نامی تھے جنہوں نے اپنی بیوی کو ایسے زمانے میں طلاق دی جبکہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھیں اور اس پر ایک سال گزر گیا مگر انہیں حیض نہ آیا۔ پھر وہ صاحب انتقال کر گئے۔ مطلقہ بیوی نے وراثت کا دعویٰ کر

دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے مشورہ طلب کیا۔ دونوں بزرگوں کے مشورے سے حضرت عثمانؓ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت وارث ہے۔ دلیل یہ تھی کہ نہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور نہ ان لڑکیوں میں سے ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا، لہٰذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اس حیض پر تھی جو اسے پہلے آیا تھا اور اس کی عدت باقی تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کا حیض بند ہو گیا ہو، مگر اس کا بند ہونا سن ایام کی وجہ سے نہ ہو کہ آئندہ اس کے جاری ہونے کی امید نہ رہے، اس کی عدت یا تو حیض ہی سے ہو گی اگر وہ آئندہ جاری ہو، یا پھر اس عمر کے لحاظ سے ہو گی جس میں عورتوں کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ تین مہینے عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہو گی۔ یہی قول امام شافعیؒ، امام ثوری اور امام لیث کا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کا ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت پہلے 9 مہینے گزارے گی۔ اگر اس دوران میں حیض جاری نہ ہو تو پھر وہ تین مہینے اس عورت کی سی عدت گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ ابن القاسم نے امام مالک کے مسلک کی توضیح یہ کی ہے کہ 9 مہینے اس روز سے شمار ہوں گے جب آخری مرتبہ اس کا حیض ختم ہوا تھا نہ کہ اس روز سے جب اسے طلاق دی گئی۔ (یہ تمام تفصیلات احکام القرآن للجصاص اور بدائع الصنائع للکاسانی سے ماخوذ ہیں)

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کی عدت حیض کے اعتبار سے شروع ہوئی تھی، عدت کے دوران میں آئسہ ہو جائے تو اسے حیض والی عورتوں کے بجائے آئسہ عورتوں والی عدت گزارنی ہو گی۔ اور اگر اس کو حیض آنا بند ہو جائے اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیوں بند ہو گیا ہے تو پہلے وہ حمل کے شبہ میں 9 مہینے گزارے گی اور پھر اسے تین مہینے عدت کے پورے کرنے ہوں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کیوں بند ہوا ہے، مثلاً کوئی بیماری ہو یا دودھ پلا رہی ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو وہ اس وقت تک عدت میں رہے گی جب تک یا تو حیض آنا شروع نہ ہو جائے اور عدت حیضوں کے لحاظ سے شمار ہو سکے، یا پھر وہ آئسہ ہو جائے اور آئسہ عورتوں کی سی عدت گزار سکے (الانصاف، مسائل عدت)

حاملہ عورت کی عدت کا اختتام وضع حمل پہ ہوگا

(وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) (وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ) لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ) وَلِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ وَالْحَيْضَةُ لَا تَتَجَزَّاُ فَكُمِّلَتْ فَصَارَتْ حَيْضَتَيْنِ، وَاِلَيْهِ اَشَارَ عُمَرُ بِقَوْلِهٖ: لَوِ اسْتَطَعْتُ لَجَعَلْتُهَا حَيْضَةً وَنِصْفًا (۱) (وَاِنْ كَانَتْ لَا تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ) لِاَنَّهٗ مُتَجَزِّءٌ فَاَمْكَنَ تَنْصِيفُهٗ عَمَلًا بِالرِّقِّ.

ترجمہ

اور اگر وہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور حمل والی عورتوں کی عدت کی انتہاء بچے کو جنم دینا ہے''۔ اگر وہ عورت کنیز ہو تو اس کی عدت دو حیض ہوگی' اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''کنیز کو دو طلاقیں دی جائیں گی' اور اس کی عدت دو حیض ہوگی''۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے: غلام ہونا (نعمت کو) نصف کر دینا ہے' اور کیونکہ حیض کے اجزاء نہیں کیے جاسکتے اس لیے یہ مکمل ہوگا اور دو حیض شمار ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ان الفاظ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''اگر میں استطاعت رکھتا تو اس (کنیز) کی عدت کو ڈیڑھ حیض مقرر کرتا''۔ اگر وہ کنیز ایسی ہو کہ اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی' کیونکہ اس وقت کو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اس لیے کنیز ہونے پر عمل کرتے ہوئے اسے نصف قرار دینا ممکن ہے۔

شرح

ابوسنابل سے مروی ہے سبعیہ اسلمیہ جو حارث کی بیٹی تھی اپنے خاوند کی وفات کے بعد بیس دن بعد بچہ جنی۔ جب نفاس سے فارغ ہوئی تو اس نے بناؤ سنگار کیا۔ لوگوں کو اچنبھا ہوا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک وہ سنگار کرے۔ اسکی عدت مکمل ہو چکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 184)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ وہ اور حضرت ابن عباس حضرت ابوہریرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کا مسئلہ چھیڑ دیا جو فوت ہو جائے اور اس کی وفات کے کچھ دن بعد بچے کی پیدائش ہو جائے حضرت ابن عباس نے بیان کیا بیوگی اور حمل میں سے جو مدت زیادہ ہوگی وہ اس کی عدت ہوگی۔ ابوسلمہ بولے جیسے ہی وہ بچے کو جنم دے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی یہ دونوں صاحبان اس مسئلے پر الجھ پڑے حضرت ابوہریرہ بولے میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں یعنی ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ ان حضرات نے حضرت ابن عباس کے غلام کریب کو سیدہ ام فاطمہ کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو سیدہ ام سلمہ نے یہ بات بتائی کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے شوہر فوت ہو گئے ان کی وفات کے کچھ دن بعد ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہو گئی تو بنو ابن دار سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جن کی کنیت ابوسنابل تھی نے نکاح کا پیغام بھجوایا اور اسے یہ بتایا کہ تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے اس عورت نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اور کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو ابوسنابل نے اس سے کہا کہ تمہاری عدت ابھی ختم نہیں ہوئی سبیعہ نامی خاتون نے اس بات کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے اسے اجازت دی کہ وہ شادی کر سکتی ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 136)

حاملہ کی عدت ونکاح ثانی میں مذاہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس

آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جمہور علماء سلف وخلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گذارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گذر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابوہریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گذارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے، ابوسلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے،

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے، حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابوالسنابل بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتابوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابوالسنابل بن بلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کر لو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلی بھی تھے جن کی تعظیم تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سبیعہ والی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹہوکے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے ہیں۔

حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت

حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورۃ طلاق سورہ نساء طولی کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے،

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گذاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہوگئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے، یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچالیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۴)

باندی کی عدت میں مذاہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب ابو العالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحمِ مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل

ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصیہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔

حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبد العزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبد الملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں دو حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۴)

وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان

"جس حمل کے وضع ہونے سے عدت ختم ہو جاتی ہے وہ ہوگا جس میں انسان کا سر یا پاؤں بن چکا ہو، تو بالاجماع اس سے عدت ختم ہو جائیگی، اسے ابن منذر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حمل تھا اس لیے یہ عمومی نصوص میں داخل ہوگا۔

لیکن اگر ایسا حمل وضع ہو جس میں ابھی کچھ بھی واضح نہ ہوا ہو اور وہ صرف خون اور گوشت کا لوتھڑا ہی ہو اور خلقت واضح نہ ہوئی ہو تو ثقہ دائیوں نے گواہی دی ہو کہ اس میں خفیہ صورت واضح ہو چکی تھی تو اس سے بھی عدت ختم ہو جائیگی؛ کیونکہ یہ حمل ہے اور عمومی نصوص میں داخل ہے۔ (کشاف القناع (5 / 413).

بیوہ عورت کی عدت کا بیان

(وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ فِي الْوَفَاةِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا (وَعِدَّةُ الْاَمَةِ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَيَّامٍ) لِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ .

ترجمہ

اور شوہر کی وفات کی صورت میں' آزاد عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور وہ لوگ (مرتے ہوئے) بیویاں چھوڑ کر جاتے ہیں' تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن تک خود کو روکے رکھیں گی"۔ (بیوہ) کنیز کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے' اس کی وجہ یہی ہے: رقیت (نعمت کو) نصف کر دیتی ہے۔

شرح

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .(البقرہ،)

اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں۔ سال بھر تک نان ونفقہ دینے کی بے نکالے۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مؤاخذہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

دور جاہلیت کی عدت وفات کے منسوخ ہونے کا بیان

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال کی تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان ونفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی۔ پھر ایک سال کی عدت تو "يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور سال بھر کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا جس میں عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر کیا گیا لہٰذا اب اس وصیت کا حکم باقی نہ رہا حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اس کو عار سمجھتے تھے اس لئے اگر ایک دم چار ماہ دس روز کی عدت مقرر کی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی لہٰذا بتدریج انہیں راہ پر لایا گیا۔ (خزائن العرفان)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس رات کی عدت والی آیت کی منسوخ ہو چکی ہے،

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر نے حضرت عثمان سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں، آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی، ہم کوئی تغیر وتبدیل نہیں کر سکتے،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے، پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کو اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔

اکثر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، سعید بن میسب کہتے ہیں سورۃ احزاب کی آیت (یاایھا الذین امنو اذانکحتم المومنات) الخ، نے اسے منسوخ کر دیا،

حضرت مجاہد فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے، عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے، میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا، وہ جہاں چاہ عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ ہیں، پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنیٰ؟

یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیتہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے آیت (یوصیکم اللہ فی اولادکم) الخ، اس کا نصب فلتو صوالھن کو محذوف مان کر ہے۔ وصیتہ کی قرأت یہی ہے یعنی آیت (کتب علیکم وصیتہ) پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے، پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کیلئے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، میں لوٹی ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا، میں نے پھر قصہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے، چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا، میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا، حضرت عثمان نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا، اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

سعد بن اسحٰق اپنی پھوپھی زینب بنت کعب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں فریعہ بنت مالک نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ اسے اجازت دیں کہ وہ اپنے خاندان میں واپس چلی جائیں کیونکہ اس کا شوہر اپنے مفرور

غلاموں کو تلاش کرنے کے لیے نکلا جب اس نے قدوم کے پاس انہیں پایا تو ان کے غلاموں نے ان کو قتل کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی تم اپنے گھر میں رہو۔ میں نے عرض کی میرے شوہر نے ایسا کوئی گھر نہیں چھوڑا جس کی میں مالک ہوں نہ کوئی خرچ چھوڑا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہیں رہو جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی راوی بیان کرتے ہیں تو اس عورت نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت بسر کی۔ زینب بنت کعب بیان کرتی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں انہوں نے کسی کو بھجوا کر مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو میں نے اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 143)

باندی کی عدت وفات میں فقہی مذاہب اربعہ

اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔

حضرت سعید ابن میسب ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دیے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی واللہ اعلم۔ سعید بن میسب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔

ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔

امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن میسب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

ابوحنیفہ ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں میں حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔

حاملہ بیوہ عورت کی عدت کا بیان

(وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا) لِاِطْلَاقِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ : مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهٗ اَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى نَزَلَتْ بَعْدَ الْاٰيَةِ الَّتِىْ فِىْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ .(۱) وَقَالَ عُمَرُ :لَوْ وَضَعَتْ وَزَوْجُهَا عَلٰى سَرِيْرِهٖ لَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَحَلَّ لَهَا اَنْ تَتَزَوَّجَ .(۲)

ترجمہ

اور اگر وہ عورت (جو بیوہ ہوئی ہے) حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مطلق ہے۔ "اور حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے: وہ بچے کو جنم دیں"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ

(۱) أخرجه البخاري في "صحيحه" (۴۹۱۰) و أبو داود في "سننه" برقم (۲۳۰۷) والنسائي في "المجتبى" برقم (۶/۱۹۷) وابن ماجه في "سننه" برقم (۲۰۳۰) بلفظ: "من شاء لاعنته"

(۲) أخرجه مالك في "الموطا" باب عدة المتوفى عنها زوجها اذا كانت حاملاً (۲/۵۸۹) والشافعي عنه۔ وأخرجه عبدالرزاق من وجه آخر عن نافع وهو عند عبدالرزاق من رواية سالم۔ سمعت رجلا من الأنصار يحدث ابن عمر قال: سمعت أباك نحوه، و في الباب قصة سبيعة الأسلمية أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۵۳۳۶) و مسلم في "صحيحه" برقم (۱۴۸۸) عن أم سلمة رضي الله عنها انها قالت: "جاءت امرأة الى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله ان ابنتي توفي عنها زوجها و قد اشتكت عينها افنكحلها؟ فقال رسول الله ﷺ: لا، مرتين أو ثلاثا، كل ذلك يقول: لا، ثم قال: انما هي أربعة أشهر و عشر، و قد كانت احداكن في الجاهلية ترمي بالبعرة على رأس الحول"۔ قال البغوي في "شرح السنة" ۳۰۸/۹ عن كلمة "ترمي بالبعرة" و معنى رميها بالبعرة" كأنها تقول: كان جلوسها في البيت وحبسها نفسها سنة، أهون عليها من رمي هذه البعرة، أو هو يسير في جنب ما يجب من حق الزوج۔

مباہلہ کر سکتا ہو کہ چھوٹی والی سورہ نساء اس آیت کے بعد نازل ہوئی جو سورہ بقرہ کے اندر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر وہ عورت بچے کو اس وقت جنم دے جب اس کے شوہر کی میت (غسل کے) تختے پر پڑی ہوئی ہو تو بھی اس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے لئے یہ جائز ہوگا' وہ دوسری شادی کر لے۔

حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب فقہاء

اس امر پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ آیا یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانہ حمل میں وفات پا گیا ہو؟ یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ سورہ بقرہ آیت 234 میں اس عورت کی عدت 4 مہینے دس دن بیان کی گئی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے، اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم آیا تمام بیوہ عورتوں کے لیے عام ہے یا ان عورتوں کے لیے خاص ہے جو حاملہ نہ ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی حد تو وضع حمل تک ہی ہے، مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخر الآجلین ہے، یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس کا بچہ 4 مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو اسے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کا وضع حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اس وقت پوری ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سورہ طلاق کی یہ آیت سورہ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لیے خاص کر دیا ہے اور ہر حاملہ کی عدت وضع حمل تک مقرر کر دی ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضع حمل چاہے شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے یا 4 مہینے دس دن سے زیادہ طول کھینچے، بہر حال بچہ پیدا ہوتے ہیں وہ عدت سے باہر ہو جائے گی۔

اس مسلک کی تائید حضرت ابی بن کعب کی یہ روایت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں، جب سورہ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا ہاں۔ دوسری روایت میں حضور ﷺ نے مزید تصریح فرمائی: اجل کل حامل ان تضع مافی بطنها، ہر حاملہ عورت کی عدت کی مدت اس کے وضع حمل تک ہے (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں کلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ متعدد سندوں سے نقل ہوئی ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے)۔ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی مضبوط تائید سبیعہ اسلمیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ وہ بحالت حمل بیوہ ہوئی تھیں اور شوہر کی وفات کے چند روز بعد (بعض روایات میں 20 دن، بعض میں 23 دن، بعض میں 25 دن، بعض میں 40 دن اور بعض میں 35 دن بیان ہوئے ہیں) ان کا وضع حمل ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ سے ان کے معاملہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کو بخاری و

مسلم نے کئی طریقوں سے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ اسی واقعہ کو بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے خود سبیعہ اسلمیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت سعد بن خولہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے زمانے میں میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ میں حاملہ تھی۔ وفات کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ تم چار مہینے دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہو چکی ہو، اب چاہے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔ اس روایت کو بخاری نے بھی مختصراً نقل کیا ہے۔

صحابہ کی کثیر تعداد سے یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبدالہ بن عمر سے حاملہ بیوہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی عدت وضع حمل گی ہے۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت عمر نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر شوہر ابھی دفن بھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی لاش اس کے بستر پر ہی ہو اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔ یہی رائے حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو مسعودؓ بدری اور حضرت عائشہؓ کی ہے، اور اسی کا ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو آخری بچے کی ولادت پر عدت ختم ہوگی۔ بچہ خواہ مردہ ہی پیدا ہو، اس کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اسقاط حمل کی صورت میں اگر دائیاں اپنے فن کی رو سے یہ کہیں کہ یہ محض خون کا لوتھڑا نہ تھا بلکہ اس میں آدمی کی صورت پائی جاتی تھی، یا یہ رسولی نہ تھی بلکہ آدمی کی اصل تھی تو ان کا قول قبول کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی۔ (مغنی المحتاج)

حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر اسقاط کے معاملہ میں ان کا مذہب یہ ہے کہ جب تک انسانی بناوٹ ظاہر نہ پائی جائے محض دائیوں کے اس بیان پر کہ یہ آدمی ہی کی اصل ہے، اعتماد نہیں کیا جائے گا اور اس سے عدت ختم نہ ہوگی (بدائع الصنائع۔ الانصاف)۔ حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ مبنی بر احتیاط ہے۔

مطلقہ عورت بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم

(وَاِذَا وَرِثَتْ الْمُطَلَّقَةُ فِی الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَیْنِ) وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُو یُوْسُفَ: ثَلَاثُ حِیَضٍ، وَمَعْنَاهُ اِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا اَوْ ثَلَاثًا، اَمَّا اِذَا كَانَ رَجْعِیًّا فَعَلَیْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْاِجْمَاعِ. لِاَبِیْ یُوْسُفَ اَنَّ النِّكَاحَ قَدْ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَلَزِمَتْهَا ثَلَاثُ حِیَضٍ، وَاِنَّمَا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ اِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِی الْوَفَاةِ اِلَّا اَنَّهُ بَقِیَ فِیْ حَقِّ الْاِرْثِ لَا فِیْ حَقِّ تَغَیُّرِ الْعِدَّةِ، بِخِلَافِ الرَّجْعِیِّ لِاَنَّ النِّكَاحَ بَاقٍ مِنْ كُلِّ

وَجْهٍ .وَلَهُمَا اَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِي حَقِّ الْاِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًا فِي حَقِّ الْعِدَّةِ اِحْتِيَاطًا فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا .

ترجمہ

اور جب (شوہر کی) بیماری کے دوران طلاق یافتہ عورت (اس شوہر کے فوت ہونے پر) اس کی وارث بن جائے، تو اس کی عدت وہ ہوگی جو بعد میں ختم ہو۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے: جب طلاق بائنہ ہو، یا تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ لیکن اگر رجعی طلاق ہو، تو اس بات پر اتفاق ہے: وہ وفات کی عدت بسر کرے گی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے: (شوہر کی) موت سے پہلے ہی طلاق کے نتیجے میں نکاح ختم ہو چکا ہے، تو عورت پر یہ لازم ہوگا' وہ (تین حیض تک عدت بسر کرے) وفات سے متعلق عدت اس وقت واجب ہوگی جب وفات کی وجہ سے نکاح زائل ہوگا' تاہم وراثت کے حق میں یہ باقی ہے' لیکن عدت کے متغیر ہونے کے حق میں نکاح کا حکم باقی نہیں ہے' جبکہ رجعی طلاق کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اس میں ہر اعتبار سے نکاح باقی ہوتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے: جب نکاح وراثت کے حق میں باقی ہے' تو عدت کے حق میں بھی احتیاط کے پیش نظر اسے باقی قرار دیا جائے گا' لہٰذا ان دونوں کو جمع کر دیا جائے گا۔

عدت طلاق وعدت وفات کے جمع ہونے کا بیان

حضرت سلیمان ابن یسار کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوص سے الگ ہو گئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(موطا امام مالک، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہیے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہو گئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہو گئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہو گئی لہٰذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی

طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طیبی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ

آیت (والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء) اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طیبی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طیبی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدة لامة حیضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اسکے علاوہ یہ قطعا معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثة قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

اگر مرد کو مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی کی عدت کا حکم

وَلَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ حَتّٰى وَرِثَتْهُ امْرَاَتُهٗ فَعِدَّتُهَا عَلٰى هٰذَا الِاخْتِلَافِ .وَقِيلَ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ بِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّ النِّكَاحَ حِينَئِذٍ مَا اُعْتُبِرَ بَاقِيًا اِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ فِي حَقِّ الْاِرْثِ لِاَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ (فَاِذَا عَتَقَتْ الْاَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ) لِقِيَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ (وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوتَةٌ اَوْ مُتَوَفًّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ) لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْبَيْنُونَةِ اَوِ الْمَوْتِ .

ترجمہ

اور اگر شوہر کو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے اور وہ عورت اس کی وارث بنے تو اس عورت کی عدت اسی اختلاف پر مبنی ہوگی۔ ایک قول کے مطابق اس بات پر اجماع ہے: اس کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس صورت میں نکاح کو وراثت کے حوالے سے موت کے وقت تک باقی قرار نہیں دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے: کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وارث نہیں بن سکتی۔ اگر رجعی طلاق کی صورت میں' عدت کے دوران ہی' کنیز کو آزاد کر دیا جائے' تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح ہوگی' کیونکہ نکاح ہر اعتبار سے باقی تھا۔ اگر کوئی کنیز بائنہ طلاق کی عدت بسر کر رہی ہو' یا وفات کی عدت بسر کر رہی ہو' اور پھر اسے آزاد کر دیا جائے' تو اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی' کیونکہ سابقہ نکاح بائنہ طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے۔

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ "جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک بھی رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو عام اہل علم کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہو جائیگا. لیکن داود ظاہری سے بیان کیا گیا ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ اصل میں نکاح باقی ہے. لیکن ہماری دلیل اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ فرمان ہے: (اور تم کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں مت رکھو).

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے: (تو تم انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ تو وہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں، اور نہ ہی وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں)۔

اور اس لیے بھی کہ دین کا مختلف ہونا صحیح ہونے میں مانع ہے، اس لیے فسخ نکاح واجب ہوا، بالکل اسی طرح اگر کسی کافر شخص کی بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ (المغنی (7 /. (133)

اور اگر رخصتی اور دخول کے بعد مرتد ہو تو کیا فوری طور پر علیحدگی ہوگی یا کہ عدت کے بعد ہوگی؟

اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، شافعی حضرات کا مسلک اور حنابلہ کے ہاں صحیح اور ان شاء اللہ راجح بھی یہی ہے کہ اگر وہ عدت ختم ہونے سے قبل اسلام میں واپس آ جائے تو وہ اسی نکاح پر باقی ہے، اور اگر اسلام میں واپس آنے سے قبل عدت ختم ہو جائے تو علیحدگی ہو جائیگی۔

اور احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ مرتد ہونے کی صورت میں فوری طور پر علیحدگی واقع ہو جائیگی، چاہے دخول اور رخصتی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ (المغنی (7 / 133) الانصاف (8 / 216) کشاف القناع (15 / 121) تحفة المحتاج (7 / 328) الفتاوی الهندیة (1 / 339) حاشیة الدسوقی (2 /. (270)

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر' مرتد ہو جاتا ہے' تو اب اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس

کے اور اس کی بیوی کے درمیان نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ مرتد ہونے کی حالت میں اس شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے' تو اس کی بیوی تو مسلمان ہے' اور وہ بیوی اس شخص کے مال کی وارث ہوگی' لیکن اس پر بیوہ کی عدت لازم نہیں ہوگی۔ اس بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسی عورت کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: وراثت کے حوالے سے موت کے وقت نکاح کو باقی شمار نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وراث نہیں بن سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کسی کنیز کو رجعی طلاق دی جائے' تو اس کی عدت دو حیض ہوتی ہے' لیکن اگر اس رجعی طلاق کی عدت کے دوران اس کنیز کو آزاد کر دیا جائے' تو اس کی عدت کنیز کے طور پر نہیں ہوگی' بلکہ آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی' یعنی اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے: رجعی طلاق کی صورت میں نکاح ہر اعتبار سے باقی ہوتا ہے اس لئے یہ اسی طرح ہوگا' جیسے وہ کنیز منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کی گئی ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کنیز کو طلاق دی گئی ہو' یا وہ بیوہ ہو جائے اور پھر عدت کے دوران اُسے آزاد کر دیا جائے۔ تو اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: طلاق بائنہ یا شوہر کے انتقال کی وجہ سے نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔

آئسہ عورت اگر خون دیکھ لے تو اس کی عدت نئے سرے سے شروع ہوگی

(وَاِنْ كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُورِ ثُمَّ رَاَتْ الدَّمَ انْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَعَلَيْهَا اَنْ تَسْتَاْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ) وَمَعْنَاهُ اِذَا رَاَتْ الدَّمَ عَلَى الْعَادَةِ لِاَنَّ عَوْدَهَا يُبْطِلُ الْاِيَاسَ هُوَ الصَّحِيْحُ، فَظَهَرَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلَفًا وَهٰذَا لِاَنَّ شَرْطَ الْخَلْفِيَّةِ تَحَقُّقُ الْيَاْسِ وَذٰلِكَ بِاسْتِدَامَةِ الْعَجْزِ اِلَى الْمَمَاتِ كَالْفِدْيَةِ فِيْ حَقِّ الشَّيْخِ الْفَانِيْ (وَلَوْ حَاضَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ اَيِسَتْ تَعْتَدُّ بِالشُّهُورِ) تَحَرُّزًا عَنْ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ .

ترجمہ

اور اگر طلاق یافتہ عورت آئسہ تھی اور اس نے مہینے کے اعتبار سے عدت گزار دی لیکن بعد میں خون جاری ہو گیا' تو اس کی پہلی عدت کالعدم تصور ہوگی اور وہ نئے سرے سے حیض کے اعتبار سے اپنی عدت پوری کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے: جب وہ اپنی عادت کے مطابق خون دیکھے' کیونکہ اس خون کا واپس آنا ''ایاس'' کو باطل قرار دیدے گا' اور صحیح قول یہی ہے' تو اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: قائم مقام ہونے کے لئے یہ بات شرط ہے کہ اصل سے مایوس ہو چکی ہو

اور یہ ثبوت اسی وقت متحقق ہوسکتا ہے جب مرتے دم تک اسے دوبارہ حیض نہ آئے جیسا کہ شیخ فانی کے حق میں فدیہ کا حکم ہے۔اگر کسی عورت کو دومرتبہ حیض آئے اور پھر وہ آئسہ ہوگئی تو وہ مہینوں کے اعتبار سے بسر کرے گی تا کہ بدل اور مبدل کو اکٹھا کرنے سے بچا جا سکے۔

دوران حمل جاری ہونے والے خون کی صورت میں عدت کا بیان

حمل کے دوران میں مہبل سے خون جاری ہونے میں اہل علم کے ہاں چند تفصیلات پائی جاتی ہیں۔احادیث مبارکہ میں مختلف حالات میں آپ اُس صورت کے مطابق حکم جاری فرمادیتے تھے۔بعد میں جملہ احادیث کو سامنے رکھ کر علمائے کرام اور ائمہ عظام نے جو احکام استنباط کیئے ہیں اُن کی تفصیل یوں ہے۔علماء کرام کا ایک فریق حمل کے دوران میں مہبل سے جاری ہونے والے خون کو بھی حیض کا قائم مقام قرار دیتا ہے۔اور حیض کے احکام بشمول ترک نماز یہاں لاگو کرتے ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں۔اُن کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (آیت (222)

وہ فرماتے ہیں کہ پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہہ دو وہ ایک گندگی (ناپاکی) کی حالت ہے (تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ) اس مدت میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔

اِس آیت مبارکہ میں مطلق حیض کا ذکر ہے، جو کسی وقت بھی خارج ہوسکتا ہے خواہ عورت حمل سے ہو یا بغیر حمل کے۔اِسی طرح فاطمہ بنت ابی حبیش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :(اذا کان دم الحیضۃ فانہ دم اسود یعرف) اگر سیلان رحم حیض کی وجہ سے ہو تو ایسا خون سیاہی مائل ہوتا ہے۔(تجربہ کار عورتوں کی مدد سے) حیض والا خون بہ آسانی پہچانا جاتا ہے۔

آپ کے اس فرمان میں بھی کہیں تذکرہ نہیں ہے کہ سیلان رحم حمل کے ساتھ نہیں ہوتا۔اسی طرح اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ حاملہ عورت کے خون جاری ہوجائے تو کیا وہ نماز پڑھتی رہے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا :(لا تصلی حتی یذھب عنھا الدم) نہیں، جب تک خون جاری رہتا ہے عورت نماز نہ پڑھے۔

علاوہ ازیں ائمہ کرام کی یہ رائے اس اصول پر ہے کہ عام حالات میں بالغ عورت کا خون جب حیض کی طرح گاڑھا سیاہی مائل بدبودار ہو تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا جس طرح دودھ پلانے والی عورت کو حیض آسکتا ہے، اُسی طرح حاملہ کو بھی حیض آسکتا ہے۔جس طرح شریعت نے دودھ پلانے والی عورت کے حیض کے احکام الگ نہیں بتائے اسی طرح حاملہ کے حیض کے احکام بھی الگ سے بیان نہیں کیئے گئے۔بنا بریں محولہ بالا دلیلوں کی بنیاد پر ان ائمہ کرام کے نزدیک حاملہ عورت کو حیض آسکتا ہے اور جب بھی جاری ہونے والے خون میں حیض والے خون سے مشابہت پائی جائے، وہ حیض کا خون سمجھا جائے گا اور ناپاکی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے نماز ترک کی جائے گی۔

دوسری طرف حنابلہ اور احناف، حمل کے دوران جاری ہونے والے خون کو حیض سے الگ، سیلان رحم میں سے سمجھتے ہیں۔اس

رائے کے مطابق حاملہ عورت بدستور تمام نمازوں کی پابند رہے گی۔صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ثوبان رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب تھا۔تابعین کی اکثریت کا بھی یہی قول ہے کہ حاملہ عورت کے جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہوتا۔

جن تابعین سے یہ قول ثابت ہے وہ ہیں : سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، عطاء رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ، جابر بن زید رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ، شعبی رضی اللہ عنہ، مکحول رضی اللہ عنہ، حماد رضی اللہ عنہ، ثوری رضی اللہ عنہ، اوزاعی رضی اللہ عنہ، ابوثور رضی اللہ عنہ، سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ۔

یہ رائے شریعت کی درج ذیل دلیلوں سے ماخوذ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :لا توطا حامل حتی تضع ولا غیر ذات حملٍ حتی تحیض حیضةً

حاملہ عورت سے اُس وقت تک (نکاح کرکے) ہم بستری نہیں کی جائے گی جب تک وضع حمل نہ ہوجائے اور غیر حاملہ سے ہم بستری کیلئے ضروری ہے کہ (اُسے کم از کم) ایک حیض آگیا ہو۔

اِس حدیث میں حاملہ اور غیر حاملہ کی عدت میں تفریق کی گئی ہے۔حمل والی عورت کی عدت وضع حمل تک ہے اگر اُسے حمل نہ ہو تو پھر اعتبار حیض کا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ حمل والی عورت کو حیض نہیں آتا۔

اسی طرح ایک صحابی نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی۔آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدایت دے کر بھیجا کہ اُس سے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے اور اُس کے بعد اُسے اختیار ہے کہ زوجیت میں لینے کے بعد اُسے حالت حمل میں یا پھر ایام حیض کے علاوہ پاک حالت میں، چاہے تو طلاق دے دے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث مبارکہ سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ حمل کا ٹھہرنا ایسے ہے جیسے حیض کے بعد عورت کا پاک ہونا، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں طلاق دینے (اگر دینی ہو) کو شریعت نے روا رکھا ہے۔جس طرح سورہ طلاق میں اللہ تعالیٰ طلاق دینے کیلئے عورت کی (جسمانی) طبی حالت کا اعتبار کرتا ہے کہ فطلقوھن لعدتھن (عورتوں کو) اُن کی (مقررہ) عدت کیلئے طلاق دیا کرو۔

اس آیت مبارکہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کی دو حالتیں مراد لی ہیں : ایک حیض سے پاک ہوکر بھلی چنگی ہوگئی ہو یا پھر وہ عورت حمل سے ہو، یعنی ایام حیض میں طلاق ناپسندیدہ ہے۔اگر حمل کے دنوں میں بھی شریعت میں حیض کا اعتبار ہوتا تو پھر آپ یہ نہ فرماتے کہ :لیطلقھا طاھرا و حاملاً

پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق کی اباحت کا بیان

جہاں تک حمل میں حیض کے اعتبار کیلئے فریق اول فاطمہ بنت ابی حبیش کی حدیث کو بنیاد بناتے ہیں، تو اس حدیث سے حمل کے دنوں میں حیض کا آنا ثابت نہیں ہوتا، اس بنا پر کہ فریق اول بھی حیض کے خون اور سیلان رحم کے خون کی رنگت اور صفات میں فرق

کا قائل ہے۔ سیلان رحم میں خون کا رنگ شوخ اور سرخ ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ سیلان رحم میں حیض والی رنگت پائی جائے اور حیض کا خون رقیق (پتلا) ہو کر سیلان رحم والے خون کے مشابہ ہو جائے۔ شریعت کا مقصود اس حدث سے معمول کے حالات میں ہر دو قسم کے خون کی رنگت میں فرق بتا کر عام حالات میں حیض یا سیلان رحم میں سے ایک کو پہچان کر اُس کے مطابق پاک ہونے یا حالت عدم پاکی کا حکم لگانا ہے۔ جب خون کا جاری رہنا معمول سے ہٹ کر ہو تو پھر تمام اہل علم محض خون کی رنگ سے حکم مستنبط نہیں کرتے بلکہ شریعت کے دوسرا احکام اور طبی حالت کو سامنے رکھ کر حکم لگاتے ہیں۔ مثال کے طور پر فریق اول کے ائمہ کرام میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ معمول کے حالات میں تبدیلی کی وجہ سے دوسرے ذرائع پر اعتماد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر رحم سے خون نکلنے کی مدت ایک دن رات سے کم ہو تو وہ حیض نہیں سمجھا جائے گا۔ (اس مختصر دورانیے میں حیض سمجھ کر جو نمازیں چھوڑ دی گئیں تھیں عورت ان کی قضا دے گی) اَیام کے مختصر ہونے کی وجہ سے خون کے رنگ پر اعتماد نہیں کیا گیا خواہ وہ سیاہی مائل بدبودار ہی کیوں نہ ہو۔ مدت کے کم ہونے سے حالات معمول پر نہیں رہے، اس لئے شرعی حکم کیلئے دوسرے ذرائع پر اعتماد کرنا پڑا۔ اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اگر ماہواری کی مدت پندرہ دنوں سے اوپر ہو جاتی ہے تو وہ اس مدت کے بعد جاری رہنے والے خون پر بھی حیض کا حکم نہیں لگاتے کیونکہ اتنی بڑی مدت اُن کے ہاں حیض کیلئے معتاد (معمول کی) نہیں سمجھی گئی۔

بنا بریں غیر معمولی حالات کے پیدا ہونے سے خون کی صفات کا اعتبار فریق اول کے نزدیک بھی نہیں رہتا تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش والی حدیث معمول کے حالات میں تو دلیل ہے لیکن ہر حالات میں جبکہ حیض کی مدت گھٹ کر ایک دن رات سے کم ہو جائے یا بڑھ کر دوسرے پندرواڑے میں چلی جائے، مذکورہ بالا حدیث معمول کے ایام کیلئے آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کا حمل یا حمل کے بغیر کی (جسمانی) طبی حالت سے تعلق نہیں ہے۔

جدید طبی آلات سے جو تجربات ہوئے ہیں اور جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کی رو سے اطباء کے ہاں یہی بات تسلیم کی گئی ہے۔ عام طور پر ایک ہزار حاملہ عورتوں میں سے پانچ ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں حمل کے پہلے ماہ میں معمولی قسم کا خون آتا ہے جو حیض سے مشابہہ ہوتا ہے لیکن دنیا بھر کے اطباء اس قسم کے خون کو حیض نہیں کہتے۔ عورت کے رحم سے جاری ہونے والے خون کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔

(الف) عورت کے رحم میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بسا اوقات خون کے اخراج کا سبب بن جاتی ہیں۔

(ب) حمل کا معتاد جگہ کی بجائے رحم سے باہر ٹھہرنا۔ ایسا حمل جان لیوا ہوتا ہے، پیٹ کے درد اور بلڈ پریشر میں شدید کمی کی وجہ سے رحم سے خون کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور عام طور پر ایسی حالت میں فوراً جراحت کی جاتی ہے۔

(ج) حمل کی دوسری پیچیدہ حالتوں میں بھی عورت کے رحم سے خون جاری ہوسکتا ہے۔ بنا بریں حمل کی حالت میں جاری ہونے والے خون کو محض ظاہری مشابہت کی وجہ سے حیض نہیں کہا جاسکتا۔

فریق اول کی دوسری دلیل :(ن المراۃ اذا رت الدم انہا لا تصلی)

بھی حمل کے باب میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی راوی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ یہی تھا کہ حمل میں جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق رحم سے ایک قسم کا خون جاری ہونے کی صورت میں ترک صلوٰۃ کا حکم دیتی تھیں لیکن عورت کے ترک صلوٰۃ کا سبب ہمیشہ حیض نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاملہ کے جاری ہونے والے خون کو قبل از وقت نفاس کا خون سمجھتی ہوں۔ کوئی ایسا سبب ان کے نزدیک ضرور رہا ہے جس کی وجہ سے وہ حاملہ عورت کے جسم سے جاری ہونے والے خون کو حیض نہیں سمجھتی تھیں۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور ان کے فتوے میں تطبیق کی ایک توجیہ اس طرح کی ہے کہ ولادت کے قریب جاری ہونے والے خون کو اہل علم نفاس میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حالت حمل میں خون جاری ہونے میں نماز چھوڑنے کا قول نفاس پر محمول کیا جائے گا۔

فریقین کی آراء پیش کرنے کے بعد راجح قول یہ ہے کہ حالت حمل میں رحم سے جاری ہونے والا خون، حیض کا حکم نہیں رکھتا۔ طبی اصطلاح میں ایسے خون کو دمِ کاذب (جھوٹا خون) کہا جاتا ہے۔ عورت کے رحم سے خارج ہونے والے خون کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ حیض کی مشابہت ہمیشہ حیض کا حکم نہیں رکھتی۔ اِس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اَیام حمل میں رحم سے جاری ہونے والا خون جب حیض میں شمار نہیں ہوگا تو عورت طُہر (پاکی) کی حالت میں ہے۔ بنا بریں وہ تمام نمازیں اپنے وقت پر ادا کرے گی جب تک کوئی اور ایسا سبب نہ ہو جو دوسرے حکم کا متقاضی ہو۔

فاسد نکاح کی منکوحہ یا موطوئۃ بہ شبہ کی عدت کا حکم

(وَالْمَنْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ) لِاَنَّهَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَائَةِ الرَّحِمِ لَا لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَالْحَيْضُ هُوَ الْمُعَرِّفُ .(وَاِذَا مَاتَ مَوْلٰى اُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا اَوْ اَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :حَيْضَةٌ وَاحِدَةٌ) لِاَنَّهَا تَجِبُ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَشَابَهَتْ الِاسْتِبْرَاءَ .وَلَنَا اَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ فَاَشْبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ ثُمَّ اِمَامُنَا فِيهِ عُمَرُ فَاِنَّهُ قَالَ :عِدَّةُ اُمِّ الْوَلَدِ ثَلَاثُ حِيَضٍ(ا) (وَلَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ) كَمَا فِي النِّكَاحِ .

ترجمہ

نکاح فاسد کے نتیجے میں بننے والی منکوحہ اور شبہ کی وجہ سے جس عورت کے ساتھ وطی کی گئی ہو ان دونوں کی عدت علیحدگی اور موت دونوں صورتوں میں حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ اس لئے ہے تاکہ رحم کا بری ہونا جانا جاسکے یہ اس وجہ سے

نہیں ہے کہ نکاح کے حق کو ختم کیا جائے اور یہ معرفت حیض کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔ جب ام ولد کا آقا انتقال کر جائے یا وہ اسے آزاد کردے' تو ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: اس کی عدت صرف ایک حیض ہوگی' کیونکہ یہ عدت ملک یمین کے زائل ہونے کی وجہ سے لازم ہوئی ہے اس لیے یہ استبراء کی مانند ہوجائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے: ام ولد کی عدت کو اس لیے واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ اب فراش نہیں رہی اس لیے یہ عدت نکاح کے مشابہ ہوگی۔ نیز اس بارے میں ہمارے پیشوا حضرت عمر ہیں جن کا یہ ارشاد ہے۔ ''ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی''۔ اگر ام ولد ایسی عورت ہو' جسے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی' جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب اس نے اپنی عورت مطلقہ سے عدت میں نکاح کیا اور قبل وطی طلاق دیدی تو پورا مہر واجب ہوگا اور سرے سے عدت بیٹھے۔ یوہیں اگر پہلا نکاح فاسد تھا اور دخول کے بعد تفریق ہوئی اور عدت کے اندر نکاح صحیح کرکے طلاق دیدی یا دخول کے بعد کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی پھر نکاح کرکے طلاق دی یا نابالغہ سے نکاح کرکے وطی کی پھر طلاق دی اور عدت کے اندر نکاح کیا اب وہ لڑکی بالغہ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا یا نابالغہ سے نکاح کرکے وطی کی پھر لڑکی نے بالغہ ہوکر اپنے کو اختیار کیا اور عدت کے اندر پھر اُس سے نکاح کیا اور قبلِ دخول طلاق دیدی ان سب صورتوں میں دوسرے نکاح کا پورا مہر اور طلاق کے بعد عدت واجب ہے، اگرچہ دوسرے نکاح کے بعد وطی نہیں ہوئی کہ نکاح اول کی وطی نکاح ثانی میں بھی وطی قرار دی جائیگی۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق دی تو جب تک اُسے تین حیض نہ آلیں دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی یا سن ایاس کو پہنچ کر مہینوں سے عدت پوری کرے اگرچہ بچہ پیدا ہونے سے قبل اُسے حیض نہ آیا ہو۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب عدت)

ام ولد کی تین حیض عدت کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی عورت کے ساتھ فاسد نکاح کیا گیا ہو یا اس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کرلی گئی ہو' تو ان دونوں کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ خواہ اس عورت کی مرد سے علیحدگی ہوئی ہو یا مرد کا انتقال ہوگیا ہو اس کی وجہ یہ ہے: اس عدت کو نکاح کے حق کی ادائیگی کے لئے مقرر نہیں کیا گیا بلکہ یہ جاننے کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ رحم میں نطفہ موجود ہے یا نہیں۔ اور یہ واقفیت حیض کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر ام ولد کے آقا کا انتقال ہوجائے' یا وہ آقا اس ام ولد کو آزاد کردے' تو اس کی عدت تین حیض ہوگی۔

اس بارے میں امام شافعی کی رائے مختلف ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: اس کی عدت ایک حیض ہوگی' اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے: یہ عدت ملک یمین زائل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے' لہٰذا یہ استبراء کے مشابہہ ہوجائے گی اور استبراء

ایک حیض کے ذریعے ہوتا ہے۔ احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اس عورت کی عدت فراش زائل ہونی کی وجہ سے واجب ہوئی ہے' اس لیے یہ نکاح کی عدت کے مشابہ ہوگی' اور وہ تین حیض ہے۔ اس کے بعد مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں نقلی دلیل یہ پیش کی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ ''ام ولد کی عدت تین حیض ہوتی ہے''۔ اگر اس ام ولد کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی' جیسا کہ نکاح کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" أن عمرو بن العاص أمر أم ولد أعتقت أن تعتد ثلاث حيض، و كتب الى عمر فكتب بحسن رأيه، وأخرج عن علي و ابن مسعود نحوه، فيمن مات عنها سيدها انظر "نصب الراية" ۳/۲۵۸ و "الدراية" ۳/۷۸-۷۹۔

نابالغ شخص کی حاملہ بیوہ کی عدت کا حکم

(وَاِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنْ امْرَاَتِهٖ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا) وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: عِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ فَصَارَ كَالْحَادِثِ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَلَهُمَا اِطْلَاقُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) وَلِاَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ وَضْعِ الْحَمْلِ فِیْ اُولَاتِ الْاَحْمَالِ قَصُرَتْ الْمُدَّةُ اَوْ طَالَتْ لَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ لِشَرْعِهَا بِالْاَشْهُرِ مَعَ وُجُوْدِ الْاَقْرَاءِ، لٰكِنْ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَهٰذَا الْمَعْنٰى يَتَحَقَّقُ فِی الصَّبِيِّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ الْحَمْلُ مِنْهُ، بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِاَنَّهٗ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالشُّهُوْرِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِحُدُوْثِ الْحَمْلِ، وَفِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ كَمَا وَجَبَتْ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةً بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ

اور جب کوئی نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو چھوڑ کر فوت ہوجائے' جو حاملہ ہو' تو طرفین کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں: اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس حمل کی نسبت نابالغ کے ساتھ ثابت نہیں ہے' تو یہ اسی طرح ہوگا' جیسے اس نابالغ کے انتقال کے بعد وہ عورت حاملہ ہوئی ہو۔ طرفین کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''حمل والی عورتوں کی عدت کی حد وضع حمل ہے''۔ یہ حکم مطلق ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے: حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے' خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ ہو' اور یہ اس لیے نہیں ہوتی کہ رحم کا حمل سے خالی ہونا معلوم کیا جائے کیونکہ مہینوں کے اعتبار سے عدت وفات اس عورت کے لئے مشروط ہے' جس کو حیض آیا کرتا ہے' بلکہ یہ عدت نکاح کے حق کی

ادائیگی کے لئے ہے اور نکاح کے حق کی ادائیگی نابالغ کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر چہ حمل اس کے نطفے سے نہیں بھی ہے۔ تاہم اس حمل کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے' جو وفات کے بعد رونما ہوتا ہے' کیونکہ اس سے پہلے مہینوں کے اعتبار سے' عدت واجب ہو چکی تھی' لہٰذا بعد میں حمل سامنے آنے کے نتیجے میں یہ تبدیل نہیں ہوگی' جبکہ یہاں عدت آغاز ہی سے حمل کی عدت کے ساتھ واجب ہوئی ہے' تو اس کا اختتام بھی وضع حمل کے ساتھ ہی ہوگا اس لیے دونوں مسئلوں کے درمیان فرق ہوگا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بارہ برس سے کم عمر والے کا انتقال ہوا اور اُس کی عورت کے چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ پیدا ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور چھ مہینے یا زائد میں ہوا تو چار مہینے دس دن اور نسب بہر حال ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر شوہر مراہق ہو تو دونوں صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی اور بچہ ثابت النسب ہے۔ اور جو شخص خصی تھا اُس کا انتقال ہوا اور اُس کی عورت حاملہ ہے یا مرنے کے بعد حاملہ ہونا معلوم ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور بچہ ثابت النسب ہے۔

(جوہرہ نیرہ، باب عدت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کوئی نابالغ لڑکا فوت ہو جائے اور اس کی بیوی حاملہ ہو' تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس عورت کی عدت وضع حمل ہوگی۔

امام ابو یوسف کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں۔ اس عورت کی عدت بیوہ ہونے کے حوالے سے چار ماہ دس دن ہوگی امام شافعی بھی اس بات کے قائل ہیں۔

امام ابو یوسف اپنے مؤقف کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں' کیونکہ اس عورت کا مرحوم شوہر نابالغ تھا اور نابالغ لڑکا بچے کی پیدائش کا سبب نہیں بن سکتا' اس لئے اس عورت کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس عورت کے مرحوم نابالغ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ اسی طرح ہو جائے گا' جیسے اس نابالغ لڑکے کی وفات کے بعد حمل ٹھہرا ہو۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مطلق ہے۔ ''حاملہ عورتوں کی عدت (کا اختتام) بچے کو جنم دینا ہے''۔ ان حضرات نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: حمل والی عورتوں میں عدت کی مدت وضع حمل ہے۔ خواہ یہ عدت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو' یہ اس لیے نہیں ہے کہ اس بات کا پتہ چل جائے۔ کہ رحم میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ کیونکہ مہینے کے اعتبار سے بیوگی کی عدت گزارنے کا حکم اس عورت کے لیے ہے' جسے حیض آتا ہو جبکہ یہاں بیوگی کی عدت نکاح کے حق کی ادائیگی کے لئے ہے' اور یہ صورت اس وقت بھی پائی جائے گی جب عورت کا مرحوم شوہر نابالغ ہو، اگر چہ عورت کا حمل اس مرحوم کے نطفے سے نہ ہو۔

جبکہ شوہر کی وفات کے بعد عورت کے حاملہ ہونے کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ اس کے حاملہ ہونے سے پہلے اس

پر مہینوں کے اعتبار سے بیوگی کی عدت گزارنا لازم ہو چکا ہے' اس لئے بعد میں وہ حاملہ ہو بھی جاتی ہے' تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ہمارے زیر بحث مسئلے میں عدت کے آغاز کے وقت عورت حاملہ تھی۔ اس لیے اس کا اختتام وضع حمل کے ساتھ ہوگا۔ لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق واضح ہو جائے گا۔

شوہر کی وفات کے بعد بڑی عمر کی بیوہ کے حاملہ ہونے کا حکم

وَلَا يَلْزَمُ امْرَاَةُ الْكَبِيرِ اِذَا حَدَثَ لَهَا الْحَبَلُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِاَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مِنْهُ فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا (وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ فِي الْوَجْهَيْنِ) لِاَنَّ الصَّبِيَّ لَا مَاءَ لَهُ فَلَا يُتَصَوَّرُ مِنْهُ الْعُلُوقُ، وَالنِّكَاحُ يَقُومُ مَقَامَهُ فِي مَوْضِعِ التَّصَوُّرِ

ترجمہ

اور اس اصول کے پیش نظر بالغ شخص کی بیوی' کا اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا' جب اس کا بالغ شوہر انتقال کر جائے اور حمل بعد میں ظاہر ہو' کیونکہ یہاں حمل کا نسب اس بالغ شخص کے ساتھ ثابت ہوگا' تو گویا وہ حمل موت کے وقت میں ہی موجود تھا' دونوں صورتوں میں بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ نابالغ بچے میں تو ابھی نطفے کا وجود ہی نہیں تھا لہٰذا حمل کو اس کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے اور نکاح کو صحبت کے قائم مقام وہاں کیا جاتا ہے' جہاں صحبت کا امکان ہو سکے۔

شرح

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونیوالی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو ہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لیے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اسکو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔

(مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا الخ،، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ج سکا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی

شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرگا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارہ میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کرنیوالے کی ملکیت میں آئی ہے ت واس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ ک اشنا وارث بنانا لازم آئگا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کردے گا جب کہ اس احتمال کے مطابق حققت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنیوالی صورت ہے لہذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

اس اصول کے پیش نظر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا' اگر بالغ شوہر کا انتقال ہوا ہوتا اور حمل بعد میں ظاہر ہوا ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہے: حمل کی نسبت اس بالغ شخص کی طرف ہوگی' اور یہ اس بات کی دلیل ہوگی: اس کے انتقال کے وقت وہ حمل موجود تھا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: دونوں صورتوں میں بھی اس نابالغ کے انتقال کے وقت حمل موجود ہو یا موجود نہ ہو، اس حمل کا نسب اس نابالغ مرحوم سے ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ وہ نابالغ مرحوم باپ بننے کے قابل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس کی طرف حمل کی نسبت کا امکان نہیں پایا جاسکتا جبکہ نکاح کو صحبت کا قائم مقام وہاں قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں صحبت کا امکان موجود ہو۔

جس حیض میں عورت کو طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فِي حَالَةِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الطَّلَاقُ) لِاَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ، بِثَلَاثِ حِيَضٍ كَوَامِلَ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا .

ترجمہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدے' تو جس حیض کے دوران طلاق دی گئی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا' کیونکہ عدت تین مکمل حیضوں کے ذریعے پوری ہوتی ہے اس لیے اس میں کمی نہیں کی جاسکتی۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر شوہر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدیتا ہے' تو جس حیض کے دوران طلاق دی گئی ہے وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے: عدت تین مکمل حیض ہے' اور جس حیض میں طلاق دی گئی ہے' کیونکہ اس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے اس لئے اسے عدت میں شامل کرنے کے نتیجے میں عدت کے تین مکمل حیض نہیں ہوں گے۔

حیاض ثلاثہ کو اطہار ثلاثہ پر قیاس نہ کرنے کا فقہی بیان

احناف کے اس موقف پر بعض شوافع و مالکیہ کی طرف یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جس طرح آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ لفظ قرؤ کا ترجمہ حیض کریں تو تین کا عدد پورا ہوتا ہے۔ جبکہ طہر معنی کرنے میں ثلاثہ کا خاص مکمل نہیں ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد یہ دلیل دینا کہ جس حیض میں طلاق دی گئی تو وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا اور اگر اسی طرح جس طہر میں طلاق دی گئی اس کو بھی شمار نہ کریں تو تین اطہار بھی پورے ہو جائیں گے اور احناف کا دلیل خاص کا حل بھی ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دینا یہ حکم شرعی کے مطابق مشروع ہے جبکہ حیض میں طلاق دینا یہ شریعت کے مطابق مشروع نہیں ہے البتہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور طہر میں طلاق یہ اس کا اصلی طریقہ کار ہے جبکہ حیض میں طلاق دینا غیر شرعی طریقہ ہے۔ لہذا یہ بہ حکم عارض کے ہوا تو اس کے عارضی ہونے کے سبب ہم نے اس اصلی حکم یعنی طہر میں طلاق دینے پر قیاس نہ کیا۔ کیونکہ عارض و اصل میں جب اشتراک علت نہ ہو تو قیاس نہ کیا جائے گا۔

دو عدتوں میں تداخل کا فقہی بیان

(وَإِذَا وُطِئَتْ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَتَدَاخَلَتْ الْعِدَّتَانِ، وَيَكُونُ مَا تَرَاهُ الْمَرْاَةُ مِنْ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيعًا، وَإِذَا انْقَضَتْ الْعِدَّةُ الْاُولَى وَلَمْ تُكْمِلْ الثَّانِيَةَ فَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ) وَهٰذَا عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا تَتَدَاخَلَانِ لِاَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْعِبَادَةُ فَإِنَّهَا عِبَادَةُ كَفٍّ عَنْ التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ وَلَنَا اَنَّ الْمَقْصُودَ التَّعَرُّفُ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ وَقَدْ حَصَلَ بِالْوَاحِدَةِ فَتَتَدَاخَلَانِ، وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ، اَلَا تَرَى اَنَّهَا تَنْقَضِي بِدُونِ عِلْمِهَا وَمَعَ تَرْكِهَا الْكَفَّ .(وَالْمُعْتَدَّةُ عَنْ وَفَاةٍ إِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ تَعْتَدُّ بِالشُّهُورِ وَتَحْتَسِبُ بِمَا تَرَاهُ مِنْ الْحَيْضِ فِيهَا) تَحْقِيقًا لِلتَّدَاخُلِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ .

ترجمہ

اور جب عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کرلی جائے' تو اس عورت پر دوسری عدت گزارنا لازم ہوگا اور یہ دونوں عدتیں ساتھ' ساتھ شمار ہوں گی۔ اس کی صورت یہ ہوگی: اس کے بعد اس عورت کو جو حیض آئے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا جب پہلی عدت مکمل ہو جائے گی' تو عورت پر دوسری عدت کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: وہ دونوں عدتیں ایک دوسرے کے اندر داخل نہیں ہوسکتی ہیں' کیونکہ عدت کا مقصد عبادت اور اللہ تعالیٰ کے

احکام کی تکمیل ہے اور یہ حکم ہے کہ عورت اپنے آپ کو دوسرا نکاح کرنے' یا گھر سے باہر نکلنے سے روکے' تو دو عبادات ایک ساتھ ادا نہیں کی جاسکتی جیسا کہ ایک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھے جاسکتے۔ ہماری دلیل یہ ہے: عدت کا اصل مقصد یہ ہے: یہ پتہ چل سکے کہ رحم حمل سے خالی ہے اور اس بات کا علم ایک عدت کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے' لہٰذا دوسری عدت کو بھی اس کے ساتھ ہی شمار کیا جائے گا' اور اس مسئلے میں عبادت کا پہلو عدت کے بنیادی مقصد کے تابع ہوگا۔ کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ عورت کے علم اور اپنے آپ کو روکے بغیر بھی عدت گزر جاتی ہے۔ اگر وفات کی عدت بسر کرنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی جائے' تو وہ مہینوں کے اعتبار سے ہی اپنی عدت پوری کرے گی' اور اس دوران جو حیض آئے گا وہ دوسری عدت میں شمار ہوگا تا کہ ممکنہ حد تک دونوں عدتوں کو ایک ساتھ شمار کیا جاسکے۔

دو عدتوں میں مداخلت وعدم مداخلت کا فقہی بیان

حضرت سلیمان ابن یسار کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوص سے الگ ہوگئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528 مؤطا امام مالک)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہو گئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہو گئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہو گئی لہٰذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طیبی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ آیت (والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک

تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طیبی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طیبی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدة لامة حيضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اسکے علاوہ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثة قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ایک شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدیتا ہے۔ وہ عورت اس عدت کے دوران دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے' تو یہ نکاح درست نہیں' لیکن دوسرے شخص نے اس نکاح کو درست سمجھتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لی۔ اب قاضی کی عدالت میں پہلے شخص نے مقدمہ کر دیا ہے اس عورت کی عدت تو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی' لہٰذا اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہے۔ قاضی نے معاملے کی چھان بین کرنے کے بعد دوسرے نکاح کو کالعدم قرار دیتے ہوئے۔ عورت اور اس کے دوسرے شوہر کے درمیان تفریق کروادی۔ اب اس عورت کی پہلے شوہر سے بھی عدت باقی ہے' اور دوسرے شخص سے بھی عدت باقی ہے۔ اب یہاں دو عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہوں گی۔

اس کو صورت یہ ہو گی: پہلے شوہر کی عدت کا جو حصہ باقی ہوگا، دوسرے شوہر کی عدت اس پہلی عدت کے ساتھ اس وقت تک شمار ہو گی جب تک پہلی عدت پوری نہیں ہو جاتی جب پہلی عدت پوری ہو جائے گی' تو دوسری عدت کا بقیہ حصہ پورا کر لیا جائے گا۔

اس کا آسان لفظوں میں یوں واضح کیا جاسکتا ہے: پہلے شوہر کی عدت تین حیض ہو گئی عورت نے ایک حیض کے بعد دوسرا نکاح کر لیا اور دوسرا حیض آنے سے پہلے دوسرے شوہر نے اس کے ساتھ صحبت بھی کر لی اور قاضی نے ان کے درمیان تفریق بھی کر دی تو اب عورت کو جو حیض آئے گا وہ پہلی عدت کا دوسرا حیض اور دوسری عدت کا پہلا حیض ہوگا۔ پھر اگلا حیض

پہلی عدت کا تیسرا حیض ہوگا۔ جبکہ ساتھ پہلی عدت ختم ہوجائے گی اور وہ دوسری عدت کا دوسرا حیض ہوگا۔ اس کے بعد اگلا حیض صرف دوسری عدت سے متعلق ہوگا' اور کیونکہ یہ دوسری عدت کا تیسرا حیض ہوگا۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی دوسری عدت ختم ہوجائے گی۔

یہ حکم احناف کے نزدیک ہے امام شافعی کی رائے اس بارے میں مختلف ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی اس کی وجہ یہ ہے: عدت کی ادائیگی لازم ہونا عبادت کے طور پر ہے یعنی اس عدت کے دوران یہ بات عورت کے حق میں عبادت ہے۔ کہ وہ دوسری شادی کرنے اور گھر سے باہر نکلنے سے رکی رہتی ہے' تو عبادت ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی جیسے کوئی شخص ایک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح ایک ہی حیض کو دو ہی عدتوں کا حصہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے وہ عورت دونوں مدتوں میں، الگ الگ، تین تین حیض تک کا عرصہ عدت کے طور پر گزارے گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے: عدت کا بنیادی مقصد یہ ہے: یہ پتہ چل جائے: رحم میں نطفہ موجود نہیں ہے' اور یہ بات ایک ہی حیض کے ذریعے پتہ چل سکتی ہے' اس لیے وہ ایک حیض ان دونوں عدتوں پر مشتمل شمار کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ عدت میں عبادت کا پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت کو علم نہ بھی ہو' تو بھی عدت اپنے وقت پر پوری ہوجاتی ہے۔ اس طرح اگر وہ دوسری شادی کرنے یا گھر سے باہر نکلنے سے باز نہیں آتی ہے' تو بھی عدت پوری ہوجاتی ہے اگر یہ صرف عبادت ہوتی تو خلاف عدت کام کی وجہ سے یہ باطل ہوجاتی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جو عورت بیوگی کی عدت گزار رہی ہو اگر اس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی جائے' تو بھی وہ عورت بیوگی کی عدت مہینوں کے اعتبار سے یعنی چار ماہ دس دن گزارے گی اور اس دوران اُسے جو حیض آئے گا۔ وہ دوسری عدت کا حصہ شمار ہوگا۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو' دونوں عدتوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا جائے۔

عقب طلاق عدت کے آغاز کا بیان

(وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيبَ الْوَفَاةِ، فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ اَوْ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا) لِاَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ اَوْ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ وُجُودِ السَّبَبِ، وَمَشَايِخُنَا يُفْتُونَ فِي الطَّلَاقِ اَنَّ ابْتِدَاءَهَا مِنْ وَقْتِ الْاِقْرَارِ نَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ .

(وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيبَ التَّفْرِيقِ اَوْ عَزْمِ الْوَاطِءِ عَلٰى تَرْكِ وَطْئِهَا)

وَقَالَ زُفَرُ :مِنْ آخِرِ الْوَطَآتِ لِاَنَّ الْوَطْءَ هُوَ السَّبَبُ الْمُوجِبُ .

وَلَنَا اَنَّ كُلَّ وَطْءٍ وُجِدَ فِي الْعَقْدِ الْفَاسِدِ يَجْرِي مَجْرَى الْوَطْاَةِ الْوَاحِدَةِ لِاسْتِنَادِ الْكُلِّ اِلَى حُكْمِ عَقْدٍ وَاحِدٍ، وَلِهٰذَا يُكْتَفٰى فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ، فَقِيلَ :الْمُتَارَكَةُ اَوْ الْعَزْمُ لَا تُثْبِتُ الْعِدَّةَ مَعَ جَوَازِ وُجُودِ غَيْرِهِ وَلِاَنَّ التَّمَكُّنَ عَلٰى وَجْهِ الشُّبْهَةِ اُقِيمَ مَقَامَ حَقِيقَةِ الْوَطْءِ لِخَفَائِهِ وَمِسَاسِ الْحَاجَةِ اِلَى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِي حَقِّ غَيْرِهِ .

ترجمہ

اور طلاق کی صورت میں عدت کا آغاز طلاق کی ابتداء کے بعد شروع ہوگا اور وفات کی صورت میں شوہر کے فوت ہونے کے ساتھ ہی شروع ہوجائے گا۔ اگر عورت کو طلاق یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر جائے' تو اس کی عدت ختم ہوجائے گی' کیونکہ عدت کے واجب ہونے کا بنیادی سبب طلاق یا وفات ہے' لہٰذا اس کا آغاز بھی سبب کے موجود ہونے کے وقت سے شمار ہوگا۔ سمرقند اور بخارا کے مشائخ کا فتویٰ اس بارے میں یہ ہے: عدت کا آغاز اقرار کے وقت سے ہوگا تاکہ باہمی اتفاق کا الزام دور کیا جاسکے۔ فاسد نکاح میں عدت کا آغاز' تفریق کے وقت سے ہوگا یا پھر اس وقت سے ہوگا جب صحبت کرنے والے شخص نے صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہو۔ امام زفر فرماتے ہیں: عدت کا آغاز سب سے آخری مرتبہ صحبت کرنے کے بعد سے شروع ہوگا' کیونکہ وہ صحبت ہی عدت کے وجوب کا سبب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے: فاسد عقد میں جتنی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہے' وہ سب ایک ہی مرتبہ شمار ہوگی' کیونکہ سب کی نسبت ایک ہی فاسد عقد کی طرف ہے' اس لیے ان تمام صحبتوں کے عوض میں ایک ہی مہر دیا جاتا ہے' تو جب تک علیحدگی نہ ہوجائے یا صحبت ترک کرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو' اس وقت تک عدت کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ ابھی صحبت کا احتمال موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے: شبہ کی وجہ سے صحبت کرنے کو بھی حقیقی صحبت کے قائم مقام قرار دیا جائے گا' کیونکہ صحبت ایک مخفی عمل ہے اور یہاں یہ ضرورت درپیش ہے کہ صحبت کرنے والے شخص کے علاوہ' دوسرے شخص کے حق میں اس کا حکم معلوم کیا جائے۔

وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ واضح کیا ہے: جس عدت کا تعلق طلاق سے ہو اس کا آغاز طلاق ہونے کے فوراً بعد ہوجاتا ہے اور جس عدت کا تعلق وفات سے اس کا آغاز شوہر کے انتقال کے فوراً بعد ہوجاتا ہے۔ خواہ عورت کو طلاق ہوجانے یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہوسکے۔ اس عورت کی عدت پوری ہوجائے گی۔

مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ عدت کے وجود کا سبب طلاق ہونا یا شوہر کا انتقال ہے' لہٰذا عدت کی ابتداء میں

سبب کی موجودگی کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: طلاق میں عدت کا آغاز اس وقت ہوگا جب شوہر اقرار کرے اس کی وجہ یہ ہے: ایسی صورت میں ان میاں بیوی پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکے گا' انہوں نے باہمی رضامندی کے ساتھ اپنے کسی منافع کے حصول کے لئے سابقہ کسی وقت میں طلاق دیئے جانے اور موجودہ وقت میں اسی طلاق کی عدت ختم ہو جانے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب نکاح فاسد ہو تو اس میں بھی عدت لازم ہوتی ہے' اور اس عدت کا آغاز اس وقت ہوگا۔ جب اس مرد اور عورت کے درمیان علیحدگی کر دی جائے' یا اس کا آغاز اس وقت ہوگا' جب صحبت کرنے والا شخص اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ اب وہ صحبت نہیں کرے گا۔

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے' کیونکہ ان کے نزدیک فاسد نکاح میں سب سے آخری مرتبہ جو صحبت کی گئی تھی عدت کا آغاز اس وقت سے ہوگا۔

انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: یہاں عدت واجب کرنے کا بنیادی سبب صحبت کرنا ہے' لہٰذا عدت کے آغاز میں سب سے آخری صحبت کا اعتبار کیا جائے گا۔

احناف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: فاسد عقد میں جتنی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہو' وہ سب ایک ہی صحبت شمار ہوں گی' کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت ایک ہی عقد کی صرف ہے' یہی وجہ ہے: ایسے فاسد عقد میں کئی مرتبہ صحبت کر لینے کے باوجود ایک ہی مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس لئے علیحدگی ہو جانے یا صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی' کیونکہ اس کے غیر کے موجود ہونے کا جواز یعنی امکان بہر حال پایا جا رہا ہے۔

یہاں مصنف نے احناف کے مؤقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: شبہ کی وجہ سے کی جانے والی صحبت حقیقی وطی کی قائم مقام ہوگی' کیونکہ صحبت کرنے والے شخص کو شبہ کے اعتبار سے وطی کرنے کی قدرت حاصل ہے' اس لیے جب تک مرد اور عورت میں علیحدگی نہیں ہوگی۔ یا مرد جب تک صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک دوبارہ صحبت کرنے کا امکان موجود رہے گا' اور جب تک صحبت کا امکان رہے گا عدت کا آغاز نہیں ہو سکے گا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: حقیقی طور پر صحبت کا مخفی ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہاں عدت کی معرفت کی ضرورت متعلقہ فریقین کو ہے' اور ان کے لئے وطی کی حقیقت کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہاں یہ امکان پایا جاتا ہے: دوسرا شخص اس بارے میں حکم کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یعنی کوئی اور شخص اس عورت کے ساتھ صحیح نکاح کرنا چاہتا ہے' تو اب اسے یہ ضرورت پیش آئے گی: وہ اس بات

سے واقف ہو کہ اس عورت کی عدت کا آغاز کب ہوا تھا اور اختتام کب ہوا؟ تو دوسرے کے حق کی اس ضرورت کے پیش نظر اس امر کو مخفی قرار دیا جائے گا۔

عدت ختم ہونے میں عورت کے قول کے اعتبار کا بیان

(وَإِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَّةُ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْيَمِينِ) لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِيْ ذٰلِكَ وَقَدْ اُتُّهِمَتْ بِالْكَذِبِ فَتَحْلِفُ كَالْمُوْدَعِ .

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبَلَةٌ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهِ اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰى) لِاَنَّ هٰذَا طَلَاقٌ قَبْلَ الْمَسِيسِ فَلَا يُوجِبُ كَمَالَ الْمَهْرِ وَلَا اسْتِئْنَافَ الْعِدَّةِ، وَاِكْمَالُ الْعِدَّةِ الْاُولَى اِنَّمَا يَجِبُ بِالطَّلَاقِ الْاَوَّلِ، اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ حَالَ التَّزَوُّجِ الثَّانِيْ، فَاِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاقِ الثَّانِيْ ظَهَرَ حُكْمُهُ، كَمَا لَوْ اشْتَرٰى اُمَّ وَلَدِهِ ثُمَّ اَعْتَقَهَا .

وَلَهُمَا اَنَّهَا مَقْبُوضَةٌ فِيْ يَدِهِ حَقِيقَةً بِالْوَطْاَةِ الْاُولَى وَبَقِيَ اَثَرُهُ وَهُوَ الْعِدَّةُ، فَاِذَا جَدَّدَ النِّكَاحَ وَهِيَ مَقْبُوضَةٌ نَابَ ذٰلِكَ الْقَبْضُ عَنْ الْقَبْضِ الْمُسْتَحَقِّ فِيْ هٰذَا النِّكَاحِ كَالْغَاصِبِ يَشْتَرِي الْمَغْصُوبَ الَّذِي فِيْ يَدِهِ يَصِيرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ، فَوَضَحَ بِهٰذَا اَنَّهُ طَلَاقٌ بَعْدَ الدُّخُوْلِ . وَقَالَ زُفَرُ : لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا اَصْلًا ؛ لِاَنَّ الْاُولَى قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّزَوُّجِ فَلَا تَعُودُ، وَالثَّانِيَةُ لَمْ تَجِبْ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور جب عدت بسر کرنے والی عورت نے یہ بات کہی: میری عدت گزر چکی ہے' اور شوہر اس کی بات کو جھٹلا دے تب عورت قسم اٹھا کر اپنی بات کی تصدیق کر دے' تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا' کیونکہ اس بارے میں وہ امین تصور کی جائے گی' لیکن اس پر غلط بیانی کا الزام لگایا گیا ہے اس لیے مودع کی طرح اسے قسم اٹھانا ہوگی۔ اگر کوئی شخص عورت کو طلاق بائنہ دیدے' اور پھر عدت کے دوران ہی اس سے نکاح کرلے لیکن دخول سے پہلے اسے پھر طلاق دیدے' تو مرد کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا اور عورت پر مستقل عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے۔

امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں مرد پر نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور عورت پر پہلی عدت کو پورا کرنا لازم

ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے: اسے صحبت سے پہلے طلاق دی گئی ہے اس لیے نہ تو مرد پر پورے مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور نہ ہی عورت پر ازسرنو عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔ جہاں تک پہلی عدت کے پورا کرنے کا تعلق ہے' تو وہ پہلی طلاق کی وجہ سے لازم ہوئی تھی' کیونکہ دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہوسکا۔لیکن جب دوسرا نکاح طلاق سے زائل ہوگیا' تو پہلی طلاق کا حکم ظاہر ہوجائے گا۔جیسا کہ کوئی شخص اگر ام ولد خرید کر اسے آزاد کردے (تو یہی حکم ہے)۔امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے: دراصل عورت پہلی صحبت کی وجہ سے اپنے شوہر کے قبضے میں ہے اور پہلی صحبت کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے' لہٰذا اگر شوہر اس کے ساتھ نئے سرے سے نکاح کرلے اور عورت شوہر کے قبضے میں ہو' تو یہ پہلا قبضہ دوسرے نکاح کے واجب قبضے کا قائم مقام ہوجائے گا۔جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام کو چھین کر اپنے قبضے میں لے اور پھر اس غلام کو مالک سے خرید لے' جبکہ وہ غلام پہلے ہی سے اس کے قبضے میں ہے' تو پہلا قبضہ ہی قبضہ خرید کے قائم مقام ہوجائے گا' تو اس مثال سے یہ بات ظاہر ہوگئی: دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے' وہ دخول کے بعد طلاق شمار ہوگی' تو عورت کو پورا مہر ملے گا' اور اس پر عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے: عورت پر عدت گزارنا لازم ہی نہیں ہوگا' کیونکہ پہلی عدت دوسرے نکاح کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہے' لہٰذا وہ دوبارہ نہیں ہوسکتی اور طلاق کی صورت میں دوسری مرتبہ عدت واجب ہی نہیں ہوتی ہے (کیونکہ وہ دخول سے پہلے دی گئی ہے)۔لیکن اس کا جواب وہی ہے' جسے ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔

اختتام عدت میں عورت پر قسم ہونے کا اعتبار

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اور اگر عورت کہتی ہے کہ عدت پوری ہوچکی اگر اتنا زمانہ گزرا ہے کہ پوری ہوسکتی ہے تو قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہے اور اگر اتنا زمانہ نہیں گزرا تو نہیں۔مہینوں سے عدت ہو جب تو ظاہر ہے کہ اُتنے دن گزرنے پر عدت ہوچکی اور حیض سے ہو تو آزاد عورت کے لیے کم از کم ساٹھ دن ہیں اور لونڈی کے لیے چالیس بلکہ ایک روایت میں حرہ کے لیے اُنتالیس دن کہ تین حیض کی اقل مدت نو دن ہے اور دو طہر کی تیس دن اور باندی کے لیے اکیس دن کہ دو حیض کے چھ دن اور ایک طہر درمیان کا پندرہ دن ہے۔

اور جب مطلقہ کہتی ہے کہ عدت پوری ہوگئی کہ حمل تھا ساقط ہوگیا اگر حمل کی مدت اتنی تھی کہ اعضا بن چکے تھے تو مان لیا جائے ورنہ نہیں مثلاً نکاح سے ایک مہینے بعد طلاق دی اور طلاق کے ایک ماہ بعد حمل ساقط ہونا بتاتی ہے تو عدت پوری نہ ہوئی کہ بچے کے اعضا چار ماہ میں بنتے ہیں۔(ردمحتار، باب عدۃ، ج۵، ص۲۱۰، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عدت گزارنے والی عورت جب یہ بیان کردے: میری عدت ختم ہوچکی ہے اور شوہر اس کی بات کی تردید کردے' تو اس بارے میں، قسم کے ہمراہ، عورت کا قول معتبر ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے: وہ عورت اس بارے میں امین ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر وہ عورت اس بارے میں امین ہے' تو پھر آپ اس سے حلف کیوں لے رہے ہیں' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: شوہر نے اس کی بات کو جھٹلا کر اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے اس لئے وہ عورت حلف اٹھائے گی کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

یہ حکم بالکل اسی طرح ہوگا' جیسے کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھوائے' تو جس کے پاس امانت رکھوائی گی ہو وہ یہ کہے: میں اس امانت کو واپس کرچکا ہوں' لیکن رکھوانے والا شخص یہ کہے: واپس نہیں کی ہے' تو وہ شخص قسم اٹھائے گا' جس کے پاس امانت رکھوائی گئی تھی۔ایسا اس وقت ہوگا جب امانت رکھوانے والا شخص اپنے مؤقف کو تائید میں کوئی ثبوت پیش نہ کرسکتا ہو۔اگر ثبوت موجود ہوں تو ان کے مطابق حکم ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ایک شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدیتا ہے' اور پھر اس عورت کی عدت کے دوران اس عورت کے ساتھ شادی کرلیتا ہے' پھر اس عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے اُسے طلاق دیدیتا ہے' تو اب مرد پر مکمل مہر کی ادائیگی لازم ہوگی' اور عورت پر دوسری عدت مستقل طور پر گزارنا لازم ہوگا' یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے۔

اس بارے میں امام محمد کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: شوہر کے ذمے نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی وجہ یہ ہے: شوہر نے عورت کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی ہے' اور اصول یہ ہے: جب شوہر بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدے' تو نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے' اور بیوی پر اس دوسرے نکاح کی کوئی عدت لازم نہیں ہوگی' کیونکہ اصول یہ ہے: جب شوہر صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدے' تو بیوی پر کوئی عدت لازم نہیں ہوتی' لیکن کیونکہ عورت پر پہلی عدت پہلی طلاق کی وجہ سے لازم ہوئی تھی' تو پہلی عدت کو پورا کرنا اس پر لازم ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: اگر کوئی شخص اپنی ام ولد کو خرید کر آزاد کردے۔

اس کی صورت یہ ہوگی: کوئی شخص کسی کنیز کے ساتھ شادی کرلیتا ہے' اور وہ کنیز اس شخص کے بچوں کو جنم دیتی ہے۔پھر وہ شخص اس کنیز کو خرید کر آزاد کردیتا ہے' تو اس شخص نے جیسے ہی اپنی بیوی کو خریدا' تو اس کنیز کا نکاح زائل ہوجائے گا' کیونکہ ملک نکاح اور ملک رقبہ ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔نکاح ختم ہونے کی وجہ سے عورت پر عدت بسر کرنا لازم ہوجائے گا۔

اور کیونکہ عورت کنیز ہے' اس لیے اس کی عدت دو حیض ہوگی' لیکن جب شوہر نے اسے آزاد کردیا' تو اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح تین حیض ہونی چاہیے' لیکن آزاد ہونے سے پہلے جب وہ شوہر کی مملوک تھی اس وقت اس کے حق میں عدت ظاہر نہیں ہوئی' لیکن جب شوہر کے آزاد کرنے کے نتیجے میں یہ ملکیت زائل ہوگی' تو عدت کا حکم ظاہر ہوجائے گا۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: پہلی صحبت کی وجہ سے وہ عورت

درحقیقت ابھی شوہر کے قبضے میں ہے' اور پہلی صحبت کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے جب شوہر اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرتا ہے' جبکہ وہ عورت پہلے ہی اس کے قبضے میں ہے' تو یہ قبضہ دوسرے نکاح کے واجب قبضے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے ایک شخص کسی دوسرے کی چیز غصب کر لیتا ہے' اور پھر دوسرے سے وہی چیز خرید لیتا ہے' جسے اس نے غصب کیا تھا تو اب وہ شخص صرف اس عقد کی وجہ سے اس چیز کو قبضے میں لینے والا شمار ہوگا' یعنی غصب کی وجہ سے ہونے والا قبضہ' خریداری کی وجہ سے ہونے والے قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا۔

اس طرح سابقہ مسئلے میں شوہر کا پہلے نکاح کا قبضہ دوسرے نکاح کے قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا' اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی: دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے' وہ صحبت ہو جانے کے بعد واقع ہوئی ہے' اس لئے شوہر کے ذمے پورے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی' اور عورت پر مکمل عدت لازم ہوگی۔

اس بارے میں امام زفر کی رائے بالکل مختلف ہے' وہ اس بات کے قائل ہیں: عورت پر عدت لازم ہی نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: دوسرے نکاح کے نتیجے میں پہلی عدت ساقط ہو جائے گی' اور دوسری طلاق کیونکہ صحبت سے پہلے ہوئی ہے' اس لئے اس میں عدت واجب ہی نہیں ہوگی۔ مصنف فرماتے ہیں: اس کا جواب وہی ہے' جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

غیر مسلم عورت پر عدت لازم نہیں ہوتی

قَالَ (وَاِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَكَذَا اِذَا خَرَجَتْ الْحَرْبِيَّةُ اِلَيْنَا مُسْلِمَةً، فَاِنْ تَزَوَّجَتْ جَازَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا، وَهٰذَا كُلُّهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا : عَلَيْهَا وَعَلَى الذِّمِّيَّةِ الْعِدَّةُ) اَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَالِاخْتِلَافُ فِيْهَا نَظِيْرُ الِاخْتِلَافِ فِيْ نِكَاحِهِمْ مَحَارِمَهُمْ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ، وَقَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْمَا اِذَا كَانَ مُعْتَقَدُهُمْ اَنَّهُ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا، وَاَمَّا الْمُهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ اٰخَرَ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَتَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّبْلِيْغِ .

وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى (لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ) وَلِاَنَّ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَجَبَتْ كَانَ فِيْهَا حَقُّ بَنِيْ آدَمَ وَالْحَرْبِيُّ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتّٰى كَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ اِلَّا اَنْ

تَكُوْنَ حَامِلًا لِاَنَّ فِيْ بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ . وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ يَجُوْزُ نِكَاحُهَا وَلَا يَطَؤُهَا كَالْحُبْلٰى مِنَ الزِّنَا وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ .

ترجمہ

اور جبکوئی ذمی مرد کسی ذمی عورت کو طلاق دیدے' تو اس ذمی عورت پر عدت بسر کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی حربی عورت مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آ جائے (تو یہی حکم ہے)۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: حربی عورت پر عدت بسر کرنا لازم ہوگا اور ذمی عورت پر بھی لازم ہوگا۔ ذمی عورت پر عدت واجب ہونے کی دلیل یہ ہے: ذمی عورت کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ اس نوعیت کا ہے' جو ذمیوں کا دائمی حرام عورتوں سے نکاح کرنے کے بارے میں ہے اور ہم اس بات کو کتاب النکاح میں مشرکین کے باہمی نکاح کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس بارے میں امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے: جب ذمیوں کا یہ اعتقاد ہو کہ طلاق یافتہ عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی۔ جو عورت مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آئی ہو اس کے بارے میں صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے: اگر علیحدگی کسی دوسری وجہ سے واقع ہوئی ہے' تو عدت واجب ہوگی۔ اسی طرح کفر کی سلطنت کو چھوڑ کر اسلامی سلطنت میں آنے کے نتیجے میں جو علیحدگی واقع ہوئی ہے' اس سے بھی عدت واجب ہوگی' اس کے برخلاف اگر شوہر مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آ جائے اور بیوی کو دارالحرب میں چھوڑ آئے تو عدت لازم نہیں ہوگی' کیونکہ اس عورت تک شرعی حکم نہیں پہنچ سکا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو"۔ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دارالحرب سے مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ جاتی ہیں۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے: انسانوں کے حق کو مدنظر رکھتے ہوئے عدت واجب کی گئی ہے' لیکن حربی شخص کا کوئی حق نہیں ہے' کیونکہ وہ تو جمادات کی مانند ہے' یہاں تک کہ اسے ملکیت میں لایا جا سکتا ہے' لیکن اگر حربی عورت حاملہ ہو (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ اس کے پیٹ میں وہ بچہ موجود ہے جس کا نسب ثابت ہے۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے: ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا' البتہ اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جائے گی' جیسا کہ زناء کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت کے ساتھ نکاح کیا جا سکتا ہے' لیکن صحبت نہیں کی جا سکتی' تاہم پہلا قول زیادہ درست ہے۔

شرح

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَ اللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔(ممتحنہ، ۱۰)

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرلو۔اللہ ان کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے پھر اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس نہ دو نہ یہ۔ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال اور ان کے کافر شوہروں کو دے دو جو ان کا خرچ ہوا۔اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کرلو۔ جب ان کے مہر انہیں دو اور کافرنیوں کے نکاح پر جمے نہ رہو۔اور مانگ لو جو تمہارا خرچ ہوا۔ اور کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔یہ اللہ کا حکم ہے وہ تم میں فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔(کنزالایمان)

مہاجر عورتوں کے نکاح وفسخ نکاح میں فقہی تصریحات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔کہ، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہوجاتا ہے،

ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کرلینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے گار چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کرلے اور اسی پر ابن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کردو جیسے کہ مہر۔پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کرلینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کرلیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا باایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہوجائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا، اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حرول خزاعی کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی والدہ یہ ہی تھی، اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کرلیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروٰی بنت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کرلیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی

عورتیں جو مسلمان ہوکر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دے دو۔صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہوچکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کردیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔اس کے بعد کی آیت وان فاتکم الخ کا مطلب حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد وپیمان صلح وصفائی نہیں، اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہوکر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہوکر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کردیا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آجائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافر اس کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں، پس فعاقبم کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کردو، یعنی مہر مثل، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر ناممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے حضرت امام ابن جریر اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں۔

میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں

یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں، ہاں کفار عورتیں جو میدان جنگ میں قید ہوکر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں، مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قید ہوکر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت سوال کیا تب یہ آیت اتری ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا ترمذی ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے،

طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے، سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کامل کے مترادف ہے، ابراہیم سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی لونڈی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے،

حضرت ابی بن کعب حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتوی ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے، ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں، بیچنا بھی طلاق ہے آزاد کرنا بھی ہبہ کرنا بھی برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں)

حضرت ابن المسیب فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن لونڈیاں ان کی طلاق ان کا بک جانا ہے، حضرت معمر اور حضرت حسن بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے، ان کی دلیل حضرت بریرہ والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے فسخ نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہ نے فسخ کرنے کو پسند کیا یہ واقعہ مشہور ہے، پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دیتے، اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے، تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں واللہ اعلم۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابوالعالیہ اور طاؤس یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں کنیزوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حرمت اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دی ہے یعنی چار کی پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو، اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں، ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں، لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطا کا قول ہے، حضرت قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں، یہی آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بہ طریق شرع۔ اسی لئے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو، جیسے اور آیت میں ہے و کیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لوگے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور فرمایا و اتوا النساء صدقاتھن نحلتہ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو اور جگہ فرمایا و لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتمو ھن شیا الخ، تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے، اس آیت سے نکاح

متعہ پر استدلال کیا ہے بیشک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا، امام شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔

حضرت ابن عباس اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے، حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے ابن عباس ابی بن کعب سعید بن جبیر اور سدی سے منھن کے بعد الی اجل مسمی کی قرأت مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے۔

لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا، اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں، صحیح مسلم شریف میں حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی یاد رکھو بیشک اب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو،

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجتہ الوداع میں یہ فرمایا تھا، یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے، جن کی تفصیل کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں، پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کر لو تو کوئی حرج نہیں، اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں،

سدی کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہدے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لئے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث نہ یہ مرد اس عورت کا، اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی کے مصداق کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے جیسے فرمایا مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو، اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے صاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں،

حضرت حضرمی فرماتے ہیں کہ لوگ اقرار دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر

اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم وحکیم ہے ان کا احکام میں جو حلت وحرمت کے متعلق ہیں جو رحمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

اہل ظواہر کے نزدیک مفقود شوہر عورت کی عدت کا بیان

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے کئی ایک اقوال ہیں کہ عورت کتنی مدت انتظار کرے تاکہ خاوند پر موت کا حکم لگایا جاسکے:

محقق علماء کرام نے راجح یہ قرار دیا ہے کہ اس مدت کی تقدیر حاکم کے اجتهاد پر منحصر ہے، اور اس میں حالات واوقات اور قرائن کے اعتبار سے اختلاف ہوسکتا ہے تو اس طرح قاضی اپنے اجتهاد سے اس مدت کو مقرر کرے گا جو اس کے ظن غالب میں ہو کہ اس دوران اس کی موت واقع ہوسکتی ہے۔

تو اس مدت کے اختتام پر وہ عورت فوت شدہ خاوند کی عدت چار ماہ دس دن گزارے گی، اور اس عدت کے اختتام پر وہ شادی کرسکتی ہے۔

اور اگر اسے خاوند کی جگہ کا علم ہے اور اس نے اس مدت میں اس سے علیحدگی اختیار کررکھی ہے تو اس کا حکم ایلاء والا حکم ہوگا، لھذا عورت یا اس کا ولی اس سے رابطہ کرے گا یا پھر اس معاملے کو حاکم تک لیجایا جائے جو خاوند کو مجبور کرے کہ وہ بیوی کے پاس واپس آئے اور اگر وہ واپس آنے سے انکار کردے تو حاکم اس کی جانب سے ایک طلاق دے گا یا پھر نکاح فسخ کردے گا۔

اسقاط حمل کی صورت میں حاملہ کی عدت کا بیان

علماء کرام کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر اس نے بچے کی تخلیق کے بعد وضع حمل کردیا تو اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی (11 / 229)

اور حمل کے اسی (80) دن کے بعد بچے کی تخلیق یعنی شکل وصورت بننی شروع ہوجاتی ہے، اور غالبا نوے (90) دن کی تکمیل میں تخلیق بھی مکمل ہوجاتی ہے۔ لھذا اس بنا پر جس عورت نے حمل کے پانچویں ماہ میں حمل ساقط کردیا، سب علماء کرام کے ہاں اس کی عدت ختم ہوجائے گی، اور اس کی عدت ختم ہوجانے پر خاوند کے لیے رجوع کا حق ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو نیا نکاح کرسکتا ہے، اور اس میں نکاح کی وہ سب شروط پائی جانی ضروری ہیں جو نکاح میں پائی جاتی ہیں مثلا مہر، گواہوں کی موجودگی، عورت کی رضامندی، اور ولی کی موجودگی۔

اور اس شخص پر جو اسقاط حمل کا سبب بنا ہے دو چیزیں باقی رہتی ہیں۔

اول: اس کے ذمہ قتل خطاء کا کفارہ ہے، جو ایک مومن غلام آزاد کرنا، اور اگر وہ غلام نہ پاسکے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو دیت دینا ہے، ہاں یہ اور بات ہیکہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کردیں۔۔۔

پھر اسی آیت میں آگے فرمایا: پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں، اللہ تعالی سے بخشوانے کے لیے اور اللہ تعالی بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے) النساء (92)

دوم: اس کے ذمہ بچے کی دیت کی ادائیگی بھی ہے (اور وہ ماں کی دیت کا دسواں حصہ ہے، اور مسلمان عورت کی دیت پچاس اونٹ ہیں جو اندازا ساٹھ ہزار سعودی ریال بنتے ہیں) لھذا والد کو چاہیے کہ وہ بچے کے ورثاء کو چھ ہزار ریال یا پھر ان کی قیمت کی دوسری کرنسی کی ادائیگی کرے، اور ان پر تقسیم کی جائے گی کیونکہ بچہ فوت ہوچکا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ والد اس دیت میں کسی چیز کا بھی وارث نہیں بن سکتا کیونکہ قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں۔ (اور اگر مجرم بچے کو گرانے والا اس کا باپ یا اس کے ورثاء میں سے کوئی اور ہو تو اس کے ذمہ غرۃ ہے، (اور غرۃ غلام یا لونڈی کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت پانچ اونٹ ہیں، اور پر بیان ہوچکا ہے کہ وہ اندازا چھ ہزار سعودی ریال بنتے ہیں) وہ اس میں سے کسی بھی چیز کا وارث نہیں ہوگا، اور ایک غلام آزاد کرے گا، امام زھری اور امام شافعی وغیرہ کا یہی قول ہے) (المغنی لابن قدامہ المقدسی (12 / 81)

فقہاء کرام کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ جب عورت کو خلوت کے بعد اور دخول سے قبل طلاق دے دی جائے تو وہ باکرہ ہی رہتی ہے، اور اسی طرح شادی کریگی جس طرح باکرہ اور کنواری عورتیں کرتی ہیں.

درر الاحکام میں درج ہے۔

"جسے صحیح خلوت کے بعد طلاق ہوئی ہو اور اس کی بکارت زائل نہ ہوئی ہو، یا پھر دخول سے قبل طلاق ہوجائے تو وہ کنواری لڑکیوں کی طرح ہی شادی کریگی، چاہے اس پر عدت واجب ہوتی ہے، کیونکہ وہ حقیقت میں باکرہ ہے اور اس میں حیاء موجود ہے"

دیکھیں: درر الاحکام (1 /. (336

اور الفتاوی الھندیۃ میں درج ہے ": ہمارے اصحاب (حنفی مذہب پر) نے صحیح خلوت کو بعض احکام میں وطء کے قائم مقام کیا ہے۔ اور بکارت زائل ہونے میں خلوت وطء کے قائم مقام نہیں ہوتی حتی کہ کنواری عورت کے ساتھ خلوت کرے اور پھر اسے طلاق دے دے تو اس کی شادی کنواریوں کی طرح ہی کریگی۔ (الفتاوی الهندية (1 /. (306)

اور کتاب "بلغة السالك للضاوى (4 / 354) اور الانصاف (8 / 284) میں بھی اسی طرح کلام درج ہے.

دوم: جب بیوی خاوند کی کسی کوتاہی اور ایسے سبب کے بغیر ہی طلاق کا مطالبہ کرے جو طلاق طلب کرنے کا باعث نہ بن سکتا ہو، تو خاوند کو یہ مطالبہ رد کرنے کا حق حاصل ہے، اور وہ بیوی سے خلع کرسکتا ہے کہ وہ مہر واپس کرے۔

فَصْل

﴿یہ فصل عورت کے سوگ کے بیان میں ہے﴾

فصل سوگ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے عدت کے احکام کو بیان کیا ہے اور اب وہ عدت کی کیفیت اور عدت والی عورت پر کیا احکام واجب ہیں اور کیا احکام واجب نہیں ہیں ان کو بیان کررہے ہیں۔اس فصل میں مصنف علیہ الرحمہ بیان کریں گے عدت والی عورت پر کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے اور کن افعال سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور حد کا معنی منع ہے۔چونکہ عدت میں عورت کو بناؤ سنگھار سے منع کردیا جاتا ہے لہذا اس کو حداد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج۶،ص۱۳۶، بیروت)

سوگ کا فقہی مفہوم

سوگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار ترک کردے اور خوشبو وسرمہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی دوسری میت پر تو تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینے دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتداء کب سے ہوگی تو جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتداء خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی لیکن حضرت علی اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر وغیرہ میں مرگیا اور اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ چار مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہوگئی جب کہ حضرت علی کے قول کے مطابق اس کی عدت پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کو خبر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرے اور ان ایام یعنی زمانہ عدت میں عصب کے علاوہ نہ تو کوئی رنگین کپڑا پہنے نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قسط یا اظفار استعمال کرے تو قباحت نہیں (بخاری ومسلم)

(وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۔(البقرہ،۲۳۵)

اور تم پر گناہ نہیں اس میں کہ اشارۃً عورتوں کے نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو، اللہ (عزوجل) کو معلوم ہے کہ تم اُن کی یاد کروگے ہاں اُن سے خفیہ وعدہ مت کرو مگر یہ کہ اُتنی ہی بات کرو جو شرع کے موافق ہے۔اور عقد نکاح کا پکا ارادہ نہ کرو جب تک کتاب کا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) اُس کو جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے تو اُس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) بخشنے والا، حلم والا ہے۔

سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ عدت کے دوران ایسی عورتوں سے اشارہ وکنایہ میں نکاح کا پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً یہ کہے کہ مجھے اپنے گھر سنبھالنے کیلئے ایک شریف عورت کی ضرورت ہے، یا یہ کہ آپ جیسی کوئی اچھی خاتون مجھے مل جاتی تو میرے گھر کا نظام بہت اچھی طرح چلتا، یا یہ کہ مجھے کسی وفا شعار شریک حیات کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ، سو اصل تو یہی ہے کہ دوران عدت اس طرح کے کسی اشارہ وکنایہ کی بھی اجازت نہ ہوتی، لیکن انسانی فطرت، اور اس کے طبعی میلان کی رعایت میں اسکی اجازت دے دی گئی اسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم لوگ ان عورتوں کو یاد کروگے اس لئے تمہارے اس فطری میلان ورجحان کی بناء پر تم کو اس کی اجازت دے دی گئی، لیکن بات صرف اشارہ وکنایہ ہی کی حد تک رہے۔اس سے آگے بڑھ کر کہیں ان سے کوئی خفیہ عہد وپیمان نہ کرلینا کہ اس سے آگے کئی طرح فتنے جنم لے سکتے ہیں اور مختلف قسم کی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں، والعیاذ باللہ العظیم، خطبہ کا لفظ جب حرف خاء کے پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی خطاب کے آتے ہیں جیسا کہ جمعے کا خطبہ وغیرہ اور جب یہ اس کے زیر کے ساتھ ہو جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی منگنی کے آتے ہیں۔

اس لئے اس کے یہاں صرف ظاہر داری سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ وہاں پر دلوں کے ارادوں اور نیتوں کو درست رکھنا بھی ضروری ہے۔اس لئے اس کے ساتھ اپنے دلوں کے ارادوں کو بھی درست رکھنا۔

بیوہ اور مطلقہ پر سوگ کرنا لازم ہے

قَالَ (وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِذَا كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً الْحِدَادُ) اَمَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجِهَا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا(۱)) وَاَمَّا الْمَبْتُوتَةُ فَمَذْهَبُنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا حِدَادَ عَلَيْهَا لِاَنَّهٗ وَجَبَ اِظْهَارُ التَّاَسُّفِ عَلٰى فَوْتِ زَوْجٍ وَفٰى بِعَهْدِهَا اِلٰى مَمَاتِهٖ وَقَدْ اَوْحَشَهَا بِالْاِبَانَةِ فَلَا تَاَسُّفَ بِفَوْتِهٖ .وَلَنَا مَا رُوِيَ (اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الْمُعْتَدَّةَ اَنْ تَخْتَضِبَ بِالْحِنَّاءِ)وَقَالَ (الْحِنَّاءُ طِيبٌ(۲)) وَلِاَنَّهٗ يَجِبُ اِظْهَارًا لِلتَّاَسُّفِ عَلٰى فَوْتِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ الَّذِي هُوَ سَبَبٌ

لِصَوْنِهَا وَكِفَايَةُ مُؤَنِهَا، وَالْإِبَانَةُ اَقْطَعُ لَهَا مِنَ الْمَوْتِ حَتّٰى كَانَ لَهَا اَنْ تُغَسِّلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ الْإِبَانَةِ لَا بَعْدَهَا (وَالْحِدَادُ) وَيُقَالُ الْإِحْدَادُ وَهُمَا لُغَتَانِ (اَنْ تَتْرُكَ الطِّيبَ وَالزِّينَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيَّبِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ اِلَّا مِنْ وَجَعٍ) وَالْمُعْتَدُّ فِيهِ وَجْهَانِ :اَحَدُهُمَا مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ اِظْهَارِ التَّاَسُّفِ .

وَالثَّانِي :اَنَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ دَوَاعِي الرَّغْبَةِ فِيهَا وَهِيَ مَمْنُوعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا كَيْ لَا تَصِيرَ ذَرِيعَةً اِلَى الْوُقُوعِ فِي الْمُحَرَّمِ، وَقَدْ صَحَّ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَاْذَنْ لِلْمُعْتَدَّةِ فِي الْاِكْتِحَالِ .(1)

وَالدُّهْنُ لَا يَعْرِى عَنْ نَوْعِ طِيبٍ وَفِيهِ زِينَةُ الشَّعْرِ، وَلِهٰذَا يُمْنَعُ الْمُحْرِمُ عَنْهُ قَالَ: اِلَّا مِنْ عُذْرٍ لِاَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً، وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ .لَا الزِّينَةُ .

ترجمہ

اور جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی ہو یا بیوہ عورت اگر بالغ اور مسلمان ہو تو اس پر سوگ کرنا لازم ہے جہاں تک بیوہ عورت کا تعلق ہے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک کرے گی''۔ جہاں تک طلاق بتہ پانے والی عورت کا تعلق ہے تو یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ایسی عورت پر سوگ لازم نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: سوگ اس شوہر کے انتقال پر کیا جاتا ہے جو مرتے دم تک عورت کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے جبکہ اس شخص نے تو علیحدگی کے ذریعے اسے پریشان کر دیا ہے لہٰذا اس سے علیحدگی کی وجہ سے سوگ نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت گزرنے والی عورت کو منع کیا تھا کہ وہ مہندی لگائے اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا ''مہندی ایک خوشبو ہے''۔ اس کی ایک

(١) روى الحديث عن عدد من أصحاب رسول الله ﷺ منهم أم عطية رضى الله عنها۔ أخرجه البخارى فى "صحيحه" برقم (٥٣٤٢) و مسلم فى "صحيحه" برقم (٩٣٨)۔ و عن أم حبيبة و زينب بنت جحش مرفوعا أخرجه البخارى فى "صحيحه" برقم (٥٣٣٤_٥٣٣٥)۔ و مسلم فى "صحيحه" برقم (١٤٨٦_١٤٨٧)

(٢) هما حديثان: بحديث الحناء طيب: تقدم فى الحج، و الثانى أخرجه مالك فى "الموطا" مرسلا ٢/ ٦٠٠ برقم (١٠٨) وأبو داود فى "سننه" برقم (٢٣٠٥) والنسائى فى "المجتبى" ٦/ ٢٠٤_٢٠٥ عن أم سلمة مرفوعا و فيه "...... ولا تمتشطى بالطيب، ولا بالحناء فانه خضاب......" وأخرجه أحمد فى "المسند" ٦/ ٣٠٢ و أبو داود فى "سننه" برقم (٢٣٠٤) عن أم سلمة رضى الله عنها مرفوعاً: "المتوفى عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب، ولا الممشقة، ولا الحلى، ولا تختضب، ولا تكتحل"

توجہ یہ بھی ہے: نکاح کی نعمت زائل ہونے پر افسوس کے اظہار کے لئے سوگ کرنا لازم ہے کیونکہ نکاح اس خاتون کے لئے عصمت حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس کی ضروریات کا کفیل تھا اور یہ جدائی شوہر کیا نتقال کی صورت میں ملنے والی جدائی سے زیادہ افسوس ناک ہے۔

یہی وجہ ہے: اس جدائی سے پہلے وہ اپنے مرحوم شوہر کو غسل دے سکتی ہے جبکہ اس علیحدگی کے بعد اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ لفظ حداد کو ''احداد'' بھی کہا گیا ہے: یہ لغات (اس سے مراد یہ ہے) عورت خوشبو زیب وزینت سرمہ خوشبو دار تیل بغیر خوشبو کے تیل نہیں لگائے گی البتہ کسی عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے: یہ الفاظ ہیں ''البتہ کسی عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے''۔

اس میں دو پہلو پائے جاتے ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے: جس کا ہم نے ذکر کیا افسوس کا اظہار کرنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے: اس طرح کی زیب وزینت عورت کی طرف رغبت دلاتی ہے جبکہ اس عورت کے لئے نکاح کرنے کی ممانعت ہے لہٰذا وہ ایسی تمام چیزوں سے گریز کرے گی تاکہ یہ تمام چیزیں اس کے حرام میں مبتلا ہونے کا باعث نہ بنیں۔ صحیح روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت گزارنے والی خاتون کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی جہاں تک تیل کا تعلق ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی خوشبو ضرور ہوتی ہے نیز اس کے ذریعے بالوں کی زینت بھی ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے: احرام باندھنے والے شخص کے لئے تیل لگانا منع ہے۔ مصنف نے (متن میں) یہ جو کہا ہے: ''البتہ کسی عذر کی وجہ سے کیا جا سکتا ہے'' تو اس کی وجہ یہ ہے: اس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس سے مراد دوائی ہے آرائش وزیبائش نہیں ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی بھی خاتون (شاید یہ الفاظ ہیں) اللہ پر ایمان رکھنے والی کسی بھی خاتون کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 140)

حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے بھائی یا شاید کوئی قریبی عزیز فوت ہو گئے تین دن کے بعد انہوں نے زرد رنگ منگوایا اور اسے اپنے ہاتھوں پر مل لیا اور فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے ایسا کیا ہے کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے وہ شوہر کے علاوہ کسی اور شخص کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ شوہر کی وفات پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے تاہم اس میں سیدہ ام سلمہ کا ذکر ہے یا شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور

(١) النهى عن الاكتحال تقدم فى حديث أم سلمة أول اباب عند الشيخين، وأما الدهن: فلم يجده مخرجوا "الهداية" انظر "نصب الراية" ٣/ ٢٥٢ و "الدارية" ٢/ ٨٠۔

زوجہ محترمہ کا ذکر ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 141)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میری خالہ کو طلاق دے دی گئی انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کیا کریں تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ تمہیں اس بات کی اجازت نہیں کہ تم گھر سے باہر نکلو وہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گھر سے باہر نکلو اور اپنے باغ میں کام کرو۔ شاید تم اسے صدقہ کر دو یا نیکی کے کسی اور کام میں استعمال کرو۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 144)

عذر کی وجہ سے سوگ والی عورت تیل لگا سکتی ہے

وَلَوْ اعْتَادَتْ الدُّهْنَ فَخَافَتْ وَجَعًا، فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ أَمْرًا ظَاهِرًا يُبَاحُ لَهَا لِأَنَّ الْغَالِبَ كَالْوَاقِعِ، وَكَذَا لُبْسُ الْحَرِيرِ إِذَا احْتَاجَتْ إِلَيْهِ لِعُذْرٍ لَا بَأْسَ بِهِ.

(وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَّاءِ) لَمَا رَوَيْنَا (وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِعُصْفُرٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ) لِأَنَّهُ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطِّيبِ.

ترجمہ

اور اگر عورت تیل استعمال کرنے کی عادی ہو (اور نہ لگانے سے) تکلیف کا اندیشہ ہو تو اگر یہ معاملہ ظاہر ہے تو اس کے لئے عذر شمار ہوگا کیونکہ غالب (امکان) واقع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح ریشم پہننے کا حکم ہے: اگر اس کی کسی عذر کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ تاہم وہ مہندی کو خضاب کے طور پر نہیں لگا سکتی اس کی وجہ وہ روایات ہیں جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ اسی طرح وہ ورس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا بھی نہیں پہن سکتی کیونکہ اس کے نتیجے میں اس کی خوشبو ادھر ادھر پھیلے گی۔

عدت والی عورت کیلئے تیل استعمال کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت ام سلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں روایت کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اسکا رنگ نکھر جاتا ہے لہذا تم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان ہوتا ہے) اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی سرخ رنگ لئے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے

صاف کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 527)

حضرت ام عطیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں کوئی بھی عورت شوہر کے علاوہ کسی اور کے مرنے پر تین سے زیادہ سوگ نہیں کر سکتی۔ شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن کرے گی اس دوران وہ عصب کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا استعمال نہیں کرے گی نہ خوشبو لگائے گی اور نہ سرمہ لگائے گی البتہ جب حیض سے پاک ہوگی اور غسل کرے گی اس وقت تھوڑی سی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 142)

خوشبودار تیل کے بارے میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون و تل کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے بھی منع کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور علماء ظواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرہ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔

(ابوداؤد و نسائی)

اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو پہننا بھی درست ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلاً کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کیوجہ سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

سوگ کے مسائل میں فقہی مذاہب

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام شافعی اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے خواہ وہ مدخول بہا ہو یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو یا غیر مدخول بہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل در مختار کے مطابق یہ ہے کہ (۱) کافرہ (۲) مجنونہ (۳) صغیرہ (۴) معتدہ عتق یعنی وہ ام ولد جو اپنے مولی کی طرف سے آزاد کئے جانے یا اپنے

مولی کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو(۵) وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو(۶) وہ عورت جو وطی بالشبہ کی عدت میں بیٹھی ہو یعنی جس سے کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جماع کرلیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو(۷) وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف مباح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کر کے بناؤ سنگار کرے اور بیوی خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

سوگ کے فقہی احکام ومسائل

جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو فقط اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اس کے لئے بناؤ سنگھار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جو مکلفہ مسلمہ یعنی بالغ وعاقل اور مسلمان ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے اور نہ بناؤ سنگھار کرے یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگھار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا کپڑے بسانا زیور گہنا پہننا پھول پہننا سرمہ لگانا پان کھا کر منہ لال کرنا مسی ملنا سر میں تیل ڈالنا کنگھی کرنا مہندی لگانا اچھے کپڑے پہننا ریشمی اور رنگے ہوئے بہار دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے اسی طرح دوا کے لیے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کرا دیا گیا یا خاوند مر یا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت عتق یعنی آزادی کی عدت میں ہو جیسے ام ولد کو اس کا مولی آزاد کر دے اور وہ اس کیوجہ سے عدت میں بیٹھی ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کنایۃ یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں یا اس سے نکاح کرنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں جائز ہے، مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے کہ جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو

وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر سے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لونڈی اپنے آقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معتدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ وطلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکالا جائے اس مکان میں اپنے مال واسباب کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔

اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگرچہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں کے درمیان پردہ حائل رہے ہاں اگر خاوند فاسق اور نا قابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگرچہ خاوند کا منتقل ہونا اولی ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتمد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یا مرد مر گیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی یعنی تین دن کے سفر سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آجائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات ہوئی ہے اس کا شہر سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چلی جائے اور ان دونوں صورتوں میں خواہ اس کا ولی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے تو کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

کافر عورت پر سوگ کرنا لازم نہیں

قَالَ (وَلَا حِدَادَ عَلٰی كَافِرَةٍ) لِاَنَّهَا غَيْرُ مُخَاطَبَةٍ بِحُقُوْقِ الشَّرْعِ (وَلَا عَلٰی صَغِيْرَةٍ) لِاَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوْعٌ عَنْهَا (وَعَلَی الْاَمَةِ الْاِحْدَادُ) لِاَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ بِحُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی فِيْمَا لَيْسَ فِيْهِ اِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلٰی، بِخِلَافِ الْمَنْعِ مِنَ الْخُرُوْجِ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ حَقِّهٖ وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهٖ. قَالَ (وَلَيْسَ فِيْ عِدَّةِ اُمِّ الْوَلَدِ وَلَا فِيْ عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ اِحْدَادٌ) لِاَنَّهَا مَا فَاتَهَا نِعْمَةُ النِّكَاحِ لِتُظْهِرَ التَّاَسُّفَ، وَالْاِبَاحَةُ اَصْلٌ.

ترجمہ

فرمایا: اور کافر عورت پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے‘ کیونکہ وہ شرعی احکام کی پابند نہیں ہے اسی طرح نابالغ عورت پر بھی لازم نہیں ہے‘ کیونکہ وہ احکام کا مخاطب نہیں ہے۔ کنیز سوگ کرے گی‘ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مخاطب ہے۔ ان معاملات میں‘ جس میں اس کے آقا کا حق باطل نہ ہو‘ جب کہ گھر سے باہر نکلنے سے روکنا اس سے مختلف ہے‘ کیونکہ اس صورت میں آقا کا حق باطل ہو جائے گا‘ اور بندے کی ضرورت کے پیش نظر اس کا حق مقدم قرار دیا جائے گا۔ فرماتے ہیں: ام ولد کی عدت میں‘ اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ کرنا نہیں ہوگا‘ کیونکہ ان کے حق میں نکاح کی نعمت زائل نہیں ہوئی‘ وہ افسوس کا اظہار کرے جب کہ اصل مباح ہونا ہے۔

شرح

کم عمر نابالغ لڑکی ہو تو ساری چیزیں کر سکتی ہے البتہ گھر سے باہر نہ نکلے نہ عدت ختم ہونے تک دوسرے سے نکاح کرے۔

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ (البقرة، ۲۳۵)

فَلَا يَجِبُ عَلَى الصَّغِيرَةِ وَالْمَجْنُونَةِ الْكَبِيرَةِ وَالْكِتَابِيَّةِ وَالْمُعْتَدَّةِ مِنْ نِكَاحٍ فَاسِدٍ وَالْمُطَلَّقَةِ طَلَاقًا رَجْعِيًّا ، وَهَذَا عِنْدَنَا .(بدائع الصنائع فصل فى أحكام العِدَّةِ)

شوہر کے علاوہ کسی کے انتقال پر سوگ منانا (یعنی زیب و زینت وغیرہ نہ کرنا) درست نہیں البتہ اگر شوہر اجازت دے تو تین دن تک اس طرح کر سکتی ہے۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (بخارى بَاب الطِّيبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ:)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ زینت شوہر کا حق ہے اور کسی کا حق اس کی اجازت کے بغیر لینا درست نہیں یہ اور بات ہے اجازت زبانی بھی ہوتی اور بے زبانی بھی۔ وللزوج منع زوجته من الحداد على الأقرباء ؛ لأن الزينة حقه. (الفقه الاسلامی وادلتہ الإحداد أو الحداد، ج ۹، ص ۶۲۴)

عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جا سکتا

(وَلَا يَنْبَغِي اَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَاْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَلَا

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ) اِلَى اَنْ قَالَ (وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَعْرُوْفًا) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (السِّرُّ النِّكَاحُ(۱)) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا :التَّعْرِيْضُ اَنْ يَقُوْلَ :اِنِّي اُرِيْدُ اَنْ اَتَزَوَّجَ .(۲)وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوْفِ :اِنِّيْ فِيْكِ لَرَاغِبٌ وَاِنِّي اُرِيْدُ اَنْ نَجْتَمِعَ (۳).

ترجمہ

اور یہ مناسب نہیں ہے عدت گزارنے والی عورت کو شادی کا پیغام بھیجا جائے‘ البتہ اشارے کنائے میں یہ بات کی جا سکتی ہے‘ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”اور تم پہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اشارے کنائے میں عورتوں کو نکاح کے بارے میں کہتے ہو“۔ یہ آیت یہاں تک ہے ”لیکن تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو بلکہ بھلائی کی بات کرو“۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”پوشیدہ سے مراد نکاح ہے“۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: اشارۃً ذکر کرنے سے یہ مراد ہے: آدمی یہ کہے: میں شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: مناسب بات سے مراد یہ ہے ”میں تم میں دلچسپی رکھتا ہوں‘ یا میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم اکٹھے ہو جائیں۔

شرح

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ .(البقرہ، ۲۳۴)

اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے۔ ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

(۱) لم يجده مخرجو "الهداية" وأخرج ابن أبي شيبة في "مصنفه" "لا يأخذ عليها عهدا و ميثاقا أن لا تتزوج غيره" انظر "نصب الراية" ۲۶۲/۳ و "الدارایة" ۷۹/۲ـ ۷۰ـ

(۲) أخرجه البخاري بنحوه في "صحيحه" في باب قول الله تعالیٰ (ولا جناح عليكم فيما عرضتم به) برقم (۵۱۲۴)

(۳) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" ۱۷۹/۷ـ

تصدرالا فاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی عدت میں نکاح اور نکاح کا کھلا ہوا پیام تو ممنوع ہے، لیکن پردہ کے ساتھ خواہش نکاح کا اظہار گناہ نہیں مثلاً یہ کہے کہ تم بہت نیک عورت ہو یا اپنا ارادہ دل ہی میں رکھے اور زبان سے کسی طرح نہ کہے۔ اور تمہارے دلوں میں خواہش ہو گی اسی لئے تمہارے واسطے تعریض مباح کی گئی۔ (خزائن العرفان، بقرہ، ۲۳۴)

حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان

حافظ عمادالدین لکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے، انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا، میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن قیس سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا، عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتوم کے ہاں گزارو، جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید سے جن کا مانگا تھا، نکاح کرا دیا، ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارتاً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دِلوں میں ضرور ذِکر کرو گے اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو، یعنی زنا کاری سے بچو، ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں، تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے،

پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا، عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو، علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں۔ اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟

اس میں اختلاف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ جب عورت کا نکاح عدت کے اندر کر دیا جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں

میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کو اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کو عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام کر دی گئی، جیسا کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام مالک سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے،

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمر والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دِلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دِل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کیخلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دِل کو صاف رکھو، برے خیالات سے اسے پاک رکھو۔ ڈر، خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۴)

معتدہ سے بطور اشارہ کلام کرنے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جا سکتا' البتہ اشارے کے طور پر اپنی خواہش کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مصنف نے دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بارے میں جو تم اشارے کے طور پر عورتوں کو نکاح کا پیغام دیتے ہو''۔ یہ آیت یہاں تک ہے: ''تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو بلکہ صرف مناسب بات کرو''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ''(پوشیدہ وعدے سے مراد) نکاح کرنا ہے' یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کا وعدہ نہ کرو''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ (اشارے کے طور پر کوئی بات کہنے) سے مراد یہ ہے: وہ شخص یہ کہے: میں شادی کرنا چاہتا ہوں' یعنی وہ یہ نہ کہے' میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں' اشارے کے طور پر یہ کہہ دے: میں شادی کرنا چاہتا ہوں' ظاہر یہ کرنا ہو کہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔

مصنف بیان کرتے ہیں: سعید بن جبیر نے یہ وضاحت کی ہے' مذکورہ بالا آیت میں استعمال ہونے والے لفظ ''مناسب بات'' سے مراد آدمی کا یہ کہنا ہے: مجھے تم میں دلچسپی ہے' یا یہ کہنا ہے کہ ہم اکٹھے ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

طلاق یافتہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی

(وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوتَةِ الْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا، وَالْمُتَوَفَّى

عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَلَا تَبِيتُ فِي غَيْرِ مَنْزِلِهَا) اَمَّا الْمُطَلَّقَةُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ) قِيْلَ الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوْجِ، وَقِيْلَ الزِّنَا، وَيَخْرُجْنَ لِاِقَامَةِ الْحَدِّ، وَاَمَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِاَنَّهٗ لَا نَفَقَةَ لَهَا فَتَحْتَاجُ اِلَى الْخُرُوْجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ، وَقَدْ يَمْتَدُّ اِلٰى اَنْ يَّهْجُمَ اللَّيْلُ، وَلَا كَذٰلِكَ الْمُطَلَّقَةُ لِاَنَّ النَّفَقَةَ دَارَّةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَالِ زَوْجِهَا، حَتّٰى لَوْ اخْتَلَعَتْ عَلٰى نَفَقَةِ عِدَّتِهَا قِيْلَ اِنَّهَا تَخْرُجُ نَهَارًا، وَقِيْلَ لَا تَخْرُجُ لِاَنَّهَا اَسْقَطَتْ حَقَّهَا فَلَا يَبْطُلُ بِهٖ حَقٌّ عَلَيْهَا.

ترجمہ

اور جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو یا جس کو طلاق بتہ دی گئی ہو اس کے لئے رات کے وقت یا دن کے وقت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ بیوہ عورت دن کے وقت باہر نکل سکتی ہے اور رات کے کچھ حصے میں بھی باہر رہ سکتی ہے' لیکن وہ اپنے گھر سے باہر کہیں رات نہیں بسر کرے گی۔ جہاں تک طلاق یافتہ عورت کا تعلق ہے' تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں' سوائے اس کے' جب وہ واضح طور پر برائی کا ارتکاب کریں''۔ ایک قول کے مطابق یہاں ''فاحشہ'' سے مراد گھر سے نکلنا ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد زنا کرنا ہے' البتہ اگر ان پہ حد قائم کی جائے' تو وہ باہر نکلے گی۔ جہاں تک بیوہ عورت کا تعلق ہے' تو اس کی وجہ یہ ہے: اس کا خرچ کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا' اس لیے وہ دن کے وقت باہر نکلنے کی محتاج ہو گی تا کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے اور بعض اوقات آدمی کو گھر واپس آتے ہوئے رات ہو جاتی لیکن طلاق یافتہ عورت کا حکم مختلف ہے' اس کی وجہ یہ ہے: اس کا خرچ اس کے شوہر کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ البتہ اگر اس نے اپنی عدت کے دوران کے' خرچ کے عوض خلع حاصل کر لیا ہو' تو ایک قول کے مطابق وہ دن کے وقت باہر نکل سکتی ہے' اور ایک قول کے مطابق پھر بھی نہیں نکلے گی' کیونکہ اس نے خود اپنے حق کو ساقط کیا ہے' لہٰذا اس کی وجہ سے وہ حق باطل نہیں ہو گا جو اس کے ذمے لازم ہے۔

شرح

سعد بن اسحٰق اپنی پھوپھی زینب بنت کعب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں فریعہ بنت مالک نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ اسے اجازت دیں کہ وہ اپنے خاندان میں واپس چلی جائیں کیونکہ اس کا شوہر اپنے مفرور غلاموں کو تلاش کرنے کے لیے نکلا جب اس نے قدوم کے پاس انہیں پایا تو ان کے غلاموں نے ان کو قتل کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی تم اپنے گھر میں رہو۔ میں نے عرض کی میرے شوہر نے ایسا کوئی گھر نہیں چھوڑا جس کی میں مالک ہوں نہ کوئی خرچ چھوڑا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہیں رہو جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی راوی

بیان کرتے ہیں تو اس عورت نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت بسر کی۔ زینب بنت کعب بیان کرتی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں انہوں نے کسی کو بھجوا کر مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو میں نے اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 143)

معتدہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب

حضرت زینب بنت کعب فرماتی ہیں کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابوسعید خدری کی بہن ہیں مجھے بتایا کہ وہ فریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ اپنی عدت گزارنے کے لئے اپنے میکہ بنی خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا چنانچہ فریعہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے میکے میں آ جاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریعہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ بہتر ہے کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ چنانچہ میں یہ اجازت حاصل کر کے واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبوی میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے اگرچہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے تا آنکہ کتاب یعنی عدت اپنی مدت تک پہنچ جائے فریعہ کہتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے مطابق چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔

(مالک ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 526)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی ہوئی عورت) کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں اٹھ آنا درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مر جانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو اس کے لیے سکنی یعنی شوہر ہی کے مکان میں عدت گزارنا) ضروری ہے یا نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے سکنی ضروری ہے۔

حضرت عمر حضرت عثمان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر بھی اسی کے قائل تھے ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو فریعہ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دے دی مگر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں اس سے ثابت ہوا کہ فریعہ کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث (امکثی فی بیتك الخ تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لئے سکنی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت علی حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریعہ کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی اور پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا جو مسلک ہے وہ ان شاء اللہ باب النفقات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت گزارنے والی عورت اپنے گھر میں قیامت پذیر رہے گی

(وَعَلَى الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ) وَالْبَيْتُ الْمُضَافُ اِلَيْهَا هُوَ الْبَيْتُ الَّذِي تَسْكُنُهُ، وَلِهٰذَا لَوْ زَارَتْ اَهْلَهَا وَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا كَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدَّ فِيْهِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّتِي قُتِلَ زَوْجُهَا (اُسْكُنِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ(۱)) (وَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيْهَا فَاَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ) انْتَقَلَتْ، لِاَنَّ هٰذَا انْتِقَالٌ بِعُذْرٍ، وَالْعِبَادَاتُ تُؤَثِّرُ فِيْهَا الْاَعْذَارُ فَصَارَ كَمَا اِذَا خَافَتْ عَلٰى مَتَاعِهَا اَوْ خَافَتْ سُقُوْطَ الْمَنْزِلِ اَوْ كَانَتْ فِيْمَا بِاَجْرٍ وَلَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيْهِ.

ترجمہ

اور عدت گزارنے والی عورت کے لئے یہ بات لازم ہے کہ وہ اسی گھر میں عدت بسر کرے جو علیحدگی یا شوہر کے انتقال کے وقت اس کا رہائشی گھر تھا۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”اور تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو“۔یہاں گھر کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے یعنی وہ گھر جس میں وہ عورت رہتی تھی۔یہی وجہ ہے: وہ اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہوئی ہو اور اس دوران اس کا شوہر اسے طلاق دیدے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر واپس آکر وہاں عدت بسر کرے۔جس خاتون کا شوہر قتل ہو گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ فرمایا تھا: ”تم اپنے گھر میں رہو! یہاں تک کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے“۔اگر مرحوم کے گھر میں عورت کے لئے جگہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور دوسرے ورثاء اسے اپنے حصے میں سے نکال دیں تو وہ عورت وہاں سے منتقل ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے: یہ منتقلی عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں عذر اثر انداز ہوتا ہے۔یہ بالکل اسی طرح ہوگا جیسے اسے اپنے ساز وسامان کے بارے میں خوف ہو یا گھر کے گر جانے کا خوف ہو یا وہ کہے: یہ گھر کرائے کا ہے اور اس کے پاس کرائے کی ادائیگی

(۲) أخرجه أبو داود فی "سننه" برقم (۲۳۰۰) والترمذی فی "جامعه" برقم (۱۲۲۴) والنسائی فی "المجتبی" برقم (۲۰۳۱) و ابن ماجه فی "سننه" برقم (۲۰۳۱) من حدیث فریعة.

کے لئے (رقم نہ ہو)

دوران عدت ازواج کو ٹھہرانے کا بیان

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

(طلاق، ۱)

اے نبی (ﷺ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں مگر یہ کہ کوئی صریح بے حیائی کی بات لائیں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے۔(کنزالایمان)

عدت کی حفاظت کرو اس کی ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے، اور اس بارے میں اپنے ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معبود حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو، عدت کے زمانہ میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے

زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے اس کا خلاف کرے اور ایذاء پہنچائے، یا بدزبانی و کج خلقی شروع کردے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بیشک خاوند کو جائز ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کی شریعت اور اس کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔جو شخص ان پر عمل نہ کرے انہیں بے حرمتی کے ساتھ توڑ دے ان سے آگے بڑھ جائے وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے شاید کہ اللہ کوئی بات پیدا کردے اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں جا سکتا، عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گذارنے کا حکم دینا اس مصلحت سے ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں، طلاق دینے پر نادم ہو دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گذارا کرنے لگیں، نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے،

اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ کا مذہب ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گذارنے کے زمانے تک مکان کا دینا خاوند کے ذمہ نہیں، اسی طرح

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی رہائشی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے وارثوں پر نہیں ان کی اعتمادی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس فہریہ والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفص نے ان کو تیسری آخری طلاق دی اور وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ تمہاری خوراک ہے یہ بہت ناراض ہوئیں اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو؟ تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تیرا نفقہ اس پر نہیں۔

مسلم میں ہے نہ تیرے رہنے سہنے کا گھر اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر اپنی عدت گذارو، پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر صحابہ جایا آیا کرتے ہیں تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں اپنی عدت کا زمانہ گذارو وہ ایک نابینا آدمی ہیں تم وہاں آرام سے اپنے کپڑے بھی رکھ سکتی ہو،

مسند احمد میں ہے کہ ان کے خاوند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں طلاق بھیج دی ان کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا کھانا پینا اور رہنا سہنا میرے خاوند کے ذمہ ہے اس نے انکار کیا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا نان نفقہ گھر بار خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر اپنی عدت گذارو پھر فرمایا وہاں تو صحابہ کی آمد و رفت ہے تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت کا زمانہ گذارو وہ نابینا ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھیں ان کے خاوند مخزومی قبیلہ کے تھے، طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اولیاء نے کہا تھا نہ تو تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دینے کو کہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو وہ طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر طلاق نہ ہو جائے تو اس صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۱)

عدت وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذاہب اربعہ

ان میں سے مشہور اور قوی قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے۔ اکثر علماء کرام جن میں آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں کا یہی قول ہے ان کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیث شامل ہے: فریعہ بنت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ اس کا خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو تلاش کرنے نکلا اور جب وہ ان کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کیا وہ اپنے خاندان بنو خدرہ میں واپس چلی جائے کیونکہ میرے خاوند نے مجھے اپنی ملکیت والے گھر میں نہیں چھوڑا؟ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جی ہاں آپ جا سکتی ہیں، تو میں واپس پلٹی اور ابھی کمرہ یا مسجد میں ہی تھی تو انہوں نے مجھے بلایا، یا پھر مجھے حکم دیا، میں وہی قصہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم اپنے گھر میں ہی رہو حتی کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری، اور جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے بھی اسی کی پیروی کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔ سنن ابوداود، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، اور ابن نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ: اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سنت صحیحہ کو رد کرنے کا باعث ہو جسے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکابر صحابہ کرام نے قبول کیا۔ (زاد المعاد (5 / 691)

بعض اوقات عدت گزارنے والی عورت اور یا پھر اس کے گھر میں کوئی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے مثلا: ڈر اور خوف، انہدام، غرق، یا پھر دشمن کا خوف، یا وحشت، یا یہ کہ وہ فاسق فاجر لوگوں کے درمیان رہائش پذیر ہو، یا پھر اس کے ورثا اسے وہاں سے لانے کا ارادہ کر لیں، یا پھر اس کا وہاں رہنا اولاد یا مال و دولت کے ضیاع کا باعث بن جائے، وغیرہ۔

احناف، حنابلہ، مالکیہ کے جمہور علماء کے ہاں اس حالت میں اس کے لیے وہاں سے اپنی مرضی کی رہائش میں منتقل ہونا جائز ہے، اور اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ قریبی رہائش اختیار کرے بلکہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوسری رہائش میں بھی وہ ان احکام کی پابندی کرے گی جو پہلی رہائش میں کرتی تھی۔

اور جو عورت اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت والے گھر میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو چلا سکتی ہو اسے وہاں سے منتقل ہونا صحیح نہیں کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، مثلا وہ وراثت یا املاک کے بارہ میں کسی معتبر شخص کو وکیل بنا سکتی ہے۔

اس بنا پر اگر آپ کی والدہ جس گھر میں اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت رہ رہی تھی وہاں پر عدت گزار سکتی ہے اور اس کے لیے ممکن ہے تو وہ اسی گھر میں عدت گزارے۔

عدت کے دوران میاں بیوی کے درمیان پردے کا بیان

(ثُمَّ اِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِطَلَاقٍ بَائِنٍ اَوْ ثَلَاثٍ لَا بُدَّ مِنْ سُتْرَةٍ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا بَأْسَ بِهِ) لِاَنَّهُ مُعْتَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فَاسِقًا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَحِيْنَئِذٍ تَخْرُجُ لِاَنَّهُ عُذْرٌ، وَلَا تَخْرُجُ عَمَّا انْتَقَلَتْ اِلَيْهِ، وَالْاَوْلٰى اَنْ يَخْرُجَ هُوَ وَيَتْرُكَهَا (وَاِنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا امْرَاَةً ثِقَةً تَقْدِرُ عَلَى الْحَيْلُوْلَةِ فَحَسَنٌ، وَاِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْتَخْرُجْ، وَالْاَوْلٰى خُرُوْجُهُ).

ترجمہ

اور جب علیحدگی بائنہ طلاق کی وجہ سے یا تین طلاقوں کی وجہ سے ہوئی ہو تو میاں بیوی کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے اور پھر

اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا (وہ ایک ہی گھر میں رہیں) اس کی وجہ یہ ہے: مرد اس کی حرمت کا معترف ہوگا البتہ اگر وہ برے کردار کا مالک ہو اور عورت کو اس کی طرف سے اندیشہ ہو' تو اس صورت میں وہ عورت گھر سے نکل سکتی ہے' کیونکہ یہ بھی ایک عذر ہے' لیکن وہ اس گھر سے نہیں نکلے گی' جس میں وہ منتقل ہوگئی ہے' زیادہ بہتر تو یہ ہے' مرد اس گھر سے نکل جائے اور عورت کو وہاں رہنے دے۔ اگر وہ دونوں میاں بیوی اپنے درمیان ایک قابل اعتماد عورت کو بسالیں جو برائی سے روکنے پر قادر ہو' تو یہ مناسب ہوگا اور اگر وہ گھر دونوں کے لئے تنگ ہو' تو عورت کے لئے نکلنا جائز ہوگا' تاہم مناسب یہی ہے: مرد وہاں سے نکل جائے۔

عدت بائنہ وثلاثہ میں زوجین مثل اجنبی ہیں

طلاق بائن واقع ہوتے ہی زوجین کے درمیان رشتۂ نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو جاتے ہیں، البتہ ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن کی صورت میں مہر جدید کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش رہتی ہے، عدت گزرنے تک مطلقہ خاتون کو شوہر کے گھر میں رہنا از روئے شریعت لازمی ہے۔

مذکورہ صورت میں شوہر نے جب اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دی ہے تو اب وہ مرد اس کا شوہر نہیں اور یہ خاتون اس کی بیوی نہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی قرار پائے لہذا اس مطلقہ خاتون کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شوہر سے جس نے اسے طلاق بائن دی ہے پردہ کرے۔

درمختار، ج2، کتاب الطلاق، باب العدۃ، فصل فی الحداد، ص 675 میں ہے۔

(ولا بد من سترة بينهما فى البائن) لئلا يختلى بالاجنبية ومفاده ان الحائل يمنع الخلوة المحرمة .

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب وہ دونوں میاں بیوی پردے کے ساتھ اس گھر میں نہ رہ سکتے ہوں' یعنی وہ مکان تنگ اور چھوٹا ہو تو ایسی صورت میں وہ عورت وہاں سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے' تاہم زیادہ بہتر یہی ہے۔ مرد وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جائے۔

اگر سفر کے دوران عورت مطلقہ یا بیوہ ہو جائے؟

(وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ مَعَ زَوْجِهَا اِلٰى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا اَوْ مَاتَ عَنْهَا فِىْ غَيْرِ مِصْرٍ ، فَاِنْ كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مِصْرِهَا اَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ رَجَعَتْ اِلٰى مِصْرِهَا) لِاَنَّهُ لَيْسَ بِابْتِدَاءِ الْخُرُوْجِ مَعْنًى بَلْ هُوَ بِنَاءٌ (وَاِنْ كَانَتْ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَاِنْ شَاءَتْ مَضَتْ سَوَاءٌ كَانَ مَعَهَا وَلِىٌّ اَوْ لَمْ يَكُنْ) مَعْنَاهُ اِذَا كَانَ اِلَى الْمَقْصِدِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ اَيْضًا لِاَنَّ الْمُكْثَ فِىْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ اَخْوَفُ عَلَيْهَا مِنَ الْخُرُوْجِ، اِلَّا اَنَّ الرُّجُوْعَ اَوْلٰى لِيَكُوْنَ الْاِعْتِدَادُ فِىْ مَنْزِلِ الزَّوْجِ .

قَالَ (اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ طَلَّقَهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِىْ مِصْرٍ فَاِنَّهَا لَا تَخْرُجُ حَتّٰى تَعْتَدَّ ثُمَّ تَخْرُجَ اِنْ كَانَ لَهَا مَحْرَمٌ) وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ (وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ : اِنْ كَانَ مَعَهَا مَحْرَمٌ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ اَنْ تَعْتَدَّ) لَهُمَا اَنَّ نَفْسَ الْخُرُوْجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِاَذَى الْغُرْبَةِ وَوَحْشَةِ الْوَحْدَةِ فَهٰذَا عُذْرٌ، وَاِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلسَّفَرِ وَقَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمُحْرِمِ .

وَلَهُ اَنَّ الْعِدَّةَ اَمْنَعُ مِنَ الْخُرُوْجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرِمِ، فَاِنَّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَخْرُجَ اِلٰى مَا دُوْنَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرِمٍ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَدَّةِ ذٰلِكَ، فَلَمَّا حَرُمَ عَلَيْهَا الْخُرُوْجُ اِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرِمِ فَفِى الْعِدَّةِ اَوْلٰى .

ترجمہ

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئی تھی اور راستے میں ایسی جگہ جہاں کوئی آبادی نہیں تھی اس مقام پر اس مرد نے اسے تین طلاقیں دیدی' یا اس کا انتقال ہوگیا' تو اگر اس جگہ سے اس عورت کا شہر تین دن سے کم فاصلے پر ہو' تو وہ اپنے شہر واپس چلی جائے گی' کیونکہ یہ ابتدائی طور پر اس کا نکلنا نہیں ہوگا بلکہ پہلے سفر پر ہی بنی شمار ہوگا۔ لیکن اگر تین دن کا فاصلہ ہو' تو عورت کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو واپس چلی جائے' اور اگر چاہے تو مکہ کی طرف سفر جاری رکھے' خواہ اس کے ساتھ اس کا ولی ہو یا نہ ہو۔

اس مسئلے کا مطلب یہ ہے: جہاں تک وہ جانا چاہ رہی ہو' وہاں تک بھی تین دن کی مسافت ہونی چاہئے' کیونکہ آگے جانا وہاں رہنے کی نسبت کم خطرناک ہوگا۔ بہتر صورت یہ ہے: وہ اپنے گھر واپس چلی جائے' تاکہ شوہر کے گھر میں ہی عدت بسر کرے۔ فرماتے ہیں: البتہ اگر شوہر نے اسے طلاق دی یا اسے چھوڑ کر فوت ہوگیا اور یہ عمل کسی شہر میں ہوا تو وہ عورت شہر سے باہر نہیں نکلے گی جب تک اس کی عدت پوری نہیں ہو جاتی' پھر وہ اس کے بعد شہر سے اس وقت نکلے گی اگر اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو' یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں: اگر اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو' تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس شہر سے عدت پوری ہونے سے پہلے نکل جائے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب سفر میں شوہر نے طلاق بائن دی یا اُس کا انتقال ہوا اب وہ جگہ شہر ہے یا نہیں اور وہاں سے جہاں جانا ہے مدتِ سفر ہے یا نہیں اور بہر صورت مکان مدتِ سفر ہے یا نہیں اگر کسی طرف مسافت سفر نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے وہاں جائے یا گھر واپس آئے اُسکے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو مگر بہتر یہ ہے کہ گھر واپس آئے اور اگر ایک طرف مسافت سفر ہے

اور دوسری طرف نہیں تو جدھر مسافتِ سفر نہ ہو اُس کو اختیار کرے اور اگر دونوں طرف مسافتِ سفر ہے اور وہاں آبادی نہ ہو تو اختیار ہے جائے یا واپس آئے ساتھ میں محرم ہو یا نہ ہو اور بہتر گھر واپس آنا ہے اور اگر اس وقت شہر میں ہے تو وہیں عدت پوری کرے محرم یا بغیر محرم نہ ادھر آ سکتی ہے نہ اُدھر جا سکتی اور اگر اس وقت جنگل میں ہے مگر راستہ میں گاؤں یا شہر ملے گا اور وہاں ٹھہر سکتی ہے کہ مال یا آبرو کا اندیشہ نہیں اور ضرورت کی چیزیں وہاں ملتی ہوں تو وہیں عدت پوری کرے پھر محرم کے ساتھ وہاں سے سفر کرے۔

(درمختار، باب عدت)

صاحبین کی دلیل اور اس کے جواب کا بیان

لَهُمَا اَنَّ نَفْسَ الْخُرُوجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِاَذَى الْغُرْبَةِ وَوَحْشَةِ الْوَحْدَةِ فَهٰذَا عُذْرٌ، وَاِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلسَّفَرِ وَقَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمُحْرِمِ .وَلَهُ اَنَّ الْعِدَّةَ اَمْنَعُ مِنَ الْخُرُوجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرِمِ، فَاِنَّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَخْرُجَ اِلَى مَا دُوْنَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرِمٍ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَدَّةِ ذٰلِكَ، فَلَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهَا الْخُرُوْجُ اِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرِمِ فَفِى الْعِدَّةِ اَوْلٰى .

ترجمہ

صاحبین کی دلیل یہ ہے: نفسِ خروج مباح ہے تاکہ غریب الوطنی کی اذیت اور تنہائی کی وحشت کو دور کیا جا سکے اور یہ چیز عذر ہے اصل حرمت سفر کے لئے ہے جبکہ وہ محرم کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ محرم کی عدم موجودگی کی بانسبت عدت باہر نکلنے سے زیادہ روکتی ہے کیونکہ عورت کے لئے یہ بات جائز ہے کہ سفر سے کم فاصلہ محرم کے بغیر طے کر سکتی ہے لیکن عدت گزارنے والی عورت کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور جب محرم کے بغیر سفر پر نکلنا اس کے لئے حرام ہے تو عدت میں سفر کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہو گا۔

حرمت سفر بہ سبب محرم کے ختم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ کا سفر کرتی ہے اور اس دوران وہ شوہر اسے تین طلاقیں دیدیتا ہے یا عورت کا شوہر سفر کے دوران راستے میں انتقال کر جاتا ہے تو اگر اس جگہ اور عورت کے شہر کے درمیان تین دن سے کم کا سفر ہو تو عورت اپنے شہر واپس آ جائے گی۔ مصنف فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے: حقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ گھر سے نکلنے کا آغاز نہیں ہے بلکہ گھر سے تو وہ پہلے ہی نکلی ہوئی تھی اب وہ اسی بنیاد پر واپس آ رہی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عورت اس وقت جب شوہر نے اسے طلاق دی یا جب شوہر کا انتقال ہوا اور وہ مکہ سے تین دن کی مسافت پر ہے تو وہ عورت اصل وطن سے تین دن کی مسافت کی دوری پر ہو تو اس بارے میں عورت کو اختیار

ہو گا' چاہے تو اپنے وطن واپس چلی جائے اور چاہے تو اپنی منزلِ مقصود یعنی مکہ مکرمہ چلی جائے' خواہ اس کے بعد ان کے ساتھ اس کا ولی ہو یا نہ ہو' کیونکہ جس جگہ پر حادثہ پیش آیا ہے' اس جگہ رک کر عورت کا اپنی پوری عدت گزارنا' یہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ عورت وہاں سے چل کر اپنی منزل کی طرف چلی جائے' یا اپنے وطن واپس آ جائے۔

تاہم عورت کے لیے زیادہ بہتر یہی ہے: وہ واپس اپنے وطن آ جائے تاکہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزار سکے کیونکہ وہاں وہ زیادہ محفوظ ہو گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر دوسرے شہر میں شوہر بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا ہے' یا شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے' تو اس دوسرے شہر میں قیام کے دوران وہ عدت پوری ہونے سے پہلے نہیں نکل سکتی' پھر وہ نکلے گی بھی اس وقت' جب اس کے ساتھ کوئی محرم ہو گا' یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں: اگر اس عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو' تو وہ عدت پوری ہونے سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: غریب الوطنی کو دور کرنے کے لیے اس عورت کے لیے شہر سے نکلنا بذاتِ خود مباح ہے' یہ بات عذر کی حیثیت رکھتی ہے البتہ رکاوٹ صرف سفر کے اعتبار سے ہے کہ وہ اکیلی سفر نہیں کر سکتی ہے' لیکن جب اس کا محرم اس کے ساتھ ہو گا تو اس کی حرمت بھی ختم ہو جائے گی' اس لیے اس عورت کو اس بات کا اختیار ہو گا' وہ عورت چل کر اپنے وطن واپس آ جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں: محرم کی عدم موجودگی سے زیادہ عدت گھر سے باہر نکلنے میں رکاوٹ ہوتی ہے' کیونکہ عورت کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ سفر کی شرعی مسافت سے کم سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے' لیکن عدت کے دوران اس بات کی بھی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ سفر کر سکے۔

تو جب اس عورت کے لیے محرم کے بغیر سفر پر نکلنا حرام ہو گا' تو عدت گزارنے والی عورت کے لیے بدرجہ اولیٰ سفر کے لیے نکلنا حرام ہونا چاہیے۔

دور جاہلیت کے نکاح وعدت کے احکام

سورہ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے، اس صلح کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں، لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایماندار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں، حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔

اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناسخ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں، ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی، حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر وسیاحت نہیں آئی کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں آئی بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں، قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں، اگر آزمائش میں کوئی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دینے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ، اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلم ہو جائے کہ یہ باایمان عورت ہے تو پھر اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں،

اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمہ تھیں، بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے فدیئے میں بھیجا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آئیں جسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو مسلمانوں نے بہ خوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور فرما دیا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھی دیا، یہ واقعہ سنہ 2 ہجری کا ہے، حضرت زینب نے مدینہ میں ہی اقامت فرمائی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ 8 ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابو العاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور نے پھر اسی اگلے نکاح بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابو العاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے

سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا،

امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت از روئے اسناد کے بہت اعلیٰ اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب والی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتاتے ہیں،

حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے گا ر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر ابن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔

پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا باایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا، اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابو امیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حرول خزاعی کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی والدہ یہ ہی تھی، اس سے ابو جہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروئی بنت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آ جائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔ اس کے بعد کی آیت وان فاتکم الخ کا مطلب حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صلح وصفائی نہیں،

اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لیئے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کیئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافر اس کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں، پس فعاقبتم کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کر دو، یعنی مہر مثل، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر ناممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے حضرت امام ابن جریر اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ممتحنہ، ۱۰)

زوجین کے اختلاف دار کے سبب احوال

فقہائے اسلام نے اس قانون کو چار بڑے بڑے عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے: ایک، وہ حالت جس میں زوجین دار الاسلام میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا کافر رہے۔ دوسرے، وہ حالت جس میں زوجین دار الکفر میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا کافر رہے۔ تیسرے، وہ حالت جس میں زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الاسلام میں ہجرت کر کے آ جائے اور دوسرا دار الکفر میں کافر رہے۔ چوتھے، وہ حالت جس میں مسلم زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے۔ ذیل میں ہم ان چاروں حالتوں کے متعلق فقہاء کے مسالک الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

مسلم شوہر کی اہل کتاب ازواج کے نکاح میں رہنے پر فقہی مذاہب اربعہ

پہلی صورت میں اگر اسلام شوہر نے قبول کیا ہو اور اس کی بیوی عیسائی یا یہودی ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے تو دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا، کیونکہ مسلمان مرد کے لیے اہل کتاب بیوی جائز ہے۔ یہ امر تمام فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اور اگر اسلام قبول کرنے والے مرد کی بیوی غیر اہل کتاب میں سے ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے، تو حنفیہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ عورت کے سامنے اسلام پید کیا جائے گا، قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، نہ قبول کرے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے

گی۔ اس صورت میں اگر زوجین کے درمیان خلوت ہو دکی ہو تو عورت مہر کی مستحق ہوگی، اور خلوت نہ ہوئی ہو تو اس کو مہر پانے کا حق نہ ہوگا، کیونکہ فرقت اس کے انکار کی وجہ سے واقع ہوئی ہے (المبسوط، ہدایہ، فتح القدیر)

امام شافعی اور احمد کہتے ہیں کہ اگر زوجین کے درمیان خلوت نہ ہوئی ہو تو مرد کے اسلام قبول کرتے ہی عورت اس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی، اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو عورت تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اس کے نکاح میں رہے گی، اس دوران میں وہ خود اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ تیسری بار ایام سے فارغ ہوتے ہی آپ سے آپ فسخ ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ذمیوں کو ان کے مذہب سے تعرض نہ کرنے کی جو ضمانت ہماری طرف سے دی گئی ہے اس کی بنا پر یہ درست نہیں ہے کہ عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک کمزور بات ہے، کیونکہ ایک ذمی عورت کے مذہب سے تعرض تو اس صورت میں ہوگا جبکہ اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سے صرف یہ کہنا کوئی بے جا تعرض نہیں ہے کہ تو اسلام قبول کر لے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکے گی ورنہ تجھے اس سے الگ کر دیا جائے گا۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں اس کی نظیر پیش بھی آ چکی ہے۔ عراق کے ایک مجوسی زمیندار نے اسلام قبول کیا اور اس کی بیوی کافر رہی۔ حضرت علیؓ نے اس کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ اور جب اس نے انکار کیا تب آپ نے دونوں کے درمیان تفریق کرا دی (المبسوط)

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر خلوت نہ ہو چکی ہو تو مرد کے اسلام لاتے ہی اس کی کافر بیوی اس سے فوراً جدا ہو جائے گی اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا اور اس کے انکار کی صورت میں جدائی واقع ہو جائے گی۔
(المغنی لابن قدامہ)

خاوند کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں مذاہب اربعہ

اور اگر اسلام عورت نے قبول کیا ہو اور مرد کافر رہے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا غیر اہل کتاب میں سے، تو حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں میں خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، ہر صورت میں شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، قبول کر لے تو عورت اس کے نکاح میں رہے گی، انکار کر دے تو قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا۔ اس دوران میں جب تک مرد اسلام سے انکار نہ کرے، عورت اس کی بیوی تو رہے گی مگر اس کو مقاربت کا حق نہ ہوگا۔ شوہر کے انکار کی صورت میں تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔ اگر اس سے پہلے خلوت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف مہر پانے کی حق دار ہوگی، اور خلوت ہو چکی ہو تو عورت پورا مہر بھی پائے گی اور عدت کا نفقہ بھی (المبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر)

امام شافعیؒ کے نزدیک خلوت نہ ہونے کی صورت میں عورت کے اسلام قبول کرتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت ہونے کی صورت میں عدت ختم ہونے تک عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی۔ اس مدت کے اندر وہ اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا ورنہ عدت گزرتے ہی جدائی واقع ہو جائے گی۔ لیکن مرد کے معاملہ میں بھی امام شافعیؒ نے وہی رائے ظاہر کی ہے جو عورت

کے معاملہ میں اوپر منقول ہوئی کہ اس کے سامنے اسلام پیش کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مسلک بہت کمزور ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں متعدد واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ عورت نے اسلام قبول کرلیا اور مرد سے اسلام لانے کے لیے کہا گیا اور جب اس نے انکار کردیا تو دونوں کے درمیان تفریق کرادی گئی۔ مثلاً بنی تغلب کے ایک عیسائی کی بیوی کا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے مرد سے کہا یا تو تُو اسلام قبول کرلے ورنہ میں تم دونوں کے درمیان تفریق کردوں گا۔ اس نے انکار کیا اور آپ نے تفریق ڈگردے دی۔ بہزُ المَلِک کی ایک نومسلم زمیندارنی کا مقدمہ ان کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے معاملہ میں بھی انہوں نے حکم دیا کہ اس کے شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ قبول کرلے تو بہتر، ورنہ دونوں میں تفریق کرادی جائے۔ یہ واقعات صحابہ کرام کے سامنے پیش آئے تھے اور کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے (احکام القرآن للجصاص۔ المبسوط۔ فتح القدیر)

امام مالکؒ کے رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر خلوت سے پہلے عورت مسلمان ہوجائے تو شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، وہ قبول کرلے تو بہتر ورنہ فوراً تفریق کرادی جائے۔ اور اگر خلوت ہوچکی ہو اور اس کے بعد عورت اسلام لائی ہو تو زمانہ عدت ختم ہونے تک انتظار کیا جائے، اس مدت میں شوہر اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عدت گزرتے ہی فرقت واقع ہوجائے گی۔ امام احمدؒ کا ایک قول امام شافعیؒ کی تائید میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ زوجین کے درمیان اختلاف دین واقع ہوجانا بہرحال فوری تفریق کا موجب ہے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو (المغنی، مسائل نکاح وطلاق)

دارالکفر میں اگر عورت مسلمان ہوجائے اور مرد کافر رہے، یا مرد مسلمان ہوجائے اور اس کی بیوی (جو عیسائی یا یہودی نہ ہو بلکہ کسی غیر کتابی مذہب کی ہو) اپنے مذہب پر قائم رہے، تو حنفیہ کے نزدیک خواہ ان کے درمیان خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، تفریق واقع نہ ہوگی جب تک عورت کو تین مرتبہ ایام ماہواری نہ آجائیں، یا اس کے غیر حائضہ ہونے کو صورت میں تین مہینے نہ گزرجائیں۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق بھی مسلمان ہوجائے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ یہ مدت گزرتے ہی فرقت واقع ہوجائے گی۔ امام شافعیؒ اس معاملہ میں بھی خلوت اور عدم خلوت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان دین کا اختلاف واقع ہوتے ہی فرقت ہوجائے گی، اگر خلوت ہوجانے کے بعد دین کا اختلاف رونما ہوا ہو تو عدت کی مدت ختم ہونے تک ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق اسلام قبول نہ کرے تو عدت ختم ہونے کے ساتھ ہی نکاح بھی ختم ہوجائے گا (المبسوط، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص)

اختلاف دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

جس صورت میں زوجین کے درمیان اختلاف دین کے ساتھ اختلاف دار بھی واقع ہوجائے، یعنی ان میں سے کوئی ایک دار الکفر میں کافر رہے اور دوسرا دارالاسلام کی طرف ہجرت کرجائے، اس کے متعلق حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان نکاح کا تعلق آپ سے آپ ختم ہوجائے گا۔ اگر ہجرت کرنے والی عورت ہو تو اسے فوراً دوسرا نکاح کرلینے کا حق حاصل ہے، اس پر کوئی عدت نہیں ہے، البتہ مقاربت کے لیے اس کے شوہر کو استبراء رحم کی خاطر ایک مرتبہ ایام ماہواری آجانے تک انتظار کرنا ہوگا، اور اگر وہ

حاملہ ہو تب بھی نکاح ہوسکتا ہے مگر مقاربت کے لیے وضع حمل تک انتظار کرنا ہوگا۔ امام ابویوسف اور امام محمد نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ سے صرف اتنا اختلاف کیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت پر عدت لازم ہے، اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ (المبسوط۔ ہدایہ۔ احکام القرآن للجصاص)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اختلاف دار کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل چیز صرف اختلاف دین ہے۔ یہ اختلاف اگر زوجین میں واقع ہوجائے تو احکام وہی ہیں جو دارالاسلام میں زوجین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہونے کے احکام ہیں (المغنی)

امام شافعیؒ اپنی مذکورہ بالا رائے کے ساتھ ساتھ ہجرت کرکے آنے والی مسلمان عورت کے معاملہ میں یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کافر شوہر سے لڑکر اس کے حق زوجیت کو ساقط کرنے کے ارادے سے آئی ہو تو اختلاف دار کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اس قصد کی بنا پر فوراً فرقت واقع ہوجائے گی (المبسوط وہدایہ)

لیکن قرآن مجید کی زیر بحث آیت پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں صحیح ترین رائے وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ہجرت کرکے آنے والی مومن عورتوں ہی کے بارے میں نازل فرمائی ہے، اور انہی کا حق میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان کافر شوہروں کے لیے حلال نہیں رہیں جنہیں وہ دارالکفر میں چھوڑ آئی ہیں، اور دارالاسلام کے مسلمانوں کی اجازت دی ہے کہ وہ ان کے مہر ادا کرکے ان سے نکاح کرلیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں سے خطاب کرکے یہ فرمایا ہے کہ اپنی ان کافر بیویوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو جو دارالکفر میں رہ گئی ہیں اور کفار سے اپنے وہ مہر واپس مانگ لو جو تم نے ان عورتوں کو دیے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف اختلاف دین ہی کے احکام نہیں ہیں بلکہ ان احکام کو جس چیز نے یہ خاص شکل دی ہے وہ اختلاف دار ہے۔ اگر ہجرت کی بنا پر مسلمان عورتوں کے نکاح ان کے کافر شوہروں سے ٹوٹ نہ گئے ہوتے تو مسلمانوں کو ان سے نکاح کرلینے کی اجازت کیسے دی جاسکتی تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ اس اجازت میں عدت کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کا حکم آجانے کے بعد بھی مسلمان مہاجرین کی کافر بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ گئی ہوتیں تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا جاتا کہ نہیں طلاق دے دو۔ مگر یہاں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ اور بعض دوسرے مہاجرین نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ مگر یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا، اور ان بیویوں کے ساتھ تعلق زوجیت کا انقطاع ان کے طلاق دینے پر موقوف تھا، اور اگر وہ طلاق نہ دیتے تو وہ بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ جاتیں۔

اس کے جواب میں عہد نبوی کے تین واقعات کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں جن کو اس امر کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف دار کے باوجود مومن اور کافر زوجین کے درمیان نکاح کا تعلق برقرار رکھا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے ذرا پہلے ابوسفیان مر الظَّہران (موجودہ وادی فاطمہ) کے مقام پر لشکر اسلام میں آئے اور یہاں

انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور ان کی بیوی ہند مکہ میں کافر رہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد ہند نے اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید نکاح کے بغیر ہی ان کو سابق نکاح پر برقرار رکھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اور حکیم بن حزام مکہ سے فرار ہو گئے اور ان کے پیچھے دونوں کی بیویاں مسلمان ہو گئیں۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ سے اپنے شوہروں کے لیے امان لے لی اور جا کر ان کو لے آئیں۔ دونوں اصحاب نے حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھی سابق نکاحوں کو برقرار رکھا۔ تیسرا واقعہ حضور ﷺ کی اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا ہے جو ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئیں تھیں اور ان کے شوہر ابوالعاص بحالت کفر مکہ ہی میں مقیم رہ گئے تھے۔ ان کے متعلق مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ وہ 8ھ میں مدینہ آ کر مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ نے تجدید نکاح کے بغیر سابق نکاح ہی پر صاحبزادی کو ان کی زوجیت میں رہنے دیا۔ لیکن ان میں سے پہلے دو واقعے تو درحقیقت اختلاف دار کی تعریف ہی میں نہیں آتے، کیونکہ اختلاف دار اس چیز کا نام نہیں ہے ایک شخص عارضی طور پر ایک دار سے دوسرے دار کی طرف چلا گیا یا فرار ہو گیا، بلکہ یہ اختلاف صرف اس صورت میں واقع ہوتا ہے جب کوئی آدمی ایک دار سے منتقل ہو کر دوسرے دار میں آباد ہو جائے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان موجودہ زمانے کی اصلاح کے مطابق قومیت (Niaonltiy) کا فرق واقع ہو جائے۔ رہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت ابن عباس کی ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، اور دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص کی ہے جس کو امام احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اس دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی کو جدید نکاح اور جدید مہر کے ساتھ پھر ابوالعاص ہی کی زوجیت میں دے دیا۔ اس اختلاف روایت کی صورت میں اول تو یہ نظیر ان حضرت کے لیے قطعی دلیل نہیں رہتی جو اختلاف دار کی قانونی تاثیر کا انکار کرتے ہیں۔ دوسرے، اگر وہ ابن عباس ہی کی روایت کے صحیح ہونے پر اصرار کریں تو یہ ان کے مسلک کے خلاف پڑتی ہے۔ کیونکہ ان کے مسلک کی رو سے تو جن میاں بیوی کے درمیان اختلاف دین واقع ہو گیا ہو اور وہ باہم خلوت کر چکے ہوں ان کا نکاح عورت کو صرف تین ایام ماہواری آنے تک باقی رہتا ہے، اس دوران میں دوسرا فریق اسلام قبول کر لے تو زوجیت قائم رہتی ہے، ورنہ تیسری بار ایام آتے ہی نکاح آپ سے آپ فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت زینب کے جس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں اس میں زوجین کے درمیان اختلاف دین واقع ہوئے کئی سال گزر چکے تھے، حضرت زینب کی ہجرت کے چھ سال بعد ابوالعاص ایمان لائے تھے، اور ان کے ایمان لانے سے کم از کم دو سال پہلے قرآن میں وہ حکم نازل ہو چکا تھا جس کی رو سے مسلمان عورت مشرکین پر حرام کر دی گئی تھی۔

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

چوتھا مسئلہ ارتداد کا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو اور دوسرا مسلمان رہے۔

اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں تو شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خلوت سے پہلے ایسا ہو تو فوراً، اور خلوت کے بعد ہو تو عدت

کی مدت ختم ہوتے ہی دونوں کا وہ نکاح ختم ہو جائے گا جو حالت اسلام میں ہوا تھا۔ اس کے برعکس حنفیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ قیاس یہی کہتا ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جائے، لیکن حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جو فتنہ ارتداد برپا ہوا تھا اس میں ہزارہا آدمی مرتد ہوئے، پھر مسلمان ہو گئے، اور صحابہ کرام نے کسی کو بھی تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا، اس لیے ہم صحابہ کے متفقہ فیصلے کو قبول کرتے ہوئے خلاف قیاس یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ زوجین کے ایک ساتھ مرتد ہونے کی صورت میں ان کے نکاح نہیں ٹوٹتے

(المبسوط، ہدایہ، فتح القدیر، الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

اگر شوہر مرتد ہو جائے اور عورت مسلمان رہے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا، خواہ ان کے درمیان پہلے خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ اس میں خلوت سے پہلے اور خلوت کے بعد کی حالت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ اگر خلوت سے پہلے ایسا ہوا ہو تو فوراً نکاح ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہوا ہو تو زمانہ عدت تک باقی رہے گا، اس دوران میں وہ شخص مسلمان ہو جائے تو زوجیت برقرار رہے گی، ورنہ عدت ختم ہوتے ہی اس کے ارتداد کے وقت سے نکاح فسخ شدہ شمار کیا جائے گا، یعنی عورت کو پھر کوئی نئی عدت گزارنی نہ ہو گی۔ چاروں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خلوت سے پہلے یہ معاملہ پیش آیا ہو تو عورت کو نصف مہر، اور خلوت کے بعد پیش آیا تو پورا مہر پانے کا حق ہو گا۔

اور اگر عورت مرتد ہو گئی ہو تو حنفیہ کا قدیم فتویٰ یہ تھا کہ اس صورت میں بھی نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا، لیکن بعد کے دور میں علمائے بلخ و سمرقند نے یہ فتویٰ دیا کہ عورت کے مرتد ہونے سے فوراً فرقت واقع نہیں ہوتی، اور اس سے ان کا مقصد اس امر کی روک تھام کرنا تھا کہ شوہروں سے پیچھا چھڑانے کے لیے عورتیں کہیں ارتداد کا راستہ اختیار نہ کرنے لگیں۔

مالکیہ کا فتویٰ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرائن یہ بتا رہے ہو کہ عورت نے محض شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے بطور حیلہ ارتداد اختیار کیا ہے تو فرقت واقع نہ ہو گی۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کے ارتداد کی صورت میں بھی قانون وہی ہے جو مرد کے ارتداد کی صورت میں ہے، یعنی خلوت سے پہلے مرتد ہو تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہو تو زمانہ عدت گزرنے تک نکاح باقی رہے گا، اس دوران میں وہ مسلمان ہو جائے تو زوجیت کا رشتہ برقرار رہے گا۔ ورنہ عدت گزرتے ہی نکاح وقت ارتداد سے فسخ شمار ہو گا۔ مہر کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ خلوت سے پہلے اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو اسے کوئی مہر نہ ملے گا، اور اگر خلوت کے بعد اس نے ارتداد اختیار کیا ہو تو وہ پورا مہر پائے گی۔

(المبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر۔ المغنی۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

یہ باب ثبوت نسب کے بیان میں ہے

باب ثبوت نسب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے باب عدت کے بعد ثبوت نسب کا باب بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کا مقصد ہی استبرائے رحم ہوتا ہے کیونکہ اگر کسی خاوند کی طلاق کے دو ماہ یا تین ماہ بعد یا اسی طرح چھ ماہ سے پہلے، اور اسی طرح عدت حاملہ کی صورت میں وضع حمل، اور عدت وفات میں عدت پوری ہونے سے پہلے اگر مطلقہ نے بچہ کو جنم دیا تو ان صورتوں میں اسی کا نسب ثابت ہوگا جس سے وہ مطلقہ ہوئی ہے۔ عدت کا تعلق نسب کے ساتھ مربوط ہے۔ کیونکہ عدت سے قبل یعنی جب کوئی عورت خاوند کے عقد میں ہو تو نسب کا جھگڑا پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصادم جب ہی ہوسکتا ہے جب کوئی عورت مطلقہ یا کسی طرح بھی تفریق ہو جائے۔ تو ان صورتوں میں نسب کا مسئلہ پیدا ہوگا لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو عدت کے بعد ذکر کیا ہے۔ تاکہ عدت کے احکام اور عدت کی مدت سے معلوم ہو جانے کے بعد ثبوت نسب کے احکام کو سمجھنا قدرے آسان ہوگا لہذا اب باب ثبوت نسب کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۶، ص ۱۵۲، بیروت)

نسب بدلنے والے کیلئے وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جب لعان والی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے اپنے بچہ کو اس قوم میں داخل کیا جس میں سے وہ نہیں ہے تو وہ عورت اللہ کی (رحمت کی) چیزوں میں سے کسی چیز میں داخل نہیں ہے اور اللہ اس کو ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ کرے گا اور جو مرد ایسا ہو کہ بچہ کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے اس حال میں کہ وہ بچہ اس کی طرف (پیار بھری نظروں سے) دیکھ رہا ہو تو قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 497)

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ .(ابو داؤد، قَالَ أَبُو دَاوُد ابْنُ أَبِی زَكَرِيَّا لَمْ يُدْرِكْ أَبَا الدَّرْدَاءِ، بَاب فِی تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ، حدیث نمبر ۴۲۹۷)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں اور

اپنے باپوں کے نام کے ساتھ بلائے جاؤ گے؛ لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس معاملہ میں فیصلہ کرنا چاہا جو بچہ اپنے باپ کے مرجانے کے بعد اس سے ملایا جائے یعنی اس باپ سے جس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور باپ کے وارث اس کو ملانا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا اگر وہ بچہ اس باندی سے ہے جس کا بوقت جماع اس کا باپ مالک تھا تو اس کا نسب ملانے والے سے مل جائے گا لیکن جو ترکہ اس کے ملائے جانے سے پہلے تقسیم ہو چکا ہے اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا البتہ جو ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا اس میں اس کا حصہ ہوگا مگر جب وہ باپ جس سے اس کا نسب ملایا جا رہا ہے اپنی زندگی میں اس کے نسب سے انکار کرتا رہا ہو تو وارثوں کے ملانے سے اس کا نسب نہیں ملے گا اور اگر وہ بچہ ایسی باندی سے ہو جس کا مالک اس کا باپ نہ تھا یا وہ بچہ آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہو جس سے اس کے باپ نے زنا کیا تھا تو اس کا نسب نہ ملے گا اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا اگرچہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں اس کا دعوی کیا ہو کہ یہ بچہ میرا ہے کیونکہ وہ ولد الزنا ہے خواہ آزاد عورت کے پیٹ سے ہو یا باندی کے پیٹ سے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 499)

نیز سنن ابوداؤد میں پانچ مقام پر یہ حدیث انہی اسناد اور روایوں کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ درست یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے باپوں ہی کے نام سے بلایا جائے گا، ماؤں کے نام سے نہیں جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے بلکہ بعض علماء بھی اس طرف گئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں ایک باب یوں قائم کیا ہے: باب ما يدعى الناس بآبائهم یعنی یہ بیان کہ لوگوں کو ان کے آباء کے ناموں سے بلایا جائے گا۔ اس باب کے تحت وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث لائے ہیں: ان الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال: هذه غدرة فلان بن فلان. (شرح البخاری لابن بطال: 9/354 وایضاً فتح الباری 10/56)

خائن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، سو کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی خیانت ہے۔

قیامت کے ماں یا باپ کے نام سے پکارنے میں بحث ونظر

علامہ ابن بطال اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان هذه غدرة فلان بن فلان میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے اور یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف ہے۔

اس حدیث کی بنا پر دیگر علماء نے بھی اس قول کے قائلین کا رد کیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک صریح حدیث بھی ہے مگر وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے اور وہ حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے: انكم تدعون يوم القيامة باسمائكم واسماء آبائكم فاحسنوا اسمائكم۔ یقیناً تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے نام سے بلائے جاؤ گے چنانچہ تم اپنے اچھے اچھے نام رکھو (اس حدیث کو امام احمد (5/194) ابوداؤد (4948)) ابن حبان (7/528)) اور بغوی

(شرح السنۃ12/32 :) نے عبداللہ بن ابی زکریا کی سند سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف اس لیے ہے کہ ابن زکریا نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے جیسا کہ امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری10/577)) میں کہا ہے اور حافظ منذری نے مختصر السنن7/571)) میں کہا ہے کہ ان کا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

جن بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کو اس کی ماں کے ناموں سے بلایا جائے گا باپ کے نام سے نہیں۔ان کے درج ذیل دلائل ہیں۔

پہلی دلیل :قولہ سبحانہ و تعالی ،یوم ندعو کل اناس بامامھم (الاسراء7) :جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔محمد بن کعب نے (بامامھم) کی تفسیر میں کہا ہے : قیل یعنی: بامھاتھم کہا گیا ہے یعنی ان کی ماؤں کے ناموں سے۔ان کے اس قول کو امام بغوی اور امام قرطبی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں تین حکمتیں ہیں،عیسی علیہ السلام کی وجہ سے،حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے شرف کی بنا پر،اولاد زنا کی عدم رسوائی کی وجہ سے۔(معالم التنزیل للبغوی/5: 110 اور الجامع لاحکام القرآن للقرطبی(5/628)

یہ قول بلاشک باطل ہے۔صحیح میں ابن عمر کی حدیث سے ثابت ہے اس کے بعد انہوں نے ابن عمر کی مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔اس طرح زمخشری نے بھی امام کی تفسیر امھات سے کی ہے۔چنانچہ لکھا ہے:و من بدع التفسیر ان الامام جمع الام، وان الناس یدعون بامھاتھم . . ۔(تفسیر الکشاف -(2/369 :انوکھی تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ امام ام کی جمع ہے اور لوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔

زمخشری کی اس انوکھی تفسیر کا رد نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

و لقد استبدع بدعا لفظا و معنی ، فان جمع الام المعروف الامھات ، اما رعایۃ عیسی (علیہ السلام) بذکر امھات الخلائق لیذکر بامہ فیستدعی ان خلق عیسی (علیہ السلام) من غیر اب غمیزۃ فی منصبہ، وذلک عکس الحقیقۃ ، فان خلقہ من غیر اب کان لہ آیۃ، و شرفا فی حقہ واللہ اعلم (الانتصاب فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال 2/369 :بھامش الکشاف) .

زمخشری نے لفظی اور معنوی بدعت ایجاد کی ہے،کیوں کہ ام کی معروف جمع امھات ہے۔رہا عیسی (علیہ السلام) کی رعایت کی خاطر لوگوں کو ان کی ماؤں کے ساتھ ذکر کرنا تا کہ ان کی (عیسی علیہ السلام) کی ماں کا ذکر کیا جائے تو یہ امر اس بات کا متقاضی ہے کہ عیسی (علیہ السلام) کی بغیر باپ کے خلقت سے ان کے منصب پر حرف آتا ہے اور یہ حقیقت کے برعکس ہے کیوں کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا کیا جانا،ان کے لیے معجزہ اور ان کے حق میں شرف ہے۔بعض دیگر علماء نے مذکورہ تمام حکمتوں کا رد کیا ہے اور بعض نے اس رد کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ (تفسیر روح المعانی للآلوسی،ج۱۵،۲۲۱)

واضح رہے کہ امام کی معتبر مفسرین نے چار تفسیریں کی ہیں مگر ان میں سے سب سے معتبر تفسیر یہ ہے۔کہ امام سے مراد

آدمی کا اعمال نامہ ہے کیوں کہ (یوم ندعو کل اناس بامامھم) کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔(فمن اوتی کتابہ بیمینہ) حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور علامہ شنقیطی نے ان کی تائید کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر 5/127: واضواء البیان: 2/322)

فائدہ :امام کی تفسیر نبی اور پیشوا سے بھی کی گئی ہے۔حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :قال بعض السلف :ھذا اکبر شرف لاصحاب الحدیث لان امامھم الانبیاء (تفسیر ابن کثیر -(5/126: بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ اصحاب حدیث کے لیے بہت بڑا شرف ہے کیوں کہ ان کے امام انبیاء ہیں۔

دوسری دلیل : بعض واہی،سخت ضعیف قسم کی روایات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1۔حدیث انس ص۔جس کے الفاظ یہ ہیں :یدعی الناس یوم القیامۃ بامھاتھم سترا من اللہ عز وجل علیھم (ابن عدی 1/336 :اور ان سے ابن جوزی نے الموضوعات3/248)) میں روایت کیا ہے اور اس کو علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال1/177)) میں ابن عدی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اس میں بامھاتھم کی بجائے باسماء امھاتھم ہے)

روز قیامت لوگوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ان پر پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی ماؤں کے ساتھ بلایا جائے گا۔مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے(اس حدیث کی سند اسحاق بن ابراہیم کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

امام جلال الدین سیوطی کا اس حدیث کی تقویت کی طرف رجحان ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث پر ابن جوزی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

قلت :صرح ابن عدی بان الحدیث منکر فلیس بموضوع ، ولہ شاھد من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اخرجہ الطبرانی (التعقبات علی الموضوعات (51)

میں کہتا ہوں ابن عدی نے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔چنانچہ یہ موضوع نہیں اور اس کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔قلت :اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں :ان اللہ تعالی یدعو الناس یوم القیامۃ باسمائھم سترا منہ علی عبادہ (طبرانی نے المعجم الکبیر11/122)) میں روایت کیا ہے)

یقیناً اللہ تعالی قیامت کے دن لوگوں کو ان پر پردہ پوشی کی خاطر ان کے ناموں سے بلائے گا مگر یہ حدیث درج ذیل دو وجوہ کی بنا پر شاہد بننے کے قابل نہیں :اس میں لوگوں کو ان کے ناموں سے بلائے جانے کا ذکر ہے ماؤں کے ناموں سے بلائے جانے کا ذکر نہیں۔اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔(کیوں کہ اس کی سند میں اسحاق بن بشیر ابوحذیفہ بخاری ہے جو متروک بلکہ کذاب ہے۔البانی نے اس کو الضعیفہ 434)) میں موضوع کہا ہے)

تنبیہ :حافظ ابن حجر نے فتح الباری(10/563) میں ابن بطال کا یہ قول :فی ھذا الحدیث رد لقول من زعم انھم لا یدعون یوم القیامۃ الا بامھاتھم سترا علی ابائھم ۔(شرح البخاری لابن بطال9/354 :)

اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے۔ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: قلت: هو حديث اخرجه الطبرانی من حديث ابن عباس وسنده ضعيف جدا، واخرج ابن عدی من حديث انس مثله، وقال: منكر اوردہ فی ترجمة اسحاق بن ابراهيم الطبری (فتح الباری (10/563)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اس جیسی حدیث انس سے بھی روایت کی ہے اور اسے منکر غیر صحیح کہا ہے۔ انہوں نے اس کو اسحاق بن ابراہیم طالقانی طبری کے ترجمے میں روایت کیا ہے۔ ۔

قلت: حدیث ابن عباس میں باسمائهم ھے بامهاتهم نھیں۔ اسی طرح ان کا حدیث انس مثلہ بھی کہنا درست نہیں کیوں کہ اس حدیث میں بامھاتھم ہے۔ یہی وہم علامہ ابوالطیب عظیم آبادی سے بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حدیث ابن عباس کو لفظ بامهاتهم سے ذکر کیا ہے۔ نیز ان سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بسند ضعیف روایت کیا ہے جیسا کہ ابن قیم نے حاشیۃ السنن میں کہا ہے جبکہ ابن قیم نے حدیث ابن عباس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ انہوں نے حدیث ابوامامہ کا ذکر کیا ہے جو عنقریب آ رہی ہے۔ (عون المعبود 8/283: اور تہذیب السنن، ج ۷، ص ۲۵۰)

2 ۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما: اس حدیث کا ابھی حدیث انس کے ضمن میں ذکر ہوا اور یہ بھی بیان ہوا کہ دو وجوہ کی بنا پر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں۔

3 ۔ حدیث ابوامامہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں میت کو دفن کر دینے کے بعد اسے تلقین کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا مات احدكم من اخوانكم فسويتم التراب على قبره فليقم احدكم على راس قبره ثم ليقل: يا فلان بن فلانة فانه يسمعه، ولا يجيب ثم يقول: يا فلان بن فلانة وفی آخره ۔ فقال رجل: يا رسول الله فان لم يعرف امه قال: فينسبه الى حواء، يا فلان بن حواء (طبرانی نے المعجم الکبیر/8/298) حدیث نمبر 8989:) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مر جائے اور تم اس کی قبر پر مٹی کو برابر کر لو تو تم میں سے کوئی ایک اس کی قبر کے سر پر کھڑا ہو، پھر کہے، اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے، سو یقیناً وہ اس کی بات کو سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے پاتا۔ پھر کہے اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے،، (اور اس حدیث کے آخر میں ہے) ایک آدمی نے سوال کیا! یارسول اللہ ﷺ! اگر وہ اس کی ماں کو نہ جانتا ہو؟ فرمایا، وہ اس کو حواء کی طرف منسوب کرے کہے، اے فلاں حواء کے بیٹے مگر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں کیوں کہ یہ سخت ضعیف ہے (طبرانی نے سعید بن عبداللہ الاودی کی سند سے ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور حافظ ہیثمی نے کہا ہے وفی اسناده

جماعة لم اعرفه (مجمع الزوائد 48) /3: اس کی سند میں ایک جماعت ایسی ہے جن کو پہچان نہیں سکا۔ یعنی ان کو ان کے تراجم نہیں ملے)

ابن القیم نے اس حدیث کو اس لیے بھی رد کیا ہے کہ صحیح احادیث کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ولكن هذا الحديث متفق على ضعفه، فلا تقوم به حجة فضلا عن ان يعارض به ما هو اصح منه (تہذیب السنن 7/250:) لیکن اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے لہذا اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ اس کو صحیح حدیث کے مقابلے میں لایا جائے۔

قلت: اس حدیث کا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی رد ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے: استغفروا لاخيكم وسلوا له التثبيت، فانه الآن يسال (ابوداؤد 3221: الحاکم: 370 /1 اس کی سند حسن درجے کی ہے اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔ اس حدیث معلوم ہوا کہ اس موقع پر میت کے لیے استغفار اور ثابت قدمی کا سوال کیا جائے گا نہ کہ اس کو تلقین کی جائے گی۔ ابن علان نے اس حدیث کو حدیث ابی امامہ کے شواہد میں ذکر کیا ہے۔ (الفتوحات الربانیہ (4/196)

اور کس قدر عجیب بات ہے کیوں کہ استغفار، ثابت قدمی اور تلقین میں بہت فرق ہے اور صحیح احادیث سے جو تلقین ثابت ہے وہ قریب الموت آدمی کے بارے میں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا: لقنوا موتاكم لا اله الا الله (صحیح مسلم 6/219) 230) اپنے مردوں کو (قریب المرگ لوگوں کو) لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی قابل اعتماد حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ روز قیامت آدمی کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا بلکہ عبداللہ بن عمرؓ کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اس کے باپ کے نام سے بلایا جائے گا۔ بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے وہ یوں کہ جس حدیث میں باپ کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ صحیح النسب آدمی کے بارے میں ہوا اور جس میں ماں کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ دوسرے آدمی کے بارے میں ہے۔ یا یہ کہ کچھ آدمی لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے اور کچھ لوگوں کو ان کے ماں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس جمع یا تطبیق کو عظیم آبادی نے علقمی سے نقل کیا ہے۔ (عون المعبود 8/283:)

بعض نے ایک دوسرے طریقے سے تطبیق دی ہے، وہ یہ کہ خائن کو اس کے باپ کے نام سے اور غیر خائن کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا اور اس کی جمع کو ابن علان نے شیخ زکریا سے نقل کیا ہے۔ (الفتوحات الربانیہ 6/104:)

بعض نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ اس آدمی کے بارے میں ہے۔ جو ولد الزنا نہ ہو یا لعان سے اس کی نفی نہ کی گئی ہو۔ (الفتوحات الربانیہ 6/104:)

مگر یہ سب تکلفات ہیں کیوں کہ جمع اور تطبیق کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب دونوں طرف کی روایات صحیح ہوتیں

جب کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف جو روایات ہیں وہ انتہائی ضعیف قسم کی ہیں۔ نیز اصل یہ ہے کہ آدمی کو اس کے باپ ہی کے نام سے پکارا جائے گا، ابن بطال لکھتے ہیں:

والدعاء بالآباء اشد فی التعریف وابلغ فی التمیز وبذلک نطق القرآن و السنة ۔ (شرح البخاری لابن بطال 9/354 :) باپوں کے نام سے بلانا پہچان میں زیادہ واضح اور تمیز میں زیادہ بلیغ ہے اور قرآن وسنت بھی اسی پر شاہد ہے۔

ثبوت نسب سے متعلق فقہی احکام

(وَمَنْ قَالَ اِنْ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ ابْنُهُ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ) اَمَّا النَّسَبُ فَلِاَنَّهَا فِرَاشُهُ، لِاَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوقُ قَبْلَهُ فِيْ حَالَةِ النِّكَاحِ وَالتَّصَوُّرُ ثَابِتٌ بِاَنْ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ يُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْاِنْزَالُ النِّكَاحَ وَالنَّسَبُ يُحْتَاطُ فِيْ اِثْبَاتِهِ، وَاَمَّا الْمَهْرُ فَلِاَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا حُكْمًا فَتَاَكَّدَ الْمَهْرُ بِهِ (وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ اِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا) لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ فِيْ حَالَةِ الْعِدَّةِ لِجَوَازِ اَنَّهَا تَكُوْنُ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ (وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ) وَثَبَتَ نَسَبُهُ لِوُجُوْدِ الْعُلُوقِ فِي النِّكَاحِ اَوْ فِي الْعِدَّةِ فَلَا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُلُوقَ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَيَحْتَمِلُ بَعْدَهُ فَلَا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا بِالشَّكِّ (وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِاَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً) لِاَنَّ الْعُلُوقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ، وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ مِنْهُ لِانْتِفَاءِ الزِّنَا مِنْهَا فَيَصِيْرُ بِالْوَطْءِ مُرَاجِعًا.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کہے: میں نے اگر فلاں عورت کے ساتھ شادی کی تو اسے طلاق ہوگی اور پھر وہ شخص اس عورت کے ساتھ شادی کرے اور نکاح کے چھ ماہ بعد عورت ایک بچے کو جنم دے تو وہ بچہ اسی نکاح کرنے والے کا بیٹا شمار ہوگا اور اس شوہر پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ نسب کا ثبوت اس بنیاد پر ہوگا' وہ عورت اس مرد کی فراش (منکوحہ) تھی کیونکہ جب اس نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچے کو جنم دیا اور طلاق کے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کی پیدائش ہوئی' تو بچے کا نطفہ حالت نکاح میں موجود تھا۔ اس کی صورت یہ ہو

سکتی ہے: مرد نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی حالت میں نکاح کیا اور نکاح ہو جانے کے ساتھ ہی انزال کے نتیجے میں حمل ٹھہر گیا۔ تو احتیاط یہی ہے: نسب کو ثابت کیا جائے جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اس وقت تک لازم ہوگا جب مرد کا نسب ثابت ہو گیا' تو حکم کے اعتبار سے اسے صحبت کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ فی الحال اس کے نتیجے میں مہر مؤکد ہو جائے گا۔ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو اگر وہ طلاق کے دو سال یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد بچے کو جنم دے' تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب تک کہ اس عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ احتمال موجود ہے کہ عدت کی حالت میں نطفہ رہ گیا ہو' کیونکہ عورت کے طہر کا زمانہ بہت طویل بھی ہو سکتا ہے۔ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی اور اس کے ہاں دو برس سے کم عرصے میں بچے کی پیدائش ہوگی' تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی' کیونکہ بچے کی طلاق کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی' اور بچے کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا' کیونکہ بچے کا نطفہ نکاح کی حالت میں یا عدت کی حالت میں ٹھہرا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں مرد کا رجوع کرنا ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ یہاں دو صورتوں کا احتمال موجود ہے۔ پہلی صورت یہ ہے: حمل طلاق سے پہلے ٹھہرا ہو' یعنی نکاح کی حالت میں ٹھہرا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے: یہ طلاق کے بعد ہو' تو شک کی بنیاد پر شوہر کو رجوع کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اگر دو سال کے بعد بچے کی پیدائش ہو' تو رجوع ثابت ہو جائے گا' کیونکہ حمل ٹھہرنا طلاق کے بعد ہوا ہے اور بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ حمل اسی مرد کا ہوگا' کیونکہ زنا کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکا لہٰذا وہ صحبت کرنے کے ذریعے رجوع کرنے والا شمار ہوگا۔

شرح

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زمعہ کی باندی کے بچہ کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے جھگڑا کیا۔ سعد کہتے تھے کہ میرے بھائی عتبہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ جاؤں تو زمعہ کی باندی کے بچہ کو دیکھوں اور اسے اصل کروں کیونکہ وہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زمعہ کا کہنا تھا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے کی باندی کا بیٹا ہے جو میرے کے گھر میں پیدا ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کو دیکھا تو واضح طور پر عتبہ کے مشابہ پایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ سے فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر) ہر چند کہ سودہ بنت زمعہ کا وہ بچہ بھائی قرار پایا مگر چونکہ وہ عتبہ کا نطفہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا) اور مسدد نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد بن زمعہ یہ بچہ تیرا بھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 507)

(۲) حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فلاں بچہ میرا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام میں (زنا کے سبب نسب کا) دعوی نہیں ہے۔ جاہلیت کے تمام طریقے ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور زنا کار کے لیے سنگ ساری کی سزا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 508)

(۴) حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میرے گھر والوں نے۔ گھر ہی کی ایک باندی سے۔ میرا نکاح کر دیا پس میں نے اس سے جماع کیا تو مجھ جیسا ہی ایک کالا بچہ پیدا ہوا جس کا میں نے عبداللہ نام رکھا۔ میں نے پھر اس سے صحبت کی تو پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو میری ہی طرح کالا تھا میں نے اس کا نام عبیداللہ رکھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے ہی گھر کے ایک رومی غلام نے اس پر جال لیا جس کا نام یوحنہ تھا یہ اس سے اپنی زبان میں اس سے گفتگو کرتا (جس کو ہم نہیں سمجھتے تھے) پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا گویا کہ وہ گرگٹ تھا (یعنی اس کا رنگ رومیوں کی طرح سرخ تھا) میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ کس کا نطفہ ہے؟) وہ بولی یہ یوحنہ کا ہے پس ہم نے یہ مقدمہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اعتراف کر لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم اس فیصلہ پر راضی ہو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے حضرت عثمان نے ان دونوں۔ غلام اور باندی کو (زنا کی سزا میں) کوڑے لگائے تھے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 509)

حتی الامکان نسب کی حفاظت میں شرعی تحفظ

شرعی ضابطہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بچہ کو حرامی نہ کہے، اس لیے پورے چھ مہینہ میں یا اس سے زیادہ میں جو بچہ پیدا ہو یا نکاح ہونے کے بعد رخصتی سے پہلے پیدا ہوا اور اس پر شبہ ہو تو حرامی نہ کہیں گے اور اگر شوہر انکار کرے تو پہلے لعان ہوگا (بشرطیکہ اسلامی ملک ہو) پھر حکم لگایا جائے گا۔

وقد دل ظاهر الحديث على أن الولد إنما يلحق بالأب بعد ثبوت الفراش، وهو لا يثبت إلا بعد إمكان الوطء فى الزواج الصحيح أو الفاسد .وهو رأى الجمهور. وروى عن أبى حنيفة أنه يثبت بمجرد العقد؛ لأن مجرد المظنة كافية

(الفقه الاسلامى وادلته عناية الشرع بالنسب وتحريم التبنى والإلحاق من طريق غير مشروع، ج۱۰، ص۳)

مطلقہ بتہ کے بچے کا نسب ثابت ہوگا

(وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا اِذَا جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ) لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَدُ قَائِمًا وَقْتَ الطَّلَاقِ فَلَا يَتَيَقَّنُ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوْقِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ احْتِيَاطًا، (فَاِنْ جَائَتْ بِهٖ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ) لِاَنَّ الْحَمْلَ حَادِثٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَا يَكُوْنُ مِنْهُ لِاَنَّ وَطْاَهَا حَرَامٌ .قَالَ (اِلَّا اَنْ يَّدَّعِيَهُ) لِاَنَّهُ الْتَزَمَهُ .وَلَهُ وَجْهٌ بِاَنْ وَطِئَهَا

بِشُبْهَةٍ فِى الْعِدَّةِ (فَاِنْ كَانَتِ الْمَبْتُوتَةُ صَغِيْرَةً يُجَامَعُ مِثْلُهَا فَجَائَتْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمْهُ حَتّٰى تَاْتِىَ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ .وَقَالَ اَبُو يُوْسُفَ :يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ اِلَى سَنَتَيْنِ) لِاَنَّهَا مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا وَلَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَاَشْبَهَتِ الْكَبِيْرَةَ .

وَلَهُمَا اَنَّ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً مُتَعَيِّنَةً وَهُوَ الْاَشْهُرُ فَبِمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِالِانْقِضَاءِ وَهُوَ فِى الدَّلَالَةِ فَوْقَ اِقْرَارِهَا لِاَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْخِلَافَ، وَالْاِقْرَارُ يَحْتَمِلُهُ وَاِنْ كَانَتْ مُطَلَّقَةً طَلَاقًا رَجْعِيًّا فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ اِلَى سَبْعَةٍ وَعِشْرِيْنَ شَهْرًا لِاَنَّهُ يُجْعَلُ وَاطِئًا فِىْ آخِرِ الْعِدَّةِ وَهِىَ الثَّلَاثَةُ الْاَشْهُرُ ثُمَّ تَاْتِىْ لِاَكْثَرِ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سَنَتَانِ، وَاِنْ كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ ادَّعَتِ الْحَبَلَ فِى الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيْهَا وَفِى الْكَبِيْرَةِ سَوَاءٌ، لِاَنَّ بِاِقْرَارِهَا يُحْكَمُ بِبُلُوْغِهَا .

ترجمہ

اور وہ عورت جسے ایک بائنہ طلاق یا تین طلاق دی گئی ہوں' اگر وہ دو سال سے پہلے بچے کو جنم دے' تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت حمل موجود ہو اور اس بات کا یقین نہیں ہے کہ جب حمل ٹھہرا تھا اس وقت نکاح زائل ہو چکا تھا یا نہیں۔ اس لئے احتیاط کے پیش نظر نسب ثابت ہوگا۔ جس عورت کو بائنہ طلاق دی گئی ہو وہ علیحدگی کے وقت سے پورے دو سال بعد بچے کو جنم دے' تو نسب ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ اس صورت میں حمل طلاق کے بعد وجود میں آیا ہے' لہٰذا وہ اس کے شوہر کا نہیں ہوگا' کیونکہ اس کے لئے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام تھا۔ البتہ اگر وہ شوہر خود یہ دعویٰ کر دے: یہ بچہ میرا نطفہ ہے اس کی وجہ یہ ہے: اس نے نسب کو خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اس کی ممکن صورت یہ ہو سکتی ہے: مرد نے عدت کے دوران شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی ہو۔ جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی تھی اگر وہ نابالغ تھی لیکن ایسی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اس کی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ صحبت کی جا سکتی ہو اور پھر وہ طلاق کے نو ماہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دے' تو نسب ثابت ہو جائے گا' یہ طرفین کا قول ہے۔

امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں: طلاق کے آغاز سے لے کر دو سال تک مرد کا ہی نسب ثابت ہوگا اور وہ عورت عدت گزارنے والی شمار ہوگی۔ اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ وہ حاملہ ہو اور اس نے عدت گزرنے کا اقرار بھی نہ کیا ہو تو بڑی عمر کی عورت سے مشابہہ ہو جائے گی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے: اس عورت کی عدت پوری ہونے کے معین وقت کے بارے میں پتہ ہے اور وہ مہینے کے اعتبار سے ہے اور وہ وقت گزر جانے کے بعد شریعت عدت ختم ہونے کا حکم دیدیتی ہے' اس لئے شریعت کا حکم اس عورت کے اقرار

سے زیادہ واضح ہوگا' کیونکہ شرعی حکم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا لیکن اقرار میں اس بات کا احتمال موجود ہے۔ اگر نابالغ لڑکی کو رجعی طلاق دی گئی ہو تو طرفین کے نزدیک مسئلے کی یہی صورت ہوگی۔ امام ابویوسف کے نزدیک' ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہوسکتا ہے چونکہ اس بات کا امکان موجود ہے: مرد نے عدت کے آخر میں' یعنی تیسرے ماہ کے آخر میں صحبت کر لی ہو اور عورت کے حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوتی ہے۔ اگر نابالغ لڑکی نے عدت کے دوران حمل ٹھہرنے کا دعویٰ کر دیا تو اس بارے میں نابالغ اور بالغ کا حکم ایک ہی ہے' کیونکہ نابالغ لڑکی کے حمل کا اقرار کرنے کے نتیجے میں بالغ تصور کیا جائے گا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن یزید بن رکانہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی طلاقیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہوگی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی طلاقیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مروی ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر دو کی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہوگی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت کر چکا تو تین طلاق واقع ہوں گی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہوگی اور رجوع کا اختیار ہوگا اگر دو کی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد

مولانا مبارک پوری لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی مراد نہیں لیے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص 209)

دو سال گزرنے کے بعد ثبوت نسب کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی ہو اُسے طلاق ہونے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے اگر وہ بچے کو جنم دیتی ہے' تو بچے کا نسب اس عورت کے سابقہ شوہر سے ثابت ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے: جب بچے کی پیدائش اور طلاق ہونے کے درمیان دو سال سے کم عرصہ موجود ہے' تو یہ اس بات کی دلیل ہوگا' طلاق کے وقت حمل قرار پا چکا تھا' اس لیے احتیاط کے

پیش نظر نسب کو ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی ہو' اگر وہ طلاق ہونے کے ٹھیک دو سال بعد بچے کو جنم دیتی ہے' تو بچے کا نسب اس عورت کے سابقہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے: ایسی صورت میں حمل طلاق ہونے کے بعد قرار پایا ہے' لہٰذا وہ اس شخص کا نہیں ہوگا' کیونکہ طلاق بتہ ہو جانے کے بعد اس شخص کے لیے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہو گا۔

تاہم اگر عورت کا سابقہ شوہر اس بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ کر دے تو اس صورت میں بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا' کیونکہ اب اس شخص نے نسب خود اپنے ذمے لیا ہے۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اس صورت میں نسب ثابت ہونے کی ممکنہ صورت یہ ہو سکتی ہے: شوہر نے عورت کی عدت کے دوران شبہ کی وجہ سے عورت کے ساتھ صحبت کر لی ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی عورت کو طلاق بتہ دی گئی ہو' اور وہ ابھی نابالغ ہو' البتہ اس کی ہم عمر لڑکی کے ساتھ صحبت کی جا سکتی ہو' اور پھر وہ عورت نو مہینے گزرنے کے بعد بچے کو جنم دے اور وہ اس دوران عدت گزر جانے کا اعتراف نہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں: اس بچے کے نسب کو اپنانا عورت کے سابقہ شوہر کے ذمے نہیں ہوگا' البتہ اگر وہ عورت نو ماہ کا عرصہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے' تو شوہر پر یہ بات لازم ہوگی: وہ بچے کے نسب کو تسلیم کرے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے' وہ اس بات کے قائل ہیں: اگر وہ لڑکی طلاق ہونے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے' تو اس بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کیونکہ وہ عورت عدت گزار رہی ہے اور اس نے عدت گزر جانے کا اقرار بھی نہیں کیا تو اس لیے اس بات کا احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت وہ حاملہ ہو' تو اس کی مثال بھی بڑی عمر کی عورت کی طرح ہو جائے گی اور بڑی عورت کا حکم وہی ہے' جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کیونکہ لڑکی نابالغ ہے اور نابالغ لڑکی کے بارے میں حکم یہ ہے: اس کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے' حیض کے اعتبار سے نہیں ہوتی کیونکہ نابالغ ہونے کی وجہ سے اسے حیض نہیں آتا' اس لیے مذکورہ بالا مسئلے میں اس نابالغ لڑکی کی عدت تین ماہ گزرنے کے بعد خود بخود ختم ہو جائے گی' خواہ اس نے عدت گزر جانے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو' کیونکہ شریعت کے حکم کے تحت عورت کی عدت ختم ہو چکی ہے' اس لیے یہ شرعی دلالت عورت کے اقرار پر فوقیت رکھتی ہے' کیونکہ شرعی دلالت میں خلاف واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے' جبکہ عورت کے اقرار میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ وہ امر واقع کے خلاف ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر اس عورت کو' یعنی اس نابالغ لڑکی کو رجعی طلاق دی گئی ہو' تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد

رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہی حکم ہوگا' جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: اگر وہ طلاق ہونے کے بعد ستائیس مہینے گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے' تو اس ستائیس مہینوں میں سے چوبیس مہینے دو سالوں کے ہوں گے اور تین مہینے اس نابالغ لڑکی کی عدت کے ہوں گے' تو ستائیس مہینے گزرنے سے پہلے اگر وہ بچے کو جنم دیتی ہے' تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا' کیونکہ عورت کی عدت تین ماہ ہے' تو شوہر کو عدت کے آخری حصے میں صحبت کرنے والا قرار دیا جائے گا' اور پھر یہ تصور کیا جائے گا' عورت نے حمل کے زیادہ سے زیادہ عرصے یعنی دو سال بعد بچے کو جنم دیا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر وہ نابالغ لڑکی عدت گزرنے کے دوران یعنی طلاق ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے سے پہلے حاملہ ہونے کا دعویٰ کر دیتی ہے' تو اس بارے میں اس کا وہی حکم ہوگا جو بڑی عمر کی عورت کا حکم ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: اس کے حاملہ ہونے کا اقرار اس کا بالغ ہونے کا حکم جاری کرنے کا باعث بن جائے گا۔

بیوہ عورت کے بچے کا نسب کب ثابت ہوگا؟

(وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ السَّنَتَيْنِ) وَقَالَ زُفَرُ: اِذَا جَاءَتْ بِهِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاةِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ لِاَنَّ الشَّرْعَ حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُورِ لِتَعَيُّنِ الْجِهَةِ فَصَارَ كَمَا اِذَا اَقَرَّتْ بِالِانْقِضَاءِ كَمَا بَيَّنَّا فِي الصَّغِيرَةِ اِلَّا اَنَّا نَقُولُ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةٌ اُخْرٰى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ، بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيهَا عَدَمُ الْحَمْلِ لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوغِ وَفِيهِ شَكٌّ.

ترجمہ

اور جس خاتون کا شوہر انتقال کر جائے اس خاتون کے بچے کا نسب' شوہر کی وفات کے دو سال بعد تک' بچے کی پیدائش کی صورت میں' ثابت شمار ہوگا۔ امام زفر بیان کرتے ہیں: اگر اس نے وفات کی عدت کے چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ شریعت نے مہینوں کے حساب سے اس کی عدت کی تکمیل کا حکم دیا ہے' تو گویا اس نے عدت کے اختتام کا اقرار کر لیا ہے' جیسا کہ ہم نابالغ لڑکی کے بارے میں یہ بات پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں: بیوہ کے عدت گزارنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے: اس عورت کی عدت بچے کی پیدائش ہو' جس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ختم ہو۔ لیکن نابالغ لڑکی کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ نابالغ میں اصل تو یہ ہے: وہ حاملہ نہیں ہو سکتی ہے' کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے وہ حمل کا محل اور اس کے بالغ ہونے کے بارے میں شک پایا جاتا ہے۔

ثبوت نسب میں مدت حمل کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال لہٰذا جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہے اور عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار نہ کیا ہو اور بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وہ مدت اتنی ہے کہ اُس میں عدت پوری ہو سکتی ہے اور وقتِ اقرار سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا جب بھی نسب ثابت ہے کہ بچہ پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ عورت کا اقرار غلط تھا اور ان دونوں صورتوں میں ولادت سے ثابت ہوا کہ شوہر نے رجعت کر لی ہے جبکہ وقت طلاق سے پورے دو برس یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا اور دو برس سے کم میں پیدا ہوا تو رجعت ثابت نہ ہوئی ممکن ہے کہ طلاق دینے سے پہلے کا حمل ہو اور اگر وقتِ اقرار سے چھ مہینے پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں۔ یونہی طلاقِ بائن یا موت کی عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار کیا اور وقتِ اقرار سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ جس عورت کو بائن طلاق دی اور وقتِ طلاق سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور دو برس کے بعد پیدا ہوا تو نہیں مگر جبکہ شوہر اُس بچہ کی نسبت کہے کہ یہ میرا ہے یا ایک بچہ دو برس کے اندر پیدا ہوا دوسرا بعد میں تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائیگا۔

('الدرالمختار''، کتاب الطلاق، فصل فی ثبوت النسب، ج۵، ص۲۳۷، بیروت)

نابالغہ مطلقہ کے بچے کے ثبوت نسب کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب نابالغہ کو اُس کے شوہر نے بعدِ دخول طلاقِ رجعی دی اور اُس نے حاملہ ہونا ظاہر کیا تو اگر ستائیس مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہے اور طلاق بائن میں دو برس کے اندر ہوگا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر اُس نے عدت پوری ہونیکا اقرار کیا ہے تو وقتِ اقرار سے چھ مہینے کے اندر ہوگا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر نہ حاملہ ہونا ظاہر کیا نہ عدت پوری ہونے کا اقرار کیا بلکہ سکوت کیا تو سکوت کا وہی حکم ہے جو عدت پوری ہونے کے اقرار کا ہے۔ شوہر کے مرنے کے وقت سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوگا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ یہی حکم صغیرہ کا ہے جبکہ حمل کا اقرار کرتی ہو اور اگر عورت صغیرہ ہے جس نے نہ حمل کا اقرار کیا، نہ عدت پوری ہونے کا اور دس مہینے دس دن سے کم میں ہوا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وقت اقرار یعنی چار مہینے دس دن کے بعد اگر چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا تو ثابت ہے، ورنہ نہیں ہوگا۔

(درمختار، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

عدت ختم ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بچے کی پیدائش کا حکم

(وَاِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ نَسَبُهُ) لِاَنَّهُ ظَهَرَ كَذِبُهَا بِيَقِينٍ فَبَطَلَ الْاِقْرَارُ (وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ) لِاَنَّا لَمْ نَعْلَمْ بِبُطْلَانِ الْاِقْرَارِ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَهُ، وَهٰذَا اللَّفْظُ بِاِطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ

كُلَّ مُعْتَدَّةٍ.

ترجمہ

اور عدت گزارنے والی عورت اگر عدت پوری ہونے کا اعتراف کرے، اور پھر چھ ماہ سے کم عرصے میں، اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہو جائے، تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ عورت کی غلط بیانی ظاہر ہو گئی ہے، لہٰذا اس کا اعتراف باطل قرار دیا جائے گا۔ اگر وہ چھ مہینے کے بعد بچے کو جنم دے، تو پھر اس بچے کا نصب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ ہم اس کے اقرار کے باطل ہونے کا علم نہیں رکھتے اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے، یہ حمل اقرار کرنے کے بعد ٹھہرا ہو۔ یہاں پر مطلق طور پر عدت گزارنے والی عورت کا ذکر ہوا اس میں ہر قسم کی عدت شامل ہوگی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یا سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہوا تو ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائیگی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو جنے تو تجھ کو طلاق اور عورت بچہ پیدا ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر انکار کرتا ہے تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تنہا جنائی کی شہادت ناکافی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قول کافی ہے۔ اور اگر دو بچے پیدا ہوئے ایک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر انکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے لعان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عالم گیری، باب ثبوت نسب)

جب جھوٹ یقین سے ثابت ہو جائے قاعدہ فقہیہ

اذا ظهر كذبه بيقين فبطل الاقرار، (ماخوذ من الهدايه ج ۲ ص ۴۱۱)

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

بہت سے احکام ہیں جہاں اقرار کو شرعاً قبول کرلیا جاتا ہے لیکن جب کسی اقرار کا جھوٹا ہونا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس وقت وہ سابقہ اقرار باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہونے والا یقینی ثبوت اقرار سے قوی ہوتا ہے۔

اس کا ثبوت اس حکم سے مستنبط ہے۔

ترجمہ: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف، ۱۵)

اس آیت مبارکہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے جو اڑھائی سال ہے جبکہ دوسری آیت میں دودھ پلانے کی

مدت ''حولین کاملین''یعنی دو سال بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ، ۲۳۳)

اس سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے۔ اگر کسی عدت والی عورت نے یہ اقرار کیا کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے پھر چھ ماہ سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دیا، تو نسب ثابت ہوگا (ہدایہ، ۴۱۱) اس مسئلہ کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جب اس کا اقرار ظاہری یقین و دلیل کی وجہ سے باطل ہوا تو اثبات نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔

اس طرح ولادت بچہ کی وجہ سے عورت پر حد بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ اس قدر قوی قرینہ ہے کہ دلیل نقلی سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کا ثبوت

(وَاِذَا وَلَدَتْ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوْ اعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ.

وَقَالَ اَبُو يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ :يَثْبُتُ فِى الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ) لِاَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَ مُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ اِلَى تَعْيِيْنِ الْوَلَدِ اَنَّهُ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَا فِىْ حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ.

وَلِاَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقَضِىْ بِاِقْرَارِهَا بِوَضْعِ الْحَمْلِ، وَالْمُنْقَضِىْ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ اِلَى اِثْبَاتِ النَّسَبِ ابْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ ظَهَرَ الْحَبَلُ اَوْ صَدَرَ الِاعْتِرَافُ مِنْ الزَّوْجِ لِاَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعَيُّنَ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا (فَاِنْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً عَنْ وَفَاةٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرَثَةُ فِى الْوِلَادَةِ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ اَحَدٌ فَهُوَ ابْنُهُ فِىْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا) وَهٰذَا فِىْ حَقِّ الْاِرْثِ ظَاهِرٌ لِاَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِمْ فَيُقْبَلُ فِيْهِ تَصْدِيْقُهُمْ، اَمَّا فِىْ حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَثْبُتُ فِىْ حَقِّ غَيْرِهِمْ.

قَالُوْا :اِذَا كَانُوا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ يَثْبُتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ وَلِهٰذَا قِيلَ :تُشْتَرَطُ لَفْظَةُ

الشَّهَادَةِ، وَقِيلَ لَا تُشْتَرَطُ لِأَنَّ الثُّبُوتَ فِي حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِلثُّبُوتِ فِي حَقِّهِمْ بِإِقْرَارِهِمْ، وَمَا ثَبَتَ تَبَعًا لَا يُرَاعَى فِيهِ الشَّرَائِطُ.

ترجمہ

جب کوئی عدت گزارنے والی عورت بچے کو جنم دے، تو اس کا نسب اس شرط پر ثابت ہوگا' ایک مرد یا دو خواتین اس بات کی گواہی دیں' البتہ اگر حمل ظاہر ہو جائے یا خود شوہر اقرار کرے' تو گواہی کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ طرفین نے یہ بات بیان کی ہے: تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے ہی نسب ثابت ہو جائے گا' کیونکہ عدت قائم ہونے کی بنیاد پر وہ عورت اپنے شوہر کا فراش شمار ہوگی اور نسب کے ثبوت کے لئے فراش کی موجودگی کافی ہے۔ البتہ اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اس بچے کو واقعی اس خاتون نے جنم دیا ہے' تو اس کے لئے ایک خاتون کی گواہی ہی کافی ہوگی' جیسا کہ نکاح کی موجودگی میں (اس طرح سے) نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل دی ہے: جب خاتون بچے کی پیدائش کا اقرار کرے' تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی' اور گزری ہوئی چیز دلیل نہیں ہو سکتی' لہٰذا نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورپیش آئے گی' اور اس کے لئے پوری گواہی درکار ہوگی۔ اس کے برخلاف جب حمل ظاہر ہو جائے یا شوہر کی طرف سے اعتراف پایا جائے' تو ان صورتوں میں ولادت سے پہلے ہی نسب ثابت ہو گیا ہے البتہ تعین کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہوگی۔

اگر کوئی عورت عدت وفات گزار رہی ہو (اور دو سال سے پہلے بچے کو جنم دے) اور ورثاء اس بات کی تصدیق کر دیں کہ یہ بچہ اس کے مرحوم شوہر کا ہی ہے اور اس بچے کی پیدائش پر کوئی ایک شخص بھی گواہ نہ ہو' تو اس بارے میں اتفاق ہے کہ وہ اس بارے میں مرحوم شوہر کا بیٹا شمار ہوگا' اور یہ بات وراثت کے حق میں ظاہر ہوگی' کیونکہ یہ خالص ان کا حق ہے' تو ان کا تصدیق کرنا قبول ہوگا۔ یہاں یہ سوال ہے: ورثاء کے اقرار کے نتیجے میں نسب ثابت ہو اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں بھی ثابت ہوگا یا نہیں ہوگا' فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: تصدیق کرنے والے ورثاء ایسے ہوں جن کی گواہی قابل اعتماد ہو' تو سب کے حق میں نسب ثابت ہو جائے گا' شرعی شہادت کے موجود ہونے کے نتیجے میں سب دوسروں کے حق میں بھی حجت ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: شہادت (گواہی) کا لفظ شرط ہے۔ بعض فقہاء نے اسے شرط قرار نہیں دیا ہے: دوسروں کے حق میں نسب ثابت ہونا تابع کے طور پر ہے' جو چیز تابع کے طور پر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔

عدت وفات میں پیدا ہونے والے بچے میں ورثاء کی تصدیق

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عدتِ وفات میں بچہ پیدا ہوا اور بعض ورثہ نے تصدیق کی تو اس کے حق میں نسب ثابت ہو گیا پھر اگر یہ عادل ہے اور اسکے ساتھ کسی اور وارث قابلِ شہادت نے بھی تصدیق کی یا کسی اجنبی نے شہادت دی تو ورثہ اور غیر سب کے حق میں نسب ثابت ہو گیا یعنی مثلاً اگر اس لڑکے نے دعویٰ کیا کہ میرے باپ کے فلاں شخص پر اتنے

روپے دَین ہیں تو دعویٰ سُننے کے لیے اسکی حاجت نہیں کہ وہ اپنا نسب ثابت کرے اور اگر تنہا ایک وارث تصدیق کرتا ہے یا چند ہوں مگر وہ عادل نہ ہوں تو فقط ان کے حق میں ثابت ہے اوروں کے حق میں ثابت نہیں یعنی مثلاً اگر دیگر ورثہ اس صورت میں انکار کرتے ہوں تو اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے حصوں میں کوئی کمی نہ ہوگی اور وارث اگر تصدیق کریں تو ان کے لیے اقرار کرنے میں لفظ شہادت اور مجلس قاضی وغیرہ کچھ شرط نہیں مگر اوروں کے حق میں ان کا اقرار اُس وقت مانا جائیگا جب عادل ہوں ہاں اگر اس وارث کے ساتھ کوئی غیر وارث ہے تو اُس کا فقط یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ یہ فلاں کا لڑکا ہے بلکہ لفظِ شہادت اور مجلسِ حکم وغیرہ وہ سب امور جو شہادت میں شرط ہیں، اس کے لیے شرط ہیں۔ بچہ پیدا ہوا عورت کہتی ہے کہ نکاح کو چھ مہینے یا زائد کا عرصہ گزرا اور مرد کہتا ہے کہ چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کو قسم کھلائیں، قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور شوہر یا اس کے ورثہ گواہ پیش کرنا چاہیں تو گواہ نہ سنے جائیں۔ (ردمحتار، فصل فی ثبوت نسب، ج ۵، ص ۲۴۴، بیروت)

شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کی پیدائش کا حکم

(وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ) لِأَنَّ الْعُلُوقَ سَابِقٌ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ (وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ سَكَتَ) لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَالْمُدَّةُ تَامَّةٌ (فَإِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتَّى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ يُلَاعِنُ) لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ، وَاللِّعَانُ إِنَّمَا يَجِبُ بِالْقَذْفِ وَلَيْسَ مِنْ ضَرُورَتِهِ وُجُودُ الْوَلَدِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ بِدُونِهِ (فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ: تَزَوَّجْتُكِ مُنْذُ أَرْبَعَةٍ وَقَالَتْ هِيَ: مُنْذُ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَهُوَ ابْنُهُ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا فَإِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ وَلَمْ يَذْكُرْ الِاسْتِحْلَافَ وَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے اور وہ عورت نکاح کے بعد چھ مہینے گزرنے سے پہلے ہی بچے کو جنم دے' تو اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا' کیونکہ حمل نکاح سے پہلے ٹھہر گیا تھا لہٰذا وہ شوہر کا نطفہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ چھ ماہ کے بعد یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد بچے کو جنم دے' تو اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا خواہ وہ مرد اس کا اعتراف کرے یا خاموش رہے' کیونکہ

یہاں فراس موجود ہے اور مدت بھی مکمل پائی جاتی ہے۔ اگر شوہر پیدائش کا انکار کردے' تو ایک عورت کی گواہی کے ذریعے یہ بات ثابت ہو جائے گی' جو عورت ولادت کے وقت موجود ہو۔ اگر شوہر بچے کی نفی کردے' تو اس صورت میں اسے لعان کرنا پڑے گا' کیونکہ یہاں فراش موجود ہے اور اس کے ذریعے نسب ثابت ہو جاتا ہے اور لعان اس وقت لازم ہوتا ہے جب زنا کا الزام لگایا جائے۔ لعان کے لیے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ بچہ بھی موجود ہو' کیونکہ بچے کے بغیر بھی لعان کیا جا سکتا ہے۔ اگر عورت کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی ہو اور اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو گیا: مرد نے یہ کہا: ابھی تو ہماری شادی کو چار ماہ گزرے ہیں اور عورت نے کہا: چھ ماہ گزر چکے ہیں' تو اس بارے میں عورت کی بات کو تسلیم کیا جائے گا' اور بچہ اس مرد کا شمار کیا جائے گا' کیونکہ ظاہری حالت عورت کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خواتین نکاح کے نتیجے میں بچے کو جنم دیتی ہیں زنا کے نتیجے میں بچے کو جنم نہیں دیتی ہیں۔ اس بارے میں امام محمد نے قسم اٹھانے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس بارے میں اختلاف موجود ہے۔

ثبوت نسب میں ایک عورت کی شہادت

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کے ہاں وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا۔ تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یا سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہوا تو ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائیگی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو جنے تو تجھ کو طلاق اور عورت بچہ پیدا ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر انکار کرتا ہے تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تنہا جنائی کی شہادت ناکافی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قول کافی ہے۔

(جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

اور اگر دو بچے پیدا ہوئے ایک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر انکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے لعان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عالمگیری، کتاب طلاق)

مسلم شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بچہ بستر والے (یعنی خاوند) کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عاھر زانی کو کہتے ہیں، زانی کے لیے پتھر ہیں کا معنی یہ ہے کہ: اسے ذلت و رسوائی ملے گی اور بچے میں اس کا کوئی حق نہیں۔ اور عرب عادتا یہ کہتے تھے کہ: اس کے لیے پتھر ہیں، اور اس سے وہ معنی یہ لیتے تھے کہ اس سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔

زنا سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا: مندرجہ بالا حدیث (بچہ بستر والے کا اور زانی کے لیے پتھر ہیں) کی بنا پر فقہاء کا کہنا ہے کہ ولد زنا کا نسب ثابت نہیں ہوتا، یعنی زنا سے پیدا شدہ بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے زانی سے ملحق کیا جائے گا۔

ولد زنا کے عدم نسب میں فقہاء کرام کے اقوال

اول: حافظ ابن حزم الظاہری کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی کے لیے پتھر ہیں) کے الفاظ کہہ کر زانی سے اولاد کی نفی کردی ہے، تو زانی پر حد ہے اور بچے کا الحاق زانی کے ساتھ نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر عورت بچہ جنتی ہے تو اسے ماں کے ساتھ ہی ملحق کیا جائے گا مرد کی طرف نہیں۔

اور اسی طرح وہ اپنی ماں کا اور ماں اس کی وارث ہوگی اس لیے کہ لعان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ عورت سے ملحق کیا اور مرد سے اس کی نفی کردی۔

دوم: فقہ مالکیہ میں ہے کہ: زانی کا پانی فاسد ہے اس لیے بچہ اس کی طرف ملحق نہیں ہوگا۔

سوم: فقہ حنفی میں ہے کہ: ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے آزاد عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہ بچہ اس کے زنا سے پیدا شدہ ہے اور عورت بھی اس کی تصدیق کردے تو پھر بھی نسب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(بچہ بستر والے (خاوند) کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں) تو یہاں پر فراش اور بستر تو زانی کا ہے ہی نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کا حصہ تو صرف پتھر قرار دیے ہیں، تو اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ نسب میں زانی کا کوئی حصہ نہیں۔۔۔۔

زنا سے پیدا شدہ بچے کا الحاق زانیہ عورت سے ہوگا:

جسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ولد زنا کا الحاق زانی سے نہیں ہو سکتا بلکہ جس زانی عورت نے اسے جنا ہے اس کے ساتھ ہی اس کا الحاق ہوگا، امام سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں ذکر کیا ہے کہ:

کسی مرد نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے آزاد عورت سے زنا کیا اور یہ اس کے زنا کا بیٹا ہے اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کردی تو نسب اس سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں) اور زانی کا بستر نہیں۔۔۔ اور اگر اسی دائی نے اس کی ولادت کی گواہی دے دی تو اس کی وجہ سے بچے کا عورت کے ساتھ نسب ثابت ہوگا لیکن مرد سے نہیں۔ عورت کے ساتھ نسب کا ثبوت تو بچے کی ولادت ہے جو کہ دائی کی گواہی سے ظاہر ہوا ہے، اس لیے کہ عورت سے بچے کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا لھذا عورت سے بچے کا نسب ثابت ہو گیا۔

زانی مرد کا زنیہ عورت سے شادی کرنا اور بچے کے نسب میں اس کی اثر اندازی:

فقہ حنفیہ کی کتاب فتاوی ھندیہ میں میں ہے کہ: اگر کسی نے عورت سے زنا کیا تو وہ حاملہ ہو گئی پھر اس نے اسی عورت سے شادی کرلی تو اس نے اگر تو چھ یا چھ سے زیادہ ماہ کی مدت میں بچا جنا تو اس سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور اگر چھ ماہ سے قبل پیدائش ہو جائے تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا۔

لیکن اگر وہ اس کا اعتراف کرے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے اور یہ نہ کہے کہ وہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ میرے زنا سے ہی پیدا ہوا ہے تو اس طرح نہ تو نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی وہ اس کا وارث بنے گا۔

اور حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کے قول کے مطابق لعان کرنے والی عورت کے بچے کو لعان کرنے والا جب اپنے خاندان میں ملانا چاہے تو اسے اس کے ساتھ ہی ملحق کیا جائے گا، لیکن ولد زنا کو زانی سے ملحق نہیں کیا جائے گا، یعنی جب زانی ولد زنا کو اپنے ساتھ ملانا چاہے تو اسے زانی کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

اور راجح تو یہی ہے کہ ولد زنا کا زانی سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا چاہے وہ زانیہ عورت سے شادی کر لے اور شادی کے چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہو یا پھر شادی نہ کرے اور بچہ پیدا ہو جائے تو یہ نسب کے ثبوت کا باعث نہیں، لیکن اگر وہ اسے اپنے خاندان میں ملانا چاہے اور یہ نہ کہے کہ وہ اس کے زنا کا بیٹا ہے تو اس سے احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ زنا کی گئی عورت سے حمل کی حالت میں شادی کرے اور چھ ماہ سے قبل بچے کی پیدائش ہو اور زانی اس پر خاموشی اختیار کرے یا پھر اس کا دعویٰ کرے لیکن یہ نہ کہے کہ وہ زنا سے ہے تو احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (المفصل فی احکام المراۃ (9 / 381)

چھ ماہ کے بچے کے انساب الی الوالد کا بیان

علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اگر عورت کے ہاں رخصتی اور خاوند کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہے تو یہ بچہ خاوند کی طرف منسوب کیا جائیگا، اور صرف گمان اور احتمال کی بنا پر بچے کی والد کی طرف سے نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ بچہ بستر والے کا ہے۔

ایک شخص نے کنواری عورت سے شادی کی اور اس کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا تو کیا اس بچے کی نسبت والد کی طرف کی جائیگی؟

"اگر دخول کے چھ ماہ کے بعد چاہے ایک لحظہ بعد ہی بچہ پیدا ہو تو سب آئمہ کا اتفاق ہے کہ بچہ والد کی طرف منسوب ہوگا، اس طرح کا واقعہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں بھی پیش آیا اور صحابہ کرام نے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے کے امکان کا استدلال اس فرمان باری تعالی سے کیا: اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی عمر تیس ماہ ہیں۔ (الاحقاف، ۱۵)

اور اس فرمان باری تعالی سے بھی۔ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں البقرۃ (۲۳۳) اگر تیس ماہ سے رضاعت کی مدت دو برس ہو تو پھر حمل چھ ماہ کا ہوگا، تو اس طرح آیت میں کم از کم حمل کو اور رضاعت کی پوری مدت کو جمع کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا اس مسئلہ پر استنباط کے متعلق کہتے ہیں: یہ ایک قوی استنباط ہے اور عثمان اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی موافقت کی ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم (4 /. (158

": حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اور یہ قرآن مجید کی دلالت کا مقتضی ہے قرآن میں اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تیس ماہ ہے. اور یہ فرمان: اور اس کا دودھ چھڑانا دو برسوں میں۔

جب ہم دودھ چھڑانے کی عمر دو برس لیتے ہیں تو حمل کے لیے باقی چھ ماہ رہ جاتے ہیں، اور یہ واضح ہے۔

لعان وحلف میں فقہی اختلاف کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: چھ ماہ گزرنے کے بعد یا اس سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے اور شوہر اس کی پیدائش سے انکار کر دیتا ہے' تو بچے کی پیدائش کے لیے ایک ایسی عورت کی گواہی کافی ہوگی جو پیدائش کے وقت بچے کی ماں کے پاس موجود تھی' اس کے لیے مزید کسی اضافی گواہی کی ضرورت نہیں ہوگی' لیکن اگر اس کے باوجود شوہر بچے کی اپنی اولاد ہونے کی نفی کرتا ہے' تو اس صورت میں اس پر لعان کرنا واجب ہو جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے: جب فراش درست ہے' تو نسب کے ثبوت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی' لیکن کیونکہ شوہر نے انکار کر دیا ہے' تو اب اس انکار کے نتیجے میں اس پر لعان کرنا لازم ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے: بچے کے نسب کا انکار کر کے شوہر نے براہِ راست عورت پر زنا کا الزام لگا دیا ہے اور اس وجہ سے لعان لازم ہو جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرتا ہے اور پھر عورت بچے کو جنم دیتی ہے اور پھر میاں بیوی کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو جاتا ہے' شوہر یہ کہتا ہے: میں نے چار ماہ پہلے تمہارے ساتھ شادی کی تھی جبکہ عورت یہ کہتی ہے: تم نے چھ ماہ پہلے شادی کی تھی' تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اس شخص کی اولاد شمار ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے: ظاہری صورت حال عورت کے حق میں گواہی دے رہی ہے' کیونکہ ظاہر تو یہی ہے: عورت نے نکاح کے نتیجے میں بچے کو جنم دیا ہوگا' زنا کے نتیجے میں جنم نہیں دیا ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ بات واضح کی ہے: امام محمد رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر نہیں کہ اس بارے میں کسی سے قسم لی جائے گی' حالانکہ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلف نہیں لیا جائے گا جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے حلف لیا جائے گا۔

بچے کی پیدائش کے ساتھ طلاق مشروط کرنے کا حکم

(وَاِنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اِذَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَاَنْتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتْ امْرَاَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ .وَقَالَ اَبُو يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ :تَطْلُقُ) لِاَنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِى ذٰلِكَ .

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيْمَا لَا يَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَيْهِ) وَلِاَنَّهَا لَمَّا قُبِلَتْ فِى الْوِلَادَةِ تُقْبَلُ فِيْمَا يَبْتَنِىْ عَلَيْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلِاَبِىْ

حَنِيْفَةَ أَنَّهَا ادَّعَتِ الْحِنْثَ فَلَا يَثْبُتُ إِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ، وَهٰذَا لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ ضَرُوْرِيَّةٌ فِي حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ لِأَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنْهَا (وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ أَقَرَّ بِالْحَبَلِ طَلُقَتْ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ) لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حُجَّةٍ لِدَعْوَاهَا الْحِنْثَ، وَشَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيْهِ عَلَى مَا بَيَّنَّا.

وَلَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْحَبَلِ إِقْرَارٌ بِمَا يُفْضِي إِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ، وَلِأَنَّهُ أَقَرَّ بِكَوْنِهَا مُؤْتَمَنَةً فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا فِي رَدِّ الْأَمَانَةِ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہے: تمہارے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی تو تمہیں طلاق ہے اور عورت نے اس کے بچے کی پیدائش کی گواہی دیدی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی' جبکہ صاحبین کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین نے یہ دلیل دی ہے: بچے کی پیدائش کے بارے میں ایک خاتون کی گواہی اثر انداز ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ''وہ امور جن کا مردوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس بارے میں خواتین کی گواہی جائز ہوگی''۔ صاحبین نے یہ دلیل بھی دی ہے: جب بچے کی پیدائش کے بارے میں خاتون کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے' تو ان امور کے بارے میں بھی قبول کی جائے گی جو پیدائش سے متعلق ہوں اور زیر بحث صورت میں طلاق بھی اسی پیدائش سے متعلق ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: اس خاتون کے شوہر نے حانث ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ مکمل شرعی گواہی کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا' کیونکہ بچے کی پیدائش کے سلسلے میں عورت کی گواہی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے' لیکن اس کا اثر طلاق کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا' چونکہ طلاق تو پیدائش کے علاوہ بھی دی جاسکتی ہے۔ اگر شوہر حمل ٹھہرنے کا اقرار کر چکا ہو' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی گواہی کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔

صاحبین کے نزدیک یہاں بھی ایک خاتون کی گواہی شرط ہوگی' کیونکہ قسم توڑنے کا دعویٰ کرنے کے لئے شرعی شہادت کی ضرورت ہوتی ہے' جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں اور اس بارے میں خاتون کی گواہی کافی ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار ایسی چیز کا اقرار ہے جو اس حمل کا نتیجہ ہو اور وہ بچے کی پیدائش ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے: شوہر نے بیوی کے امانتدار ہونے کا اقرار کر لیا ہے' تو امانت واپس کرنے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کس شخص نے اپنی عورت سے کہا اگر تو جنے تو تجھ کو طلاق ہے اُس کے بچہ پیدا ہوا طلاق ہوگئی پھر چھ مہینے یا زیادہ میں دوسرا بچہ پیدا ہوا تو رجعت ہوگئی اگرچہ دوسرا بچہ دو برس سے زیادہ میں پیدا ہوا کہ اکثر مدت حمل

دو برس ہے اور اِس صورت میں عدت حیض سے ہے تو ہوسکتا ہے کہ زیادہ زیادہ دنوں کے بعد حیض آیا اور عدت ختم ہونے سے پیشتر شوہر نے وطی کی ہو۔ ہاں اگر عورت عدت گزرنے کا اقرار کر چکی ہو تو مجبوری ہے۔ اور اگر دوسرا بچہ پہلے بچہ سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو بچہ پیدا ہونے کے بعد رجعت نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

وہ مسائل جن میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہے

وہ مسائل جن سے مرد آگاہ نہیں ہوسکتے ان میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہوگی چاہے گواہی دینے والی ایک ہی عورت ہو

تجوز شهادة المراة الواحد فيما لا يطلع عليه الرجال. جن امور سے مرد مطلع نہیں ہوسکتے ان میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہوگی۔ (عبدالرزاق، المصنف، 7،484، رقم13978)

تجوز شهادة المرأة الواحدة فى الرضاع. بچے کی رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔ عبدالرزاق، المصنف، 8 : 335، رقم15406)

و يقبل فى الولادة والبكارة والعيوب بالنساء فى موضع لا يطلع عليه الرجال شهادة امراة واحد. ولادت اور عورتوں کے وہ معاملات جن سے مرد آگاہ نہیں ہوسکتے وہاں ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

(مرغینانی، هدایة، 154 : 2)

ہم یہاں ان معاملات اور مسائل کو بیان کریں گے جن میں مردوں کی گواہی معتبر نہیں، بلکہ صرف عورت کی گواہی معتبر ہے ان مسائل میں علماء کا اتفاق ہے اور کوئی اختلافی رائے نہیں پائی جاتی۔

ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی

اگر بچہ کی ولادت اور بچے کے رونے کے مسئلے میں کوئی نزاع واقع ہو جائے تو یہاں صرف عورت کی گواہی معتبر ہوگی مرد کی نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان اُمور میں سے ہے جن پر اکثر اوقات مرد مطلع نہیں ہوسکتے۔ اس معاملے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائی کی تنہا گواہی جائز قرار دی ہے۔

رضاعت پر عورت کی گواہی کا بیان

اسی طرح اگر رضاعت کے معاملے پر اختلاف ہو جائے اور معاملہ قاضی تک پہنچ جائے تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ گواہی دے کیونکہ یہ وہ مسئلہ ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کی تنہا گواہی قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث نے اُم یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کیا۔ تو سوداء لونڈی نے آکر کہا کہ تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُنہوں نے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کیف و قد قیل ففارقھا و نکحت زوجا غیرہ. نکاح کیسے (قائم رہ سکتا ہے) اور گواہی دیدی گئی ہے۔تو عقبہ نے ان سے علیحدگی اختیار کرلی اور بنت ابی اہاب نے کسی اور سے نکاح کرلیا۔(بخاری، 934 : 2،رقم 2497 :)

ماہواری پر عورت کی گواہی کا بیان

ماہواری (حیض) کے کسی بھی اختلاف پر بھی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔اسلام میں عورتوں کے حقوق اور عزت واحترام کے اس تذکرے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلے پر جب عورت کو جانوروں سے بھی بدتر تصور کیا جاتا تھا اور کسی عزت وتکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو وہ حقوق عطا فرمائے جس سے اسے تقدس اور احترام پر مبنی سماجی ومعاشرتی مقام نصیب ہوا۔اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ صرف اسلام کا عطا کردہ ضابطہ حیات ہے جہاں عورت کو تکریم اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت میسر آسکتی ہے۔

معلق بہ ولادت سے متعلق طلاق احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جو شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے: تم نے بچے کو جنم دیا تو تمہیں طلاق ہے' اور پھر ایک عورت اس بات کی گواہی دیدیتی ہے: وہ عورت بچے کو جنم دے چکی ہے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں: عورت کو طلاق ہو جائے گی' کیونکہ ایسی صورت حال میں دوسری عورت کی گواہی ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اپنے مؤقف کی تائید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں: ''جس صورت حال کو مرد نہ دیکھ سکتے ہوں اس بارے میں عورت کی گواہی درست ہوتی ہے''۔

صاحبین نے اپنے مؤقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: جب بچے کی پیدائش میں ایسی عورت کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے' تو اس بارے میں بھی قبول کی جائے گی' جس حکم کی بنیاد بچے کی پیدائش پر ہو' اور وہ حکم طلاق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: عورت نے یہاں حانث ہونے کا دعویٰ کیا ہے' اس لیے اس کے لیے مکمل شرعی گواہی درکار ہوگی۔

مصنف نے اس مسئلے کی حکمت یہ بیان کی ہے: بچے کی پیدائش کے بارے میں صرف عورتوں کی گواہی کو قبول کرنا مجبوری کی وجہ سے ہے' لیکن یہ مجبوری طلاق دینے کے حق میں ظاہر نہیں ہوتی ہے' کیونکہ طلاق گواہی کے بغیر بھی ہوسکتی ہے' اسی طرح طلاق بچے کی پیدائش کے علاوہ بھی ہوسکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار کرتا ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

کے نزدیک گواہی کے بغیر عورت کو طلاق ہو جائے گی' جبکہ صاحبین اس بات کے قائل ہیں: یہاں یہ بات شرط ہوگی: بچے کی پیدائش کے وقت کوئی عورت موجود ہو اور اس بات کی گواہی دے کہ اس بچے کو اسی عورت نے جنم دیا ہے۔

ان حضرات نے اس بات کی دلیل یہ دی ہے: جب عورت نے قسم توڑنے کا دعویٰ کیا تو اس کے لیے ثبوت ضروری ہے اور اس بارے میں ثبوت اس عورت کی گواہی ہوگی جو بچے کی پیدائش کے وقت وہاں موجود ہوگی جیسا کہ اس بارے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: حاملہ ہونے کا اقرار اس بات کا اقرار ہے کہ جو اس حمل کے نتیجے میں سامنے آئے گی اور جب شوہر بیوی کے امانت دار ہونے کا اقرار کرلیتا ہے' یعنی اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کرلیتا ہے' تو امانت کی واپسی کے نتیجے میں بھی عورت کے قول کو قبول کیا جائے گا' اس کا مطلب یہ ہے: جب شوہر نے یہ اقرار کرلیا کہ عورت حاملہ ہے' تو یہ بات ہے: اس عورت نے اس حمل کو جنم دیا ہے' تو بالواسطہ طور پر شوہر جب حمل کے بارے میں عورت کو سچا قرار دیدیا ہے' تو حمل کی پیدائش کے بارے میں بھی وہ اس کو سچا قرار دے گا' حمل چونکہ عورت کے پاس شوہر کی امانت ہوتا ہے' تو اس بارے میں جب عورت کو سچا قرار دے رہا ہے' تو اس کی واپسی یعنی بچے کی پیدائش میں شوہر اس کی بات کی تصدیق کردے گا' لہٰذا عورت کا قول یہاں کسی اضافی گواہی کے بغیر قابل قبول ہوگا۔

گواہی کیلئے شرائط کا فقہی بیان

علمائے امت نے احادیث اور قیاس کی روشنی میں گواہ کی کچھ شرطیں بتائی ہیں۔وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شاہد گواہ، (۲) آزاد ہو، غلام نہ ہو۔(۳) بالغ ہو۔

مسلمان ہو، جیسا کہ من رجالکم سے سمجھا جاتا ہے۔کافر نہ ہو، البتہ کافر مستامن کی گواہی کافر مستامن پر درست ہوسکتی ہے نہ کہ مسلمان پر۔واضح رہے کہ مندرجہ بالا تینوں شرطیں انھی باتوں کی گواہی میں معتبر ہیں جو دین سے متعلق ہیں اور معاملات میں تو صرف اہل عقل وتمیز کا قول معتبر ہوگا خواہ آزاد ہو یا غلام، کافر جوان ہو یا عقل وتمیز والا لڑکا اس لیے کہ معاملات کثیر الوقوع ہیں۔چنانچہ ہدایہ کی کتاب الکراہیہ میں لکھا ہے۔

ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولایقبل فی الدیانات الاقول العدل ووجه الفرق ان انمعاملات یکثر وجودھا فیما بین الناس فلوشرطنا شرطا زائدا یودی الی الحرج فیقبل قول الواحد فیھا عدلا کان او فاسقا کافراً کان او مسلماً عبداً کان اوحراً ذکراً کان او انثیٰ دفعا للحرج .

معاملات کی مثال شراء، اذن تجارت اور وکیل بنانا وغیرہ اور دیانات کی مثال نجاست آب کی خبر دینا یا اور کوئی حل وحرمت کے متعلق خبر دینا۔

(۴) عادل ہو فاسق نہ ہو۔(۵) جس چیز کی گواہی دے رہا ہو اس کو خوب جانتا ہو۔(۶) اس گواہی سے اس کا کوئی نفع نہ ہو۔

(۷) اس سے اس کی کوئی مضرت دفع نہ ہو۔ (۸) غلط اور نسیان میں مشہور نہ ہو۔ (۹) بے مروت اور لالچی نہ ہو۔ (۱۰) باہم کوئی عداوت نہ ہو۔

مذکورہ صفات کے دو مرد میسر نہ ہوں تو اس کے لیے ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ جب معاملہ پیش آئے اس وقت دو مرد بطور گواہ موجود نہ ہوں یا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک مرد اور بقیہ عورتیں ہی موجود ہوں۔ اسی وجہ یہ حکم دیا گیا کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کرو۔ اس امر سے یہ معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوسکتا جیسا کہ بکارت، ولادت اور عورتوں کے خاص عیوب وغیرہ۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جب کہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھالے۔ فقہائے احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں جب کہ محدثین اس کے قائل ہیں۔

عورت کیلئے دو کے عدد میں حکمت وعلت

ان تضل احمدھما فتذکر احمدھما علیٰ الاخریٰ یہ آیت ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت وحکمت ہے۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم از کم مدت کا بیان

قَالَ (وَاَکْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ) لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا الْوَلَدُ لَا یَبْقٰی فِی الْبَطْنِ اَکْثَرَ مِنْ سَنَتَیْنِ وَلَوْ بِظِلِّ مِغْزَلٍ (۱) (وَاَقَلُّهُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی (وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا) ثُمَّ قَالَ (وَفِصَالُهُ فِیْ عَامَیْنِ) فَبَقِیَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَالشَّافِعِیُّ یُقَدِّرُ الْاَکْثَرَ بِاَرْبَعِ سِنِیْنَ، وَالْحُجَّةُ عَلَیْهِ مَا رَوَیْنَاهُ، وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ قَالَتْهُ سَمَاعًا اِذِ الْعَقْلُ لَا یَهْتَدِیْ اِلَیْهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اس کی دلیل یہ ہے: سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ہے: ''بچہ دو سال سے زیادہ عرصہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا خواہ تکلے کے سائے کی ہی طرح کیوں نہ ہو''۔ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ''ان کا حمل اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوگا''۔ ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس کا

(۱) أخرجه الدارقطني في "سننه" ۲/۴۲۵ والبيهقي في "السنن الكبرى" ۷/۴۴۳۔

دودھ چھوڑنا دو سال میں ہوگا'' تو حمل کی مدت چھ ماہ تک باقی رہ جائے گی۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے۔ ہماری پیش کردہ روایات امام شافعی کے خلاف حجت ہے۔ یہ بھی بات ہے سیدہ عائشہ r نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی ارشاد فرمائی ہوگی کیونکہ عام طور پر ایسے امور کے بارے میں پر محض اندازے کی بنیاد پر بات نہیں کی جاسکتی۔

حمل کی مدت کا فقہی بیان

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ .(الاحقاف، ۱۵)

اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔ یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا۔ اور چالیس برس کا ہوا۔ عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی۔ اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے۔ اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح رکھ۔ میں تیری طرف رجوع لایا۔ اور میں مسلمان ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اقل مدّتِ حمل چھ ماہ ہے کیونکہ جب دودھ چھڑانے کی مدّت دو سال ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ" تو حمل کے لئے چھ ماہ باقی رہے، یہی قول ہے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اور حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس آیت سے رضاع کی مدّت ڈھائی سال ثابت ہوتی ہے۔ مسئلہ کی تفاصیل مع دلائل کُتب اصول میں مذکور ہیں۔ (خزائن العرفان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو ان سے تواضع سے پیش آؤ۔ ابو داؤد طیالسی میں حدیث کہ حضرت سعد کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم اللہ نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کر حضرت سعد کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوا دیتے اس پر یہ آیت اتری یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے ماں نے حالت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت

سے اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت (وفصالہ فی عامین) اور اللہ عزوجل کا فرمان آیت (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن ارادا ان یتم الرضاعته) یعنی مائیں اپنے بچوں کو دوسال کامل دودھ پلائیں ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے۔

حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اس کی تائید کی ہے حضرت معمر بن عبداللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا اس کے خاوند نے حضرت عثمان سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم اس کی مخلوق میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمان کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضٰی نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی (وحمله وفصاله ثلثون شهرا) اور ساتھ ہی یہ آیت بھی (حولین کاملین) پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کل مدت دوسال کے چوبیس وضع کر دئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال ہے مگر اس طرف نہیں گیا جاؤ اس عورت کو لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اسے فراغت ہو چکی تھی۔

حضرت معمر فرماتے ہیں واللہ ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)

حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معلوم ہے پھر دوسال تک اسے دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعة الخ) یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہے ان کے لئے آخری انتہائی سبب یہ ہے کہ دوسال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے (وحمله وفصاله ثلاثون شهرا) یعنی مدت حمل اور دودھ چھٹائی کل تیس ماہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس اور دوسرے بڑے اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔

کنیز کے ساتھ شادی کر کے اُسے خریدنے' اُس کے ہاں بچے کی پیدائش کا حکم

(وَمَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا، فَاِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ اشْتَرَاهَا لَزِمَهُ وَاِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ) لِاَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ وَلَدُ الْمُعْتَدَّةِ فَاِنَّ الْعُلُوقَ سَابِقٌ عَلَى الشِّرَاءِ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَدُ الْمَمْلُوكَةِ لِاَنَّهُ يُضَافُ الْحَادِثُ اِلَى اَقْرَبِ وَقْتِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ، وَهٰذَا اِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَائِنًا اَوْ خُلْعًا اَوْ رَجْعِيًّا، اَمَّا اِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَثْبُتُ النَّسَبُ اِلَى سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لِاَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيظَةً فَلَا يُضَافُ الْعُلُوقُ اِلَّا اِلَى مَا قَبْلَهُ، لِاَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالشِّرَاءِ.

(وَمَنْ قَالَ لِاَمَتِهِ اِنْ كَانَ فِي بَطْنِكِ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّي فَشَهِدَتْ عَلَى الْوِلَادَةِ امْرَاَةٌ فَهِيَ اُمُّ وَلَدِهِ) لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ، وَيَثْبُتُ ذٰلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْاِجْمَاعِ.

ترجمہ

اور جو شخص کسی کنیز کے ساتھ نکاح کرلے اور پھر اسے طلاق دیدے' اور پھر اسے خرید لے۔ اب اس کنیز کے ہاں خریدنے سے چھ ماہ پہلے بچے کی پیدائش ہو جائے' تو وہ اسی مرد کا شمار ہوگا' ورنہ اس کے ذمے لازم نہیں آئے گا۔ پہلی صورت کی دلیل یہ ہے: وہ ایسی صورت میں عدت گزارنے والی عورت کا بچہ شمار ہوگا' کیونکہ خریدنے سے پہلے بچے کا نطفہ قرار پا چکا تھا۔ دوسری صورت میں وہ کنیز کا بچہ شمار ہوگا' کیونکہ بچہ کی نسبت قریب ترین وقت کی طرف ہوگی' تو اس صورت میں دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے: جب کنیز کو ایک بائنہ یا رجعی طلاق دی گئی ہو یا خلع کیا گیا ہو' لیکن اگر دو طلاقیں دی گئی ہوں تو وقت طلاق سے دو برس تک نسب ثابت ہوگا' کیونکہ دو طلاقوں کی صورت میں وہ کنیز شوہر کے حق میں حرمت غلیظہ کے تحت حرام ہو جاتی ہے' اس لئے حمل ٹھہرنا طلاق سے پہلے کسی وقت کی طرف منسوب ہوگا' کیونکہ خریدنے کی وجہ سے یہ کنیز اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ ایک شخص اپنی کنیز سے یہ کہتا ہے: اگر تمہارے پیٹ میں بچہ ہوگا' تو وہ مجھ سے ہوگا۔ پھر ایک عورت بچے کی پیدائش کی گواہی دیدیتی ہے' تو یہ کنیز اس کی ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں بچے کی تعیین کی ضرورت تھی اور یہ تعیین اتفاقی طور پر ایک دایہ کی شہادت سے پوری ہو جائے گی۔

باندی کے بچے کا نسب اقرار سے ثابت ہونے کا بیان

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی کنیز سے وطی کرتا ہے اور بچہ پیدا ہوا تو اُس کا نسب اُس وقت ثابت ہوگا کہ یہ اقرار کرے کہ میرا بچہ ہے اور وہ لونڈی ام ولد ہوگئی اب اس کے بعد جو بچے پیدا ہونگے اُن میں اقرار کی حاجت نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ نفی کرنے سے منتفی ہو جائے گا مگر نفی سے اُس وقت منتفی ہوگا کہ زیادہ زمانہ نہ گزرا ہو نہ قاضی نے اُس کے نسب کا حکم دیدیا ہو اور ان میں کوئی بات پائی گئی تو نفی نہیں ہوسکتی۔ اور مدبرہ کے بچہ کا نسب بھی اقرار سے ثابت ہوگا۔ منکوحہ کے بچہ کا نسب ثابت ہونے کے لیے اقرار کی حاجت نہیں بلکہ انکار کی صورت میں لعان کرنا ہوگا اور جہاں لعان نہیں وہاں انکار سے بھی کام نہ چلے گا۔ (ردمحتار، باب عدت، ج ۵، ص ۲۵۱، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی کنیز کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور پھر صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدیتا ہے' پھر اس کے بعد وہ اسی کنیز کو اس کے مالک سے خرید لیتا ہے' اب اگر وہ کنیز اس شخص کے خریدنے کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے' تو اب اس خریدار کے لیے اس بچے کے نسب کو قبول کرنا لازم ہوگا' لیکن اگر وہ چھ ماہ گزرنے کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے' تو اب خریدار پر اس بچے کے نسب کو اختیار کرنا لازم نہیں ہوگا۔

یہاں دو صورتیں ہیں: جن میں سے پہلی صورت کی دلیل یہ ہے: اگر اس عورت نے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کو جنم دیا ہو' تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی: یہ نطفہ اس عورت کے پیٹ میں' اس شخص کے کنیز کو خریدنے سے پہلے قرار پاچکا تھا' اب اس شخص سے پہلے کیونکہ وہ عورت عدت کی حالت میں تھی تو وہ بچہ عدت گزارنے والی عورت کا بچہ ہوگا اور اصول یہ ہے: عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب دعوے کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے اور اس عورت کے شوہر پر یہ بات لازم ہوگی: وہ اس بچے کے نسب کو قبول کرلے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے' یعنی جب وہ عورت چھ ماہ گزرنے کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے' تو اس صورت میں یہ بات لازم آئے گی: شوہر کے اس عورت کو خریدنے کے بعد ملک یمین کی حالت میں وہ نطفہ قرار پایا ہے اور کیونکہ وہ اس کی کنیز کا بچہ ہے' اس لیے اصول یہ ہے: کسی بھی پیش آنے والے حادثے کو کنیز وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جب کوئی کنیز کسی کی ملکیت ہو' تو اس کے بچے کا نسب مالک کے دعوے کے بغیر ثابت نہیں ہوتا' اس لیے یہاں ہم نے یہ حکم دیا ہے: اس شخص کا دعویٰ کرنا ضروری ہو گا۔

یہ تمام احکام اس صورت میں ہوں گے' جب اس کنیز کو ایک بائنہ یا ایک رجعی طلاق دی گئی ہو' یا اس کنیز نے خلع حاصل کرلیا ہو' لیکن اگر شوہر نے اسے دو طلاقیں دی ہوں' تو کیونکہ کنیز کو دو طلاقیں دی جاسکتی ہیں' اس لیے طلاق ہونے کے وقت کے بعد سے دو سال گزرنے تک اس کنیز کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا' کیونکہ دو طلاقیں ہو جانے کے نتیجے میں وہ کنیز حرمت غلیظہ کے طور پر شوہر سے علیحدہ ہو جائے گی اور اب شوہر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کنیز کے ساتھ صحبت کر سکے نہ تو وہ نکاح کے اعتبار سے اس کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے اور نہ ہی ملک یمین کے اعتبار سے صحبت کر سکتا ہے' اس لیے اب طلاق ہو جانے کے بعد کے وقت کی طرف

اس نطفے کو منسوب نہیں کیا جاسکتا' بلکہ اسے طلاق ہونے سے پہلے کی طرف منسوب کیا جائے گا' اور طلاق ہو جانے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے اگر وہ عورت بچے کو جنم دیدیتی ہے' تو اس کا نسب اس کے سابقہ شوہر سے ثابت ہو جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی آقا اپنی کنیز سے یہ کہتا ہے: اگر تمہارے پیٹ میں بچہ موجود ہے' تو میرا نطفہ ہے اور پھر ایک عورت اس کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی گواہی دیدیتی ہے' تو اب اس بچے کا نسب اس آقا سے ثابت ہو جائے گا' وہ کنیز اس شخص کی اُم ولد قرار پائے گی' کیونکہ یہاں اس صورت میں صرف بچے کی پیدائش کے تعین کی ضرورت تھی اور پیدائش کے وقت عورت کی گواہی پائی گئی ہے' اس لیے اس عورت کی گواہی کی وجہ سے اس عورت کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

کسی بچے کے اولاد ہونے کے اقرار کا حکم

(وَمَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ ابْنِیْ ثُمَّ مَاتَ فَجَاءَتْ أُمُّ الْغُلَامِ وَقَالَتْ اَنَا امْرَاَتُهٗ فَهِیَ امْرَاَتُهٗ وَهُوَ ابْنُهٗ يَرِثَانِهٖ) وَفِی النَّوَادِرِ جُعِلَ هٰذَا جَوَابُ الِاسْتِحْسَانِ، وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَكُوْنَ لَهَا الْمِيْرَاثُ لِاَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الصَّحِيْحِ يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَبِالْوَطْءِ عَنْ شُبْهَةٍ وَبِمِلْكِ الْيَمِيْنِ، فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهٗ اِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ اَنَّ الْمَسْاَلَةَ فِيْمَا اِذَا كَانَتْ مَعْرُوْفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَبِكَوْنِهَا اُمَّ الْغُلَامِ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيْحُ هُوَ الْمُتَعَيِّنُ لِذٰلِكَ وَضْعًا وَعَادَةً (وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتِ الْوَرَثَةُ اَنْتِ اُمُّ وَلَدٍ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا) لِاَنَّ ظُهُوْرَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِیْ دَفْعِ الرِّقِّ لَا فِی اسْتِحْقَاقِ الْمِيْرَاثِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ترجمہ

اور ایک شخص ایک لڑکے کے بارے یہ کہتا ہے: یہ میرا بیٹا ہے اور پھر وہ شخص فوت ہو جاتا ہے اور پھر اس لڑکے کی ماں آ کے کہتی ہے: میں اس (مرحوم شخص) کی بیوی ہوں تو یہ عورت اس کی بیوی شمار ہوگی اور وہ لڑکا اس کا بیٹا شمار ہوگا اور دونوں وراثت میں حصہ دار ہوں گے۔ امام محمد نے نوادر یہ بات بیان کی ہے: یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے: اس عورت کو وراثت میں حصہ نہ ملے کیونکہ جس طرح نسب صحیح نکاح کے ذریعے ثابت ہوتا ہے اور فاسد نکاح کے ذریعے بھی ثابت ہو جاتا ہے بلکہ شبہ کے ذریعے کی گئی وطی کے ذریعے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور عورت کا مالک بن جانے کے نتیجے میں بھی ثابت ہو جاتا ہے' تو مرد کا لڑکے کے بارے میں یہ کہنا: یہ میرا بیٹا ہے' یہ نکاح کرنے کے مترادف شمار نہیں ہوگا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے: جب مسئلے کی صورت ایسی ہو کہ جس میں عورت سے متعلق یہ بات مشہور ہو۔ وہ آزاد عورت ہو اور لوگوں

کو یہ بھی علم ہو کہ یہ اس بچے کی ماں ہے، تو ایسا نسب ثابت ہونے میں عادت اور شریعت دونوں کے لحاظ سے نکاح کا صحیح ہونا متعین ہو جائے گا۔ اگر یہ بات ثابت نہ ہو سکے کہ وہ عورت آزاد ہے اور ورثاء کہیں: یہ ام ولد ہے، تو عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ اسلامی سلطنت کے اعتبار سے آزادی کا ظہور غلامی کے ازالے کے لئے معتبر ہو سکتا ہے، لیکن وراثت کے حق کو ثابت نہیں کرتا ہے۔

میرا بیٹا کہنے سے ثبوت نسب کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی لڑکے کی نسبت کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اُس شخص کا انتقال ہو گیا اور اُس لڑکے کی ماں جس کا حرہ و مسلمہ ہونا معلوم ہے یہ کہتی ہے کہ میں اُس کی عورت ہوں اور یہ اُسکا بیٹا تو دونوں وارث ہونگے اور اگر عورت کا آزاد ہونا مشہور نہ ہو یا پہلے وہ باندی تھی اور اب آزاد ہے اور یہ نہیں معلوم کہ علوق کے وقت آزاد تھی یا نہیں اور ورثہ کہتے ہیں تو اُس کی ام ولد تھی تو وارث نہ ہوگی۔ یونہی اگر ورثہ کہتے ہیں کہ تو اُس کے مرنے کے وقت نصرانیہ تھی اور اُس وقت اُس عورت کا مسلمان ہونا مشہور نہیں ہے، جب بھی وارث نہ ہوگی۔ عورت کا بچہ خود عورت کے قبضہ میں ہے شوہر کے قبضہ میں نہیں اُس کی نسبت عورت یہ کہتی ہے کہ یہ لڑکا میرے پہلے شوہر سے ہے اس کے پیدا ہونے کے بعد میں نے تجھ سے نکاح کیا اور شوہر کہتا ہے کہ میرا ہے میرے نکاح میں پیدا ہوا تو شوہر کا قول معتبر ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری، کتاب طلاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوا عورت کہتی ہے کہ نکاح کو چھ مہینے یا زائد کا عرصہ گزرا اور مرد کہتا ہے کہ چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کو قسم کھلائیں، قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور شوہر یا اس کے ورثہ گواہ پیش کرنا چاہیں تو گواہ نہ سنے جائیں۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

بَابُ الْوَلَدِ مَنْ اَحَقُّ بِهٖ

﴿یہ باب پرورش بچہ کے حقدار کے بیان میں ہے﴾

باب بچے کی پرورش کے حق کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے ثبوت نسب کے باب کے بعد حق حضانت کے باب کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ کسی بچے کے نسب کے ثابت ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ حق حضانت بچے کے باپ کو دیا جائے یا پھر اس کی والدہ کو دیا جائے تو نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے مطابق حق حضانت ماں کو حاصل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضانت کا دار و مدار شفقت کے پیش نظر متعین کیا گیا ہے اور شفقت باپ کی بہ نسبت ماں زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اسی سبب کے پیش نظر ماں زیادہ حقدار ہوئی۔ اور اسی طرح حدیث مبارکہ میں تین مرتبہ ماں کے حق تقدم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جبکہ چوتھی مرتبہ باپ کے حق کو تاخر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضانت کا فقہی مفہوم

جب پرندے انڈے پروں کے نیچے ڈھانپ لیتے ہیں تو عربی زبان میں اس کو کہا جاتا ھے **حضن الطائر بیضه** عورت کا پرورش کرنا ٹھیک اسی ممتا کا مظہر ہے جو ایک بے زبان مادہ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ انڈوں یا چھوٹے بچوں کو اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لے۔

حَضَنَ الطَّائِرُ بَیْضَهُ حَضْنًا مِنْ بَابِ قَتَلَ وَحِضَانًا بِالْكَسْرِ أَيْضًا ضَمَّهُ تَحْتَ جَنَاحِهِ (المصباح المنیر، ج ۲، ص ۴۰۷)

حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے۔ زمانہ حمل میں میرا پیٹ اسکا غلاف تھا اور زمانہ رضاعت میری چھاتی اسکے پینے کا برتن اور میری گود اسکا ٹھکانا۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور چاہتا ہے کہ اس بچہ کو مجھ سے چھین لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 510)

امام بخاری حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ صلح حدیبیہ کے بعد دوسرے سال میں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عُمرہ قضا سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی پیچھے ہولیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں لے لیا اور ہاتھ پکڑ لیا پھر حضرت علی و زید بن حارثہ و

جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہرایک نے اپنے پاس رکھنا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں نے ہی اسے لیا اور میرے چچا کی لڑکی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بی بی ہے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میرے (رضاعی) بھائی کی لڑکی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑکی خالہ کو دلوائی اور فرمایا : کہ "خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور حضرت علی سے فرمایا : کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے اور حضرت جعفر سے فرمایا : کہ تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو اور حضرت زید سے فرمایا : کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۴۲۵۱)

پرورش کیلئے شرائط کا بیان

حق پرورش کے لیے ضروری ہے کہ جس کی پرورش کی جائے وہ نابالغ ہو اور اگر بالغ ہو تو معتوہ ہو (عقل و ہوش کے اعتبار سے متوازن نہ ہو)۔

بالغ اور ذی ہوش (رشید) لڑکے اور لڑکیاں والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں، لڑکے ہوں تو ان کو تنہا بھی رہنے کا حق حاصل ہے، لڑکی ہو تو اس کو تنہا رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔

حق پرورش کے لیے کچھ شرطیں وہ ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے ضروری ہیں، کچھ شرطیں مردوں سے متعلق ہیں اور کچھ عورتوں سے متعلق، عورتوں اور مردوں کے لیے مشترکہ اوصاف میں سے یہ ہے کہ پرورش کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔

بعض لوگوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ فاسق نہ ہو، لیکن حافظ ابن قیم کا خیال ہے کہ فسق جتنا عام ہے، اس کے تحت اس قسم کی شرط لگانا بچوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، اس لیے بھی کہ اکثر اوقات فاسق و فاجر ماں باپ بھی اپنے بچوں کے لیے فسق و فجور کی راہ کو پسند نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیمؒ کی رائے عین قرین قیاس ہے، بشرطیکہ پرورش کرنے والی ایسی پیشہ ور فاسقہ نہ ہو کہ اس سے اپنے زیر پرورش بچوں کو غلط راہ پر ڈال دینا غیر متوقع نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کافرہ ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے، ہاں اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کو حق پرورش بھی باقی نہ رہے گا، غلامی بھی حق پرورش میں مانع ہے، غلام یا باندی اس حق سے محروم رہیں گے، کہ وہ بچہ کی مناسب پرورش و پرداخت کے لیے وقت فارغ نہیں کر سکتے۔

عورتوں کے لیے حق پرورش کی خاص شرط یہ ہے کہ وہ بچہ کی محرم رشتہ دار ہو۔

دوسرے اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو، جو اب زیر پرورش بچہ کا محرم نہ ہو، اگر ایسے اجنبی شخص سے نکاح کرلیا تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، ہاں اگر اس کا نیا شوہر بچہ کا محرم ہو، جیسے بچہ کے چچا سے نکاح کرلے، یا بچہ کی نانی اس کے دادا سے نکاح کرلے تو اس کے حق پرورش پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، روایت موجود ہے کہ ایک خاتون کو حق پرورش دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا

تھا: انت احق بہ مالم تنکحی (سنن ابو داؤد)

مردوں کو حق پرورش حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اگر زیر پرورش لڑکی کا مسئلہ ہو تو وہ مرد اس کا محرم ہوتا ہو، البتہ اگر کوئی دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے اور مطمئن ہو تو وہ چچا زاد بھائی کے پاس بھی لڑکی کو رکھ سکتا ہے، لڑکی کا حق پرورش جس کو دیا جائے ضروری ہے کہ وہ مرد امین اور قابل اعتماد ہو، یہاں تک کہ بھائی اور چچا ہی کیوں نہ ہو لیکن فسق و خیانت کی وجہ سے اس پر اطمینان نہ محسوس کیا جائے تو اسے حق پرورش حاصل نہ ہو سکے گا۔

بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہوگی

(وَاِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْاُمُّ اَحَقُّ بِالْوَلَدِ) لِمَا رُوِیَ (اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا كَانَ بَطْنِیْ لَهُ وِعَاءً وَحِجْرِی لَهُ حِوَاءً وَثَدْيِی لَهُ سِقَاءً وَزَعَمَ اَبُوهُ اَنَّهُ يَنْزِعُهُ مِنِّی، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :اَنْتِ اَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَتَزَوَّجِی(١)) وَلِاَنَّ الْاُمَّ اَشْفَقُ وَاَقْدَرُ عَلَى الْحَضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ اِلَيْهَا اَنْظَرَ، وَاِلَيْهِ اَشَارَ الصِّدِّيقُ بِقَوْلِهِ :رِيقُهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ، قَالَهُ حِينَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَاَتِهِ وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُونَ مُتَوَافِرُونَ(٢) (وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْاَبِ) عَلَى مَا نَذْكُرُ (وَلَا تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَيْهِ) لِاَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحَضَانَةِ (فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ اُمٌّ فَاُمُّ الْاُمِّ اَوْلَى مِنْ اُمِّ الْاَبِ وَاِنْ بَعُدَتْ) لِاَنَّ هٰذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِبَلِ الْاُمَّهَاتِ (فَاِنْ لَمْ تَكُنْ اُمُّ الْاُمِّ فَاُمُّ الْاَبِ اَوْلَى مِنَ الْاَخَوَاتِ) لِاَنَّهَا مِنَ الْاُمَّهَاتِ، وَلِهٰذَا تُحْرِزُ مِيرَاثَهُنَّ السُّدُسَ وَلِاَنَّهَا اَوْفَرُ شَفَقَةً لِلْوِلَادِ (فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَالْاَخَوَاتُ اَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ) لِاَنَّهُنَّ بَنَاتُ الْاَبَوَيْنِ وَلِهٰذَا قُدِّمْنَ فِی الْمِيرَاثِ .وَفِی رِوَايَةٍ الْخَالَةُ اَوْلَى مِنَ الْاُخْتِ لِاَبٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْخَالَةُ وَالِدَةٌ(١)) وَقِيلَ فِی قَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ) اَنَّهَا كَانَتْ خَالَتَهُ (وَتُقَدَّمُ الْاُخْتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ) لِاَنَّهَا اَشْفَقُ (ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ) لِاَنَّ الْحَقَّ لَهُنَّ مِنْ قِبَلِ الْاُمِّ (ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلَى

(١) أخرجه أبو داود فی "سننه" برقم (٢٢٧٦) و الحاكم فی "المستدرك" ٢٠٧/٢ و صححه الحاكم و اوفقه الذهبی۔

(٢) لم يجده مخرجو "الهداية" بهذا اللفظ و أصله عند ابن أبی شيبة من طريق سعيد بن المسيب: أن عمر طلق أم عاصم، ثم أتى عليها و عاصم فی حجرها، فأراد أن ياخذه منها، فتجاذباه بينهما حتى بكى، فانطلقا الى أبی بكر فقال له: يا عمر مسحها و حجرها وريحها خير له منك حتى يشب الصبی فيختار لنفسه، انظر "نصب الراية" ٣/٢٦٦۔٢٦٧ و "الدراية" ٢/٨١۔

تِمِنْ الْعَمَّاتِ) تَرْجِیحًا لِقَرَابَةِ الْاُمِّ (وَیَنْزِلْنَ كَمَا نَزَلْنَا الْاَخَوَاتُ) مَعْنَاهُ تَرْجِیحُ ذَاتِ قَرَابَتَیْنِ ثُمَّ قَرَابَةِ الْاُمِّ (ثُمَّ الْعَمَّاتُ یَنْزِلْنَ كَذٰلِكَ، وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ یَسْقُطُ حَقُّهَا) لِمَا رَوَیْنَا، وَلَاَنَّ زَوْجَ الْاُمِّ اِذَا كَانَ اَجْنَبِیًّا یُعْطِیهِ نَزْرًا وَیَنْظُرُ اِلَیْهِ شَزْرًا فَلَا نَظَرَ .قَالَ (اِلَّا الْجَدَّةَ اِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدُّ) لِاَنَّهُ قَامَ مَقَامَ اَبِیهِ فَیَنْظُرُ لَهُ (وَكَذٰلِكَ كُلُّ زَوْجٍ هُوَ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ) لِقِیَامِ الشَّفَقَةِ نَظَرًا اِلَی الْقَرَابَةِ الْقَرِیبَةِ (وَمَنْ سَقَطَ حَقُّهَا بِالتَّزَوُّجِ یَعُودُ اِذَا ارْتَفَعَتْ الزَّوْجِیَّةُ) لِاَنَّ الْمَانِعَ قَدْ زَالَ .

ترجمہ

اور جب میاں بیوی کے درمیان علیحدگی واقع ہو جائے تو ماں' بچے (کی پرورش) کرنے کی زیادہ حقدار ہوگی' اس کی دلیل وہ روایت ہے: ایک مرتبہ ایک خاتون نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہ بیٹا ہے۔ میرا پیٹ اس کے لئے پناہ تھا' میری گود اس کے لئے آرام دہ تھی' میری چھاتی اس کے لئے سیرابی کا ذریعہ ہے اور اس کا باپ یہ کہتا ہے کہ وہ اسے مجھ سے جدا کر دے گا' تو نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: تم اس کی زیادہ حقدار ہو جب تک تم (دوسری) شادی نہیں کر لیتی۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: پرورش کے حوالے سے ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پرورش کرنے کی زیادہ بہتر صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لئے (بچے کو) اس کے سپرد کرنے میں زیادہ شفقت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ''اے عمر! اُس (ماں) کا لعاب دہن اس بچے کے لیے تمہارے پاس سے ملنے والے شہد اور عسل سے زیادہ بہتر ہوگا''۔

حضرت ابوبکر نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب حضرت عمر اور ان کی اہلیہ کے درمیان علیحدگی ہوگئی تھی اور اس وقت کثیر تعداد میں صحابہ کرام موجود تھے۔ (بچے کا) خرچ باپ کے ذمے ہوگا جیسا کہ ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ بچے کی پرورش کے لیے ماں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے' کسی وجہ سے وہ پرورش کرنے سے عاجز ہو۔ اگر بچے کی ماں (پرورش کرنے کی قانونی اہلیت نہ رکھتی ہو) تو بچے کی نانی اُس کی دادی سے زیادہ حقدار ہوگی اگرچہ وہ نانی دور کی عزیزہ (یعنی پرنانی) ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ حق ماں کی طرف سے مستفاد ہوتا ہے۔

اگر نانی موجود نہ ہو تو بچے کی بہنوں کے مقابلے میں اس کی دادی زیادہ حق دار ہوگی کیونکہ وہ بھی ماں ہی شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے: نانی اور دادی کو وراثت میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے: اس رشتے میں اولاد کے لیے زیادہ شفقت پائی جاتی ہے۔ اگر بچے کی دادی موجود نہ ہو تو اس کی پھوپھیوں اور خالاؤں کے مقابلے میں اُس کی بہنیں زیادہ حقدار ہوں گی' کیونکہ وہ اُس کے ماں باپ کی اولاد ہیں اور اسی وجہ سے انہیں وراثت میں بھی فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق: باپ کی طرف

سے شریک بہن کے مقابلے میں بچے کی خالہ زیادہ حقدار ہوگی' اس کی دلیل نبی اکرم کا یہ فرمان ہے:

''خالہ بھی ماں ہوتی ہے''۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اُس (یوسف) نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا''۔ ایک قول کے مطابق وہ خاتون حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ سگی بہن کو فوقیت حاصل ہوگی کیونکہ اس میں زیادہ شفقت پائی جاتی ہے' پھر ماں کی طرف سے شریک بہن ہوگی' اور اس کے بعد باپ کی طرف سے شریک بہن کا حق ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: خواتین کو یہ حق ماں کی نسبت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر پھوپھیاں خالاؤں سے زیادہ حقدار ہوں گی کیونکہ ماں کی طرف سے رشتے داری کو ترجیح دی جا سکے۔ ان میں بھی وہی اصول کارفرما ہوگا جو ہم نے بہنوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ یعنی دو جہت سے قرابت رکھنے والی کو ترجیح حاصل ہوگی اس کے بعد ماں کی طرف سے قرابت کو ترجیح ہوگی۔ اس کے بعد پھوپھیوں کو بھی اسی اصول کے اعتبار سے حق حاصل ہوگا۔ ان تمام خواتین میں سے جو بھی شادی کر لے گی' اُس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے: جب ماں کا (دوسرا) شوہر اجنبی ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں شفقت کی کمی پائی جاتی ہے تو کسی دوسرے میں بدرجۂ اولیٰ (یہ شفقت کم ہوگی)۔ تاہم نانی کا حکم مختلف ہے۔ جب اُس کا دوسرا شوہر (بچے کا) دادا ہو۔ کیونکہ وہ بچے کے باپ کا قائم مقام شمار ہوگا۔ تو اس صورت میں بچے کے لیے شفقت کا پہلو پایا جائے گا۔ اسی طرح (پرورش کا حق رکھنے والی خاتون) کا وہ شوہر جو بچے کا محرم ہو (وہ خاتون کے حق کو ساقط نہیں کرے گا) کیونکہ بچے کے ساتھ اس کی قرابت کی وجہ سے شفقت موجود ہونے کا پہلو پایا جائے گا۔ جس خاتون کا حق شادی کرنے کی وجہ سے ساقط ہو جائے اگر اس کی شادی ختم ہو جاتی ہے تو اس کا حق اسے واپس مل جائے گا کیونکہ رکاوٹ زائل ہو گئی ہے۔

حق حضانت میں محرماتی ترتیب کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ ماں اگر نہ ہو یا پرورش کی اہل نہ ہو یا انکار کر دیا یا اجنبی سے نکاح کیا تو اب حق پرورش نانی کے لیے ہے یہ بھی نہ ہو تو نانی کی ماں اس کے بعد دادی پردادی بشرائط مذکورہ بالا پھر حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر سوتیلی بہن پھر حقیقی بہن کی بیٹی پھر اخیافی بہن کی بیٹی پھر خالہ یعنی ماں کی حقیقی بہن پھر اخیافی پھر سوتیلی بہن کی بیٹی پھر حقیقی بھتیجی پھر اخیافی بھائی کی بیٹی پھر سوتیلے بھائی کی بیٹی پھر اسی ترتیب سے پھوپیاں پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ پھر ماں کی پھوپیاں پھر باپ کی پھوپیاں اور ان سب میں وہی ترتیب ملحوظ ہے کہ حقیقی پھر اخیافی پھر سوتیلی۔ اور اگر کوئی عورت پرورش کرنے والی نہ ہو یا ہو مگر اسکا حق ساقط ہو تو عصبات بہ ترتیب ارث یعنی باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا پھر بھتیجے پھر چچا پھر اس کے بیٹے مگر لڑکی کو چچا زاد

(۱) روی من حدیث علی أخرجه اسحاق بن راهویه فی "مسنده" و أحمد فی "مسنده" ۹۸/۱ و من حدیث البراء أخرجه البخاری فی "صحیحه" ۵......۳۰۳ برقم (۲۶۹۹) بلفظ: "الخالة، الأم" و من حدیث أبی مسعود رضی الله عنه أخرجه الطبرانی فی 'دمعجمه" و فیه قیس بن الربیع: و ثقه شعبة و الثوری و ضعفه جماعة، و بقیة رجاله ثقات کما فی "المجمع" ۳۲۴/۴۔ و من حدیث أبی هریرة رضی الله عنه أخرجه العقیلی فی الضعفاء و فی سنده یوسف بن خالد السمنی متهم بالکذب انظر "نصب الرایة" ۲۶۷/۳۔ ۲۶۸ و "الدارایة" ۸۰/۲۔

بھائی کی پرورش میں نہ دیں خصوصاً جبکہ مشتہاۃ ہو اور اگر عصبات بھی نہ ہوں تو ذوی الارحام کی پرورش میں دیں مثلاً اخیافی بھائی پھر اُسکا بیٹا پھر ماں کا چچا پھر حقیقی ماموں۔ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیوں کو لڑکے کی پرورش کا حق نہیں۔

اگر چند شخص ایک درجہ کے ہوں تو اُن میں جو زیادہ بہتر ہو پھر وہ کہ زیادہ پرہیزگار ہو پھر وہ کہ اُن میں بڑا ہو حقدار ہے۔(درمختار، باب حضانت، ج۵، ص۲۷۱، بیروت)

حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان

پرورش کا حق عمر کی ایک حد تک عورتوں کو اور اس کے بعد مردوں کو حاصل ہوتا ہے، البتہ حق پرورش کے معاملہ میں شریعت نے عورتوں کے طبعی رفق، شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت، نیز خود ماں کی ممتا اور اس کے جذبات مادری کی رعایت کرتے ہوئے عورتوں کو اولیت دی ہے۔

علامه کاسانیؒ کے الفاظ میں :وَالْأَصْلُ فِيهَا النِّسَاءُ ؛ لِأَنَّهُنَّ أَشْفَقُ وَأَرْفَقُ وَأَهْدَى إلَى تَرْبِيَةِ الصِّغَارِ .(بدائع الصنائع فَصْلٌ :فی بَيَانُ مَنْ لَهُ الْحَضَانَةُ)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم ہے، اس کے بعد پھر جو رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہو، چنانچہ ماں کے بعد نانی چاہے وہ بالائی پشت کی ہو، نانی نہ ہو تو دادی اور دادی میں بھی یہی ترتیب ہے، کہ دادی نہ ہو تو پردادی بہن سے زیادہ مستحق ہے، دادی کے بعد بہن، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپیوں کا درجہ ہے۔ بہن، خالہ، پھوپی ان سب میں یہ ترتیب بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت کے ساتھ جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد باپ شریک کا درجہ ہے۔

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پروش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصبہ رشتہ دار ہوں اور ان رشتہ داروں میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، فقہاء نے مردوں میں حق پرورش کی ترتیب یوں لکھی ہے: باپ، دادا، پردادا وغیرہ، اس کے بعد حقیقی بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر حقیقی بھتیجہ، پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر حقیقی چچا، پھر باپ شریک چچا، پھر حقیقی چچازاد بھائی، اس کے بعد باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جس کی پرورش کی جارہی ہو وہ لڑکا ہو، لڑکی نہ ہو، ان کے بعد باپ کے چچا اور دادا کے چچا وغیرہ کا حق ہے۔

عن عَمْرو بْن شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي (ابو داود بَاب مَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ :)عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ترمذی بَاب فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ السَّبْيِ :) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ طَلَّقَ أُمَّ عَاصِمٍ ,ثُمَّ أَتَى عَلَيْهَا ,وَفِي حِجْرِهَا عَاصِمٌ ,فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهَا ,فَتَجَاذَبَاهُ بَيْنَهُمَا حَتَّى بَكَى الْغُلاَمُ ,فَانْطَلَقَا إلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ :يَا عُمَرُ ، مَسْحُهَا وَحِجْرُهَا وَرِيحُهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْك حَتَّى يَشِبَّ الصَّبِيُّ فَيَخْتَارَ(مصنف ابن ابی شيبة. مَا قَالُوا ؛ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ وَلَهَا وَلَدٌ صَغِير) وَلِلرِّجَالِ مِنْ الْعَصَبَاتِ مَدْخَلٌ فِي الْحَضَانَةِ ، وَأَوْلَاهُمْ الْأَبُ ، ثُمَّ الْجَدُّ أَبُو الْأَبِ وَإِنْ عَلَا ، ثُمَّ الْأَخُ مِنْ الْأَبَوَيْنِ ، ثُمَّ الْأَخُ مِنْ الْأَبِ ، ثُمَّ بَنُوهُمْ وَإِنْ سَفَلُوا ، عَلَى تَرْتِيبِ الْمِيرَاثِ ، ثُمَّ الْعُمُومَةُ ، ثُمَّ بَنُوهُمْ كَذَلِكَ ، ثُمَّ عُمُومَةُ الْأَبِ ، ثُمَّ بَنُوهُمْ .

(المغنی كِتَابُ النَّفَقَاتِ) .

حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ

ولاية الحضانة تستفاد من قبل الامهات ،(هدايه اولين ج۲ ص ۴۱۴)

حضانت کی ولایت ماؤں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے تو اس صورت میں بچے کی پرورش کا زیادہ حقدار اور اس پر شفقت کی زیادہ حقدار اسکی ماں ہے کیونکہ حق حضانت یعنی پرورش کا حق ماں کو دیا گیا ہے اور وہی زیادہ شفقت و رحم کرنے والی ہوتی ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ؛ یہ میرا بیٹا ہے جس کیلئے میرا بطن ٹھکانہ رہا، میری چھاتی نے اس کو سیراب کیا اور میری گود اسی کیلئے پرورش گاہ رہی، اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور وہ مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی دوسرے سے نکاح کرلے۔(سنن ابوداؤد، ج۱ص۳۱۰، دارالحدیث ملتان)

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں۔(البقرہ ، ۲۳۳)

اس سے بھی یہ استنباط ہوتا ہے کہ پیداواری کا نفع ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا اس حکم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حضانت کی ولایت ماں کو حاصل ہے۔(قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، شبیر برادرز، لاہور)

بچے کو کب اختیار دیا جائے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان اختیار دیا جائے۔ (جامع ترمذی ج اص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنی ماں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے لیکن یہ حدیث باب الحضانۃ سے بالکل نہیں ہے۔ (قوت المغتذی ج اص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اگر خاتون عزیز موجود نہ ہو تو کون سا مرد پرورش کا حقدار ہوگا؟

(فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ فَاخْتَصَمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأَوْلَاهُمْ أَقْرَبُهُمْ تَعْصِيبًا) لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْأَقْرَبِ وَقَدْ عُرِفَ التَّرْتِيبُ فِي مَوْضِعِهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّغِيرَةَ لَا تُدْفَعُ إِلَى عَصَبَةٍ غَيْرِ مُحْرَمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنْ الْفِتْنَةِ

ترجمہ

اور اگر بچے کی کوئی رشتے دار خاتون موجود نہ ہو اس بارے میں مردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو ان میں سب سے زیادہ حقدار وہ مرد ہوگا جو عصبہ ہونے میں زیادہ قریبی ہوگا کیونکہ یہ حق زیادہ قریبی عزیز کو ملتا ہے۔ اس حوالے سے ترتیب اپنے مخصوص مقام پر بیان کی جائے گی' تاہم نابالغ بچی کو نامحرم عصبہ کے سپرد نہیں کیا جائے گا جیسے مولیٰ عتاقہ یا چچازاد ہے' تاکہ آزمائش سے بچا جاسکے۔

شرح

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس (بیوی) ایک انصاری عورت تھی جس سے ان کے بیٹے عمر بن عاصم پیدا ہوئے، پھر بعد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا، ایک دفعہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبا گئے تو اپنے بیٹے عاصم کو مسجد کے صحن میں کھیلتے ہوئے پایا تو اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیا اتنی دیر میں بچے کی نانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آ پہنچی اور بچے کو لینے کی کوشش کرنے لگی حتی کہ دونوں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے : میرا بیٹا ہے، اور عورت کہنے لگی یہ بیٹا میرا ہے، تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : آپ اسے اس عورت کو دے دیں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کوئی بات بھی نہ کی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موطا میں روایت کیا ہے (2 / 767) سنن بیہقی (8 / 5)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع اور متصل دونوں طریق سے مشہور ہے اور اہل علم نے اسے قبول کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ماں زیادہ مہربان اور رحم کرنے والی اور نرم دل، زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ لائق اور جب تک شادی نہ کرلے وہ بچے کی زیادہ حقدار ہے۔

اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ماں زیادہ مہربان اور رحمدل ہوتی ہے، اسی علت اور سبب سے ماں چھوٹے بچے کی زیادہ حقدار ہے،

حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب

مدتِ حضانت پوری ہونے کے بعد بچہ کس کے پاس رہے گا؟ اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ عہد نبوی کے بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اختیار دیا تھا کہ وہ ماں باپ، جس کے ساتھ چاہے، رہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور قاضی شریح نے بھی بعض مقدمات میں یہی فیصلہ کیا تھا، اس بنا پر شوافع اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ حضانت ختم ہونے کے بعد باپ بچے کو اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اسی کو اس کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ باپ کی یہ ولایت بچے کے بالغ ہونے تک ہے۔ اس کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ ملحوظ رہے کہ بچے کی صحیح ڈھنگ سے تعلیم اور دینی و اخلاقی تربیت کس کے پاس ہو سکتی ہے۔ اگر باپ لاابالی ہو، یا کسی بنا پر بچے کی تعلیم و تربیت سے قاصر ہو اور ماں اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہو تو بچے کو اسی کے پاس رہنے دیا جائے گا۔

بچے کی پرورش کا حق کب تک برقرار رہے گا؟

(وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتَّى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ .وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :حَتَّى يَسْتَغْنِيَ فَيَأْكُلُ وَحْدَهُ وَيَشْرَبُ وَحْدَهُ وَيَلْبَسُ وَحْدَهُ) وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ لِأَنَّ تَمَامَ الِاسْتِغْنَاءِ بِالْقُدْرَةِ عَلَى الِاسْتِنْجَاءِ .وَوَجْهُهُ أَنَّهُ إِذَا اسْتَغْنَى يَحْتَاجُ إِلَى التَّأَدُّبِ وَالتَّخَلُّقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَأَخْلَاقِهِمْ، وَالْأَبُ أَقْدَرُ عَلَى التَّأْدِيبِ وَالتَّثْقِيفِ، وَالْخَصَّافُ قَدَّرَ الِاسْتِغْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِينَ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ (وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَحِيضَ) لِأَنَّ بَعْدَ الِاسْتِغْنَاءِ تَحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَةِ آدَابِ النِّسَاءِ وَالْمَرْأَةُ عَلَى ذَلِكَ أَقْدَرُ وَبَعْدَ الْبُلُوغِ تَحْتَاجُ إِلَى التَّحْصِينِ وَالْحِفْظِ وَالْأَبُ فِيهِ أَقْوَى وَأَهْدَى .وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا تُدْفَعُ إِلَى الْأَبِ إِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى الصِّيَانَةِ .(وَمَنْ سِوَى الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهَى،

وَفِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ :حَتّٰی تَسْتَغْنِیَ) لِاَنَّهَا لَا تَقْدِرُ عَلٰی اسْتِخْدَامِهَا، وَلِهٰذَا لَا تُؤَاجِرُهَا لِلْخِدْمَةِ فَلَا یَحْصُلُ الْمَقْصُوْدُ، بِخِلَافِ الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَیْهِ شَرْعًا .

ترجمہ

اور ماں اور نانی بچے کی پرورش کرنے کی اس وقت تک حقدار رہیں گی جب تک وہ خود کھانے' پینے' لباس پہننے اور استنجاء کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ الجامع الصغیر میں یہ الفاظ ہیں: جب تک وہ بے نیاز نہیں ہو جاتا یعنی خود کھانے لگتا ہے' خود پینے لگتا ہے' خود لباس پہن سکتا ہے۔ مطلب ایک ہی ہے' کیونکہ مکمل بے نیازی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ خود استنجاء کرنے کے قابل ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے: جب وہ اس حوالے سے (ماں اور نانی) سے بے نیاز ہو جائے گا تو اب اُسے مردوں کے مخصوص آداب و اخلاق سیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور یہ ادب سکھانے میں باپ زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ امام خصاف نے غالب صورتحال (یعنی عمومی تجربے) کے پیش نظر عمر کی حد سات برس مقرر کی ہے۔ ماں اور نانی بچی کی پرورش کی اُس وقت تک حقدار رہیں گی جب تک اسے حیض نہیں آجاتا۔ کیونکہ بے نیاز ہو جانے کے بعد بھی اُسے خواتین کے مخصوص آداب کی تربیت دینے کے حوالے سے خاتون ہی زیادہ قدرت رکھے گی۔ جبکہ بالغ ہونے کے بعد اُس کی پاکدامنی اور حفاظت کی ضرورت ہوگی اس حوالے سے باپ زیادہ قوت رکھتا ہوگا اور زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے: جب بچی کی عمر شہوت کی حد تک پہنچ جائے تو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ ماں اور نانی کے علاوہ دیگر خواتین بچی کی پرورش کی اس وقت تک حقدار رہیں گی جب تک وہ شہوت کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ جبکہ الجامع الصغیر میں یہ الفاظ ہیں: جب تک وہ بے نیاز نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ خواتین اس بچی سے اپنی ذاتی خدمت نہیں لے سکتی ہیں۔ اس لئے یہ خدمت کے حوالے سے اُس کی تربیت بھی نہیں کرسکیں گی اور مقصود حاصل نہیں ہو پائے گا۔ جبکہ ماں اور نانی کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ شرعی طور پر خدمت لینے کا حق رکھتی ہیں۔

شرح

حضرت ابو میمونہ سلیمان بیان کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس میں موجود تھا کہ ایک خاتون ان کے پاس آئی اور عرض کی میرا شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ایک عورت آئی اور بولی کہ میرا شوہر یہ چاہتا ہے کہ وہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جائے حالانکہ اس نے مجھے نفع بھی دیا ہے اور مجھے ابوعنبہ کے کنوئیں سے سیراب بھی کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں حصہ مقرر کرلو۔ یا شاید یہ الفاظ ہیں قرعہ اندازی کرلو اسی دوران اس کا شوہر بھی آگیا اور بولا کہ میری اولاد کے بدلے میں کون سے جھگڑا کرسکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا کہ اے لڑکے یہ تمہاری امی ہے اور یہ تمہارے ابو ہیں تم ان دونوں میں سے جس کا چاہو ہاتھ تھام لو۔ راوی بیان کرتے ہیں تم ان میں سے جس کے ساتھ چاہو چلے جاؤ تو لڑکے نے اپنی والدہ کا ہاتھ

تھام لیا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 149)

حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان

امام علامہ قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت کے لیے حقِ پرورش ہے اُس کے پاس لڑکے کو اُس وقت تک رہنے دیں کہ اب اسے اُس کی حاجت نہ رہے یعنی اپنے آپ کھاتا پیتا، پہنتا، استنجا کرلیتا ہو، اس کی مقدار سات برس کی عمر ہے اور اگر عمر میں اختلاف ہو تو اگر یہ سب کام خود کرلیتا ہو تو اُس کے پاس سے علیحدہ کرلیا جائے ورنہ نہیں اور اگر باپ لینے سے انکار کرے تو جبراً اُس کے حوالے کیا جائے اور لڑکی اُس وقت تک عورت کی پرورش میں رہے گی کہ حدِ شہوت کو پہنچ جائے اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے اور اگر اس عمر سے کم میں لڑکی کا نکاح کردیا گیا جب بھی اُسی کی پرورش میں رہے گی جس کی پرورش میں ہے نکاح کردینے سے حقِ پرورش باطل نہ ہوگا، جب تک مرد کے قابل نہ ہو۔ (فتاویٰ خانیہ، فصل فی حضانت، ج ۵ ص ۱۹۶، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سات برس کی عمر سے بلوغ تک لڑکا اپنے باپ یا دادا یا کسی اور ولی کے پاس رہے گا پھر جب بالغ ہوگیا اور سمجھ وال ہے کہ فتنہ یا بدنامی کا اندیشہ نہ ہو اور تادیب کی ضرورت نہ ہو تو جہاں چاہے وہاں رہے اور اگر اِن باتوں کا اندیشہ ہو۔

اور تادیب کی ضرورت ہو تو باپ دادا وغیرہ کے پاس رہے گا خود مختار نہ ہوگا مگر بالغ ہونے کے بعد باپ پر نفقہ واجب نہیں اب اگر اخراجات کا متکفل ہو تو تبرع واحسان ہے۔

یہ حکم فقہی ہے مگر نظر بحالِ زمانہ خود مختار نہ رکھا جائے، جب تک چال چلن اچھی طرح درست نہ ہولیں اور پورا وثوق نہ ہولے کہ اب اس کی وجہ سے فتنہ و عار نہ ہوگا کہ آج کل اکثر صحبتیں مخرب اخلاق ہوتی ہیں اور نوعمری میں فساد بہت جلد سرایت کرتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کوآری ہے باپ دادا بھائی وغیرہم کے یہاں رہے گی مگر جبکہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اُسے اختیار ہے جہاں چاہے رہے اور لڑکی ثیب ہے مثلاً بیوہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اُسے اختیار ہے، ورنہ باپ دادا وغیرہ کے یہاں رہے اور یہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ چچا کے بیٹے کو لڑکی کے لیے حقِ پرورش نہیں یہی حکم اب بھی ہے کہ وہ محرم نہیں بلکہ ضرور ہے کہ محرم کے پاس رہے اور محرم نہ ہو تو کسی ثقہ امانت دار عورت کے پاس رہے جو اُس کی عفت کی حفاظت کرسکے اور اگر لڑکی ایسی ہو کہ فساد کا اندیشہ نہ ہو تو اختیار ہے۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، باب حضانت)

لڑکا بالغ نہ ہوا مگر کام کے قابل ہوگیا ہے تو باپ اُسے کسی کام میں لگادے جو کام سکھانا چاہے اُس کے جاننے والوں کے پاس بھیج دے کہ اُن سے کام سیکھے نوکری یا مزدوری کے قابل ہو اور باپ اُس سے نوکری یا مزدوری کرانا چاہے تو نوکری یا مزدوری کرائے اور جو کمائے اُس پر صرف کرے اور بچ رہے تو اُس کے لیے جمع کرتا رہے اور اگر باپ جانتا ہے کہ میرے پاس خرچ ہوجائے گا تو کسی اور کے پاس امانت رکھ دے۔ مگر سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور دین کی ضروری باتیں

سکھائی جائیں روزہ ونماز وطہارت اور بیع واجارہ ودیگر معاملات کے مسائل جن کی روز مرّہ حاجت پڑتی ہے اور ناواقفی سے خلاف شرع عمل کرنے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں اُن کی تعلیم ہو اگر دیکھیں کہ بچہ کو علم کی طرف رجحان ہے اور سمجھ دار ہے تو علم دین کی خدمت سے بڑھ کر کیا کام ہے اور اگر استطاعت نہ ہو تو تصحیح وتعلیم عقائد اور ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد جس جائز کام میں لگائیں اختیار ہے۔

لڑکے پر پرورش کرنے والی کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کا اندازہ سات سال عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا اور لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائیگا۔(درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دھلی)

کنیز اور اُم ولد آزاد ہونے پر بچے کی پرورش کی حقدار ہوں گی

قَالَ (وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِىْ حَقِّ الْوَلَدِ) لِاَنَّهُمَا حُرَّتَانِ اَوَانَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ (وَلَيْسَ لَهُمَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِى الْوَلَدِ لِعَجْزِهِمَا) عَنْ الْحَضَانَةِ بِالِاشْتِغَالِ بِخِدْمَةِ الْمَوْلٰى (وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلْ الْاَدْيَانَ اَوْ يَخَفْ اَنْ يَّاْلَفَ الْكُفْرَ) لِلنَّظَرِ قَبْلَ ذٰلِكَ وَاحْتِمَالِ الضَّرَرِ بَعْدَهُ (وَلَا خِيَارَ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ) وَقَالَ الشَّافِعِىُّ: لَهُمَا الْخِيَارُ لِاَنَّ النَّبِىَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خَيَّرَ (١). وَلَنَا اَنَّهُ لِقُصُوْرِ عَقْلِهِ يَخْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَةُ لِتَخْلِيَتِهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّعِبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظَرُ، وَقَدْ صَحَّ اَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُخَيِّرُوا، اَمَّا الْحَدِيْثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ(٢)) فَوُفِّقَ لِاخْتِيَارِهِ الْاَنْظَرَ بِدُعَائِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَوْ يُحْمَلُ عَلٰى مَا اِذَا كَانَ بَالِغًا.

ترجمہ

اور جب کسی کنیز کو اس کا آقا آزاد کردے یا اُم ولد جب آزاد ہو جائے تو بچے کی پرورش کے حق کے مسئلے میں ان کی حیثیت آزاد عورت کی طرح ہوگی کیونکہ جس وقت انہیں یہ حق حاصل ہوگا اس وقت یہ دونوں آزاد ہیں۔ آزاد ہونے سے پہلے انہیں بچے کی پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں پرورش کرنے سے عاجز ہوں گی کیونکہ یہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوں گی۔ ذمی عورت اپنے مسلمان بچے کی پرورش کی اس وقت تک حقدار ہوگی جب تک بچے کو دینی معاملات کی سمجھ بوجھ حاصل نہیں ہو جاتی یا اس بات کا اندیشہ پیدا نہیں ہو جاتا کہ بچہ کفر سے مانوس ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس صورت میں بچے کے لیے اس

وقت سے پہلے شفقت پائی جاتی ہے اور اس کے بعد ضرر کا پہلو پایا جاتا ہے۔

اس بارے میں بچے یا بچی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں: ان دونوں کو اختیار ہوگا کیونکہ نبی اکرم نے (ایسی صورتحال میں) اختیار دیا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے: بچے میں عقل ناقص ہوتی ہے اس لئے وہ (ماں باپ میں سے) اسے ترجیح دے گا جس کے پاس اُسے کھیلنے کے مواقع زیادہ میسر ہوں گے تو اس صورت میں بچے کے لیے شفقت نہیں پائی جائے گی۔ پھر صحابہ کرام کے بارے میں بھی یہ بات مستند طور پر ثابت ہے کہ وہ ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار نہیں دیتے تھے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں: نبی اکرم نے اس بچے کو یہ دعا دی تھی: ”اے اللہ! اسے ہدایت نصیب کر“۔ تو نبی اکرم کی دعا کی برکت سے اُس بچے کو اُسے اختیار کرنے کی توفیق ملی جس کے ساتھ میں اُس کے لیے زیادہ بہتری تھی۔ یا پھر اس روایت کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ بچہ بالغ تھا۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کسی کنیز کو اس کا آقا آزاد کردیتا ہے' یا جب کوئی اُم ولد آزاد ہوجاتی ہے' تو بچے کی پرورش کے حق میں ان کا حکم آزاد عورت کی طرح ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے: وہ دونوں اب آزاد ہیں' لیکن جب تک یہ دونوں آزاد نہیں ہوئی تھیں' اس وقت تک انہیں بچے کی پرورش کا حق نہیں ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے: یہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بچے کی مناسب طور پر دیکھ بھال کرنے کے قابل نہیں ہوں گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی مسلمان کسی اہل کتاب عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے تو وہ عورت اس مسلمان کے بچے کی اس وقت تک پرورش کرنے کی حقدار ہوگی' جب تک بچے کو دینی معاملات میں سمجھ بوجھ حاصل نہیں ہو جاتی' یا جب تک یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ بچہ ماں کے مذہب سے مانوس نہ ہو جائے' اس وقت کے آجانے کے بعد بچے کو ماں کے زیر پرورش رکھنے میں اس کے لیے ضرر کا احتمال ہے' اس لیے اس وقت کے بعد' اس کی اہل کتاب ماں اس کی پرورش کرنے کی حقدار نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: لڑکا ہو یا لڑکی' انہیں ذاتی طور پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا کہ وہ ماں یا باپ میں سے جس کے ساتھ جانا چاہیں اس کے ساتھ چلے جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: لڑکا ہو یا لڑکی' اُسے یہ اختیار حاصل ہوگا' اگر وہ ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ جانا چاہے تو وہ اس کے ساتھ رہے۔

---

(۱) أخرجه أبو داود فی "سننه" برقم (۲۲۷۷) والترمذی فی "جامعه" برقم (۱۳۸۱) والنسائی فی "المجتبی" برقم (۳۴۷۱) و ابن ماجه فی "سننه" برقم (۲۳۵). (۲) أخرجه أبو داود فی "سننه" برقم (۲۲۴۴) والنسائی فی "المجتبی" برقم (۳۴۷۰) والحاكم فی "المستدرك" برقم (۲۰۶/۲) و صححه والدارقطنی (۴۳/۴) عن رافع بن سنان: أنه أسلم و أبت امرأته ان تسلم، فجاء ابن لهما صغير لم يبلغ فخيره، فقال: اللهم اهده، فذهب الى أبيه.

امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل نقل کی ہے: ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار دیا تھا۔

مصنف یہ فرماتے ہیں: احناف اس بات کے قائل ہیں: بچے میں عقل کیونکہ کم ہوتی ہے' اس لیے وہ ماں باپ میں سے اس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے گا جس کی طرف سے اسے زیادہ چھوٹ حاصل ہوگی' کھیلنے کودنے کے زیادہ مواقع ملیں گے' پابندیاں اور روک ٹوک کم ہونے کا امکان ہوگا' لیکن دوسری طرف یہ نرمی اس بچے کے اخلاق کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے اور یہ چھوٹ بچے کے حق میں شفقت شمار نہیں کی جاسکتی' اس لیے اس حوالے سے بچے کو اختیار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے بعد مصنف نے نقلی طور پر یہ بات نقل کی ہے: صحابہ کرام کے بارے میں یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے: وہ ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار نہیں دیتے تھے' اگر ایسا کرنا مسنون ہوتا' تو صحابہ کرام بھی اس طرح کی صورتحال میں بچے کو یہ اختیار دیتے کہ وہ ماں یا باپ میں سے' جس کے ساتھ جانا چاہے اس کے ساتھ چلا جائے۔

اب یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے: جب نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورتحال میں اختیار دیا تھا' تو پھر ہمیں صحابہ کرام کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کے لیے' بطور خاص یہ دعا کی تھی:

''اے اللہ! اسے ہدایت عطا کر!'' نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کی برکت کے نتیجے میں' اس بچے کو وہ صورتحال اختیار کرنے کی توفیق ملی جو اس کے حق میں زیادہ شفقت والی تھی' لیکن یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے تھا' جبکہ بعد میں چونکہ ایسی کوئی صورتحال نہیں پائی گئی' اسی لیے صحابہ کرام نے ایسی کسی صورتحال میں بچے کو کوئی اختیار نہیں دیا۔

یہاں ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے: جس وقت نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کو یہ اختیار دیا تھا' اس وقت وہ بچہ بالغ ہو چکا تھا۔

ہدایہ کے شارحین نے اس بات کی وضاحت کی ہے: صاحب ہدایہ کا بیان کردہ دوسرا احتمال درست نہیں ہے' کیونکہ احادیث کی کتابوں سے یہ بات واضح ہے: اس بچے کی عمر کم تھی۔

بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ

جب بچہ سات برس کا ہوجائے تو اسے والدین میں سے کسی کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا جائیگا، اور وہ جسے زیادہ پسند کرتا ہے اسے اختیار کر کے اس کے ساتھ رہے گا، لیکن بچی سات برس کی ہوجائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے بھی اختیار دیا جائیگا. امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ": ماں زیادہ حقدار ہے حتی کہ بچی کی شادی ہوجائے یا حیض آجائے"

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں ": اس کی ماں زیادہ حقدار ہے، حتی کہ بچی کی شادی ہوجائے اور خاوند دخول کر لے " اور امام احمد کہتے ہیں ": اس بچی کا باپ زیادہ حقدار ہے؛ کیونکہ باپ اس کی حفاظت زیادہ کرسکتا ہے۔

(الموسوعة الفقهية (17 /. (314 - 317)

کافر کیلئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی مقدسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ تعالی کے قول میں بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کافر نہیں کرسکتا۔ (المغنی (412 /11)

اس لیے اگر آدمی کے مسلمان رشتہ دار بہت زیادہ دور رہائش پذیر ہوں تو بچوں کو ان کے پاس بھیجا دیا جائے گا، اگر ایسا کرنا ممکن نہیں تو پھر ان بچوں کو کسی مسلمان گھرانے کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کر سکے۔

پرورش کرنے والے کی بعض شرائط: اسلام : کافر پرورش نہیں کرسکتا۔ عقل : مجنون اور پاگل اور مدہوش شخص کو پرورش کا حق نہیں۔ بلوغت : چھوٹی عمر والا بھی پرورش نہیں کرسکتا۔ حسن تربیت : یعنی وہ تربیت بھی اچھی کرسکتا ہو اس لیے گندی تربیت کرنے والے کو بھی پرورش کا حق حاصل نہیں۔

ابن قیم کا کہنا ہے: مسلمان کی کافر دو وجوہات سے پرورش نہیں کرسکتا۔

پہلی: اس لیے کہ پرورش کرنے والا اپنے دین کے مطابق بچے کی پرورش کرنے پر حریص ہوتا ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ بچہ اس کے دین پر بڑا ہو اور تربیت حاصل کرے تو اس طرح اس کے لیے بڑا اور عقل مند ہونے کے بعد اس دین سے نکلنا مشکل ہو جائے۔ اور بعض اوقات تو وہ اس بچے کی فطرت ہی تبدیل کر ڈالتا ہے جس پر اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے تو اس طرح وہ اس فطرت کی طرف کبھی بھی نہیں لوٹتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

(ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، (لیکن) اس کے والدین اسے یھودی یا پھر عیسائی، یا پھر مجوسی بنا ڈالتے ہیں) ۔ تو اس لیے خدشہ ہے کہ مسلمان بچے کو کہیں وہ یھودی یا پھر عیسائی نہ بنا ڈالے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ: یہ حدیث تو والدین کے بارہ میں خاص ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ: حدیث میں غالب چیز کا ذکر ہے اس لیے کہ اکثر اور غالب طور پر بچہ اپنے والدین کے درمیان ہی پرورش پاتا ہے، لیکن اگر اس کے والدین نہ ہوں یا پھر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ان کی جگہ اس کے رشتہ دار بچے کے ولی بنتے ہوئے پرورش کرتے ہیں۔

دوسری: بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالی نے مسلمانوں اور کفار کے مابین دوستی اور موالاۃ ختم کر دی ہے، اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست اور ولی بنایا ہے، اور اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ولی ہیں، اور اللہ تعالی کی ختم کردہ موالات کے اسباب میں سے سب سے قوی سبب پرورش ہے جسے اللہ تعالی نے دونوں فریقوں کے مابین ختم کیا ہے۔

(زاد المعاد (5 / 459)

فَصْلٌ

﴿یہ فصل مطلقہ کا بچے کو شہر سے باہر لے جانے کے بیان میں ہے﴾

فصل خروج الولد الی القریٰ کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب حضانت کے بعد اس کو الگ فصل کے طور بیان کرنا یہ حضانت میں فرق کرنے کی غرض سے ہے۔ تاکہ حق حضانت وحق خروج میں فرق واضح ہو جائے۔ اور الگ کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ حق حضانت عورت اس کو اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو نقصان نہ پہنچے جبکہ حق خروج الی القریٰ میں باپ کو نقصان ہے لہذا اب یہاں ماں کیلئے خروج کا حق معدوم ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۶، ص ۱۹۲، بیروت)

کوئی مستحق حضانت اپنے حق سے دست بردار ہونا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا حق استعمال کرنا چاہے تو اسے اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ نانی تنہا رہتی ہو، اسے بچے کی پرورش کی ذمہ داری اٹھانے میں دشواری ہو تو وہ اس سے معذرت کرسکتی ہے۔ اس صورت میں بچہ کو اس شخص کی پرورش میں دیا جائے گا جو اس کے بعد مستحق حضانت ہو۔ استحقاقِ حضانت کی بنیاد شریعت میں اس بات پر نہیں رکھی گئی ہے کہ باپ اس کے لیے تیار ہے یا نہیں اور بچے کے کسی دوسرے کے پاس رہنے کو وہ اپنی حق تلفی سمجھتا ہے یا نہیں۔ البتہ فقہاء نے استحقاق حضانت کے لیے بعض شرائط بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ مستحق حضانت مسلمان ہو، بالغ و عاقل ہو، دین دار ہو اور اس کا فسق و فجور عام نہ ہو، وہ بچے کی پرورش کرنے پر قادر ہو، بڑھاپے، مرض یا کسی مصروفیت کی بنا پر اس سے معذور نہ ہو، اسے کوئی متعدی مرض نہ ہو، جہاں اس کا قیام ہو وہ جگہ محفوظ و مامون ہو، وغیرہ۔ ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

طلاق یافتہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لے جاسکتی ہے؟

(وَاِذَا اَرَادَتْ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنْ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ) لِمَا فِيْهِ مِنْ الْاِضْرَارِ بِالْاَبِ (اِلَّا اَنْ تَخْرُجَ بِهٖ اِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ) لِاَنَّهُ الْتَزَمَ الْمَقَامَ فِيْهِ عُرْفًا وَشَرْعًا، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ تَاَهَّلَ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ(۱)) وَلِهٰذَا يَصِيرُ الْحَرْبِیُّ بِهٖ ذِمِّيًّا، وَاِنْ اَرَادَتْ الْخُرُوجَ اِلَى مِصْرٍ غَيْرِ وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ

(۱) أخرجه ابن أبی شيبة و أبو يعلی من حديث عثمان و فی سندهما عكرمة بن ابراهيم الأزدی وهو ضعيف. بلفظ: "اذا تزوج الرجل ببلد فهو من أهلها" ولأحمد فی "مسنده" ۱/۶۲ بلفظ: "من تأهل فی بلد فليصل صلاة مقيم".

التَّزَوُّجُ فِيْهِ اَشَارَ فِی الْكِتَابِ اِلَى اَنَّهُ لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ، وَهٰذَا رِوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَقَدْ ذَكَرَ فِی الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ اَنَّ لَهَا ذٰلِكَ لِاَنَّ الْعَقْدَ مَتَى وُجِدَ فِیْ مَكَانٍ يُوجِبُ اَحْكَامَهُ فِيْهِ كَمَا يُوجِبُ الْبَيْعُ التَّسْلِيمَ فِیْ مَكَانِهٖ، وَمِنْ جُمْلَةِ ذٰلِكَ حَقُّ اِمْسَاكِ الْاَوْلَادِ وَجْهُ الْاَوَّلِ اَنَّ التَّزَوُّجَ فِیْ دَارِ الْغُرْبَةِ لَيْسَ الْتِزَامًا لِلْمُكْثِ فِيْهِ عُرْفًا، وَهٰذَا اَصَحُّ.
وَالْحَاصِلُ اَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْاَمْرَيْنِ جَمِيْعًا :الْوَطَنُ وَوُجُوْدُ النِّكَاحِ،

ترجمہ

اور اگر طلاق یافتہ عورت یہ ارادہ کرے کہ وہ بچے کو شہر سے باہر لے جائے' تو اسے اس کا حق نہیں ہوگا' کیونکہ اس کے نتیجے میں باپ کو ضرر لاحق ہوگا' البتہ وہ اس بچے کے ساتھ اپنے آبائی وطن جاسکتی ہے جہاں مرد نے اس کے ساتھ شادی کی تھی کیونکہ مرد نے عام رواج اور شریعت کے حساب سے اس بات کا التزام کیا تھا کہ وہ وہاں قیام کرے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ''جو شخص کسی مخصوص علاقے میں شادی کرے' تو وہ ان کا حصہ شمار ہوگا''۔ یہی وجہ ہے: اس کے نتیجے میں حربی شخص ذمی بن جاتا ہے۔ اگر وہ عورت اپنے آبائی وطن کے علاوہ کسی اور جگہ جانا چاہتی ہو اور اس کی شادی بھی اسی جگہ ہوئی تھی تو (مختصر القدوری) میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہوگا کتابت الطلاق کی روایت یہی ہے۔ ''الجامع الصغیر'' میں یہ بات ذکر کی گئی ہے: عورت کو اس بات کا حق حاصل ہوگا' کیونکہ جس جگہ پر عقد پایا گیا عقد کے احکام اس جگہ میں پائے جائیں گے جیسا کہ سودا جس جگہ منعقد ہوتا ہے فروخت شدہ چیز اسی جگہ حوالے کی جاتی ہے۔ عقد کے دیگر احکام میں یہ بات بھی شامل ہے: اولاد کی پرورش اپنے ساتھ رکھ کر کی جائے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے: اجنبی جگہ پر شادی کرنا' اس میں عام رواج کے مطابق' اپنے اوپر یہ بات لازم کرنے کا مفہوم نہیں پایا جاتا کہ مرد وہاں قیام بھی کرے گا' اور یہی روایت زیادہ مستند ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: عورت اسی صورت بچے کو ساتھ لے جاسکتی ہے جب دو باتیں پائی جارہی ہوں ایک یہ ہے: عورت اسے اپنے وطن لے کر جا رہی ہو اور دوسری یہ ہے: اس وطن میں اس کی شادی بھی ہوئی ہو۔

قریبی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ

عام حالات میں بچے کو وہیں رکھنا ضروری ہے جہاں اس کے باپ کا قیام ہو۔ اس لیے کہ شریعت نے باپ کو بچے کی تعلیم و تربیت اور مجموعی خبر گیری کا ذمہ دار بنایا ہے اور اسے بچے کو دیکھنے کا بھی حق حاصل ہے۔ اس لیے ماں باپ میں سے کوئی بھی اگر دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ یہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا مسلک ہے۔ احناف کے نزدیک ماں بچے کے ساتھ کسی دوسرے قریبی شہر میں رہ سکتی ہے، جہاں باپ کی بہ آسانی آمد و رفت ہوسکتی ہو۔ اسی طرح وہ اسے کسی دور دراز شہر میں بھی لے جاسکتی ہے اگر وہ شہر اس کا وطن ہو۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ، کویت)

بچے کے ماں باپ میں سے کوئی ایک دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو بچہ کس کے پاس رہے؟ اس سلسلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ بچہ کا کس کے پاس رہنا زیادہ بہتر اور مفید ہے اور کس کے پاس وہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی دوسرے شہر منتقلی کہیں دوسرے فریق کو پریشان کرنے اور اس کو بچے سے محروم کرنے کے مقصد سے تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو بچے کو اس کے ساتھ نہیں بھیجا جائے گا۔ (فقہ السنۃ،)

جب خاوند اور بیوی کا ملک علیحدہ علیحدہ ہو اور بچہ بھی پرورش کی عمر (یعنی سات برس کی عمر سے چھوٹا) میں ہو تو صحیح اور اصل یہی ہے کہ پرورش کا حق ماں کو ہے۔

اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان ہے: (جب تک نکاح نہ کرلے تو اس کی زیادہ حقدار ہے)

سنن ابوداود حدیث نمبر (1938)

یہ تو اصل کے اعتبار سے ہوا، لیکن یہاں ایک اور اصل اور قاعدہ ہے کہ پرورش بچے کی مصلحت پر مبنی ہے: تو اگر ماں یا پھر باپ کے ساتھ سفر میں بچے کو ضرر اور تکلیف ہو تو بچے کی پرورش کا مسئلہ والد کے حق میں ہوگا کہ بچے کو سفر کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اور اگر ماں کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر میں بچے کو کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوتی تو اصلا پرورش کا حق ماں کو ہی حاصل رہے گا۔

حق حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زمانہ پرورش میں باپ یہ چاہتا ہے کہ عورت سے بچہ لے کر کہیں دوسری جگہ چلا جائے تو اُس کو یہ اختیار حاصل نہیں اور اگر عورت چاہتی ہے کہ بچہ کو لے کر دوسرے شہر کو چلی جائے اور دونوں شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ باپ اگر بچہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ کر رات آنے سے پہلے واپس آ سکتا ہے تو لے جا سکتی ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہے تو خود بھی نہیں جاسکتی۔ یہی حکم ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں یا گاؤں سے شہر میں جانے کا ہے کہ قریب ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور شہر سے گاؤں میں بغیر اجازت نہیں لے جاسکتی، ہاں اگر جہاں جانا چاہتی ہے وہاں اُس کا میکا ہے اور وہیں اُس کا نکاح ہوا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اگر اُس کا میکا ہے مگر وہاں نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح کہیں اور ہوا ہے تو نہ میکے لے جاسکتی ہے، نہ وہاں جہاں نکاح ہوا، ماں کے علاوہ کوئی اور پرورش کرنے والی لے جانا چاہتی ہو تو باپ کی اجازت سے لے جاسکتی ہے۔ مسلمان یا ذمی عورت بچہ کو دارالحرب میں مطلقاً نہیں لیجاسکتی، اگرچہ وہیں نکاح ہوا ہو۔ عورت کو طلاق دیدی اُس نے کسی اجنبی سے نکاح کرلیا تو باپ بچہ کو اُس سے لے کر سفر میں لے جاسکتا ہے جبکہ کوئی اور پرورش کا حقدار نہ ہو ورنہ نہیں۔ جب پرورش کا زمانہ پورا ہو چکا اور بچہ باپ کے پاس آ گیا تو باپ پر یہ واجب نہیں کہ بچہ کو اُس کی ماں کے پاس بھیجے نہ پرورش کے زمانہ میں ماں پر باپ کے پاس بھیجنا لازم تھا ہاں اگر ایک کے پاس ہے اور دوسرا اُسے دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ (درمختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۲۷۰، بیروت)

دوشہروں کے درمیان کتنا فاصلہ معتبر ہوگا؟

وَهٰـذَا كُلُّـهُ اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمِصْرَيْنِ تَفَاوُتٌ، اَمَّا اِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمْكِنُ لِلْوَالِدِ اَنْ

يُطَالِعَ وَلَدَهُ وَيَبِيتَ فِيْ بَيْتِهِ فَلَا بَاْسَ بِهِ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرْيَتَيْنِ، وَلَوْ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْيَةِ الْمِصْرِ اِلَى الْمِصْرِ لَا بَاْسَ بِهِ لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لِلصَّغِيْرِ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِاَخْلَاقِ اَهْلِ الْمِصْرِ وَلَيْسَ فِيْهِ ضَرَرٌ بِالْاَبِ، وَفِيْ عَكْسِهِ ضَرَرٌ بِالصَّغِيْرِ لِتَخَلُّقِهِ بِاَخْلَاقِ اَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ .

ترجمہ

اور یہ سب ان صورتوں میں ہے جب دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو لیکن اگر دونوں شہروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ باپ جب چاہے وہاں جا کر اپنے بچے سے مل کر رات تک واپس آ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ پھر دو گاؤں کے درمیان کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر شوہر اپنے بچے کو چھوٹی بستی سے بڑے شہر کی طرف منتقل کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوگا' کیونکہ اس صورت میں بچے کی بہتری کا مفہوم پایا جاتا ہے اور وہ اس صورت میں شہریوں کے آداب واخلاق سیکھ سکتا ہے اور باپ کا بھی اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ لیکن شہر سے گاؤں لے جانے کا حکم اس سے مختلف ہوگا' کیونکہ اس صورت میں بچے کے حق میں نقصان پایا جا رہا ہے' کیونکہ وہ دیہاتیوں کے اخلاق سیکھ لے گا اس لیے عورت کو اسے وہاں لے جانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

شرح

مصنف یہ فرماتے ہیں: یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں' جب ان دو شہروں یعنی جس شہر سے' دوسرے شہر میں عورت اس بچے کو لے جانا چاہتی ہے' ان دونوں شہروں کے درمیان کافی فاصلہ ہو' لیکن اگر وہ دونوں شہر ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں کہ بچے کے والد کے لیے یہ بات ممکن ہو کہ وہ اپنے بچے کے لیے ملنے جا کر' وہاں اس سے مل کر' اپنے گھر میں آ کر رات بسر کر سکتا ہو' تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: اسی طرح دو بستیوں کے بارے میں بھی جواب یہی ہوگا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر عورت اس بچے کو شہر کی نواحی بستی سے اٹھا کر شہر لے جانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ اس میں بچے کے لیے شفقت کا پہلو پایا جاتا ہے' کیونکہ وہ شہریوں کے آداب واخلاق سیکھ لے گا اور اس میں باپ کے لیے کوئی ضرر بھی نہیں ہے' لیکن اس کے برعکس صورتحال میں یعنی جب وہ عورت بچے کو شہر سے گاؤں لے جانا چاہتی ہو' تو اس میں بچے کے لیے بھی ضرر ہے' کیونکہ اس میں دیہاتیوں کے آداب واخلاق پیدا ہو جائیں گے تو ایسی صورت میں عورت کو اس بات کا اختیار نہیں ہوگا' وہ اس بچے کو شہر سے لے جا کر گاؤں میں آباد کرے۔

بَابُ النَّفَقَةِ

﴿یہ باب بیوی کوخرچ دینے کے بیان میں ہے﴾

باب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جب باب حضانت کو بیان کیا ہے تو حق حضانت چونکہ ماں کو حاصل ہے تو حضانت بھی نفقہ کی محتاج ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ اس چیز کو بیان کیا جائے جس میں نفقہ کا بیان ہو اور نفقہ کا معنی خرچ ہے۔ یعنی بیوی کے اخراجات کا وہ حق جو اس کے شوہر کے ذمہ واجب ہے اس کو نفقہ کہتے ہیں۔ کسی شخص پر غیر کی طرف سے وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں۔ (۱) زوجیت (۲) نسب (۳) ملک، وزجیت کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ نسب میں اصل زوجیت ہے کیونکہ ثبوت نسب کا سبب وہی ہے۔ اور نسب کا سبب ہونا ملکیت سے افضل ہے کیونکہ نسب میں جس پر انفاق ہے وہ نافق کے جسم کا حصہ ہے۔ جبکہ ملکیت یعنی غلامی میں ایسا نہیں ہے۔ لہذا ملک پر نسب کو مقدم کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶ ص ۱۹۷، بیروت)

نفقہ کا لغوی وفقہی مفہوم

نفقات نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام لباس اور سکنی مکان کو نفقہ کہتے ہیں چونکہ نفقہ کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ اولاد کا نفقہ والدین کا نفقہ اور عزیز واقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں نفقات یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں نفقہ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

لونڈی غلام کے حقوق کا مطلب ہے ان کو کھلانا پہنانا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت وہمت سے باہر ہوں۔

بیوی کے نفقہ کے احکام ومسائل کا بیان

مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافرہ ہو خواہ بالغہ ہو یا ایسی نابالغہ ہو جس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنائے دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں

دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر باہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کمائے اسکے مطابق جنس وسامان گھر میں مہیا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعاری کے ذریعہ اس جنس وسامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر و بیوی کا اس طرح ہم پیالہ وہم نوالہ رہنا ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم وقاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ کھانے پینے کا خرچ مقرر کر دیا جائے گا۔ اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کر دیا جائے گا اسی طرح ایک سال میں دو مرتبہ کپڑا دینا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کپڑا ہر ششماہی پر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر قاضی وحاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر اس کو ماہانہ ادا کرے گا اور اگر شوہر نے ماھانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہو گا۔

نفقہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اس مقدار کا لحاظ رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف وتنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ رہی معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت وحیثیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت وحیثیت کے مالک ہیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ دونوں تنگ دست ومفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہوگا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگدست ہو یا میاں تنگدست ہو اور بیوی خوشحال ہو تو پھر درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہوگا یعنی وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشحالی کے درجہ سے کم ہو اور تنگدستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بہرصورت شوہر ہی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت وحیثیت کا ہوگا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت وحالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر و بیوی کے درمیان خوشحالی وتنگدستی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے یعنی شوہر تو کہے کہ میں تنگدست ہوں اس لئے تنگدستی کا نفقہ دوں گا اور بیوی کہے کہ نہیں تم خوشحال ہو اس لیے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر یہ معاملہ حاکم وقاضی کی عدالت میں پہنچے اور بیوی اپنے دعوی کے گواہ پیش کر دے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر بیوی نے گواہ پیش نہ کئے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوشحال ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا اور اگر شوہر تنگ دست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

اگر حاکم وقاضی نے شوہر کی تنگدستی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور بیوی نے خوش حالی کے نفقہ کا دعوی کر دیا تو اس کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر تنگدست ہو گیا تو اب تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا جائیگا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اسی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی

شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔ نیز جو بیوی کسی دین یعنی قرض وغیرہ کی عدم ادائیگی کی جہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھیجی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر بھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اسکے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا ہاں جو بیوی شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا حضر کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد ہی شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر آ کر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ ومکان شرعی مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق خود مقرر د مہیا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل وعیال اور اس بیوی کے اہل وعیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل وعیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنا دینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کواڑ اور تالہ کنجی وغیرہ ہو خالی کر کے بیوی کو دیدے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز واقارب کو اگرچہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو) آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز واقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روکے یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے) اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے پر پابندی عائد کر سکتا ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا مغلظہ ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق جدائی کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ وسکنی بھی شوہر کے ذمہ ہوگا، مثلاً کوئی ام ولد یا مدبرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیار عتق کی بناء پر اس نے شوہر سے جدائی اختیار کر لی یا کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص سے کر دیا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اور اسکا نفقہ وسکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت نعوذ باللہ مرتد ہوگئی یا اس نے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا برا فعل کرا لیا جس سے شوہر پر حرام ہوگئی جیسے اس سے ہم بستری

کر لی یا اس کو شہوت سے چھولیا یا اس کا بوسہ لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ وسکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نعوذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کے نفقہ وسکنی کا حق ساقط ہو جائیگا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کر لیا یا شہوت سے بوس وکنار کرا لیا تو نفقہ وسکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغلظہ کی ہو۔

بیوی کا خرچ شوہر پر لازم ہونے کا بیان

قَالَ (النَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا اِلٰى مَنْزِلِهٖ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا) وَالْاَصْلُ فِىْ ذٰلِكَ قَوْله تَعَالٰى (لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ) وقَوْله تَعَالٰى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ) وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِىْ حَدِيْثِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ (وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ) وَلِاَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ الِاحْتِبَاسِ فَكُلُّ مَنْ كَانَ مَحْبُوسًا بِحَقٍّ مَقْصُوْدٍ لِغَيْرِهٖ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ :اَصْلُهُ الْقَاضِىْ وَالْعَامِلُ فِى الصَّدَقَاتِ .وَهٰذِهِ الدَّلَائِلُ لَا فَصْلَ فِيْهَا فَتَسْتَوِى فِيْهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ (وَيُعْتَبَرُ فِىْ ذٰلِكَ حَالُهُمَا جَمِيْعًا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ :وَهٰذَا اخْتِيَارُ الْخَصَّافِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى، وَتَفْسِيْرُهُ اَنَّهُمَا اِذَا كَانَا مُوسِرَيْنِ تَجِبُ نَفَقَةُ الْيَسَارِ، وَاِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ فَنَفَقَةُ الْاِعْسَارِ، وَاِنْ كَانَتْ مُعْسِرَةً وَالزَّوْجُ مُوسِرًا فَنَفَقَتُهَا دُوْنَ نَفَقَةِ الْمُوسِرَاتِ وَفَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسِرَاتِ .

وَقَالَ الْكَرْخِىُّ :يُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ) وَجْهُ الْاَوَّلِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِهِنْدَ امْرَاَةِ اَبِىْ سُفْيَانَ (خُذِى مِنْ مَالِ زَوْجِك مَا يَكْفِيك وَوَلَدَك بِالْمَعْرُوْفِ) (۱) اعْتَبَرَ حَالَهَا وَهُوَ الْفِقْهُ فَاِنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِطَرِيْقِ الْكِفَايَةِ، وَالْفَقِيْرَةُ لَا تَفْتَقِرُ اِلٰى كِفَايَةِ الْمُوسِرَاتِ فَلَا مَعْنٰى لِلزِّيَادَةِ، وَنَحْنُ نَقُوْلُ بِمُوْجَبِ النَّصِّ اَنَّهٗ يُخَاطَبُ بِقَدْرِ وُسْعِهٖ وَالْبَاقِى دَيْنٌ فِىْ ذِمَّتِهٖ، وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ الْوَسَطُ وَهُوَ الْوَاجِبُ وَبِهٖ يَتَبَيَّنُ اَنَّهٗ لَا مَعْنٰى لِلتَّقْدِيْرِ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ

الشَّافِعِيُّ اَنَّهُ عَلَى الْمُوسِرِ مُدَّانِ وَعَلَى الْمُعْسِرِ مُدٌّ وَعَلَى الْمُتَوَسِّطِ مُدٌّ وَنِصْفُ مُدٍّ، لِاَنَّ مَا وَجَبَ كِفَايَةً لَّا يَتَقَدَّرُ شَرْعًا فِيْ نَفْسِهٖ.

ترجمہ

فرمایا: اور بیوی کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر ہو جب وہ اپنے آپ کو شوہر کے گھر حوالے کر دے تو اس کا خرچ اس کا لباس اور رہائش شوہر کے ذمے ہوگی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بنیادی حکم ہے۔ ''خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے گا''۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بچے کا والد اس کی ماں کا کھانا اور لباس مناسب طور پر دے گا''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ ''ان خواتین کی خوراک اور لباس کی مناسب طور پر فراہمی تم پر لازم ہے''۔ اس کی وجہ یہ ہے: نفقہ دراصل اس بات کا عوض ہے جو عورت کو روکے رکھنے کا اختیار مرد کو حاصل ہوتا ہے اور جو بھی شخص کسی دوسرے کے حق کے لئے رکنے کا پابند ہو اس کا خرچ روکنے والے کے ذمے ہوگا۔ اس کی مثال قاضی اور عامل کی تنخواہ کا حکم ہے۔ ان تمام دلائل میں کوئی فصل نہیں ہے اس لیے خرچ کی ادائیگی کے بارے میں مسلمان اور کافر بیوی کی حیثیت یکساں ہوگی۔ خرچ کی مقدار کے بارے میں مرد اور عورت دونوں کی حیثیت کا خیال رکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں: یہ امام قدوری کی رائے ہے اور امام خصاف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی کے مطابق دیا جاتا ہے۔

خصاف کے قول سے مراد یہ ہے: جب میاں بیوی دونوں خوشحال ہوں گے تو خرچ بھی خوشحالی کے حساب سے واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگدست ہوں گے تو خرچ بھی اسی حیثیت کے مطابق ہوگا، لیکن اگر شوہر خوشحال ہو اور بیوی غریب ہو تو اس کا خرچ عام غریب عورتوں سے زیادہ ہوگا اور مالدار عورتوں سے کم ہوگا۔

امام کرخی اور امام شافعی کے نزدیک تمام حالات میں مرد کی حیثیت کا خیال رکھا جائے گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے''۔

امام خصاف کے فتویٰ کی وجہ یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا تھا۔ ''تم اپنے شوہر کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے مناسب طور پر کافی ہو''۔ تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ عنہا کا اعتبار کیا تھا اور فقہ کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ خرچ کفایت کے اعتبار سے لازم ہوتا ہے اور غریب عورت کے لئے خوشحال عورتوں جیسی کفایت ضروری نہیں ہے اس لیے اسے زیادہ ادائیگی کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ جہاں تک نص کا تعلق ہے تو ہم بھی اس کے مطابق یہی کہتے ہیں: مرد کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے اور جو باقی ہوگا وہ اس کے ذمے قرض ہوگا۔ قرآن پاک میں ''معروف'' سے مراد میانہ روی ہے کیونکہ واجب بھی یہی

(۲) أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (٥٣٦٤) و مسلم في "صحيحه" برقم (١٧١٤) و أبو داود في "سننه" برقم (٣٥٣٢) والنسائي في "المجتبى" برقم (٥٠١٠) و ابن ماجه برقم (١٨٥٧)۔

ہے۔ زیر بحث مسئلے میں یہ بات تحقیق پایہ تک پہنچ چکی ہے کہ نفقے کے سلسلے میں کوئی معین مقدار نہیں کی جا سکتی۔ جبکہ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: خوشحال شخص پر نصف صاع کی ادائیگی لازم ہوگی اور غریب شخص پر چوتھائی صاع کی اور درمیانے درجے کے شخص پر ڈیڑھ مد کی ادائیگی لازم ہوگی۔ کیونکہ جو بھی چیز کفایت کے طور پر واجب ہوگی وہ شرعی طور پر متعین نہیں کی جا سکتی۔

نفقہ ولد کے والد پر ہونے میں شرعی بیان

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ☆ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ .(البقرہ، ۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے۔ اس پر عورتوں کا کھانا پہننا ہے حسب دستور۔ کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے۔ اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے۔ یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد کو۔ اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی والد، اس انداز بیان سے معلوم ہوا کہ نسب باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پلوانا باپ کے ذمہ واجب ہے اس کے لئے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو مستحب ہے۔

شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کے دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔

اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر بہ اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں اسی اجرت پر یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلوانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (تفسیر احمدی مدارک) المعروف سے مراد یہ ہے کہ حسب حیثیت ہو بغیر تنگی اور فضول خرچی کے۔

یعنی اس کو اس کے خلاف مرضی دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ زیادہ اجرت طلب کر کے۔ ماں کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ اس کو وقت پر دودھ نہ دے اور اس کی نگرانی نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد چھوڑ دے اور باپ کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کے حق میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔ (خزائن العرفان، بقرہ، ۲۳۳)

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال

میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو (بخاری و مسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال مین سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحا اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

وجوب نفقہ میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں، نہ تو زیادہ ہو نہ کم بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا آیت (لینفق ذوسعة من سعتیه) یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈال دے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزارن کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دُکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فان ارضعن لکم فاتوهن اجورهن) الخ، اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اُجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۳)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تیرے لیے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیم سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمر تین طلاق والی کو گھر اور کپڑا دیتے تھے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1189)

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے لفظ 'بتہ' کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور گھر کے لیے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ام مکتوم کے گھر عدت کے دن گزار دوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بصری، عطاء بن ابی رباح، احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں عمر بن

خطاب، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہ قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مالک لیث بن سعد اور شافعی کا بھی یہی قول ہے امام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ) امام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس لئے گھر نہیں دلوایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1190)

نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن منذ کہتے ہیں: ہمیں اہل علم میں سے جتنے بھی یاد ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ ان بچوں کا خرچہ جن کے پاس مال نہیں والد کے ذمہ ہے، اور اس لیے بھی کہ اولاد انسان کا ایک حصہ ہے اور والد کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لھذا جس طرح اس کا اپنے آپ اور گھر والوں پر خرچہ کرنا واجب ہے اسی طرح اپنے بعض یعنی اولاد اور اپنی اصل یعنی ماں باپ پر خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ (المغنی (8 / 171)

بچوں پر خرچہ کرنے میں کتاب وسنت اور اجماع دلیل اور اصل ہے۔

کتاب اللہ کے دلائل: اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو) الطلاق (6)

اس آیت میں اللہ تعالی نے رضاعت کی اجرت والد کے ذمہ واجب کی ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہے) البقرۃ (233)

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند رضی اللہ تعالی عنہا کو فرمایا: (جتنا تمہیں اور تمہارے اولاد کو اچھے طریقے سے کفایت کرے وہ لے لیا کرو) (صحیح بخاری حدیث نمبر (5364) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

اور اجماع کی دلیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چھوٹے بڑے بچوں کا خرچہ اس وقت تک والد کے ذمہ ہے جب تک وہ مستغنی نہیں ہو جاتے۔

علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ والد پر اس بیٹے کا کوء خرچہ لازم نہیں جس کے پاس مال ہو اور وہ مستغنی ہو اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بیٹا جب بالغ ہو جائے اور کمانے پر قادر ہو تو والد پر اس کا خرچہ لازم نہیں۔ علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اگر بیٹا فقیر اور بالغ ہو لیکن کمانے کی قدرت نہ رکھے تو اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ والد کے ذمہ اس کا خرچہ نہیں اس

لیے کہ وہ کماء کرنے کی قدرت وطاقت رکھتا ہے۔

اور کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ بیٹا اگر فقیر اور بالغ ہو چا ہے وہ کمانے کی قدرت وطاقت رکھے والد پر اسکا خرچہ واجب ہے۔

اس میں وہ دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان لیتے ہیں: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند رضی اللہ تعالی عنہ کو فرمایا تھا: اپنے اور اپنے بچوں کی کفایت جتنا مال لے لیا کرو) ۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں بالغ اور صحیح کو مستثنی نہیں کیا، اور اس لیے کہ وہ بیٹا فقیر ہے جس کی بنا پر وہ خرچہ کا مستحق ہے کہ غنی والد اس پر خرچہ کرے جیسا کہ اگر بیٹا اندھا ہو یا مستقل مریض ہو۔ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: والد غنی اور مالدار اور اس کا بیٹا تنگ دست ہو تو کیا غنی والد اپنے تنگ دست بیٹے پر خرچ کرے گا؟ ابن تیمیہ کا جواب تھا: جی ہاں اگر بیٹا فقیر ہو اور کمائی کرنے سے عاجز اور والد مالدار ہو تو بیٹے پر بہتر اور اچھے طریقے سے خرچہ کرنا لازم ہے۔ اھ یہ مختصر لکھا گیا ہے

علماء کرام کا اس پر بھی اختلاف ہے کہ اگر بیٹی بالغ ہو جائے تو کیا والد کے ذمہ اس کا خرچہ ہے کہ نہیں؟ اکثر علماء کرام کہ کہنا ہے کہ شادی تک اس پر خرچہ لازم ہے، اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے اس لیے کہ وہ کمائی کرنے سے عاجز ہے، واللہ اعلم۔

علماء کرام کے کلام کا مجمل طور پر مفہوم یہی ہے، آپ کچھ نصوص اور ان کے دلائل جن سے علماء کرام نے استدلال کیا ہے مندرجہ ذیل کتب میں دیکھ سکتے ہیں

(علماء شافعیہ: کتاب الام (8 / 340 علماء مالکیہ: المدونۃ (2 / 263) اور تبیین المسالک شرح تدریب المسالک (3 / 244) ۔علماء حنفیہ: المبسوط (5 / 223) ۔علماء حنابلہ: المغنی ابن قدامۃ (8 / 171)

کس صورت میں عورت کو خرچ ملے گا؟

(وَإِنْ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتَّى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ) لِأَنَّهُ مَنْعٌ بِحَقٍّ فَكَانَ فَوْتُ الِاحْتِبَاسِ لِمَعْنًى مِنْ قِبَلِهِ فَيُجْعَلُ كَلَا فَائِتٍ .(وَإِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهِ) لِأَنَّ فَوْتَ الِاحْتِبَاسِ مِنْهَا، وَإِنْ عَادَتْ جَاءَ الِاحْتِبَاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا امْتَنَعَتْ مِنْ التَّمْكِينِ فِي بَيْتِ الزَّوْجِ لِأَنَّ الِاحْتِبَاسَ قَائِمٌ وَالزَّوْجُ يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْءِ كَرْهًا .

ترجمہ

اور اگر عورت اپنے آپ کو اس وقت تک مرد کے حوالے کرنے سے انکار کر دے جب تک مرد اس کا مہر نہیں دیدیتا تو اس دوران عورت کو خرچ ملتا رہے گا کیونکہ اس نے اپنے حق کی وجہ سے انکار کیا ہے لہٰذا عورت کا محبوس نہ ہونا ایسی وجہ سے ہے جو شوہر کی طرف سے پائی جارہی ہے گویا اس عورت نے منع نہیں کیا۔ اگر عورت نافرمانی سے کام لے تو اسے اس وقت تک خرچ نہیں ملے گا

جب تک وہ شوہر کے گھر واپس نہیں آ جاتی کیونکہ اس صورت میں محبوس ہونے کا فوت ہونا عورت کی طرف سے پایا جارہا ہے جب وہ واپس آ جائے گی، تو محبوس ہونے کا مفہوم آ جائے گا لہذا خرچ کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس جب وہ شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے صحبت کرنے سے انکار کر دیتی ہے، تو اس وجہ سے خرچ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ احتباس موجود ہے اور شوہر اس کی رضامندی کے بغیر بھی اس کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ": جب نان ونفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے؛ کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں. اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تا کہ وہ اپنے نان ونفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصاندہ ہے.

اور اگر بیوی مالدار بھی ہو تو خاوند کو اسے روکنے کا حق نہیں؛ کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استمتاع کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔(المغنی (8 /. 165)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی آنے سے انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کی حالت میں ہی رات بسر کر دے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری بدء الخلق حدیث نمبر (2998)

ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب عورت اپنے خاوند کا بستر چھوڑ کر رات بسر کرے تو اس کے واپس آنے تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں) صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث نمبر (4795)

ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور اس کی بیوی آنے سے انکار کر دے تو آسمان والا اس پر ناراض رہتا ہے حتی کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو جائے) صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث نمبر (1736)

طلق بن علی رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو اسے آنا چاہیے، اگر چہ وہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو) سنن ترمذی کتاب الرضاع حدیث نمبر(1080)

اور جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ رات گزارنے اور اس کے بستر میں جانے سے رک جائے تو اس کا حق نفقہ اور تقسیم کا حق

بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ نفقہ تو استمتاع کے بدلے میں ہے، اور ایسی عورت کو اپنے خاوند کی نافرمان کہا جائے گا۔

البہوتی کا کہنا ہے: نشوز یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اپنے استمتاع سے منع کر دے یا اس کی بات زچ ہو کر تسلیم کرے، مثلا جب وہ اسے بلائے تو حیل وحجت سے کام لے، یا پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہ کرے جب تک خاوند اسے مجبور نہیں کرتا (شرح منتهى الارادات للبهوتي (3 / 55)

اور جب بیوی نافرمانی کرنے لگے تو اس کا نفقہ ختم اس لیے کہ نفقہ تو اطاعت اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے کے عوض میں تھا۔

اور نشوز یہ ہے کہ بیوی پر جو خاوند کے حقوق میں سے واجب ہیں وہ ان میں خاوند کی نافرمانی کرنے لگے تو اسے نشوز کہا جاتا ہے، اللہ تعالی نے بھی خاوند کے لیے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بیوی کی نافرمانی کی حالت میں کیا کرنا چاہیے اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

(اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں ڈر اور خدشہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو، پھر اگر وہ تمہاری بات تسلیم کر لیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالی بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے) (النساء(34)

فقہاء رحمہم اللہ تعالی کا کہنا ہے کہ: اگر نافرمانی کرنے والی بیوی وعظ ونصیحت اور اسے بستر میں علیحدگی یعنی جب تک وہ اپنی نافرمانی پر قائم ہے اس سے اللہ تعالی کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے (اور انہیں الگ بستروں میں چھوڑ دو) مضاجعت اور تین دن تک کلام نہ کرنے کے باوجود وہ اپنی نافرمانی پر مصر ہے تو اسے مار کی سزا دی جائے گی لیکن مار میں سختی نہیں ہونی چاہیے۔

اور خاوند کے لیے اس حالت میں اسے طلاق دینا جائز ہے، المرداوی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: بیوی کے برے اخلاق اور اس کی سوء معاشرت وغیرہ کے سبب سے ضرورت کے وقت طلاق دینا مباح ہے، اور اسی طرح اس سے تنگی ہونے اور غرض پوری نہ ہونے کے وقت، ان کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بغیر کسی اختلاف کے طلاق مباح ہے۔(الانصاف(8 / 430)

اور اگر وہ آپ سے نفرت کرنے لگی اور آپ سے کراہت کرنے لگی ہے جس کا آپ حل نہیں نکال سکتے تو اس وقت طلاق دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اس حالت میں نکاح باقی رکھنے سے بیوی کو نقصان ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

(نہ تو کسی کو نقصان دو اور نہ ہی خود نقصان اٹھاؤ)(الملخص الفقهي (2 / 305)

اور ایسی حالت میں طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں، اور آپ کی مالی مشکلات کے بارہ میں گزارش یہ ہے کہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ ایسی عورت سے شادی کر لیں جو اپنا خرچہ خود برداشت کر سکتی ہو یا پھر آپ کی کچھ مالی مسؤلیت سے ہی گزارے کرنے پر راضی ہو جائے۔

اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی سے کچھ معاملات پر صلح کر لیں اور بیوی کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کچھ

حقوق خاوند کو چھوڑ دے جس میں نفقہ اور تقسیم وغیرہ شامل ہوں تاکہ وہ اسے طلاق نہ دے اور اپنے پاس ہی رکھے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اگر عورت اپنے خاوند کی نافرمانی سے ڈرے یا پھر اسے اس کے اعراض کا ڈر ہو تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ صلح کر لیں اور صلح کرنا ہی بہتر ہے) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ: یہ اس طرح ہے کہ عورت کسی شخص کے پاس ہو اور اس کا خاوند اسے طلاق دینا چاہے وہ بیوی اسے کہے کہ مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور طلاق نہ دو مجھ پر نفقہ اور تقسیم میں تجھے آزادی ہے۔(الملخص الفقهی (2 / 296)

نابالغ بیوی کے نفقہ کا بیان

(وَاِنْ کَانَتْ صَغِیْرَةً لَّا یَسْتَمْتِعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِاَنَّ امْتِنَاعَ الِاسْتِمْتَاعِ لِمَعْنًی فِیْهَا، وَالِاحْتِبَاسُ الْمُوْجِبُ مَا یَکُوْنُ وَسِیْلَةً اِلٰی مَقْصُوْدٍ مُسْتَحَقٍّ بِالنِّکَاحِ وَلَمْ یُوْجَدْ، بِخِلَافِ الْمَرِیْضَةِ عَلٰی مَا نُبَیِّنُ .وَقَالَ الشَّافِعِیُّ :لَهَا النَّفَقَةُ لِاَنَّهَا عِوَضٌ مِنَ الْمِلْكِ عِنْدَهُ کَمَا فِی الْمَمْلُوْکَةِ بِمِلْكِ الْیَمِیْنِ .وَلَنَا اَنَّ الْمَهْرَ عِوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَلَا یَجْتَمِعُ الْعِوَضَانِ عَنْ مُعَوَّضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُ دُوْنَ النَّفَقَةِ .

ترجمہ

اور اگر عورت نابالغ ہو اور اتنی کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو مرد پر اس کا خرچ واجب نہیں ہوگا' کیونکہ صحبت میں رکاوٹ ایک ایسی علت ہے' جو عورت میں پائی جارہی ہے اور خرچ اس احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے' جو نکاح کے مطلوب تک رسائی کا ذریعہ بن سکتا ہو' لیکن یہ احتباس اس نوعیت کا نہیں ہے اس لیے اس میں خرچ بھی واجب نہیں ہوگا۔ تاہم بیمار بیوی کا حکم اس سے مختلف ہے' اس کا خرچ ساقط نہیں ہوگا ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: نابالغ بیوی کو بھی خرچ ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: امام شافعی کے نزدیک خرچ شوہر کی ملکیت کے عوض میں ہوتا ہے' جیسا کہ کنیز کا خرچ اس کے مالک کے ذمے ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک مہر' ملک کا عوض ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کے دو عوض نہیں ہوسکتے ہیں اس لیے نابالغ لڑکی مہر کی حقدار ہوگی خرچ کی حقدار نہیں ہوگی۔

شرح

اِحْتِبَاس

عربی زبان سے اسم مشتق ہے، ثلاثی مزید فیہ کے باب افتعال سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ اردو میں 1874ء کو انیس کے مجموعے "مراثی " میں مستعمل ملتا ہے۔

اگر خاوند نابالغ فقیر یا اپاہج ہو تو اسکی بیوی کا نفقہ نابالغ کے والد کے ذمہ ہے۔ (درمختار، باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

ہر وہ عورت جس کا خرچ اور نفقہ خاوند پر لازم نہیں مثلاً جس عورت کی رخصتی نہیں ہوئی اور خاوند کے سپرد نہیں کی گئی، اور وہ چھوٹی عمر کی بچی جس سے استمتاع کرنا ممکن نہیں، تو اس کا خرچ خاوند کے ذمہ لازم نہیں، اور نہ ہی اسکا فطرانہ خاوند کے ذمہ ہے، کیونکہ وہ ان میں شامل نہیں ہوتی جن کی معونت خاوند کے ذمہ ہے۔(المغنی (2 /(361)

اور بھوتی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کا نفقہ خاوند کے ذمہ لازم نہیں ان کا فطرانہ بھی خاوند پر لازم نہیں آتا، مثلاً وہ بیوی جس سے دخول نہیں ہوا اور اس نے اپنا آپ خاوند کے سپرد نہیں کیا۔(کشاف القناع (2 / .(252)

گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ

نفقے کے باب میں ایک قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے ایک عرصے تک نفقہ ادا نہیں کیا، حالاں کہ بیوی نے نفقہ معاف نہیں کیا تھا، تو سوال یہ ہے کہ گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں؟۔ اس سلسلے میں فقہاء احناف کا عمومی رجحان یہ ہے کہ نفقہ اصل میں تبرع ہے نہ کہ عوض۔ اس لیے گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ دو ہی صورتوں میں واجب ہوگا، یا تو پہلے سے قاضی نے نفقے کا فیصلہ کردیا ہو اور فیصلے کے باوجود شوہر نے نفقہ ادا نہ کیا ہو تو گزشتہ ایام کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔ یا زوجین کے درمیان پہلے نفقے کی ادائی کے سلسلے میں کوئی معاہدہ ہوا ہو اور شوہر نے اس معاہدے کے مطابق عمل نہ کیا ہو، اگر قضاء قاضی یا صلح بالتراضی پہلے سے موجود نہ ہو تو گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔(ردالمحتار ، مجمع الانهر) دوسرے فقہاء نفقہ کو شوہر کو حاصل حق احتباس کا عوض قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک گزرے ہوئے وقت کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

(حاشية الدسوقی : روضة الطالبين : /، المغنی)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر بیوی اتنی کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو' تو احناف اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں بیوی کو خرچ نہیں ملے گا' اس کی وجہ یہ ہے: یہاں تمتع میں رکاوٹ عورت کی طرف سے پائی جارہی ہے' اس لیے اگرچہ یہاں پر ظاہری طور پر احتباس کی صورت موجود ہے' لیکن کیونکہ وہ ناقص ہے' اس وجہ سے وہ عورت خرچ کی حقدار نہیں ہوگی' کیونکہ خرچ اسی احتباس کی وجہ سے لازم ہوتا ہے' جو اصل مقصود کا وسیلہ بن سکتا ہو' اس میں نکاح کے اصل مقصد یعنی صحبت کرنے کی قدرت حاصل ہو' اور یہاں احتباس کامل نہیں ہے' کیونکہ اس نابالغ لڑکی کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی' اس لیے اس وجہ سے اس کا خرچ لازم نہیں ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر بیوی بیمار ہو جاتی ہے' اور اس وجہ سے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی' تو یہاں بھی رکاوٹ عورت کی طرف سے پائی جارہی ہے' تو پھر آپ ایسے عالم میں عورت کو خرچ کا حقدار کیوں قرار دیتے ہیں؟

مصنف یہ فرماتے ہیں: بیمار عورت کا حکم اس سے مختلف ہے' اس کی ہم مزید وضاحت آگے چل کر کریں گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں: نابالغ بیوی کو خرچ ملے گا' اس کی وجہ یہ ہے: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خرچ کی ادائیگی

''تمتع'' کی ملکیت کے عوض میں ہوئی ہے اور کیونکہ شوہر اپنے شوہر ہونے کی وجہ سے بیوی سے ''تمتع'' کا مالک بن چکا ہے' اس لیے اس پر خرچ کی ادائیگی بھی لازم ہوگی' بالکل اسی طرح جیسے اگر کوئی شخص کسی کنیز کے خرید لیتا ہے' تو وہ کنیز اگرچہ نابالغ ہو' اس کنیز کے خرچ کی ادائیگی اس پر لازم ہو جاتی ہے' کیونکہ اسے ''تمتع'' کا حق حاصل ہو چکا ہے۔

احناف یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اس ملکیت کا عوض مہر ہوتا ہے اور کیونکہ ایک چیز کے دو عوض نہیں ہو سکتے' اس لیے آپ اس ملکیت کا عوض مہر اور خرچ دونوں کو قرار نہیں دے سکتے' اگر آپ خرچ کی ادائیگی کو اس ملکیت کا عوض قرار دیتے ہیں تو پھر آپ مہر کو کس چیز کا عوض قرار دیں گے؟ تو کیونکہ مہر اس ملکیت کا عوض ہے' لہٰذا خرچ کی ادائیگی اس ملکیت کا عوض نہیں ہوگی' اس لیے ایسی نابالغ بیوی کو مہر مل جائے گا لیکن خرچ نہیں ملے گا۔

نابالغ شوہر کی بالغ بیوی کے نفقہ کا بیان

(وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْءِ وَهِيَ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهِ) لِاَنَّ التَّسْلِيمَ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهَا، وَاِنَّمَا الْعَجْزُ مِنْ قِبَلِهِ فَصَارَ كَالْمَجْبُوبِ وَالْعِنِّينِ .

ترجمہ

اور اگر شوہر اتنا کمسن ہو کہ صحبت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور بیوی اس سے عمر میں بڑی ہو' تو اس بیوی کو اس شوہر کے مال میں سے خرچ ملے گا' کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو سپرد کرنا ثابت ہو گیا ہے اور عذر شوہر کی طرف سے پایا جا رہا ہے اس لیے وہ مجبوب یا عنین کی مانند شمار کیا جائیگا۔

حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس عورت سے نکاح صحیح ہوا اُس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے عورت مسلمان ہو یا کافرہ، آزاد ہو یا مکاتبہ محتاج ہو یا مالدار، دخول ہوا ہو یا نہیں، بالغہ ہو یا نابالغہ مگر نابالغہ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشتہاۃ ہو۔ اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اُس پر نفقہ واجب ہے اُس کے مال سے دیا جائے گا۔ اور اگر اُس کی ملک میں مال نہ ہو تو اُس کی عورت کا نفقہ اُس کے باپ پر واجب نہیں ہاں اگر اُس کے باپ نے نفقہ کی ضمانت کی ہو تو باپ پر واجب ہے شوہر عنین ہے یا اُسکا عضو تناسُل کٹا ہوا ہے یا مریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا حج کو گیا ہے جب بھی نفقہ واجب ہے۔ نابالغہ جو قابلِ جماع نہ ہو اُس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، خواہ شوہر کے یہاں ہو یا اپنے باپ کے گھر جب تک قابلِ وطی نہ ہو جائے ہاں اگر اس قابل ہو کہ خدمت کر سکے یا اُس سے اُنس حاصل ہو سکے اور شوہر نے اپنے مکان میں رکھا تو نفقہ واجب ہے اور نہیں رکھا تو نہیں۔ (درمختار، باب نفقہ زوجہ، ج ۵، ص ۲۸۰، بیروت)

محبوس زوجہ کے نفقہ کا بیان

(وَاِذَا حُبِسَتِ الْمَرْاَةُ فِي دَيْنٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِاَنَّ فَوْتَ الِاحْتِبَاسِ مِنْهَا بِالْمُمَاطَلَةِ، وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهَا بِاَنْ كَانَتْ عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ، وَكَذَا اِذَا غَصَبَهَا رَجُلٌ كُرْهًا فَذَهَبَ بِهَا .

وَعَنْ اَبِي يُوسُفَ اَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ، وَالْفَتْوٰى عَلَى الْاَوَّلِ لِاَنَّ فَوْتَ الِاحْتِبَاسِ لَيْسَ مِنْهُ لِيُجْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيرًا، وَكَذَا اِذَا حَجَّتْ مَعَ مَحْرَمٍ لِاَنَّ فَوْتَ الِاحْتِبَاسِ مِنْهَا .

وَعَنْ اَبِي يُوسُفَ اَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ لِاَنَّ اِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ، وَلٰكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ لِاَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحِقَّةُ عَلَيْهِ، وَلَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النَّفَقَةُ بِالِاتِّفَاقِ لِاَنَّ الِاحْتِبَاسَ قَائِمٌ لِقِيَامِهِ عَلَيْهَا وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ، وَلَا يَجِبُ الْكِرَاءُ لِمَا قُلْنَا (فَاِنْ مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ) وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا نَفَقَةَ لَهَا اِذَا كَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجِمَاعِ لِفَوْتِ الِاحْتِبَاسِ لِلِاسْتِمْتَاعِ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ اَنَّ الِاحْتِبَاسَ قَائِمٌ فَاِنَّهُ يَسْتَاْنِسُ بِهَا وَيَمَسُّهَا وَتَحْفَظُ الْبَيْتَ، وَالْمَانِعُ بِعَارِضٍ فَاَشْبَهَ الْحَيْضَ .

وَعَنْ اَبِي يُوسُفَ اَنَّهَا اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرِضَتْ تَجِبُ النَّفَقَةُ لِتَحَقُّقِ التَّسْلِيمِ، وَلَوْ مَرِضَتْ ثُمَّ سَلَّمَتْ لَا تَجِبُ لِاَنَّ التَّسْلِيمَ لَمْ يَصِحَّ قَالُوا هٰذَا حَسَنٌ .

وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيرُ اِلَيْهِ .

ترجمہ

جب کوئی عورت کسی قرض کی وجہ سے محبوس ہو' تو اس کا خرچ بند کرنے والے کے ذمے نہیں ہوگا' کیونکہ احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے' کیونکہ اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی ہے' لیکن اگر احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے نہ ہو' یعنی وہ عورت قرض کی ادائیگی نہ کر سکتی ہو' تو شوہر سے خرچ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کو زبردستی لے جائے' تو اس کا خرچ شوہر کے ذمے نہیں ہوگا۔ امام ابویوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اس کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا' لیکن

فتویٰ پہلے قول پر ہے' کیونکہ احتباس کا زائل ہونا شوہر کی طرف سے نہیں ہے اس لیے حکمی طور پر یہ برقرار رہے گا۔

اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے کسی محرم کے ساتھ حج کے لئے چلی جاتی ہے' تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا' کیونکہ احتباس زائل کرنے کا مفہوم عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے۔ امام ابو یوسف اس صورت میں بھی خرچ لازم ہونے کے قائل ہیں' کیونکہ شرعی فرض کی تکمیل ایک عذر ہے اس لیے شوہر پر حضر کا خرچ لازم ہوگا' سفر کا خرچ لازم نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: شوہر پر یہی چیز لازم ہے۔

اگر بیوی شوہر کے ساتھ سفر کرتی ہے' تو اس بات پر اتفاق ہے: خرچ شوہر کے ذمے ہوگا' کیونکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہے اس لیے احتباس کا مفہوم پایا جا رہا ہے۔ تاہم وہ سفر کے دوران اتنا ہی خرچ دے گا جتنا حضر میں دیتا تھا سفر کے لئے کوئی اضافی طور پر خرچ نہیں دیا جائے گا' اور کرائے کی ادائیگی شوہر کے ذمے نہیں ہوگی' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر بیوی' شوہر کے گھر میں بیمار ہو جاتی ہے' تو اسے خرچ ملے گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے: اگر بیماری کی نوعیت ایسی ہو جو صحبت میں رکاوٹ ہو' تو اسے خرچ نہ دیا جائے کیونکہ تمتع کا احتباس ختم ہو گیا ہے' تاہم استحسان کے پیش نظر یہ ساقط نہیں ہوگا' کیونکہ احتباس کا مفہوم موجود ہے اور شوہر اس سے مانوس ہے اسے ہاتھ لگا سکتا ہے' وہ عورت اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے' جہاں تک صحبت میں رکاوٹ کا تعلق ہے' تو وہ عارضے کی وجہ سے ہے تو یہ عارضہ حیض کے مشابہہ قرار دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر عورت ایک مرتبہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دے' اور پھر بیمار ہو جائے' تو سپردگی ثابت ہونے کی وجہ سے خرچ کی ادائیگی لازم رہے گی۔ لیکن اگر عورت پہلے بیمار ہوئی ہو اور پھر اس نے خود کو شوہر کے سپرد کیا تو خرچ لازم نہیں ہوگا' کیونکہ اس صورت میں سپردگی درست نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے: یہ قول بہترین ہے امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قید ہونے کی بیوی کا سقوط نفقہ کا فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت اگر قید ہو گئی اگرچہ بطور ظلم تب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہاں اگر خود شوہر کا عورت پر دَین تھا اُسی نے قید کرایا تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عورت کو کوئی اُٹھا لے گیا یا چھین لے گیا جب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔ عورت حج کے لیے گئی اور شوہر ساتھ نہ ہو تو نفقہ واجب نہیں اگرچہ محرم کے ساتھ گئی ہو اگرچہ حج فرض ہو۔ اگرچہ شوہر کے مکان پر رہتی تھی۔ اور اگر شوہر کے ہمراہ ہے تو نفقہ واجب ہے حج فرض ہو یا نفل مگر سفر کے مطابق نفقہ واجب نہیں بلکہ حضر کا نفقہ واجب ہے، لہٰذا کرایہ وغیرہ مصارف سفر شوہر پر واجب نہیں ہے۔ (جوہرہ نیرہ، باب نفقہ)

حالت قید کے سبب حالت احتباس کے ختم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی شخص کی بیوی نے کسی دوسرے شخص کا قرض ادا کرنا تھا اور قرض کی عدم ادائیگی کی

وجہ سے اس عورت کو قید کر دیا گیا تو اب اس عورت کے قید ہونے کی وجہ سے شوہر کے گھر میں احتباس کی صورت ختم ہو گئی ہے' اس لیے اس قید کے دوران اس کے خرچ کی ادائیگی اس کے شوہر پر لازم نہیں ہوگی' کیونکہ یہاں احتباس میں رکاوٹ عورت کی طرف سے آئی ہے' کیونکہ اگر وہ قرض کو بروقت ادا کر دیتی تو اسے قید نہ کیا جاتا۔

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے: اگرچہ عورت خود بھی اس قرض کو ادا کرنے سے عاجز ہو' تو بھی شوہر سے وہ خرچ کا مطالبہ نہیں کر سکتی' کیونکہ اس صورت میں اس عورت کا قرض لینا اس احتباس میں رکاوٹ کا سبب بن جائے گا' اور کیونکہ یہ سبب عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے' اس لیے وہ خرچ کی حقدار نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بیوی کو غصب کر لیتا ہے' یعنی کسی شخص کی بیوی' کسی دوسرے شخص کی کنیز تھی اور کسی تیسرے شخص نے اسے غصب کر لیا' اب وہ عورت شوہر سے خرچ ملنے کی حقدار نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے: ایسی عورت کو خرچ ملے گا' کیونکہ وہ احتباس فوت ہونے کے حوالے سے ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے: جب بھی احتباس میں رکاوٹ شوہر کی طرف سے نہ ہو' تو عورت خرچ کی حقدار قرار نہیں پاتی' اس لیے جس عورت کو غصب کیا گیا ہے' اس میں بھی احتباس میں رکاوٹ شوہر کی طرف سے نہیں ہے' اس لیے اس عورت کو خرچ ادا نہیں کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: ایسی عورت کو خرچ ملے گا' وہ یہ فرماتے ہیں: جس طرح فرض کی ادائیگی کی وجہ سے عورت کو معذور قرار دیا جاتا ہے' یعنی اگر عورت پر حج فرض ہو جائے' تو اب وہ حج کرنے کے لیے جاتی ہے' تو اس کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے' لیکن یہ خرچ بھی قیام کے دوران' یعنی حضر کی حالت میں لازم ہوتا ہے' سفر کی حالت کا لازم نہیں ہوتا' کیونکہ حدیث کے الفاظ "مناسب طور پر" میں صرف حضر کا خرچ شامل ہوگا' کیونکہ اگر سفر کے خرچ کی ادائیگی بھی شوہر کے ذمے لازم کر دی جائے' تو یہ اس کے لیے بہت بھاری ہو جائے گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر عورت کے سفر میں اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ ہو' تو اس صورت میں عورت کو ضرور خرچ دیا جائے گا' تاہم اس بارے میں حکم یہی ہے: کسی جگہ پر قیام کے دوران کھانے پینے وغیرہ کے حوالے سے جو خرچ ہوتا ہے' اس کی ادائیگی شوہر پر لازم ہوگی' البتہ اگر شوہر احسان کے طور پر بیوی کے دیگر اخراجات ادا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے' لیکن بیوی کے آمدورفت کے کرائے کی ادائیگی شوہر پر لازم نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی عورت شوہر کے گھر میں بیمار ہو جاتی ہے' تو استحسان کے پیش نظر وہ بیماری کے ان دنوں کے دوران خرچ کی حقدار ہوگی' اگر وہ کوئی ایسا مرض ہے' جس کی وجہ سے شوہر اس کے ساتھ صحبت کرنے کے قابل نہیں رہتا' قیاس کا تقاضا تو یہ تھا: ایسی عورت کو بھی خرچ نہ ملے' کیونکہ یہاں احتباس میں فوت ہونے کا پہلو عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے'

کیونکہ مرد اس سے تمتع نہیں کر سکتا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے: احتباس یہاں موجود ہے' شوہر اس عورت سے انسیت محسوس کر سکتا ہے' اسے چھو سکتا ہے' وہ عورت شوہر کے گھر کی حفاظت کر سکتی ہے' بیماری کی وجہ سے جو رکاوٹ آئی ہے وہ عارضی ہے اور اس کی مثال حیض کی طرح ہو جائے گی' جس طرح حیض کے دوران شوہر بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کر پاتا لیکن اس دوران بیوی کو خرچ ملتا رہتا ہے' اسی طرح بیماری کے دوران اگرچہ شوہر بیوی کے ساتھ صحبت کرنے کے قابل نہ ہو' لیکن پھر بھی عورت کو خرچ ملتا رہے گا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: جب وہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دیتی ہے' پھر وہ بیمار ہوتی ہے تو اب خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے: اس نے اپنا آپ مکمل طور پر شوہر کے سپرد کر دیا تھا لیکن اگر وہ پہلے بیمار ہوئی اور پھر اپنا آپ شوہر کے سپرد کیا تو اس صورت میں خرچ کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے: شوہر کے سپرد کرنا مکمل طور پر پایا نہیں جا رہا' فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: یہ رائے زیادہ بہتر ہے۔

خوشحال شوہر پر بیوی کے خادم کا خرچ بھی لازم ہوگا

(قَالَ :وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النَّفَقَةُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا وَنَفَقَةُ خَادِمِهَا) الْمُرَادُ بِهٰذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ، وَلِهٰذَا ذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ :وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا .

وَوَجْهُهُ أَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا مِنْ تَمَامِهَا إِذْ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ (وَلَا يُفْرَضُ لِأَكْثَرَ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ) وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :تُفْرَضُ لِخَادِمَيْنِ لِأَنَّهَا تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّاخِلِ وَإِلَى الْآخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ يَقُومُ بِالْأَمْرَيْنِ فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى اثْنَيْنِ، وَلِأَنَّهُ لَوْ تَوَلَّى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهِ كَانَ كَافِيًا، فَكَذَا إِذَا أَقَامَ الْوَاحِدُ مَقَامَ نَفْسِهِ، وَقَالُوا :إِنَّ الزَّوْجَ الْمُوسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرُ مِنْ نَفَقَةِ امْرَأَتِهِ وَهُوَ أَدْنَى الْكِفَايَةِ .

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لَا تَجِبُ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ إِعْسَارِهِ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَهُوَ الْأَصَحُّ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ

لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ أَدْنَى الْكِفَايَةِ وَهِيَ قَدْ تَكْتَفِي بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا .

ترجمہ

اگر شوہر خوشحال ہو' تو اس پر بیوی اور اس کے خادم کا خرچ لازم ہوگا۔ اس مسئلے کی بنیاد خادم کے خرچ کا بیان ہے۔ یہی وجہ ہے: قدوری کے بعض نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے۔ ''اگر شوہر خوشحال ہو' تو اس پر عورت کے خادم کا خرچ عائد کیا جائے گا''۔ اس کی وجہ یہ ہے: بیوی کی کفایت شوہر پر لازم ہے اور کفایت کی تکمیل میں خادم کا خرچ بھی شامل ہوگا' کیونکہ عورت کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ تاہم عورت کو ایک خادم سے زیادہ کا خرچ نہیں ملے گا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اس پر دو خادموں کا خرچ لازم ہوگا' کیونکہ ایک خادم گھریلو کام کے لئے ہوگا اور دوسرا باہر کے کاموں کے لئے ہوگا۔ طرفین نے یہ بات بیان کی ہے: ایک ہی خادم دونوں طرح کی ضروریات پوری کر سکتا ہے' لہٰذا دو کی ضرورت نہیں ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے: اگر شوہر خود بیوی کے ان معاملات کی دیکھ بھال کر سکتا ہے' تو یہ بھی کافی ہوگا' اسی طرح جب وہ اپنی جگہ پر کسی شخص کو مقرر کر دیتا ہے (تو اسے بھی کافی ہونا چاہئے)۔ مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے: صاحب حیثیت شوہر پر خادم کا اتنا خرچ لازم ہوگا جتنا خرچ ایک غریب آدمی اپنی بیوی کو دیتا ہے اور یہ کفایت کا کم ترین درجہ ہے۔ متن کے یہ الفاظ ''جب وہ خوشحال ہو'' یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے' اگر شوہر غریب ہو' تو خادم کا خرچ اس کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے یہی روایت نقل کی ہے اور یہی بات درست ہے۔ اس کے برخلاف امام محمد نے یہ بات پیش کی ہے (کہ غریب شخص پر بھی خادم کا خرچ لازم ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے: تنگدست شخص پر کفایت کا کم سے کم مرتبہ لازم ہوگا اور بیوی خود بھی اپنے کام کاج کر سکتی ہے۔

نفقہ میں اصل عسر و یسر ہونے کا قاعدہ فقہیہ

واجب نفقہ میں اصل عسر و یسر ہے۔ (الہدایہ، ۷؍۴۱)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو نفقہ واجب ہے اس کی مقدار شوہر کے حال کے مطابق ہوگی اگر شوہر امیر و دولت مند ہے تو نفقہ امراء لوگوں کی طرح ادا کرے اور اگر شوہر غریب مفلس ہے تو نفقہ غرباء و مفلس لوگوں کی طرح ادا کرے، لہٰذا کسی غریب شخص کی بیوی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دولت مند لوگوں کی بیویوں کی طرح نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اور کسی امیر و دولت مند شخص کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو غریب عورت کی طرح نفقہ دے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

وعلی المولود له رزق هن و کسوتهن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعها (البقرہ ۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے اور کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا۔

نفقہ کی تعریف:

عقد نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کیلئے کھانا، لباس اور مکان کا لازم ہونا نفقہ کہلاتا ہے جبکہ عرف و معاشرے میں محض کھانے کو نفقہ کہا جاتا ہے۔

انتباہ:

نفقہ عسر و یسر کے سبب سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔

طلاق رجعی و بائنہ کے بعد بھی نفقہ:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائنہ دے دی تو بعد از طلاق بھی عدت میں اس پر نفقہ واجب ہوگا۔

تنگدست شخص کے ذمے بیوی کا خرچ قرض ہوگا

(وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَاَتِهٖ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِىْ عَلَيْهِ) وَقَالَ الشَّافِعِىُّ : يُفَرَّقُ، لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَنُوبُ الْقَاضِىْ مَنَابَهٗ فِى التَّفْرِيْقِ كَمَا فِى الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، بَلْ اَوْلٰى لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى النَّفَقَةِ اَقْوٰى .

وَلَنَا اَنَّ حَقَّهٗ يَبْطُلُ وَحَقَّهَا يَتَاَخَّرُ، وَالْاَوَّلُ اَقْوٰى فِى الضَّرَرِ، وَهٰذَا لِاَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيْرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِىْ فَتَسْتَوْفِى الزَّمَانَ الثَّانِىْ، وَفَوْتُ الْمَالِ وَهُوَ تَابِعٌ فِى النِّكَاحِ لَا يَلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَهُوَ التَّنَاسُلُ .

وَفَائِدَةُ الْاَمْرِ بِالِاسْتِدَانَةِ مَعَ الْفَرْضِ اَنْ يُمَكِّنَهَا اِحَالَةَ الْغَرِيمِ عَلَى الزَّوْجِ، فَاَمَّا اِذَا كَانَتِ الِاسْتِدَانَةُ بِغَيْرِ اَمْرِ الْقَاضِىْ كَانَتِ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُوْنَ الزَّوْجِ .

(وَاِذَا قَضَى الْقَاضِىْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ ثُمَّ اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ) لِاَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسَبِ الْيَسَارِ وَالْاِعْسَارِ، وَمَا قَضٰى بِهٖ تَقْدِيْرٌ لِنَفَقَةٍ لَمْ تَجِبْ، فَاِذَا تَبَدَّلَ حَالُهٗ فَلَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا .

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص بیوی کا خرچ ادا کرنے سے قاصر ہو جائے' تو دونوں کے درمیان علیحدگی نہیں کروائی جائے گی' بلکہ قاضی بیوی سے یہ کہے گا: وہ اپنے شوہر کی ذمہ داری پر قرض حاصل کر لے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دی جائے گی' کیونکہ شوہر عام روایت کے مطابق اس عورت کو اپنے ساتھ رکھنے سے عاجز ہو گیا ہے۔ اس لیے تفریق کرنے میں قاضی اس کا قائم مقام قرار دیا جائے گا' جیسا کہ مجبوب اور عنین میں ہوتا ہے۔

بلکہ خرچ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی اس کا قائم مقام ہوگا' کیونکہ خرچ کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: اس طرح مرد کا حق مکمل طور پر باطل ہو جائے گا' جبکہ عورت کا حق متاخر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن مرد کے حق کو باطل کرنے کے نتیجے میں نقصان زیادہ ہو جائے گا' کیونکہ قاضی کے مقرر کرنے کے نتیجے میں وہ خرچ مرد کے ذمے قرض بن جائے گا' اور عورت اسے مستقبل میں کسی وقت وصول کر سکتی ہے۔ نیز نکاح میں مال کی حیثیت تابع کی ہوتی ہے تو اسے اس چیز کے ساتھ لاحق نہیں کیا جا سکتا جو نکاح کا اصل مقصد ہوتا ہے' یعنی نسل کی بقاء' خرچ کی ادائیگی لازم کرنے کے ساتھ قرض لینے کا حکم دینے کا فائدہ یہ ہوگا' عورت قرض خواہ کو مرد کے حوالے کر دے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: عورت اگر قاضی کے حکم کے بغیر قرض لے گی' تو قرض خواہ اسی سے مطالبہ کرے گا' اس کے شوہر سے نہیں کرے گا۔

اگر قاضی عورت کے حق میں غریب شخص پر واجب ہونے والے خرچ کی ادائیگی کو لازم کرے اور بعد میں عورت کا شوہر خوشحال ہو جائے اور پھر عورت دعویٰ کر دے' تو قاضی خوشحال شخص پر واجب ہونے والے قرض کی ادائیگی کا حکم دے گا' کیونکہ خوشحالی اور تنگدستی کے عالم میں خرچ بدلتا رہتا ہے اس لیے قاضی نے جس خرچ کے بارے میں حکم دیا تھا وہ ایسے شوہر کے بارے میں تھا جو (زیادہ خرچ کا) پابند نہیں تھا لیکن جب اس کی حالت تبدیل ہو گئی تو بیوی کو پورے حق کا مطالبہ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

ناداری نفقہ کے سبب عدم تفریق کا بیان

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ شوہر اگر ناداری کے سبب نفقہ دینے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ سے تفریق نہ کی جائے۔ یونہی اگر مالدار ہے مگر مال یہاں موجود نہیں جب بھی تفریق نہ کریں بلکہ اگر نفقہ مقرر ہو چکا ہے تو قاضی حکم دے کہ قرض لیکر یا کچھ کام کر کے صرف کرے اور وہ سب شوہر کے ذمہ ہے کہ اُسے دینا ہوگا۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

قال الامام المحقق على الاطلاق علامه اكمل الدين ابن همام الحنفى فى شرح عبارة المذكوة ،

بِقَوْلِنَا قَالَ الزُّهْرِىُّ وَعَطَاءٌ وَابْنُ يَسَارٍ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِىُّ وَالثَّوْرِىُّ وَابْنُ اَبِىْ لَيْلَى وَابْنُ شُبْرُمَةَ وَحَمَّادُ بْنُ اَبِىْ سُلَيْمَانَ وَالظَّاهِرِيَّةُ ؛ وَمَعْنَى الِاسْتِدَانَةِ اَنْ تَشْتَرِىَ الطَّعَامَ عَلَى اَنْ يُؤَدِّىَ الزَّوْجُ ثَمَنَهٗ .

وَقَالَ الْخَصَّافُ : الشِّرَاءُ بِالنَّسِيئَةِ لِيَقْضِىَ الثَّمَنَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ ، وَبِقَوْلِ الشَّافِعِىِّ

قَالَ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِ ، وَعَنْهُ رِوَايَةٌ كَقَوْلِنَا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ الْعَجْزُ عَنْ الْكِسْوَةِ وَالْعَجْزُ عَنْ الْمَسْكَنِ ، وَهَذَا التَّفْرِيقُ فَسْخٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ ، وَأَحْمَدَ طَلَاقٌ عِنْدَ مَالِكٍ .

وَلَوْ امْتَنَعَ عَنْ الْإِنْفَاقِ عَلَيْهَا مَعَ الْيُسْرِ لَمْ يُفَرِّقْ ، وَيَبِيعُ الْحَاكِمُ عَلَيْهِ مَالَهُ وَيَصْرِفُهُ فِي نَفَقَتِهَا ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَالَهُ يَحْبِسُهُ حَتَّى يُنْفِقَ عَلَيْهَا وَلَا يَفْسَخُ ، وَعَنْ هَذَا مَا ذُكِرَ فِي النِّهَايَةِ حَيْثُ قَالَ :ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ ظُهُورَ الْعَجْزِ عَنْ النَّفَقَةِ إنَّمَا يَكُونُ إذَا كَانَ الزَّوْجُ حَاضِرًا ، أَمَّا إذَا غَابَ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً وَلَمْ يَخْلُفْ لَهَا نَفَقَةً فَرَفَعَتْ الْأَمْرَ إلَى الْقَاضِي فَكَتَبَ الْقَاضِي إلَى عَالِمٍ يَرَى التَّفْرِيقَ بِالْعَجْزِ عَنْ النَّفَقَةِ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا هَلْ تَقَعُ الْفُرْقَةُ ؟ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ السُّغْدِيُّ :نَعَمْ إذَا تَحَقَّقَ الْعَجْزُ عَنْ النَّفَقَةِ .

قَالَ صَاحِبُ الذَّخِيرَةِ :فِي هَذَا الْجَوَابِ نَظَرٌ ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ قَضَاؤُهُ لِأَنَّ الْعَجْزَ لَا يُعْرَفُ حَالَةَ الْغَيْبَةِ لِجَوَازِ أَنْ يَكُونَ قَادِرًا فَيَكُونُ هَذَا تَرْكَ الْإِنْفَاقِ لَا الْعَجْزَ عَنْهُ ، فَإِنْ رَفَعَ هَذَا الْقَضَاءَ إلَى قَاضٍ آخَرَ فَأَمْضَاهُ جَازَ قَضَاؤُهُ ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَنْفُذُ لِأَنَّ هَذَا الْقَضَاءَ لَيْسَ فِي مُجْتَهَدٍ فِيهِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْعَجْزَ لَمْ يَثْبُتْ ذِكْرُهُ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي مِنْ فُصُولِ الْإِمَامِ الْأُسْرُوشَنِيِّ فَتَكُونُ الشُّهُودُ عَلِمَتْ مَجَازَهُ مُجَازَفَتَهُمْ فَلَا يَقْضِي بِهَا كَمَا ذَكَرَهُ ظَهِيرُ الدِّينِ .وَاعْلَمْ أَنَّ الْفَسْخَ إذَا غَابَ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهَا نَفَقَةً يُمْكِنُ بِغَيْرِ طَرِيقِ إثْبَاتِ عَجْزِهِ بِمَعْنَى فَقْرِهِ لِيَجِيءَ مَا قَالَ وَهُوَ أَنْ تَتَعَذَّرَ النَّفَقَةُ عَلَيْهَا .قَالَ الْقَاضِي أَبُو الطَّيِّبِ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ :إذَا تَعَذَّرَتْ النَّفَقَةُ عَلَيْهَا بِغَيْبَتِهِ ثَبَتَ لَهَا الْفَسْخُ .قَالَ فِي الْحِلْيَةِ :وَهُوَ وَجْهٌ حَسَنٌ فَلَا يَلْزَمُ مَجِيءُ مَا قَالَ ظَهِيرُ الدِّينِ .(فتح القدیر ، ج۹، ص ٤٤٥ ، بیروت)

اگر کچھ عرصہ شوہر بیوی کو خرچ نہ دے؟

(وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَّمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذٰلِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ لَوْ صَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارٍ فِيْهَا فَيَقْضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ مَا

مَضٰى) لِاَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَلَيْسَتْ بِعِوَضٍ عِنْدَنَا عَلٰى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَلَا يُسْتَحْكَمُ الْوُجُوْبُ فِيْهَا اِلَّا بِالْقَضَاءِ كَالْهِبَةِ لَا تُوْجِبُ الْمِلْكَ اِلَّا بِمُؤَكِّدٍ وَهُوَ الْقَبْضُ وَالصُّلْحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ لِاَنَّ وِلَايَتَهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَقْوٰى مِنْ وِلَايَةِ الْقَاضِيْ، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِاَنَّهُ عِوَضٌ .

(وَاِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَمَا قَضٰى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضٰى شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ) وَكَذَا اِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ لِاَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَالصِّلَاتُ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَالْهِبَةِ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَصِيْرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلَا تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ لِاَنَّهُ عِوَضٌ عِنْدَهُ فَصَارَ كَسَائِرِ الدُّيُوْنِ، وَجَوَابُهُ قَدْ بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اگر کچھ مدت گزرنے تک شوہر خرچ نہیں دیتا اور بعد میں عورت گزشتہ خرچ کا مطالبہ کر دیتی ہے' تو صرف دو صورتوں میں اسے کچھ مل سکتا ہے' ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔ ایک صورت یہ ہے: قاضی نے اس کے لئے مخصوص مقدار مقرر کی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے: عورت نے خرچ کی مخصوص مقدار کے بارے میں مرد کے ساتھ مصالحت کی ہو۔

ان دونوں صورتوں میں قاضی عورت کے لئے گزشتہ خرچ کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: خرچ ہبہ کی حیثیت رکھتا ہے' یعنی عطیہ اور احسان کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' یہ ملکیت کا عوض نہیں ہوتا' اس لیے اس کا لازم ہونا صرف قاضی کے فیصلے کے نتیجے میں مستحکم ہوگا' جیسا کہ ہبہ کی صورت میں ہوتا ہے' یعنی جب تک اسے مضبوط کرنے والی چیز یعنی اپنے قبضے میں لینا' نہ پایا جائے اس وقت تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ میاں بیوی کا کسی مخصوص مقدار پر مصالحت کر لینا بھی قاضی کے فیصلے کے مترادف ہوگا' کیونکہ شوہر اپنی ذات پر قاضی سے زیادہ' تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے' جبکہ مہر کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہ تو ملکیت کا عوض ہوتا ہے۔

اگر شوہر کو خرچ کا حکم دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا پھر چند ماہ گزر گئے تو خرچ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی انتقال کر جاتی ہے' تو یہی حکم ہوگا' کیونکہ خرچ تو ایک عطیہ ہے' اور اس نوعیت کے عطیات موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے' لیکن جس کو ہبہ کی گئی تھی اس شخص کے اس چیز کو قبضے میں لینے سے پہلے' ہبہ کرنے والا شخص انتقال کر جائے' تو یہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔

امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: خرچ کی ادائیگی قاضی کے فیصلے سے پہلے بھی شوہر کے ذمے قرض کی صورت میں تھی اس لیے اس کی موت کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: امام شافعی کے نزدیک یہ خرچ عوض کا درجہ رکھتا ہے' لہٰذا یہ دوسرے قرضوں کی مانند ہوجائے گا (جو موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے) اس کا جواب ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

عدم دعویٰ کے سبب سقوط نفقہ کا بیان

علامہ قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب تک عورت سن ایاس کو نہ پہنچے اُس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور اگر اس عمر سے پہلے کسی وجہ سے جوان عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت کتنی ہی طویل ہو زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے یہاں تک کہ اگر سن ایاس تک حیض نہ آیا تو بعدِ ایاس تین ماہ گزرنے پر عدت ختم ہوگی اور اُس وقت تک نفقہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر شوہر گواہوں سے ثابت کردے کہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ تین حیض آئے اور عدت ختم ہوگئی تو نفقہ ساقط کہ عدت پوری ہوچکی اور اگر عورت کو طلاق ہوئی اُس نے اپنے کو حاملہ بتایا تو وقتِ طلاق سے دو برس تک وضعِ حمل کا انتظار کیا جائے وضعِ حمل تک نفقہ واجب ہے اور دو برس پر بھی بچہ نہ ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حمل کا گمان تھا تو نفقہ برابر لیتی رہے گی یہاں تک کہ تین حیض آئیں یا سن ایاس آ کر تین مہینے گزر جائیں۔ عدت کے نفقہ کا نہ دعویٰ کیا نہ قاضی نے مقرر کیا تو عدت گزرنے کے بعد نفقہ ساقط ہوگیا۔ (فتاویٰ خانیہ، باب نفقہ)

جو عورت بے اجازت شوہر گھر سے چلی جایا کرتی ہے اس بنا پر اُسے طلاق دیدی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی ہاں اگر بعدِ طلاق شوہر کے گھر میں رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔

بیوی کا خرچ پیشگی دینے کا حکم

(وَاِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ السَّنَةِ) اَیْ عَجَّلَهَا (ثُمَّ مَاتَ) (لَمْ یُسْتَرْجَعْ مِنْهَا شَیْءٌ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضٰی وَمَا بَقِیَ فَهُوَ لِلزَّوْجِ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی، وَعَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ الْکِسْوَةُ لِاَنَّهَا اسْتَعْجَلَتْ عِوَضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّهُ عَلَیْهِ بِالِاحْتِبَاسِ، وَقَدْ بَطَلَ الِاسْتِحْقَاقُ بِالْمَوْتِ فَیَبْطُلُ الْعِوَضُ بِقَدْرِهٖ کَرِزْقِ الْقَاضِیْ وَعَطَاءِ الْمُقَاتِلَةِ.

وَلَهُمَا اَنَّهٗ صِلَةٌ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلَا رُجُوْعَ فِی الصِّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِانْتِهَاءِ حُکْمِهَا کَمَا فِی الْهِبَةِ، وَلِهٰذَا لَوْ هَلَکَتْ مِنْ غَیْرِ اسْتِهْلَاکٍ لَا یُسْتَرَدُّ شَیْءٌ مِنْهَا

بِالْاِجْمَاعِ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهَا اِذَا قَبَضَتْ نَفَقَةَ الشَّهْرِ اَوْ مَا دُوْنَهٗ لَا یُسْتَرْجَعُ مِنْهَا شَیْءٌ لِاَنَّهٗ یَسِیْرٌ فَصَارَ فِیْ حُکْمِ الْحَالِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر بیوی کو ایک سال کا خرچ پیشگی ادا کردے' اور پھر اس کا انتقال ہوجائے' تو بیوی سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اس بات کے قائل ہیں۔ امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے: جتنا عرصہ گزر چکا تھا اسے شمار کرکے عورت کو خرچ دیا جائے گا' اور باقی رقم شوہر کی شمار ہوگی۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ لباس کے بارے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے' کیونکہ شوہر کے روکنے کی حد کی وجہ سے عورت کو شوہر پر جو حق حاصل ہوگا وہ اسے عوض کے طور پر پیشگی وصول کرچکی ہے' لیکن شوہر کے انتقال کی وجہ سے وہ حق باطل ہوگیا اس لیے اسی انداز سے اس کا عوض بھی باطل ہوجائے گا جس طرح قاضی کی تنخواہ اور مجاہدین کی تنخواہ کا حکم ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے: خرچ ایک عطیہ ہے' جسے عورت اپنے قبضے میں لے چکی ہے' اور اس طرح کے عطیات موت کے بعد واپس نہیں لیے جاتے' کیونکہ ان کا وقت پورا ہوچکا ہوتا ہے' جیسا کہ ہبہ میں یہی حکم ہے۔ اسی بنیاد پر پیشگی دیا جانے والا خرچ اگر ضائع ہوجائے اور اس کے ضائع ہونے میں عورت کا قصور نہ ہو' تو اس بات پر سب کا اتفاق ہے: عورت سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام محمد سے ایک روایت یہ بھی ہے: عورت نے ایک ماہ یا کم عرصے کا خرچ وصول کیا تھا' تو شوہر کے مرنے کے بعد اس سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا' کیونکہ یہ بہت تھوڑی سی مقدار ہے' جو زمانہ حال کا خرچ شمار ہوگی۔

تعین نفقہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جو طریقہ آسان ہو وہ برتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائیگا کہ وہ عورت کو روزانہ شام کو اتنا دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع و خریف دو فصلوں میں دیا کریں۔

: اگر باہم رضامندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کردی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کرسکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کرسکتی ہے بلکہ جو مہینہ آ گیا ہے اُس کا بھی نفقہ معاف کرسکتی ہے جبکہ ماہ بماہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہوا تو اس سال اور سال گزشتہ کا معاف کرسکتی ہے۔ پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اُس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کرسکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کرسکتی ہے، نہ معاف کرسکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر خلع ہوا کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کردے تو یہ معاف ہوجائیگا۔ عورت کو مثلاً مہینے

بھر کا نفقہ دیدیا اُس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کر ڈالا یا چوری جاتا رہا یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہوگیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (درمختار، باب نفقہ، ج ۵، ص ۳۰۰، بیروت)

شوہر غلام ہو تو بیوی کا خرچ اس کے ذمے قرض ہوگا

(وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دِينٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيهَا) وَمَعْنَاهُ اِذَا تَزَوَّجَ بِاِذْنِ الْمَوْلٰى لِاَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ فِيْ ذِمَّتِهِ لِوُجُوْدِ سَبَبِهِ وَقَدْ ظَهَرَ وُجُوْبُهُ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ كَدَيْنِ التِّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ، وَلَهُ اَنْ يَّفْدِيَ لِاَنَّ حَقَّهَا فِي النَّفَقَةِ لَا فِيْ عَيْنِ الرَّقَبَةِ، فَلَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ، وَكَذَا اِذَا قُتِلَ فِي الصَّحِيْحِ لِاَنَّهُ صِلَةٌ. (وَاِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ اَمَةً فَبَوَّاَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ) لِاَنَّهُ تَحَقَّقَ الْاِحْتِبَاسُ (وَاِنْ لَمْ يُبَوِّئْهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِعَدَمِ الْاِحْتِبَاسِ، وَالتَّبْوِئَةُ اَنْ يُخَلِّيَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ فِيْ مَنْزِلِهٖ وَلَا يَسْتَخْدِمَهَا، وَلَوِ اسْتَخْدَمَهَا بَعْدَ التَّبْوِئَةِ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ لِاَنَّهُ فَاتَ الْاِحْتِبَاسُ، وَالتَّبْوِئَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ عَلٰى مَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ، وَلَوْ خَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ اَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّسْتَخْدِمَهَا لَا تَسْقُطُ النَّفَقَةُ لِاَنَّهُ لَمْ يَسْتَخْدِمْهَا لِيَكُوْنَ اسْتِرْدَادًا، وَالْمُدَبَّرَةُ وَاُمُّ الْوَلَدِ فِيْ هٰذَا كَالْاَمَةِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور اگر کوئی غلام کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے تو اس عورت کا خرچ اس غلام کے ذمے قرض ہوگا اور اس قرض کے عوض میں اس غلام کو فروخت کر دیا جائیگا۔ اس کا مطلب یہ ہے: یہ اس وقت ہوگا جب غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ نکاح کیا ہو کیونکہ یہ خرچ غلام کے ذمے ہے اس کا سبب یعنی عقد نکاح موجود ہے اور اس قرض کا واجب ہونا مالک کے حق میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لیے یہ قرض غلام کے ذمے ہوگا جیسا کہ تجارت کا قرض غلام کے ذمے ہوتا ہے۔

البتہ مالک کو یہ اختیار ہوگا وہ غلام کا فدیہ دیدے کیونکہ عورت کا حق خرچ ہے غلام کی ذات کے بارے میں نہیں ہے۔ اگر وہ غلام فوت ہو جاتا ہے تو یہ فدیہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس غلام کو قتل کر دیا جاتا ہے تو صحیح روایت کے مطابق یہ خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ خرچ کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے۔ اگر آزاد مرد کسی کنیز کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور اس کنیز کا آقا اسے شوہر کے پاس رات رہنے کی اجازت دیدیتا ہے تو اس کنیز کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا کیونکہ اس صورت میں احتباس ثابت ہو گیا ہے لیکن

اگر آقا اسے خاوند کے پاس رات رہنے کی اجازت نہیں دیتا تو عورت کو خرچ نہیں ملے گا کیونکہ احتباس نہیں پایا جا رہا۔

تبویت سے مراد یہ ہے: مالک اس کنیز کو اس شوہر کے گھر میں قیام کرنے کی اجازت دے اور خود اس کنیز سے خدمت کروائے۔ اگر شوہر کے گھر میں بسانے کے بعد بھی وہ اس کنیز سے خدمت لیتا ہے تو خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ احتباس کا مفہوم ختم ہو چکا ہے۔ کتاب النکاح میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ شوہر کے گھر میں بسانا کنیز کے مالک پر لازم نہیں ہے۔ اگر کنیز کا مالک اسے مکمل طور پر اپنی خدمت کے لئے پابند نہیں کرتا بلکہ وہ کنیز کبھی کبھی اس کا کام کر دیتی ہے تو مرد کے ذمے سے خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ آقا نے اسے واپس لینے کے طور پر اس سے خدمت نہیں لی ہے۔ مدبر کنیز اور ام ولد کنیز کے احکام بھی دیگر کنیزوں کی طرح ہوں گے۔

اکمال نفقہ میں بیع عبد کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب غلام نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا ہے تو اگر غلام خالص ہے یعنی مدبر ومکاتب نہ ہو تو اُسے بیچ کر اُس کی عورت کا نفقہ ادا کریں پھر بھی باقی رہ جائے تو یکے بعد دیگرے بیچتے رہیں یہاں تک کہ نفقہ ادا ہو جائے بشرطیکہ خریدار کو معلوم ہو کہ نفقہ کی وجہ سے بیچا جا رہا ہے اور اگر خریدتے وقت اُسے معلوم نہ تھا بعد کو معلوم ہوا تو خریدار کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے اور اگر بیع کو قائم رکھا تو ثابت ہوا کہ راضی ہے لہٰذا اب اسے کوئی عذر نہیں اور اگر مولیٰ بیچنے سے انکار کرتا ہے تو مولیٰ کے سامنے قاضی بیع کر دے گا مگر نفقہ میں بیچنے کے لیے یہ شرط ہے کہ نفقہ اتنا اُس کے ذمہ باقی ہو کہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولیٰ اپنے پاس سے نفقہ دیکر اپنے غلام کو چھڑا لے اور اگر وہ غلام مدبر یا مکاتب ہو جو بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز نہیں تو بیچا نہ جائے بلکہ کما کر نفقہ کی مقدار پوری کرے۔ اور اگر جس عورت سے نکاح کیا ہے وہ اس کے مولیٰ کی کنیز ہے تو اس پر نفقہ واجب ہی نہیں۔ (درمختار، ج ۵، ص ۳۲۰، بیروت)

عدم نفقہ پر رضامندی سے حق تسلیم کے عدم سقوط کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب نان ونفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے؛ کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں.

اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تا کہ وہ اپنے نان ونفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصاندہ ہے۔ اور اگر بیوی مالدار بھی ہو تو خاوند کو اسے روکنے کا حق نہیں؛ کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استمتاع کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہٰذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ المغنی (8 / 165).

فَصل

﴿یہ فصل بیوی کو رہائش فراہم کرنے کے بیان میں ہے﴾

نفقہ واجب ہونے کے تین سبب ہیں:

(۱) زوجیت یعنی میاں بیوی کا رشتہ (۲) نسب (۳) مِلک

جس عورت سے نکاح صحیح ہوا، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اگرچہ وہ نابالغہ ہو، مگر نابالغہ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشتہاۃ ہو کہ حس شہوت کو پہنچ جائے اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں اگرچہ صغیر السن (کم سن) ہو۔

نفقہ زوجہ میں فقہی تصریحات

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہم بستری کے بعد اگر عورت، شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے تو اگر مہر معجل کا مطالبہ کرتی ہے کہ دے دو تو جاؤں گی۔ تو نفقہ کی مستحق ہے ورنہ نہیں ہے۔ جس مکان میں عورت رہتی ہے۔ وہ اس کی ملک ہے اور شوہر کا آنا، وہاں بند کر دیا تو نفقہ نہیں پائے گی۔ ہاں اگر اس نے شوہر سے کہا کہ مجھے اپنے مکان میں لے چلو یا میرے لیے کرایہ کا کوئی مکان لے دو اور شوہر نہ لے گیا تو نفقہ کی مستحق ہے کہ قصور شوہر کا ہے۔

عورت شوہر کے گھر بیمار ہوئی یا میکہ میں تھی اور بیمار ہو کر اس کے یہاں گئی یا اپنے ہی گھر رہی مگر شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہ کیا تو نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر کے یہاں بیمار ہوئی اور اپنے میکہ چلی گئی اور اگر اتنی بیمار ہے کہ ڈولی وغیرہ پر بھی نہیں آسکتی تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر آسکتی ہے مگر نہیں آتی تو نہیں ہے۔

عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی جب تک واپس نہ آئے اور اگر اس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں بلکہ پردیس چلا گیا ہے جب بھی نفقہ کی مستحق ہے۔ اگر مرد وعورت دونوں مالدار ہوں تو نفقہ مالدار کا سا ہوگا اور دونوں محتاج ہوں تو محتاجوں کا سا۔ اور ایک مالدار ہے اور دوسرا محتاج تو متوسط درجے کا یعنی محتاج جیسا کھاتا ہوں اس سے عمدہ اور اغنیاء (مالدار) جیسا کھاتے ہوں اس سے کم نفقہ کا تعین روپوں سے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیئے جائیں اس لیے کہ نرخ بدلتا رہتا ہے۔ ارزانی اور گرانی دونوں کے مصارف یکساں نہیں ہوسکتے۔

عورت جب رخصت ہو کر آئی تو اس وقت سے شوہر کے ذمہ اس کا لباس ہے۔ اگرچہ عورت کے پاس کتنے ہی جوڑے ہوں۔

سال میں کم از کم دو جوڑے دینا واجب ہے۔ ہر ششماہی پر ایک جوڑا، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کے سے کپڑے ہوں اور محتاج وغریب ہوں تو غریبوں کے سے اور ایک مالدار ہو ایک محتاج تو متوسط ہوں جیسے کھانے میں

تینوں باتوں کا لحاظ ہے۔ لباس میں اس شہر کے رواج کا اعتبار ہے۔ جاڑے گرمی میں جیسے کپڑوں کا وہاں چلن ہے وہ دے۔ اور اونی موزے جو جاڑوں میں سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں۔ یہ دینے ہوں گے۔

نفقہ کا تیسرا جز وسکنٰے ہے یعنی رہنے کا مکان کہ شوہر جو رہنے کیلیے مکان دے وہ خالی ہو یعنی شوہر کے متعلقین وہاں نہ رہیں اور اگر اس مکان میں شوہر کے متعلقین رہتے ہوں اور عورت نے اسی کو اختیار کرلیا کہ سب کے ساتھ رہے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر ہمارے اطراف وبلاد میں دستور ہے۔ ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ شوہر کے رشتہ دار اسے ناحق ایذا نہ دیں۔ عورت اپنی سوت یا شوہر کے متعلقین کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو اگر مکان میں کوئی ایسا دالان اس کو دے دے جس میں دروازہ ہو اور عورت اسے بند کرسکتی ہو کہ اس کا سامان محفوظ رہے تو اب دوسرا مکان طلب کرنے کا اسے اختیار نہیں۔ بشرطیکہ شوہر کے رشتہ دار، عورت کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوں۔

عورت تنہا مکان چاہتی ہے اور شوہر مالدار ہے تو اسے ایسا مکان دے جس میں پاخانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ وغیرہ ضروریات علیحدہ ہوں اور غریبوں میں خالی ایک کمرہ دے دینا کافی ہے۔ اگرچہ غسل خانہ وغیرہ مشترک ہو۔

یہ بات ضروری ہے کہ عورت کو ایسے مکان میں رکھے جس کے پڑوسی صالحین ہوں کہ فاسقوں بدچلنوں میں خود بھی رہنا اچھا نہیں نہ کہ ایسے مقام پر عورت کا ہونا۔ اگر مکان بہت بڑا ہو کہ عورت وہاں تنہا رہنے سے گھبراتی اور ڈرتی ہے تو وہاں کوئی ایسی نیک عورت رکھے جس سے دل وابستگی ہو اور جی بہلا رہے یا عورت کو کوئی دوسرا مکان دے جو اتنا بڑا نہ ہو اور اس کے ہمسایہ نیک لوگ ہوں۔ (درمختار، باب نفقہ)

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کے والدین ہر ہفتہ میں ایک بار اپنی لڑکی کے یہاں آسکتے ہیں۔ شوہر منع نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر رات میں وہاں رہنا چاہتے ہوں تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے۔ یونہی عورت اپنے والدین کے یہاں ہر ہفتہ میں ایک بار جاسکتی ہے مگر رات بغیر اجازت اپنے شوہر وہاں نہیں رہ سکتی اور غیروں کے یہاں جانے یا ان کی عیادت کرنے یا شادی وغیرہ تقریبوں کی شرکت سے منع کردے عورت بغیر اجازت جائے گی تو گناہ گار ہوگی اور اجازت سے گئی اور وہاں پردہ کا خیال نہ رکھا اور شوہر کو یہ بات معلوم ہے تو دونوں گنہگار ہوئے۔

جس کام میں شوہر کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، نہ اس میں کوئی نقصان ہو اگر عورت گھر میں وہ کام کرلیا کرے جیسے کپڑا سینا پرونا کاڑھنا یا ایسے ہی اور دوسرے کام جن کیلیے گھر سے باہر نہ جانا پڑے تو ایسے کاموں سے منع کرنے کی حاجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ شوہر گھر نہ ہو کہ ان کاموں سے جی بہلتا رہے گا اور بے کار بیٹھے گی تو وسوسے اور خطرے پیدا ہوتے رہیں گے اور لایعنی وفضول باتوں میں مشغول ہوگی۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

بیوی کو الگ رہائش فراہم کرنے کا بیان

(وَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ)

لِاَنَّ السُّكْنٰى مِنْ كِفَايَتِهَا فَتَجِبُ لَهَا كَالنَّفَقَةِ، وَقَدْ اَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَقْرُونًا بِالنَّفَقَةِ، وَاِذَا وَجَبَ حَقًّا لَهَا لَيْسَ لَهُ اَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيْهِ لِاَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهٖ، فَاِنَّهَا لَا تَاْمَنُ عَلٰى مَتَاعِهَا، وَيَمْنَعُهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ زَوْجِهَا وَمِنَ الِاسْتِمْتَاعِ، اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِانْتِقَاصِ حَقِّهَا (وَاِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يُسْكِنَهُ مَعَهَا) لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ اَسْكَنَهَا فِيْ بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرَدٍ وَلَهُ غَلَقٌ كَفَاهَا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ قَدْ حَصَلَ.

(وَلَهُ اَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا) لِاَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهُ فَلَهُ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُوْلِ مِلْكِهٖ (وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ اِلَيْهَا وَكَلَامِهَا فِيْ اَيِّ وَقْتٍ اخْتَارُوْا) لِمَا فِيْهِ مِنْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ، وَلَيْسَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ ضَرَرٌ، وَقِيْلَ :لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الدُّخُوْلِ وَالْكَلَامِ وَاِنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ وَالدَّوَامِ لِاَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاثِ وَتَطْوِيْلِ الْكَلَامِ، وَقِيْلَ :لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَى الْوَالِدَيْنِ وَلَا يَمْنَعُهُمَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا فِيْ كُلِّ جُمْعَةٍ، وَفِيْ غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيْرُ بِسَنَةٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ.

ترجمہ

اورشوہر پر یہ بات لازم ہے: وہ اپنی بیوی کوایسے مکان میں رہائش فراہم کرے جس میں شوہر کے خاندان کا کوئی بھی فرد نہ رہتا ہو البتہ عورت خودان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رہائش فراہم کرنا عورت کی کفایت کا حصہ ہے لہٰذا خرچ کی طرح رہائش فراہم کرنا بھی لازم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خرچ کے ہمراہ لازم قرار دیا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو رہائش عورت کا شرعی حق ہوگا اور اسے اس بارے میں اختیار ہوگا' دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو' کیونکہ دوسرے کی شرکت کے نتیجے میں اسے تکلیف لاحق ہوسکتی ہے' اس کا سامان محفوظ نہیں رہے گا اس طرح وہ اپنے شوہر کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ نہیں رہ سکے گی' اور نہ ہی ازدواجی تعلقات کا فائدہ حاصل کرسکے گی۔

لیکن اگر عورت خود کسی کو اجازت دے' تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے' کیونکہ وہ اپنے حق میں کمی کرنے پر خود راضی ہوئی ہے۔ اگر شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو وہ اس بیوی کے ساتھ اسے نہیں ٹھہرا سکے گا اس کی وجہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

اگر شوہر اپنے گھر میں بیوی کو ایسے الگ کمرے میں رہائش فراہم کرتا ہے جس کا دروازہ الگ ہو تو یہ کافی ہوگا' کیونکہ اس کے نتیجے میں مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ بیوی کے والدین' اس کے سابق شوہر سے اس کی اولاد' یا اس کے دیگر رشتے داروں کو شوہر اپنے گھر آنے سے روک سکتا ہے' کیونکہ یہ گھر شوہر کی ملکیت ہے اور وہ اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے کسی کو بھی روک سکتا ہے۔ شوہر کو

یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا' وہ بیوی کو اس کے رشتے داروں سے' ملنے سے اور بات چیت کرنے سے روک دے' وہ جب چاہے اس سے ملاقات کرسکتے ہیں' کیونکہ اس روکنے کے نتیجے میں رشتہ داری کے حقوق کی پامالی لازم آتی ہے اور اس ملنے کے نتیجے میں شوہر کو کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے: شوہر اس ملاقات کی طرح' انہیں گھر میں داخل ہونے اور گفتگو کرنے سے بھی نہیں روک سکتا۔ البتہ قیام کرنے سے روک سکتا ہے' کیونکہ زیادہ طویل گفتگو اور قیام کے نتیجے میں ناگوار صورت حال سامنے آسکتی ہے۔ بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے: شوہر ہفتے میں ایک مرتبہ' بیوی کو اس کے والدین کے ہاں جانے' یا والدین کے عورت کے پاس آنے سے نہیں روک سکتا۔ البتہ دیگر محرم عزیزوں سے سال بھر میں ایک آدھ بار ملنے کی اجازت دے سکتا ہے اور یہی حکم درست ہے۔

بیوی کو نفقہ، سکنہ فراہم کرنے میں فقہی تصریحات

خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے لیے ایسی رہائش مہیا کرے جو اسے لوگوں کی آنکھوں اور بارش گرمی و سردی وغیرہ سے بچائے، اور وہ اس میں مستقل طریقے سے رہے جو اس کی ضرورت کو پورا کرتی ہو مثلا ایک کمرہ اور باورچی خانہ اور لیٹرین ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن اگر عقد نکاح کے وقت اگر بیوی نے اس سے بڑی رہائش کی شرط رکھی ہو تو اور بات ہے اور اسے پورا کرنا ضروری ہوگا، اور خاوند کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ بیوی پر لازم کرے کہ وہ اپنے کسی دیور کیساتھ مل کر کھائے۔

خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق بیوی کے لیے رہائش تیار کرے جو کہ عرف اور معاشرہ کی عادات اور معیار کے مطابق ہو۔

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں کہ

خاوند پر ضروری ہے کہ بیوی کو اپنی استطاعت اور قدرت کیمطابق رہائش دے اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

(تم انہیں اپنی طاقت کے مطابق وہاں رہائش پزیر کرو جہاں خود رہتے ہو)(الطلاق (6)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں۔

خاوند پر بیوی کے لیے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے، اس کی دلیل فرمان باری تعالی ہے: (تم انہیں اپنی طاقت کے مطابق وہاں رہائش پزیر کرو جہاں خود رہتے ہو) (الطلاق (6)

تو جب مطلقہ یعنی طلاق والی عورت کیلیے رہائش ثابت ہے تو پھر جو نکاح میں ہے اس کے لیے تو بالاولی واجب ہوگی۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اور ان کے ساتھ اچھے اور بہتر انداز میں بودوباش اختیار کرو)

اور یہ بات معروف ہے کہ اسے رہائش میں رکھا جائے گا، اور اس لیے بھی کہ وہ رہائش کے بغیر نہیں رہ سکتی تا کہ لوگوں کی

نظروں سے اسے چھپایا جاسکے، اور پھر اس کے ساتھ تصرف کرنے اور اس سے استمتاع کرنے اور مال ومتاع کی حفاظت کیلیے بھی رہائش کی ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (9 / 237)

علامہ علاؤالدین کاسانی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: اور اگر خاوند اپنی بیوی کو اس کی سوکن کے ساتھ رکھنا چاہے یا پھر اپنے کسی رشتہ دار مثلا اپنی والدہ، بہن، یا دوسری بیوی کی بیٹی اور یا کسی اور رشتہ دار کے ساتھ، اور بیوی ان کے ساتھ رہنے سے انکار کردے تو خاوند پر ضروری ہے کہ وہ اسے علیحدہ گھر میں رکھے۔

اور اگر اسے وہ کسی بڑے سے گھر میں ان کے ساتھ رکھے جس میں اس کے لیے بالکل علیحدہ انتظام ہو جو اس کے لیے کافی ہو تو پھو وہ علیحدہ مکان کا مطالبہ نہیں کرسکتی، اس لیے کہ مال ومتاع اور استمتاع کا عدم حصول زائل ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔ (بدائع الصنائع (4 / 23)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کا یہ بھی کہنا ہے کہ: خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ دونوں بیویوں کو ان کے مرضی کیبغیر ایک ہی گھر میں رہائش پزیر کرے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس لیے کہ ان دونوں پر ضرر ہے کیونکہ دونوں کی آپس میں غیرت اور عداوت ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی گھر میں اکٹھا کرنا اس کو مخاصمت کو اور ابھارنا اور زیادہ کرنا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ جب وہ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس رات گزارے گا تو دوسری اس کی کھسر پھسر سنے گی یا پھر اسے دیکھے گی جس سے اس کی غیرت جوش مارے گی اور مخاصمت اور بڑھے گی، لیکن اگر وہ ایک ہی گھر میں رہنے پر راضی ہو جائیں تو پھر جائز ہے، کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور وہ اسے ترک بھی کرسکتی ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (8 / 137)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کا یہ مقصد نہیں کہ ایک سے ہم بستری دوسری کے سامنے کی جائے اور یا پھر دوسری سب کچھ سنتی رہے، بلکہ رحمہ اللہ تعالی کا مقصد تو یہ ہے کہ ایک ہی گھر میں ان کی رہائش کرنا جائز ہے، وہ اس طرح کہ ایک ہی گھر میں ہر ایک کی باری پر اس کے پاس جائے جہاں پر اسے دوسری نہ دیکھ رہی ہو۔

اور اگر گھر میں ہر بیوی کو علیحدہ علیحدہ سونے کا کمرہ اور باورچی خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ تیار کردے تو یہ کافی ہے، اور اسی طرح اگر ایک ہی گھر میں ہر ایک کے لیے مستقل فلیٹ یا پھر ایک ایک منزل بنادے یہ بھی کافی ہے۔

احناف علماء میں سے حصکفی رحمہ اللہ تعالی کا کہنا ہے: اور اسی طرح بیوی کے لیے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے جو کہ خاوند اور بیوی دونوں کے گھر والوں سے خالی ہو، اور یہ سب کچھ ان کی حالت کے مطابق ہوگا جس میں کھانا پینا، اور لباس وغیرہ کا انتظام ہو اور اس کا گھر علیحدہ ہونا چاہیے جس میں بیت الخلاء وغیرہ بھی ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے ایک باورچی خانہ جو کہ اس کی ضروریات پوری کرسکے۔

اور ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی اس پر تعلیق چڑھاتے ہوئے کہتے ہیں: کنیف اور مطبخ سے بیت الخلاء اور باورچی خانہ ہے کہ وہ بھی گھر کے اندر ہوں (یعنی اگر کمرہ ہے تو اس میں یہ بھی شامل ہونا ضروری ہے) یا پھر ایسے گھر میں ہوں جہاں پر کوئی اور شریک نہ

ہو۔ (الدر المختار (3 / 600 - 599)

میرا یہ کہنا ہے کہ : کاسانی کے قول " گھر " سے مراد کمرہ پر یہ قول دلالت کرتا ہیکہ اور اگر گھر میں کئی ایک کمرے ہوں تو اس کے لیے وہ ایک کمرہ کو خالی کرے اور اسے بیوی کے لیے علیحدہ گھر بنائے، ان کا کہنا ہے کہ : بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے گھر کا مطالبہ کرے۔ (بدائع الصنائع (4 / 34)

تو اس بنا پر آپ کے خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ آپ کو گھر کے کسی کمرہ میں رہائش پزیر کرے جہاں پر فتنہ اور ان بالغ مردوں ے جو آپ پر حرام ہیں کیساتھ خلوت وغیرہ کا خدشہ نہ، اور خاوند کے لیے جائز نہیں کہ آپ کو گھر میں باقی دوسرے لوگوں کے کام کرنے پر مجبور کرے، یا پھر یہ کہے کہ آپ ان کے ساتھ کھائیں پیئیں۔ اور اگر وہ استطاعت رکھتا ہو تو آپ کے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کرے تو یہ آپ کے لیے اچھا اور بہتر ہے، لیکن اگر آپ کی ساس اور سسر بوڑھے ہیں اور اپنے بیٹے کے محتاج ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اور ان کی خدمت وہیں رہ کر کی جاسکتی ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ وہیں رہے۔

ہم ان شاء اللہ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر کتاب وسنت کی روشنی میں حقوق کا ذکر کریں جس کی شرح میں اہل علم کے اقوال کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

صرف بیوی کے خاص حقوق

بیوی کے اپنے خاوند پر کچھ تو مالی حقوق ہیں جن میں مہر، نفقہ، اور رہائش شامل ہے۔

اور کچھ حقوق غیر مالی ہیں جن میں بیویوں کے درمیان تقسیم میں عدل انصاف کرنا، اچھے اور احسن انداز میں بود باش اور معاشرت کرنا، بیوی کو تکلیف نہ دینا۔

مالی حقوق کا بیان

مہر: مہر وہ مال ہے جو بیوی کا اپنے خاوند پر حق ہے جو عقد یا پھر دخول کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، اور یہ بیوی کا خاوند پر اللہ تعالی کی طرف سے واجب کردہ حق ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے :(اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو) (النساء (4)

اور مہر کی مشروعیت میں اس عقد کے خطرے اور مقام کا اظہار اور عورت کی عزت وتکریم اور اس کے لیے اعزاز ہے۔ مہر عقد نکاح میں شرط نہیں اور نہ ہی جمہور فقہاء کے ہاں یہ عقد کا رکن ہے، بلکہ یہ تو اس کے آثار میں سے ایک اثر ہے جو اس پر مرتب ہوا ہے، اگر کوئی عقد نکاح بغیر مہر ذکر کیے ہو جائے تو باتفاق جمہور علماء کے وہ عقد صحیح ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :(اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں) (البقرۃ (236)

تو ہاتھ لگانے یعنی دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق کی اباحت عقد نکاح میں مہر کے ذکر نہ کرنے پر دلالت کرتی

ہے۔

اور اگر عقد میں مہر کا نام نہیں لیا گیا تو خاوند پر مہر واجب ہوگا، اور اگر عقد نکاح میں ذکر نہیں کیا جاتا تو پھر خاوند پر مہر مثل واجب ہوگا، یعنی اس جیسی دوسری عورتوں جتنا مہر دینا ہوگا۔

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ بیویوں کا خاوند پر نان ونفقہ واجب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر عورت اپنا آپ خاوند کے سپرد کردے تو پھر نفقہ واجب ہوگا، لیکن اگر بیوی اپنے خاوند کو نفع حاصل کرنے سے منع کردیتی ہے یا پھر اس کی نافرمانی کرتی ہے تو اسے نان ونفقہ کا حقدار نہیں سمجھا جائے گا۔

بیوی کے نفقہ کے وجوب کی حکمت

عقد نکاح کی وجہ سے عورت خاوند کے لیے محبوس ہے، اور خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نکلنا منع ہے، تو اس لیے خاوند پر واجب ہے کہ وہ اس کے بدلے میں اس پر خرچہ کرے، اور اس کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو کفائت کرنے والا خرچہ دے، اور اسی طرح یہ خرچہ عورت کا اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بدلے میں ہے۔

نان ونفقہ کا مقصد

بیوی کی ضروریات پوری کرنا مثلا کھانا، پینا، رہائش وغیرہ، یہ سب کچھ خاوند کے ذمہ ہے اگرچہ بیوی کے پاس اپنا مال ہو اور وہ غنی بھی ہو تو پھر بھی خاوند کے ذمہ نان ونفقہ واجب ہے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان عورتوں کا روٹی کپڑا اور رہائش دستور کے مطابق ہے) (البقرۃ(233)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے کچھ اس طرح فرمایا: (اور کشادگی والا اپنی کشادگی میں سے خرچ کرے اور جس پر رزق کی تنگی ہو اسے جو کچھ اللہ تعالی نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرنا چاہیے) (الطلاق (7)

سنت نبویہ مین سے دلائل

ھند بنت عتبہ رضی اللہ تعالی عنہا جو کہ ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ کی بیوی تھیں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ابوسفیان اس پر خرچہ نہیں کرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: (آپ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے جو کافی ہو اچھے انداز سے لے لیا کرو)

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیوی ھند بنت عتبہ رضی اللہ تعالی عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان بہت حریص اور بخیل آدمی ہے مجھے وہ اتنا کچھ نہیں دیتا جو کہ مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو الا یہ کہ میں اس کا مال اس کے علم کے بغیر حاصل کرلوں، تو کیا ایسا کرنا میرے لیے کوئی گناہ تو نہیں؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تو اس کے مال سے اتنا اچھے انداز سے لے لیا کر جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔

صحیح بخاری حدیث نمبر(5049) صحیح مسلم حدیث نمبر(1714)

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالی سے ڈرو، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالی کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالی کے کلمہ سے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو زخمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان ونفقہ اور رہائش دو)

(صحیح مسلم حدیث نمبر(1218)

سکنی یعنی رہائش کا بیان

یہ بھی بیوی کے حقوق میں سے ہے کہ خاوند اس کے لیے اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق رہائش تیار کرے۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے(تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں انہیں بھی رہائش پذیر کرو)(الطلاق(6)

بیویوں کے درمیان عدل وانصاف:

بیوی یا اپنے خاوند پر حق ہے کہ اگر اس کی اور بھی بیویاں ہوں تو وہ ان کے درمیان رات گزارنے، نان ونفقہ اور سکن وغیرہ میں عدل وانصاف کرے۔

حسن معاشرت:

خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھے اخلاق اور نرمی کا برتاؤ کرے، اور اپنی وسعت کے مطابق اسے وہ اشیاء پیش کرے جو اس کیلیے محبت والفت کا باعث ہوں۔

اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے(اور ان کے ساتھ حسن معاشرت اور اچھے انداز میں بود باش اختیار کرو)(النساء(19)

اور ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حق ہیں)۔

(البقرۃ(228)

سنت نبویہ میں ہے کہ: ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں میری نصیحت قبول کرو اور ان سے حسن معاشرت کا مظاہرہ کرو)۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر(3153) صحیح مسلم حدیث نمبر(1468)

اب ہم ذیل میں چند ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیویوں کیساتھ حسن معاشرت کے نمونے پیش کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے لیے قدوہ اور اسوہ اور آئیڈیل ہیں۔

(۱) حضرت زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں تھی تو مجھے ایام حیض شروع ہوگئے جس کی بنا پر میں اس چادر سے کھسک کر نکل گئی اور جا کر حیض والے کپڑے پہن لیے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے کیا حیض آ گیا ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل کرلیا۔ وہ کہتی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مجھے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ہی برتن سے اکٹھے غسل جنابت بھی کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر(316) صحیح مسلم حدیث نمبر(296)

(۲) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: اللہ تعالی کی قسم میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے دیکھا اور حبشی لوگ اپنے نیزوں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھیل کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے مجھے چھپایا کرتے تھے تا کہ میں ان کے کھیل کو دیکھ سکوں، پھر وہ میری وجہ سے وہاں ہی کھڑے رہتے حتی کہ میں خود ہی وہاں سے چلی جاتی، تو نوجوان لڑکی جو کہ کھیلنے پر حریص ہوتی ہے اس کی قدر کیا کرو۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر(443) صحیح مسلم حدیث نمبر(892)

(۳) حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے اور قرات بھی بیٹھ کر کرتے تھے جب تیس یا چالیس آیات کی قرات باقی رہتی تو کھڑے ہو کر پڑھتے پھر رکوع کرنے کے بعد سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے اور نماز سے فارغ ہو کر مجھے دیکھتے اگر میں سوئی ہوئی نہ ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے، اور اگر میں سو چکی ہوتی تو آپ بھی لیٹ جاتے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر(1068)

بیوی کو تکلیف سے دوچار نہ کرنا

یہ اسلامی اصول بھی ہے، اور جب کسی اجنبی اور دوسرے تیسرے شخص کو نقصان اور تکلیف دینا حرام ہے تو پھر بیوی کو تکلیف اور نقصان دینا تو بالاولی حرام ہوگا۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: (نہ تو اپنے آپ کو نقصان دو اور نہ ہی کسی دوسرے کو نقصان دو) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر(2340) اس حدیث کو امام احمد، امام حاکم، اور ابن صلاح وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (خلاصۃ البدر المنیر (2 / 438)

اس مسئلہ میں شارع نے جس چیز پر تنبیہ کی ہے ان میں ایسی مار کی سزا دینا جو شدید اور سخت قسم کی ہو۔

جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالی سے ڈرو، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالی کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالی کے کلمہ سے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو زخمی نہ

کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان ونفقہ اور رہائش دو) صحیح مسلم حدیث نمبر(1218)

بیوی پر خاوند کے حقوق

بیوی پر خاوند کے حقوق بہت ہی عظیم حیثیت رکھتے ہیں بلکہ خاوند کے حقوق تو بیوی کے حقوق سے بھی زیادہ عظیم ہیں اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا ہے: (اور ان عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ، ہاں مردوں کو ان عورتوں پر درجہ اور فضیلت حاصل ہے)(البقرۃ(228)

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کا کہنا ہے: اللہ تعالی نے اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں، اور خاوند کو بیوی پر ایسے حق بھی ہیں جو بیوی کے خاوند پر نہیں۔

اور ابن العربی کا کہنا ہے: یہ اس کی نص ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے اور نکاح کے حقوق میں بھی اسے عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ اور ان حقوق میں سے کچھ یہ ہیں

اطاعت کا وجوب

اللہ تعالی نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا ہے جو اس کا خیال رکھے گا اور اس کی راہنمائی اور اسے حکم کرے گا جس طرح کہ حکمران اپنی رعایا پر کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالی نے مرد کو کچھ جسمانی اور عقلی خصائص سے نوازا ہے، اور اس پر کچھ مالی امور بھی واجب کیے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں)(النساء(34)

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بیان کیا ہے کہ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) یعنی وہ ان پر حاکم اور امیر ہیں، یعنی ان کی اللہ تعالی کے حکم کے مطابق اطاعت کی جائے گی، اور اس کی اطاعت اس کے اہل وعیال کے لیے احسان اور اس کے مال کی محافظ ہوگی۔ مقاتل، سدی، اور ضحاک رحمہم اللہ تعالی نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر(1 / 492)

خاوند کے لیے استمتاع ممکن بنانا

خاوند کا بیوی پر حق ہے کہ وہ بیوی سے نفع حاصل کرے، جب عورت شادی کر لے اور وہ جماع کی اہل بھی ہو تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو عقد نکاح کی بنا پر خاوند کے طلب کرنے پر خاوند کے سپرد کر دے۔

وہ اس طرح کہ اسے مہر ادا کرے اور عورت اگر مطالبہ کرے تو اسے حسب عادت ایک یا دو دن کی مہلت دے کہ وہ رخصتی کیلیے

اپنے آپ کو تیار کر لے کیونکہ یہ اس کی ضرورت ہے اور یہ بہت ہی آسان سی بات ہے جو کہ عادتاً معروف بھی ہے۔

اور جب بیوی جماع کرنے میں خاوند کی بات تسلیم نہ کرے تو یہ ممنوع ہے اور وہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی ہے، لیکن اگر کوئی شرعی عذر ہو تو ایسا کر سکتی ہے مثلاً حیض، یا فرضی روزہ، اور بیماری وغیرہ ہو۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی انکار کر دے تو خاوند اس پر رات ناراضگی کی حالت میں بسر کرے تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری حدیث نمبر (3065) صحیح مسلم حدیث نمبر (1436)

خاوند جسے ناپسند کرتا ہو اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینا: خاوند کا بیوی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ اس کے گھر میں اسے داخل نہ ہونے دے جسے اس کا خاوند ناپسند کرتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کسی بھی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خاوند کی موجودگی میں (نفلی) روزہ رکھے لیکن اس کی اجازت سے رکھ سکتی ہے، اور کسی کو بھی اس کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ لیکن اس کی اجازت ہو تو پھر داخل کرے) (صحیح بخاری حدیث نمبر (4899) صحیح مسلم حدیث نمبر (1026)

سلیمان بن عمرو بن احوص بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ وہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ ونصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

(عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور میری نصیحت قبول کرو، وہ تو تمہارے پاس قیدی اور اسیر ہیں، تم ان سے کسی چیز کے مالک نہیں لیکن اگر وہ کوئی فحش کام اور نافرمانی وغیرہ کریں تو تم انہیں بستروں سے الگ کر دو، اور انہیں مار کی سزا دو لیکن شدید اور سخت نہ مارو، اگر تو وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو تم ان پر کوئی راہ تلاش نہ کرو، تمہارے تمہاری عورتوں پر حق ہیں اور تمہاری عورتوں کے بھی تم پر حق ہیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اور نہ ہی اسے اجازت دے جسے تم ناپسند کرتے ہو، خبردار تم پر ان کے بھی حق ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور انہیں کھانا پینا اور رہائش بھی اچھے طریقے سے دو) سنن ترمذی حدیث نمبر (1163) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (1851) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو زخمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان ونفقہ اور رہائش دو) (صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا

خاوند کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ : عورت کے لیے اپنے بیمار والد کی عیادت کے لیے بھی خاوند کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتی، اور خاوند کو اس سے منع کرنے کا بھی حق ہے۔۔۔ اس لیے کہ خاوند کی اطاعت واجب ہے تو واجب کو ترک کر کے غیر واجب کام کرنا جائز نہیں۔

تادیب : خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کی نافرمانی کے وقت اسے اچھے اور احسن انداز میں ادب سکھائے نہ کہ کسی برائی کے ساتھ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اطاعت نہ کرنے کی صورت میں علیحدگی اور ہلکی سی مار کی سزا دے کر ادب سکھانے کا حکم دیا ہے علماء احناف نے چار مواقع پر عورت کو مار کے ساتھ تادیب جائز قرار دی ہے۔

تادیب کے جواز پر دلائل

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں ڈر اور خدشہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو) (النساء (34)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان کچھ اس طرح ہے: (اے ایمان والو ! اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں) (التحریم (6)

حافظ ابن کثیر کا کہنا ہے: قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں : آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیں، اور اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کرنے سے روکیں، اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کریں، انہیں ان کا حکم دیں، اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان کا تعاون کریں، اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی معصیت ونافرمانی کرتے ہوئے دیکھیں تو انہیں اس سے روکیں اور اس پر انہیں ڈانٹیں۔

ضحاک اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

مسلمان کا حق ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، گھر والوں اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی تعلیم دے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ انہیں سکھائے۔ (تفسیر ابن کثیر (4 / 392)

و بیوی کا اپنے خاوند کی خدمت کرنا: اس پر بہت سے دلائل ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر تو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ابن تیمیہ کا قول ہے۔

بیوی پر اپنے خاوند کی اچھے اور احسن انداز میں ایک دوسرے کی مثل خدمت کرنا واجب ہے، اور یہ خدمت مختلف حالات کے مطابق ہوتی ہے، تو ایک دیہاتی عورت کی خدمت شہر میں بسنے والی عورت کی طرح نہیں، اور اسی طرح ایک طاقتور عورت کی خدمت کمزور اور ناتواں عورت کی طرح نہیں ہو سکتی۔ (الفتاوی الکبری (4 / 561)

عورت کا اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا:

جب عقد نکاح مکمل اور صحیح شروط کے ساتھ پورا اور صحیح ہو تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دے

اور اسے استمتاع و نفع اٹھانے دے، اس لیے کہ عقد نکاح کی وجہ سے عوض خاوند کے سپرد ہونا چاہیے، جو کہ استمتاع اور نفع کی صورت میں ہے، اور اسی طرح عورت بھی عوض کی مستحق ہے جو کہ مہر کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

بیوی کی اپنے خاوند سے حسن معاشرت:

اس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ) (البقرۃ (228)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے: ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: یعنی ان عورتوں کے لیے حسن صحبت، اور اچھے اور احسن انداز میں معاشرت بھی ان کے خاوندوں پر اسی طرح ہے جس طرح ان پر اللہ تعالی نے خاوندوں کی اطاعت واجب کی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان عورتوں کے لیے یہ بھی ہے کہ ان کے خاوند انہیں تکلیف اور ضرر نہ دیں جس طرح ان عورتوں پر خاوندوں کے لیے ہے۔ یہ امام طبری کا قول ہے۔

اور ابن زید رحمہ اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں۔

تم ان عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالی کا تقوی اختیار کرو اور اس سے ڈرو، جس طرح کہ ان عورتوں پر بھی ہے کہ وہ بھی تمہارے بارہ میں اللہ تعالی کا تقوی اختیار کریں اور ڈریں۔ اور معنی قریب قریب سب ایک ہی ہے، اور مندرجہ بالا آیت سب حقوق زوجیت کو عام ہے۔ (تفسیر القرطبی (3 / 124 -123)

موجود شوہر کے مال میں سے بیوی کے خرچ کی ادائیگی کا حکم

(وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهٗ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهٖ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَعْتَرِفْ بِهٖ) لِاَنَّهٗ لَمَّا اَقَرَّ بِالزَّوْجِيَّةِ الْوَدِيْعَةِ فَقَدْ اَقَرَّ اَنَّ حَقَّ الْاَخْذِ لَهَا؛ لِاَنَّ لَهَا اَنْ تَاْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ، وَاِقْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُوْلٌ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ لَا سِيَّمَا هٰهُنَا فَاِنَّهٗ لَوْ اَنْكَرَ اَحَدَ الْاَمْرَيْنِ لَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْمَرْاَةِ فِيْهِ لِاَنَّ الْمُوْدَعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِيْ اِثْبَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَلَا الْمَرْاَةُ خَصْمٌ فِيْ اِثْبَاتِ حُقُوْقِ الْغَائِبِ، وَاِذَا ثَبَتَ فِيْ حَقِّهٖ تَعَدّٰى اِلَى الْغَائِبِ، وَكَذَا اِذَا كَانَ الْمَالُ فِيْ يَدِهٖ مُضَارَبَةً، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ، وَهٰذَا كُلُّهٗ اِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا دَرَاهِمَ اَوْ دَنَانِيْرَ اَوْ طَعَامًا اَوْ كِسْوَةً مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا، اَمَّا اِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهٖ

لَا تُفْرَضُ النَّفَقَةُ فِيْهِ لِاَنَّهٗ يَحْتَاجُ اِلَى الْبَيْعِ، وَلَا يُبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِالْاِتِّفَاقِ، اَمَّا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَلِاَنَّهٗ لَا يُبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَكَذَا عَلَى الْغَائِبِ، وَاَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِاَنَّهٗ اِنْ كَانَ يَقْضِيْ عَلَى الْحَاضِرِ لِاَنَّهٗ يَعْرِفُ امْتِنَاعَهٗ لَا يَقْضِيْ عَلَى الْغَائِبِ لِاَنَّهٗ لَا يَعْرِفُ امْتِنَاعَهٗ.

قَالَ (وَيَاْخُذُ مِنْهَا كَفِيْلًا بِهَا) نَظَرًا لِلْغَائِبِ لِاَنَّهَا رُبَّمَا اسْتَوْفَتِ النَّفَقَةَ اَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَرْقٌ بَيْنَ هٰذَا وَبَيْنَ الْمِيْرَاثِ اِذَا قُسِّمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُوْرٍ بِالْبَيِّنَةِ وَلَمْ يَقُوْلُوْا: لَا نَعْلَمُ لَهٗ وَارِثًا اٰخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمُ الْكَفِيْلُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُوْلَ لَهٗ مَجْهُوْلٌ وَهٰهُنَا مَعْلُوْمٌ وَهُوَ الزَّوْجُ وَيُحَلِّفُهَا بِاللّٰهِ مَا اَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظَرًا لِلْغَائِبِ.

قَالَ (وَلَا يَقْضِيْ بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ غَائِبٍ اِلَّا لِهٰؤُلَاءِ) وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ اَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ وَاجِبَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِيْ وَلِهٰذَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّاْخُذُوْا قَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِيْ اِعَانَةً لَهُمْ، اَمَّا غَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَنَفَقَتُهُمْ اِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِاَنَّهٗ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ، وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَا يَجُوْزُ، وَلَوْ لَمْ يَعْلَمِ الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ وَلَمْ يَكُنْ مُقِرًّا بِهٖ فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ اَوْ لَمْ يُخَلِّفْ مَالًا فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ لِيَفْرِضَ الْقَاضِيْ نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَيَاْمُرَهَا بِالْاِسْتِدَانَةِ لَا يَقْضِي الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ لِاَنَّ فِيْ ذٰلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ.

وَقَالَ زُفَرُ: يَقْضِيْ فِيْهِ لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لَهَا وَلَا ضَرَرَ فِيْهِ عَلَى الْغَائِبِ، فَاِنَّهٗ لَوْ حَضَرَ وَصَدَّقَهَا فَقَدْ اَخَذَتْ حَقَّهَا، وَاِنْ جَحَدَ يَحْلِفُ، فَاِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَقَ، وَاِنْ اَقَامَتْ بَيِّنَةً فَقَدْ ثَبَتَ حَقُّهَا، وَاِنْ عَجَزَتْ يَضْمَنُ الْكَفِيْلُ اَوِ الْمَرْاَةُ، وَعَمَلُ الْقُضَاةِ الْيَوْمَ عَلٰى هٰذَا اَنَّهٗ يَقْضِيْ بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ، وَفِيْ هٰذِهٖ

الْمَسْأَلَةِ اَقَاوِيْلُ مَرْجُوْعٌ عَنْهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا .

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کہیں چلا جاتا ہے اور اس کا کچھ مال کسی دوسرے شخص کے پاس موجود ہو، جس کا اس نے اعتراف بھی کیا ہو اور وہ یہ بھی اعتراف کرے کہ یہ عورت اس غیر موجود مرد کی بیوی ہے، تو قاضی اس مال میں سے اس غیر موجود شخص کی بیوی اس کی کمسن اولاد اور اس غیر موجود شخص کے والدین کا حصہ مقررہ کر دے گا۔

اسی طرح اگر قاضی کو امانت کے مال کا علم ہو جائے، خواہ امانت رکھنے والا شخص اس کا اعتراف نہ بھی کرے (تو یہی حکم ہوگا) پہلے مسئلے کی وجہ یہ ہے: جب اس نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا اقرار کر لیا تو گویا اس نے یہ بھی اقرار کر لیا کہ اس بیوی کو اس مال میں سے خرچ لینے کا حق حاصل ہے، کیونکہ بیوی شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی اس کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ لے سکتی ہے اور مال پر قبضہ رکھنے والے شخص کا اقرار اپنی ذات کے حق میں مقبول ہوگا خصوصاً زیر بحث مسئلے میں ضرور قبول کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: اگر وہ ودیعت یا زوجیت میں سے کسی ایک چیز کا انکار کر دیتا تو اس کے مقابلے میں عورت کے گواہ قبول نہیں کئے جاتے، کیونکہ زوجیت کے ثبوت کیلئے ودیعت رکھنے والا شخص خصم (فریق مخالف) نہیں بن سکتا۔ اسی طرح بیوی غیر موجود شخص کے حقوق ثابت کرنے کے لئے خصم نہیں بن سکتی۔

لیکن جب ودیعت رکھنے والا شخص خود دونوں باتوں کا اقرار کرے، تو یہ ثبوت اور یہ اعتراف غیر موجود شخص کی طرف متعدی ہوگا۔ اگر اس غیر موجود شخص کا مال اس کے پاس مضاربت کے طور پر ہو، تو مسئلے کی یہی صورت ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمے اس غیر موجود شخص کا مال بطور قرض ہو، تو بھی یہی صورت ہوگی۔

یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب وہ مال عورت کے حق جنس سے تعلق رکھتا ہو، جیسے روپیہ پیسہ، اناج اور لباس جس کا حق عورت کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مال عورت کے حق کی جنس سے مختلف ہو، تو قاضی اس میں سے خرچ مقرر نہیں کرے گا، کیونکہ خرچ مقرر کرنے کے لئے مال کو فروخت کرنا پڑے گا، اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے: غیر موجود شخص کا مال فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک: اس حکم کی وجہ یہ ہے: کہ جس طرح موجود شخص کا مال فروخت نہیں کیا جا سکتا اسی طرح غیر موجود شخص کا مال بھی فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے: حاضر شخص کے مال کو فروخت کرنے کا حکم قاضی اس وقت دیتا ہے جب وہ شخص حق کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے، لیکن غیر موجود شخص کے بارے میں فیصلہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کے انکار کے (ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں پتہ نہیں چل سکتا۔ فرماتے ہیں: قاضی فیصلہ کرتے ہوئے اس عورت کی طرف سے ایک ضامن لے گا تا کہ اس غیر موجود شخص کے مال کی نگہداشت بھی ہو سکے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی مرد سے پہلے ہی اپنا خرچ وصول کر چکی ہوتی ہے اور وہ مرد اسے طلاق دے چکا ہوتا ہے اور اس کی عدت بھی گزر چکی ہوتی ہے۔

اس مسئلے اور وراثت کے درمیان فرق یہ ہے: جب ثبوت کی موجودگی میں ورثاء کے درمیان وراثت کو تقسیم کر دیا جائے اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو: ہمارے علم کے مطابق (مرحوم کا) اور کوئی وارث نہیں ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں ان سے کفیل نہیں لیا جائے گا، کیونکہ وہاں وہ شخص جس کے لئے کفیل لیا جا رہا ہے، نامعلوم ہے اور یہاں معلوم ہے اور وہ عورت کا شوہر ہے، اس لئے قاضی اس عورت سے قسم لے گا خدا کی قسم شوہر نے اسے خرچ نہیں دیا تھا تا کہ غیر موجود شخص پر شفقت ثابت ہو سکے۔

فرماتے ہیں: ان کے علاوہ اور کسی کے لئے قاضی غائب شخص کے مال میں سے فیصلہ نہیں دے سکتا۔ فرق کی وجہ یہ ہے: ان لوگوں کا حق قاضی کے فیصلے سے پہلے ہی لازم تھا اس لئے اس فیصلے سے پہلے ہی انہیں خرچ لینے کا اختیار تھا قاضی کا فیصلہ ان لوگوں کی مدد شمار ہوگا۔ جہاں تک دیگر رشتے داروں کے خرچ کا تعلق ہے، تو ان کا خرچ قاضی کے فیصلے سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی اس حوالے سے مجتہد ہوتا ہے اور غیر موجود شخص کے بارے میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر قاضی کو اس عورت کا اس شخص کی بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور جس شخص کے پاس ودیعت رکھی گئی تھی وہ بھی اقرار نہ کرے اور پھر بیوی، اپنے بیوی ہونے کا ثبوت پیش کر دے، یا شوہر نے مال ہی نہ چھوڑا ہو، لیکن عورت اس بات کا ثبوت پیس کر دے تا کہ قاضی غائب شخص کے خلاف اس کا خرچ مقرر کر دے، اور بیوی کو قرض لینے کا حکم دے، تو (ثبوت پیش کر دینے کے باوجود) قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا، چونکہ اس صورت میں غیر موجود شخص کے خلاف فیصلہ کرنا لازم آتا ہے۔

امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں قاضی فیصلہ دے گا، کیونکہ اس صورت میں عورت کے لئے شفقت پائی جاتی ہے، اور غیر موجود شخص کے خلاف کوئی ضرر نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ حاضر ہو اور عورت کی بات کی تصدیق کر دے، تو عورت نے اپنا حق وصول کر لیا ہے اور اگر وہ انکار بھی کر دے، تو اس سے قسم لی جائے گی پھر اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے، تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ عورت کوئی ثبوت پیش کر دے تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اگر وہ عورت ثبوت پیش نہ کر سکے تو وہ عورت یا اس کا کفیل اس مال کے ذمہ دار ہوں گے۔ آج کل کے قاضی حضرات اسی قول کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں۔ لوگوں کی ضرورت کی پیش نظر قاضی غیر موجود شخص کے خلاف خرچ کا فیصلہ دیتا ہے اس میں بھی اجتہاد پایا جاتا ہے اور اس بارے میں ایسے اقوال بھی ہیں جن سے رجوع کیا جا چکا ہے، اس لئے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اگر میں اس کے مال میں سے اپنے بچوں کو کھلاؤں تو کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بشرطیکہ دستور کے مطابق ہو۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 330)

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ابوسلمہ کے بچوں کو خرچ دینے میں مجھے ثواب ملے گا میں انہیں اس حالت میں اور اس طرح (فقر کی حالت میں) چھوڑ نہیں سکتی وہ بھی میرے ہی بچے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں تجھے ثواب ملے گا

جوتوانکی ذات پرخرچ کرے گی۔(صحیح بخاری: جلدسوم: حدیث نمبر 340)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے والے کی مالداری قائم رہے اوراوپر والا نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اوراپنے رشتہ داروں سے ابتدا کرو(اور کیا یہ اچھی بات ہے) کہ عورت کہے یاتو مجھے کھانا دو یا مجھے طلاق دے دو، غلام کہے کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور بیٹا کہے کہ مجھ کو کھانا کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو، لوگوں نے پوچھا اے ابوہریرہ تم نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، انہوں نے کہا نہیں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے کہتا ہے۔(صحیح بخاری: جلدسوم: حدیث نمبر 326)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ !ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اور مجھے کچھ بھی نہیں دیتا کہ جو میرے بچوں کو کافی ہو جائے، سوائے اس کے کہ جو میں اسے بتائے بغیر لے لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا جس قدر تیرے بچوں کو کافی ہو اس میں سے بقدر ضرورت لے لیا کرو۔(صحیح بخاری: جلدسوم: حدیث نمبر 335)

شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان

علامہ قاضی خان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مُجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اُس کی عورت ہے تو قاضی حکم دیگا کہ اُس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اُس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔(فتاوی خانیہ، باب نفقہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کا شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت اُن چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔

جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ ناکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائیگا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کردی جائے۔چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مرگیا تو نفقہ ساقط ہوگیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مرگیا تو ساقط نہ ہوگا۔طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے مگر جبکہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔(درمختار، باب نفقہ)

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

پوچھا گیا کیا کسی کو کھانا بھی نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو ہمارے مالوں میں سے افضل ترین ہے اس باب میں سعد بن ابی وقاص اسماء بنت ابوبکر ابوہریرہ عبداللہ بن عمرو اور عائشہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوامامہ حسن ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 652)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے خاوند کے مال سے صدقہ دے تو اس کے لئے بھی اجر ہے اور اسکے خاوند کے لئے اس کی مثل ہے اور خاتون کے لئے بھی اس کے برابر ہے اور کسی ایک کو اجر ملنے سے کسی دوسرے کا اجر کم نہیں ہوتا شوہر کے لئے کمانے اور بیوی کے لئے خرچ کرنے کا اجر ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 653)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دینار جس کو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جس کو تو غلام پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو تو نے مسکین پر خیرات کردیا اور وہ دینار جو تو نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔
(صحیح مسلم: جلداول: حدیث نمبر 2304)

فَصْلٌ

﴿یہ فصل مطلقہ کیلئے نفقہ وسکنہ فراہم کرنے کے بیان میں ہے﴾

فصل نفقہ وسکنہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ حالت نکاح کے احکام نفقہ وسکنہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے حالت مفارقت کے نفقہ وسکنہ کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج۶ ص۲۳۰، بیروت)

کیونکہ نکاح کی حالت میں نفقہ وسکنہ کا سبب نکاح سے ہے اور نکاح چونکہ مفارقت سے مقدم ہے لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور مفارقت نکاح کے بعد طلاق وغیرہ کے سبب سے ہے اور یہ عوارض مؤخر ہیں لہذا مصنف علیہ الرحمہ عوارض مؤخرہ کے سبب ہونے کے پیش نظر اس فصل کو مؤخر ذکر کیا ہے۔(رضوی عفی عنہ)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"اگر مرد ہر ایک کو واجب کردہ اخراجات اور لباس وغیرہ دیتا ہے تو پھر اس پر ان دونوں میں نفقہ اور لباس میں برابری کرنا واجب نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے ایک شخص جس کی دو بیویاں تھیں کے متعلق فرمایا: اس کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک کو دوسری پر نفقہ اور شہوات اور رہائش میں فضیلت دے، جب دوسری کے پاس کفائت کرنے والے اخراجات اور رہائش وغیرہ ہو، اور وہ اس کے لیے دوسری بیوی سے زیادہ قیمتی لباس خرید سکتا ہے، اور یہ کفایت میں ہو۔(المغنی (10 / (242)

اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت وارد ہے کہ ": نفقہ اور لباس وغیرہ میں خاوند پر عدل کرنا واجب ہے، اور اسے کسی ایک کو فضیلت دینے کا حق نہیں۔

طلاق یافتہ عورت کو خرچ اور رہائش فراہم کرنا

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِيْ عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ أَوْ بَائِنًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا نَفَقَةَ لِلْمَبْتُوتَةِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا، أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلِأَنَّ النِّكَاحَ بَعْدَهُ قَائِمٌ لَا سِيَّمَا عِنْدَنَا فَإِنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الْوَطْءُ، وَأَمَّا الْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا رُوِيَ (عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ :طَلَّقَنِيْ زَوْجِي ثَلَاثًا فَلَمْ يَفْرِضْ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةً(۱)) وَلِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ وَهِيَ مُرَتَّبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَلِهٰذَا لَا تَجِبُ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لِانْعِدَامِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا لِأَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى (وَإِنْ

كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ) الْآيَةَ .

وَلَنَا أَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ احْتِبَاسٍ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، وَالِاحْتِبَاسُ قَائِمٌ فِيْ حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُودٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَ الْوَلَدُ إِذْ الْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصِيَانَةِ الْوَلَدِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَلِهٰذَا كَانَ لَهَا السُّكْنٰى بِالْإِجْمَاعِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا .وَحَدِيثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ قَالَ :لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِي صَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ حَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ(۱)، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: (لِلْمُطَلَّقَةِ الثَّلَاثِ النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ(۲)) وَرَدَّهُ أَيْضًا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ .(۳)

(۱) أخرجه مسلم فی "صحيحه" باب المطلقة البائنة لا نفقة لها برقم (۳۷۰۰) و أبو داود فی "سننه" برقم (۲۲۸۸) والترمذی فی "جامعه" برقم (۱۱۹۷) والنسائی فی "المجتبی" برقم (۳۳۲۰) و ابن ماجه برقم (۲۰۳۶) و أحمد فی "المسند" ۳۷۳/۶۔ (۱) قوله: لا ندری أصدقت أم كذبت: ليس هو بهذا اللفظ فی الأصول الخمسة فالذی عند مسلم: "لا ندری حفظت أم نسيت" و نحوه عند أبی داود والترمذی، ولم تذكر هذه الجملة عند النسائی و ابن ماجه، وجاء ت بلفظ مسلم فی "المصنف" لابن شيبة ۱٤۷۱/۲۔ وجاء ت فی "شرح معانی الآثار" للطحاوی ۶۷/۳ بلفظ: لا ندری لعلها كذبت۔ و فی رواية ثانية عنده ۶۸/۳ لعلها أوهمت۔ و معنی لعلها كذبت و لعلها أوهمت واحد أی لعلها أخطأت۔ فعمر رضی الله عنه عندما اتهم فاطمة بنت قيس رضی الله عنها بالكذب والافتعال للخبر، انما أراد أنها قد تكون أخطأت بلفظ: لا ندری۔ و الظاهر أن هذا من تصرف بعض الرواة ذهابا منهم أن المعنی واحد و كذب تأتی بمعنی أخطأ۔ قال الخطابی كما فی "عون المعبود" ۱۶۳/۱: والعرب تضع (الكذب) موضع (الخطاء) فی كلامها، فنقول: كذب سمعی و كذب بصری۔ و من هذا قول النبی ﷺ للرجل الذی صف له العسل: "صدق الله، و كذب أخيك" انظر تعليق العلامة أبو غدة علی "قواعد فی علوم الحديث" ص ۱۷۰-۱۷۱۔(۲) اخرجه مسلم فی "صحيحه" برقم (٤۷)۔(۳) أما حديث جابر فأخرجه الدارقطنی فی "سننه" ٤۳۳/۲ فی التقريب حرب بن أبی العالية أبو معاذ البصری صدوق بهم، و حديث عائشه أخرجه مسلم فی "صحيحه" ۳۶۸/۱۔ و أما عن زيد بن ثابت و أسامة بن زيد فلم يجده مخرجوا "الهداية انظر "نصب الراية" ۲۷۳/۳ و "الدراية" ۸۳/۲۔

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے جو رجعی ہو یا بائنہ ہو تو عدت کے دوران اس عورت کے اخراجات اور رہائش انتظام شوہر کے ذمے ہوگا۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: طلاق بائنہ حاصل کرنے والی عورت کو خرچ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر وہ حاملہ ہو تو اسے خرچ دیا جائے گا۔

رجعی طلاق کی صورت میں خرچ اس لئے لازم ہوتا ہے کیونکہ عدت پوری ہونے تک نکاح برقرار رہتا ہے۔ بطور خاص ہمارے نزدیک کیونکہ اس دوران صحبت کرنا جائز ہوتا ہے۔ بائنہ طلاق کی صورت میں خرچ کے لازم نہ ہونے کی دلیل نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ ہے، جو فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے بارے میں دیا تھا جسے انہوں نے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیدیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے خرچ اور رہائش کا حق مقرر نہیں کیا تھا۔ امام شافعی کی دوسری دلیل یہ ہے: ایسی عورت پر شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ خرچ کا تعلق ملک سے متعلق ہوتا ہے، اس لئے اس عورت کو خرچ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی جس کا شوہر فوت ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں بھی ملکیت زائل ہو چکی ہے۔ جہاں تک حاملہ عورت کے مسئلے کا تعلق ہے تو اس کے خرچ کا وجوب قرآن سے ثابت ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(وہ طلاق یافتہ عورتیں) حمل کی حالت میں ہوں تو انہیں خرچ دو''۔ ہماری دلیل وہ ہے: جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں: خرچ عورت کو روکنے کی عوض میں دیا جاتا ہے اور نکاح کے مقصود یعنی اولاد کے لحاظ سے یہ مفہوم پایا جا رہا ہے کہ اس اولاد کی وجہ سے عدت لازم ہوتی ہے، لہٰذا خرچ بھی لازم ہوگا اس لئے رہائش کی جگہ کا انتظام کرنا بھی لازم ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے، تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے وہ عورت حاملہ ہو (تو یہی حکم ہوتا ہے) جہاں تک سیدہ فاطمہ بنت قیس ؓ کی نقل کردہ روایت کا تعلق ہے تو اسے حضرت عمر نے مسترد کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ فرمایا تھا:

''ہم اپنے پروردگار کی کتاب کا حکم اور اپنے نبی کی سنت کا حکم ایک عورت کے بیان کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے، ہمیں نہیں پتہ کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے، یا غلط بیانی کر رہی ہے، اسے یہ بات صحیح طرح یاد ہے، یا وہ بھول چکی ہے''۔ (حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا تھا) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تین طلاقیں ملنے والی عورت کو رہائش اور خرچ ملے گا جب تک وہ عدت پوری کرتی ہے''۔ اسی طرح حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے بھی اس خاتون کے بیان کو مسترد کر دیا تھا۔

شرح

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 536)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس

کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضا مندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دیدیا۔

طلاق رجعی میں نفقہ وسکنہ کی ذمہ داری میں فقہی مذاہب

اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کو اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو شوہر پر اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو، تو خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو یا قطعی طور پر الگ کر دینے والی بہر حال اس کے وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کی نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔ اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہوا ہے کہ آیا غیر حاملہ مطلقہ مَبْتُوتہ (یعنی جسے قطعی طور پر الگ کر دینے والی طلاق دی گئی ہو) سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے؟ یا صرف سکونت کا حق رکھتی ہے؟ یا دونوں میں سے کسی کی بھی حق دار نہیں ہے؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے۔ یہ رائے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین)، قاضی شُریح اور ابراہیم نخعی کی ہے۔ اسی کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، اور امام سُفیان ثوری اور حسن بن صالح کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید دار قطنی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت جاب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المطلقة ثلاثا لها السکنیٰ و اجفقة، جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں اس کے لیے زمانہ عدت میں سکونت اور نفقہ کا حق ہے۔

اس کی مزید تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمر نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ایک عورت کے قول پر اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے علم میں لازماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہوگی کہ ایسی عورت کے لیے نفقہ اور سکونت کا حق ہے۔ بلیہ ابراہیم نخعی کی ایک روایت میں تو یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم بقول لها السکنیٰ و انفقة، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لیے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی امام ابو بکر جصاص احکام القرآن میں اس مسئلے پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس مسلک کے حق میں پہلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ، ان کو ان کی عدت کے لیے طلاق دو اس فرمان

الٰہی کا اطلاق اس شخص پر بھی تو ہوتا ہے جو دو طلاق پہلے دے کر رجوع کر چکا ہو اور اب اسے صرف ایک ہی طلاق دینے کا حق باقی ہو۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا جب یہ طریقہ بتایا کہ آدمی یا تو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو یا ایسی حالت میں طلاق دے جبکہ عورت کا حاملہ ہونا ظاہر ہو چکا ہو تو اس میں آپ نے پہلی، دوسری، یا آخری طلاق کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو ہر قسم کی طلاق سے متعلق مانا جائے گا۔ تیسیر دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ خواہ رجعیہ ہو یا مبتوتہ، اس کی سکونت اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اور غیر حاملہ رجعیہ کے لیے بھی یہ دونوں حقوق واجب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کونت اور نفقہ کا وجوب دراصل حمل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں شرعاً شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اب اگر یہی حکم مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سکونت اور اس کا نفقہ مرد کے ذمہ نہ ہو۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لیے سکونت کا حق تو ہے مگر نفقہ کا حق نہیں ہے۔ یہ مسلک سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، عطاء، شعبی، اوزاعی، لیث اور ابو عبید رحمہم اللہ کا ہے، اور امام شافعی اور امام مالک نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن مغنی المحتاج میں امام شافعی کا مسلک اس سے مختلف بیان ہوا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ یہ مسلک حسن بصری، حماد، ابن ابی لیلیٰ، عمرو بن دینار، طاؤس، اسحاق بن راہویہ، اور ابو ثور کا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امامیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ تجب سکنٰی لمعتدۃِ طلاقٍ او حاملٍ ولا بائن .... ولحائل البائن لا نفقة لها و لا كسوة۔ طلاق کی بنا پر جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے سکونت کا حق واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، مگر بائنہ کے لیے واجب نہیں ہے .... اور غیر حاملہ بائنہ کے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ کپڑا۔ اس مسلک کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی اس آیت سے ہے کہ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہُ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بات مطلقہ رجعیہ کے حق ہی میں درست ہو سکتی ہے نہ کہ مبتوتہ کے حق میں۔ اس لیے مطلقہ کو گھر میں رکھنے کا حکم بھی رجعیہ ہی کے لیے خاص ہے۔ دوسرا استدلال فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے ہے جسے کتب حدیث میں بکثرت صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

یہ فاطمہؓ بن قیس الفہر یہ اولین مہاجرات میں سے تھیں، بڑی عاقلہ سمجھی جاتی تھیں، اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر اصحاب شوریٰ کا اجتماع انہی کے ہاں ہوا تھا۔ یہ پہلے ابو عمرو بن حفصؓ المحیرۃ المخزومی کے نکاح میں تھیں، پھر ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا، اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کیا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ ان کو شوہر ابو عمرو پہلے ان کو دو طلاق دے چکے تھے۔ پھر جب حضرت علی کے ساتھ وہ یمن بھیجے گئے تو انہوں نے وہاں سے باقی

ماندہ تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ ابو عمرو ہی نے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجا تھا کہ عدت کے زمانے میں ان کو گھر میں رکھیں اور ان کا خرچ برداشت کریں۔ اور بعض میں یہ ہے کہ انہوں نے خود نفقہ و سکونت کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ نہ تمہارے لیے نفقہ ہے نہ سکونت۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انما النفقه و السكنٰى للمرأة علىٰ زوجها ما كانت لهٗ عليها رجعة، فاذالم يكن له عليهحا رجعة فلا نفقة ولا سكنٰى۔ عورت کا نفقہ اور اس کی سکونت تو شوہر پر اس صورت میں واجب ہے جب کہ شوہر کو اس پر رجوع کا حق ہو۔ مگر جب رجوع کا حق نہ ہو تو نہ نفقہ ہے نہ سکونت (مسند احمد)

طبرانی اور نسائی نے بھی قریب قریب یہی روایت نقل کی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں فاذا كانت لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره فلا نفقة ولا سكنٰى۔ لیکن جب وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے تو پھر اس کے لیے نہ نفقہ ہے نہ سکونت۔ یہ حکم بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے ان کو پہلے ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو۔

لیکن اس حدیث کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

اولاً، ان کو شوہر کے رشتہ داروں کا گھر چھوڑنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ بہت تیز زبان تھیں اور شوہر کے رشتہ دار ان کی بد مزاجی سے تنگ تھے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ان خاتون نے اپنی حدیث بیان کر کے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زبان دراز تھیں، اس لیے ان کو ابن ام مکتوم کے ہاں رکھا گیا (ابوداؤد)۔ دوسری روایت میں سعید بن المسیب کا یہ قول منقول ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے زبان درازی کی تھی اس لیے انہیں اس گھر سے منتقل ہونے کا حکم دیا گیا تھا (جصاص)۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں ان کا گھر سے نکلنا دراصل بد مزاجی کی وجہ سے تھا (ابوداؤد)۔

ثانیاً، ان کی روایت کو حضرت عمر نے اس زمانے میں رد کر دیا تھا جب بکثرت صحابہ موجود تھے اور اس معاملہ کی پوری تحقیقات ہو سکتی تھی۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر کو فاطمہؓ کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے فرمایا لسنا بتاو کی اٰية فی كتاب الله و قول رسول الله صلى الله عليه و سلم لقسل اماة لعلها اوهمت سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول لها السكنٰى و لنفقة ۔ ہم کتاب اللہ کی ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قسل کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جسے شاید کچھ وہم ہوا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مبتونہ کے لیے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی (جصاص)۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس کوفہ کی مسجد میں بیٹھا تھا۔ وہاں شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت اسود نے شعبی کو کنکریاں کھینچ ماریں اور کہا کہ حضرت عمر کے زمانے میں جب فاطمہ کی یہ روایت پیش کی گئی تھی تو انہوں نے کہا تھا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے رد نہیں کر سکتے، معلوم

نہیں اس نے یاد رکھایا بھول گئی۔اس کے لیے نفقہ اور سکونت ہے،اللہ کا حکم ہے لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْبُیُوْتِهِن یہ روایت باختلاف الفاظ مسلم،ابوداؤد،ترمذی اور نسائی میں منقول ہوئی ہے۔

ثالثاً،مروان کے زمانہ حکومت میں جن مطلقہ مبتوتہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی تھی،حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت پر سخت اعتراضات کیے تھے۔قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا آپ کو فاطمہ کا قصہ معلوم نہیں ہے؟انہوں نے جواب دیا فاطمہ کی حدیث کا ذکر نہ کرو تو اچھا ہے (بخاری) بخاری نے دوسری روایت جو نقل کی ہے اس میں حضرت عائشہ کے الفاظ یہ ہیں فاطمہ کو کیا ہوگیا ہے،وہ خدا سے ڈرتی نہیں؟ تیسری روایت میں حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا فاطمہ کے لیے یہ حدیث بیان کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔حضرت عروہ ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فاطمہ پر سخت ناراضی اک اظہار فرمایا اور کہا وہ دراصل ایک خالی مکان میں تھیں جہاں کوئی مونس نہ تھا اس لیے ان کی سلامتی کی خاطر حضور ﷺ نے ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرائی تھی۔

رابعاً،ان خاتون کا نکاح بعد میں اسامہؓ بن زید سے ہوا تھا،اور محمد بن اسامہ کہتے ہیں کہ جب کبھی فاطمہ اس حدیث کا ذکر کرتیں میرے والد،جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگتی اٹھا کر ان پر دے مارتے تھے (جصاص)۔ظاہر ہے کہ حضرت اسامہ کے علم میں سنت اس کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث کی روایت پر اتنی ناراضی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔(تفسیر،تفہیم القرآن)

بیوہ عورت کیلئے نفقہ نہ ہونے کا بیان

(وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا) لِاَنَّ احْتِبَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَاِنَّ التَّرَبُّصَ عِبَادَةٌ مِنْهَا.

اَلَا تَرٰى اَنَّ مَعْنَى التَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لَيْسَ بِمُرَاعًى فِيْهِ حَتّٰى لَا يُشْتَرَطَ فِيْهَا الْحَيْضُ فَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ، وَلِاَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ شَيْئًا فَشَيْئًا وَلَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُمْكِنُ اِيجَابُهَا فِيْ مِلْكِ الْوَرَثَةِ (وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْاَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلَ الرِّدَّةِ وَتَقْبِيلِ ابْنِ الزَّوْجِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِاَنَّهَا صَارَتْ حَابِسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ فَصَارَتْ كَمَا اِذَا كَانَتْ نَاشِزَةً، بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُولِ لِاَنَّهُ وُجِدَ التَّسْلِيمُ فِيْ حَقِّ الْمَهْرِ بِالْوَطْئِ، وَبِخِلَافِ مَا اِذَا جَاءَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَخِيَارِ الْعِتْقِ وَخِيَارِ الْبُلُوغِ وَالتَّفْرِيقِ لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ لِاَنَّهَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا

بِحَقٍّ وَذٰلِكَ لَا يُسْقِطُ النَّفَقَةَ كَمَا اِذَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيفَاءِ الْمَهْرِ .

ترجمہ

اور بیوہ عورت کو خرچ نہیں ملے گا' کیونکہ اس کا حق شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شریعت کے حق کی وجہ سے ہے' کیونکہ اس کا اس عدت کو گزارنا عبادت کے طور پر ہے۔کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اس عدت کا بنیادی مقصد رحم کے بری ہونے کی معرفت کا حصول نہیں ہے' یہاں تک کہ اس میں حیض بھی شرط نہیں ہے' اس لئے مرحوم شوہر پر اس عورت کا خرچ لازم نہیں ہوتا۔اس کی دوسری دلیل یہ ہے: خرچ تھوڑا' تھوڑا کر کے لازم ہوتا ہے' موت کے بعد شوہر کی کوئی ملکیت باقی نہیں رہی اور ورثاء کی ملکیت میں خرچ واجب کرنا عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔

ہر وہ علیحدگی جس کی بنیادی وجہ عورت کی طرف سے معصیت ہو' جیسے وہ (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے' یا شوہر کے بیٹے کا (شہوت کے ساتھ) بوسہ لے تو اس عورت کو خرچ نہیں ملے گا' کیونکہ اس صورت میں اس نے خود اپنی ذات کو ناحق طور پر روکا ہے اور اس کی مثال نافرمان عورت کی طرح ہو جائے گی۔جبکہ صحبت کے بعد مہر کے لازم ہونے کا حکم اس سے مختلف ہے چونکہ صحبت کرنے کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر چکی ہے' لہٰذا اس کا مہر ثابت ہو جائے گا۔اور یہ صورت اس حکم سے بھی مختلف ہے جب جدائی کی وجہ عورت ہو' لیکن اس میں معصیت نہ پائی جا رہی ہو' جیسے آزاد ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار' بالغ ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار یا کفو نہ ہونے کی وجہ سے ہونے والی علیحدگی وغیرہ' کیونکہ ان تمام صورتوں میں عورت نے اپنے آپ کو اپنے حق کی وجہ سے روکا ہے' اس لئے اس سے خرچ ساقط نہیں ہوگا۔جیسے اگر وہ مہر ملنے سے پہلے' اپنے آپ کو مرد کے سپرد نہیں کرتی تو اس دوران اسے خرچ ملتا رہے گا۔

بیوہ کے نان ونفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مطلقہ،خواہ رجعیہ ہو یا مبتوتہ،اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔البتہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ حاملہ کا شوہر مر گیا ہو،قطع نظر اس سے کہ وہ طلاق دینے کے بعد مرا ہو،یا اس نے کوئی طلاق نہ دی ہو اور عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہوگئی ہو۔اس معاملہ میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں۔

1 حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ شوہر کے مجموعی ترکہ میں اس کا نفقہ واجب ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ،قاضی شریح،ابوالعالیہ،شعبی اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی قول منقول ہے،اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے (آلوسی۔جصاص)

2 ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اس کے پیٹ کے بچہ کے حصے میں سے خرچ کیا جائے اگر میت نے کوئی میراث چھوڑی ہو۔اور اگر میراث نہ چھوڑی ہو تو میت کے وارثوں کو اس پر خرچ کرنا چاہیے،کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا :وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (البقرہ، آیت233)۔

3 حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن المُسَیَّب اور حضرت عطاء بن ابی رَباح کہتے ہیں کہ متوفی شوہر کے مال میں اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی ایک تیسرا قول یہی منقول ہوا ہے (جصاص)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ترکہ میں سے اس کو جو میراث کا حصہ ملا ہو اس سے وہ اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے، لیکن شوہر کے مجموعی ترکے پر اس کا نفقہ عائد نہیں ہوتا جس کا بار تمام وارثوں پر پڑے۔

4 ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ متوفی شوہر کے مال میں اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے مال میں کسی کا قرض واجب ہوتا ہے (جصاص)۔ یعنی مجموعی ترکہ میں سے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا نفقہ بھی ادا کیا جائے۔

5 امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زُفرؒ کہتے ہیں کہ میت کے مال میں اس کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ کیونکہ موت کے بعد میت کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد تو وہ وارثوں کا مال ہے۔ ان کے مال میں حاملہ بیوہ کا نفقہ کیسے واجب ہوسکتا ہے (ہدایہ، جصاص)۔ یہی مسلک امام احمدؒ بن حنبل کا ہے (الانصاف)

6 امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، البتہ اسے سکونت کا حق ہے (مُغنی المحتاج)۔ ان کا استدلال حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہ بنت مالک کے اس واقعہ سے ہے کہ ان کے شوہر جب قتل کر دیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزاریں (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

مزید برآں ان کا استدلال دارقطنی کی اس روایت سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :للحامل المتوفی عنها زوجها نفقة۔ بیوہ حاملہ کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ یہی مسلک امام مالکؒ کا بھی ہے (حاشیۃ الدسوقی)

اگر مطلقہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا

(وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا، وَاِنْ مَكَّنَتْ ابْنَ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا (فَلَهَا النَّفَقَةُ) مَعْنَاهُ :مَكَّنَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ، لِاَنَّ الْفُرْقَةَ تَثْبُتُ بِالطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ وَلَا عَمَلَ فِيهَا لِلرِّدَّةِ وَالتَّمْكِينِ، اِلَّا اَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُحْبَسُ حَتّٰى تَتُوبَ، وَلَا نَفَقَةَ لِلْمَحْبُوسَةِ، وَالْمُمَكِّنَةُ لَا تُحْبَسُ فَلِهٰذَا يَقَعُ الْفَرْقُ .

ترجمہ

اور اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے، اور پھر عورت "معاذ اللہ" مرتد ہو جائے، تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ شوہر کے بیٹے کو صحبت کا موقع دے، تو اس کا خرچ ساقط نہیں ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے: وہ طلاق کے بعد اس کا موقع دے کیونکہ علیحدگی، تو تین طلاقوں کی وجہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس میں مرتد ہونے یا شوہر کے بیٹے کو موقع دینے کا کوئی دخل نہیں ہے البتہ

مرتد ہونے کے نتیجے میں اسے قید کر دیا جاتا ہے جب تک وہ توبہ نہیں کر لیتی اور قیدی کا خرچ لازم نہیں ہوگا، جبکہ جو عورت شوہر کے بیٹے کو موقع دیتی ہے اسے قید نہیں کیا جاتا ہے، اس لئے دونوں صورتوں کے درمیان فرق ہوگا۔

عدت وفات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ یونہی جو فرقت عورت کی جانب سے معصیت کے ساتھ ہو اُس میں بھی نہیں مثلاً عورت مرتدہ ہوگئی یا شہوت کے ساتھ شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، ہاں اگر مجبور کی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عدت میں مرتدہ ہوگئی تو نفقہ ساقط ہوگیا پھر اگر اسلام لائی تو نفقہ عود کر آئیگا۔ اور اگر عدت میں شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوا اور جو فرقت زوجہ کی جانب سے سبب مباح سے ہو اُس میں نفقہ عدت ساقط نہیں مثلاً خیارِ عتق، خیارِ بلوغ عورت کو حاصل ہوا، اُس نے اپنے نفس کو اختیار کیا بشرطیکہ دخول کے بعد ہو ورنہ عدت ہی نہیں اور خلع میں نفقہ ہے، ہاں اگر خلع اس شرط پر ہوا کہ عورت نفقہ وسکنہ معاف کرے تو نفقہ اب نہیں پائے گی مگر سکنے سے شوہر اب بھی بری نہیں کہ عورت اسکو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (جوہرہ نیرہ، باب نفقہ)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خاوند اور بیوی کے لیے شب زفاف میں ہم بستری کرنا اگر وہ چاہیں تو جائز ہے، لیکن شریعت میں اس کی تعداد متعین نہیں کہ کتنی بار ہم بستری کی جائے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، اور پھر جب قدرت وطاقت میں بھی فرق ہے تو شریعت کی عادت نہیں کہ وہ اس طرح کے مسائل میں تعداد متعین کرے۔ لیکن جماع اور ہم بستری عورت کا حق ہے جو خاوند پر واجب ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں : کہ اگر اس کا کوئی عذر نہیں تو وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرے، امام مالک رحمہ اللہ تعالی کا قول یہی ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ (7 / 30)

حدیث شریف میں ہے کہ : عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے عبد اللہ کیا مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ تو دن کو روزہ رکھتا اور رات کیوقت قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ تعالی کے رسول (بات تو ایسی ہی ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایسا نہ کر بلکہ روزہ رکھ اور افطار بھی (یعنی کبھی چھوڑ بھی دیا کر) اور قیام بھی کیا کر اور سویا بھی کرو، اس لیے کہ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے)(صحیح بخاری)

حدیث کی شرح میں ہے کہ : یہ خاوند کے لائق نہیں کہ وہ عبادات میں اتنی کوشش کرے کہ وہ جماع اور کمائی کرنے کے حق سے بھی کمزور ہو جائے۔ دیکھیں فتح الباری۔ اور خاوند پر بیوی کا یہ حق ہے کہ خاوند اس کے پاس رات بسر کرے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: جب اس کی بیوی ہو تو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی عذر نہیں تو وہ چار راتوں میں ایک رات اس کے پاس بسر کرے۔ (المغنی (7 / 28) اور کشف القناع (3 / 144)

اور بیوی کی حسب خواہش خاوند پر ہم بستری و جماع واجب ہے جب تک کہ خاوند کا بدن کمزور نہ ہو اور یا پھر اسے ایسا کرنا

معیشت سے ہی روک دے۔۔

اور اگر وہ آپس میں تنازع کا شکار ہو جائیں تو خاوند پر قاضی نفقہ کی طرح اسے بھی مقرر کردے گا اگر وہ اس میں زیادتی کرتا ہو (الاختیارات الفقهیه ص(246)

شرعی طور پر مطلوب اور مقصود تو یہ ہے کہ خاوند کی ہم بستری کے ذریعہ سے بیوی کو فحاشی اور غلط کام سے بچایا جائے اور ہم بستری بھی بیوی کی خواہش اور اتنی ہو جس سے یہ بچاؤ ہو سکے، تو اس طرح اس کے لیے چار مہینہ یا اس سے زیادہ اور کم کی مدت مقرر کرنے میں کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس میں تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم بستری اتنی ہو جتنی کا حق خاوند ادا کر سکے اور بیوی کی جتنی خواہش ہو یہ تو عادی حالات اور خاوند کی موجودگی میں ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔لیکن اگر وہ سفر یا کسی اور کام اور تجارت وغیرہ یا کسی مشروع عذر کی بنا پر غائب ہے تو اس حالت میں خاوند کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بیوی سے زیادہ مدت غائب نہ رہے۔

اور اگر اس کے غائب ہونے کا سبب مسلمانوں کے کسی نفع کی وجہ سے ہو مثلا وہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلا ہوا ہے یا پھر مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہے تو اس میں ضروری ہے کہ اسے چار ماہ کے اندر اندر اپنے گھر واپس آنے کی اجازت دینی چاہیے تا کہ وہ کچھ مدت اپنے بیوی بچوں میں گزارے اور پھر دوبارہ سرحدوں پر یا جہاد میں واپس چلا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کی سیاست اور حکم یہی تھا کہ انہوں نیفوجیوں اور سرحدی محافظوں کے لیے یہ مقرر کیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں سے چار مہینے تک دور رہیں جب یہ مدت پوری ہو جاتی تو انہیں واپس بلا لیا جاتا اور ان کی جگہ ہر دوسروں کو بھیج دیا جاتا تھا :(المفصل فی احکام المراۃ (7 / 239)

فَصْلٌ

﴿یہ فصل اولاد کے خرچ کے بیان میں ہے﴾

فصل اولاد خرچ کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے زوجہ کے خرچ سے متعلق احکام شرعیہ کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ نفقہ کی ابتداء بلکہ اولاد کے وجود کا سبب ہی زوجہ ہے لہذا اس کو مقدم ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اولاد باعتبار وجود بیوی سے مؤخر ہے۔لہذا موقوف علیہ کو موقوف پر مقدم ذکر کرنا اصول کے مطابق ہے۔

کتاب وسنت میں بہت سارے دلائل ملتے ہیں جو اولاد پر خرچہ کرنے کی ترغیب دلاتے اور ابھارتے ہیں اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں ذیل میں ہم چند ایک دلائل کا ذکر کریں گے۔

قرآن مجید سے نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ دستور کے مطابق ان کا روٹی کپڑا ہے)(البقرۃ 233)

اور اللہ تبارک وتعالی کا ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح ارشاد ہے : (اور وسعت اور کشادہ رزق والے کیلیے اپنی وسعت وکشادگی سے خرچ کرنا ضروری ہے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ اللہ تعالی نے اسے جو کچھ دے رکھا ہے (اپنی حیثیت کے مطابق) خرچ کرے) (الطلاق، 7)

ایک اور مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا: (اور تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالی اس کے بدلے میں تمہیں اور زیادہ عطا کرتا ہے اور وہ اللہ ہی سب سے بہتر رازق وروزی دینے والا ہے) (سبا، 39)

احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری احادیث وارد ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں اور بچوں اور خاص کر لڑکیوں پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایک دینار اللہ تعالی کے راستے میں آپ کا خرچ کرنا اور ایک وہ دینار ہے جو آپ نے غلامی کی آزادی کے لیے خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان میں سے سب سے زیادہ اجر وثواب والا وہ ہے جو آپ نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا)(صحیح مسلم حدیث نمبر(995)

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب

سے افضل دینار وہ ہے جو آدمی آپنے بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اپنے جانور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اللہ تعالی کے راستے میں اپنے دوست واحباب پر خرچ کرتا ہے) صحیح مسلم حدیث نمبر (994)

(۳) حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں اہل عیال سے ابتداء کی گئی ہے، پھر ابوقلابہ کہتے ہیں کہ کہ اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرنے والے سے زیادہ اجروثواب کا مالک کون ہوسکتا ہے جن بچوں کی بنا پر اللہ تعالی اسے معاف کردے گا یا پھر ان کی بنا پر اللہ تعالی اسے نفع دے اور انہیں غنی کردے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: (تو کوءبھی چیز اللہ تعالی کے راستے میں اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے تو تجھے اس پر اجر ثواب ملے گا حتی کہ وہ چیز بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے (اس کا بھی اجروثواب ملے گا) صحیح بخاری حدیث نمبر (1295) صحیح مسلم حدیث نمبر (1628

(۵) حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے) صحیح بخاری حدیث نمبر (55) صحیح مسلم حدیث نمبر (1002)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بندے جب بھی صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سا یک یہ کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اور زیادہ عطا فرما اور اس کا نعم البلد دے اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کو اور کم عطا کر اور باقی ماندہ کو ضائع کردے) صحیح بخاری حدیث نمبر (1442) صحیح مسلم حدیث نمبر (1010)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت مانگنے آ ء اور اسے کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں تو اس نے میرے پاس سوائے کھجور کے اور کچھ بھی نہ پایا تو میں نے وہی ایک کھجور اسے دے دی تو اس نے وہ کھجور دو حصوں میں تقسیم کرکے اپنی دونوں بچیوں کو دے دی اور خود کچھ بھی نہ کھایا اور پھر اٹھ کر چلی گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے انہیں یہ ماجرا سنایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: (ان لڑکیوں کے بارہ میں جسے بھی آزمائش میں ڈالا جائے (یعنی جس کے ہاں بھی بیٹیاں ہوں) تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اچھی تربیت کرے تو وہ اس کیلیے آگ سے بچاؤ کا باعث ہوں گی) صحیح بخاری حدیث نمبر (1418) صحیح مسلم حدیث نمبر (2629)

(۸) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی تو میں نے اسے تین کھجوریں دیں تو اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دی اور جب وہ خود کھجور کھانے کے لیے اٹھانے لگی تو اس کی دونوں بیٹیوں نے وہ کھجور بھی کھانے کے لیے مانگ لی تو اس عورت نے وہ کھجوری بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم کرکے انہیں دے

دی جو خود کھانے کا ارادہ رکھتی تھی مجھے اس کا یہ کام بہت ہی اچھا لگا بعد میں میں اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو انہوں نے فرمایا: (اللہ تعالی نے اس عورت کو اس کے بدلے میں جنت دے دی یا اس کی بنا پر آگ سے آزاد کردیا) ۔
(صحیح مسلم حدیث نمبر (2630)

(۹) انس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جس نے بھی دو لڑکیوں کی بلوغت تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز اکٹھے آئیں گے، اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کا ملایا) صحیح مسلم حدیث نمبر (2631) اور اس موضوع میں بہت سی احادیث ہیں، واللہ تعالی اعلم ۔ (غذاء الالباب (2 / 437) سے کچھ کمی وبیشی کے ساتھ لیا گیا ہے۔

اور ابن بطال رحمہ اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: آدمی اپنے آپ اور اہل وعیال پر خرچ کرے اور ان پر بھی جن کا خرچہ اس کے ذمہ لازم اور واجب ہے اور اس خرچ کرنے میں کوء کنجوسی سے کام نہ لے ان پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا کہ واجب ہے اور اس میں اسراف بھی نہ کرے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور یہ وہ لوگ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس میں اسراف وفضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی اس میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور وہ ان دونوں کے دومیان کا راستہ اختیار کرتے ہیں) ۔ اور یہ خرچہ سب صدقات وخیرات اور خرچوں سے افضل ہے۔ (طرح التدریب ، 2 / 74)

نابالغ اولاد کا خرچ صرف باپ پر لازم ہوگا

(وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا اَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِيْ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ) لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ) وَالْمَوْلُودُ لَهٗ هُوَ الْاَبُ (فَاِنْ كَانَ الصَّغِيرُ رَضِيعًا فَلَيْسَ عَلٰى اُمِّهٖ اَنْ تُرْضِعَهُ) لِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْكِفَايَةَ عَلَى الْاَبِ وَاُجْرَةَ الرَّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ وَلِاَنَّهَا عَسَاهَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعُذْرٍ بِهَا فَلَا مَعْنٰى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ.
وَقِيلَ فِيْ تَاْوِيلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا) بِاِلْزَامِهَا الْاِرْضَاعَ مَعَ كَرَاهَتِهَا، وَهٰذَا الَّذِي ذَكَرْنَا بَيَانُ الْحُكْمِ، وَذٰلِكَ اِذَا كَانَ يُوجَدُ مَنْ تُرْضِعُهُ، اَمَّا اِذَا كَانَ لَا تُوجَدُ مَنْ تُرْضِعُهُ تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَى الْاِرْضَاعِ صِيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الضَّيَاعِ.
قَالَ (وَيَسْتَاْجِرُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهُ عِنْدَهَا) اَمَّا اسْتِئْجَارُ الْاَبِ فَلِاَنَّ الْاَجْرَ عَلَيْهِ، وَقَوْلُهٗ عِنْدَهَا مَعْنَاهُ اِذَا اَرَادَتْ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْحَجْرَ لَهَا .

ترجمہ

اور نابالغ اولاد کا خرچ باپ کے ذمے ہے اور اس بارے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوگا جس طرح بیوی کے خرچ میں کوئی اس (شوہر) کا شریک نہیں ہوتا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''ان عورتوں کا خرچ اس کے ذمے ہے جس کا بچہ ہے''۔ یہاں ''جس کا بچہ ہے'' سے مراد باپ ہے۔ اگر وہ کمسن بچہ دودھ پیتا ہو تو اس کی ماں پر لازم نہیں ہے کہ اسے دودھ پلائے اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں: اس کی ضروریات پوری کرنا باپ کے ذمے ہے اور دودھ پلانے کا معاوضہ خرچ کی مانند ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: یہ امکان موجود ہے کہ اس کی ماں کسی عذر کی وجہ سے اسے دودھ نہ پلاسکتی ہو لہٰذا اس بارے میں زبردستی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم یہی ہے۔ ''ماں کو اس کے بچے کے حوالے سے ضرر نہ پہنچایا جائے''۔ یعنی جب اسے یہ بات ناپسند ہو تو اسے دودھ پلانے کا پابند نہ کیا جائے۔ ہم نے جو یہ بات ذکر کی ہے یہ حکم کا بیان ہے اور یہ اس صورت میں ہے، جب بچے کو دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت مل جائے۔ لیکن اگر اسے دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت نہیں ملتی، تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ بچے کو ہلاکت سے بچایا جاسکے۔ باپ ایسی عورت کو ملازم رکھے گا جو بچے کو اس کی ماں کے پاس دودھ پلائے جہاں تک باپ کے ملازم رکھنے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے: معاوضہ باپ کے ذمے ہے اور مصنف کے یہ الفاظ ''اس (ماں) کے پاس'' کا مطلب یہ ہے: جب ماں یہ چاہے (یعنی بچے کو ماں سے دور نہیں کیا جاسکتا) کیونکہ گود کا حق اسے حاصل ہے۔

اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل

نابالغ اولاد جس کی ذاتی ملکیت میں کچھ بھی مال و اسباب نہ ہو کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ باپ خود تنگدست و مفلسی کیوں نہ ہو کوئی دوسرا آدمی اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیا جائیگا۔ اگر بچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور اس کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو نیز وہ بچہ دوسری عورت کا دودھ پی لیتا ہو اور اس کی ماں اسکو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو تو اس ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیتا ہی نہ ہو یا ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی نہ ملے تو اس صورت میں وہ دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔

اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کردے اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی ملتی ہو تو یہ حکم ہے کہ باپ دودھ پلانے والی کو مقرر کردے جو بچہ کو ماں کے پاس آ کر دودھ پلائے اب اگر اس بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود ہو تو اس دودھ پلانیوالی کی اجرت اس بچہ کے مال سے دی جائے گی۔ اگر بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی۔

اگر باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر مقرر کرے اور وہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو یہ

جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ ماں طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کی عدت میں ہو تو اس کو بھی دودھ پلانے کیلئے اجرت پر رکھنا بعض حضرات کے نزدیک تو ناجائز ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اسی طرح عدت گزرنے کے بعد ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لینا جائز ہے بلکہ اس صورت میں تو وہ ماں دودھ پلانیوالی کسی دوسری عورت کی بہ نسبت زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو اس کی حماقت ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا معتدہ کو اپنے اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے جو دوسری بیوی کے بطن سے ہو تو یہ اجارہ جائز ہے اگر کسی کی بالغ بیٹی بالکل مفلس و تنگدست ہو یا بالغ بیٹا اپاہج و معذور ہو تو ان کے اخراجات بھی باپ ہی کے ذمہ ہوں گی چنانچہ فتوی اسی پر ہے جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کے اخراجات کا دو تہائی حصہ باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہوگا۔

بچے کو دودھ پلانا ماں کا اخلاقی فرض ہے

(وَاِنْ اسْتَاْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهُ اَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا) لَمْ يَجُزْ لِاَنَّ الْاِرْضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً .قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ) اِلَّا اَنَّهَا عُذِرَتْ لِاحْتِمَالِ عَجْزِهَا، فَاِذَا اَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْاَجْرِ ظَهَرَتْ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوْزُ اَخْذُ الْاَجْرِ عَلَيْهِ، وَهٰذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ رِوَايَةٌ وَاحِدَةٌ لِاَنَّ النِّكَاحَ قَائِمٌ، وَكَذَا فِي الْمَبْتُوتَةِ فِيْ رِوَايَةٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى :جَازَ اسْتِئْجَارُهَا لِاَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ .وَجْهُ الْاُوْلٰى اَنَّهُ بَاقٍ فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْاَحْكَامِ.

(وَلَوْ اسْتَاْجَرَهَا وَهِيَ مَنْكُوحَتُهُ اَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِاِرْضَاعِ ابْنٍ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا جَازَ) لِاَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا (وَاِنْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاْجَرَهَا) يَعْنِيْ لِاِرْضَاعِ وَلَدِهَا (جَازَ) لِاَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَصَارَتْ كَالْاَجْنَبِيَّةِ (فَاِنْ قَالَ الْاَبُ لَا اَسْتَاْجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتْ الْاُمُّ بِمِثْلِ اَجْرِ الْاَجْنَبِيَّةِ اَوْ رَضِيَتْ بِغَيْرِ اَجْرٍ) كَانَتْ هِيَ اَحَقَّ لِاَنَّهَا اَشْفَقُ فَكَانَ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ اِلَيْهَا (وَاِنْ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرْ الزَّوْجُ عَلَيْهَا) دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ وَاِلَيْهِ الْاِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى (لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ) اَيْ بِاِلْزَامِهِ لَهَا اَكْثَرَ مِنْ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِيَّةِ .

(وَنَفَقَةُ الصَّغِيرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى اَبِيهِ وَاِنْ خَالَفَهُ فِيْ دِينِهِ، كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَاِنْ خَالَفَتْهُ فِيْ دِينِهِ) اَمَّا الْوَلَدُ فَلِاِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا، وَلِاَنَّهُ جُزْؤُهُ فَيَكُونُ فِيْ مَعْنٰى نَفْسِهِ، وَاَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِاَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيْحُ فَاِنَّهُ بِاِزَاءِ الِاحْتِبَاسِ الثَّابِتِ بِهِ، وَقَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَتَرَتَّبَ عَلَيْهِ الِاحْتِبَاسُ فَوَجَبَتِ النَّفَقَةُ .وَفِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا اِنَّمَا تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلَى الْاَبِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيْرِ مَالٌ، اَمَّا اِذَا كَانَ فَالْاَصْلُ اَنَّ نَفَقَةَ الْاِنْسَانِ فِيْ مَالِ نَفْسِهِ صَغِيْرًا كَانَ اَوْ كَبِيْرًا .

ترجمہ

اور جب مرد اسی عورت کو ملازم رکھ لیتا ہے' جو (بچے کی ماں اور اس مرد) کی بیوی ہو یا اس کی عدت گزار رہی ہوتا کہ وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے: دینی اعتبار سے ماں ہی دودھ پلانے کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں'' تاہم ماں کے عاجز ہونے کے احتمال کی وجہ سے اسے معذور قرار دیا جائے گا' لیکن جب وہ معاوضے پر دودھ پلانے پر تیار ہوگئی تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا' وہ دودھ پلا سکتی ہے' لہٰذا یہ عمل اس پر واجب ہو جائے گا' اور اس کے لئے اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ یہاں عدت گزارنے والی عورت سے مراد وہ عورت ہے' جسے رجعی طلاق دی گئی ہو اور اس بارے میں یہی ایک روایت ہے' کیونکہ نکاح ابھی برقرار ہے۔ جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی ہو' ایک روایت کے مطابق اس کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسری روایت کے مطابق اس کے لئے معاوضہ لینا جائز ہے' کیونکہ نکاح ختم ہو چکا ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے: بعض احکام کے حق میں نکاح باقی ہوتا ہے۔ اگر مرد ایسی عورت کو ملازم رکھتا ہے' جو اس کی منکوحہ ہو یا اس کی عدت بسر کر رہی ہوتا کہ وہ اس مرد کے اس بیٹے کو دودھ پلائے' جو دوسری بیوی سے ہے' تو ایسا کرنا جائز ہوگا' کیونکہ اس بچے کو دودھ پلانا اس عورت پر لازم نہیں ہے۔

اگر اس عورت کی عدت پوری ہو جاتی ہے' اور پھر مرد اسے ملازم رکھتا ہے' یعنی اس لیے کہ وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو یہ جائز ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے اور وہ عورت (اس مرد کیلئے) اجنبی عورت کی طرح ہے۔ اگر باپ یہ کہتا ہے: میں اس (یعنی بچے کی ماں) کو اجرت پر مقرر نہیں کرتا اور کسی دوسری عورت کو لے آتا ہے (جس کا معاوضہ کم ہو) پھر بچے کی ماں اس اجنبی عورت جتنے معاوضے پر راضی ہو جاتی ہے یا کسی معاوضے کے بغیر راضی ہو جاتی ہے' تو وہی زیادہ حقدار ہوگی' کیونکہ ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے' تو بچے کے لئے بہتری یہی ہے: اسے ماں کے سپرد کیا جائے۔ اگر وہ زیادہ معاوضے کی طلبگار ہو' تو شوہر اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا یعنی پانے سے ضرر دور کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ''ماں کو

اس کی اولاد کے حوالے سے ضرر نہ پہنچایا جائے اور باپ کو اس کی اولاد کے حوالے سے'' یعنی باپ کو اس بات کا پابند نہ کیا جائے کہ وہ ماں کو اجنبی عورت سے زیادہ معاوضہ دے۔ کمسن بچے کا خرچ اس کے باپ کے ذمے لازم ہوگا۔ اگرچہ اس کا دین باپ کے دین سے مختلف ہو' جس طرح بیوی کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے' اگرچہ بیوی کا دین شوہر کے دین سے مختلف ہو۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے' تو اس کی دلیل اس آیت کا مطلق ہونا ہے' جو ہم نے تلاوت کی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: وہ بچہ اس شخص کا جزء ہے' لہٰذا وہ اس کی اپنی ذات کے حکم میں ہوگا۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے' تو اس کا سبب صحیح عقد ہے' جو اس احتباس کے مقابلے میں ہو' یعنی جو مرد کے لئے ثابت ہے۔ مسلمان مرد اور کافر عورت کے درمیان عقد ٹھیک ہوتا ہے اور اس عقد پر احتباس کا حکم مرتب ہوتا ہے اس لیے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ ہم نے جتنی بھی صورتیں ذکر کی ہیں ان سب میں باپ پر خرچ اس وقت لازم ہوگا جب اس بچے کا اپنا کوئی مال نہ ہو۔ لیکن اگر مال ہو' تو اصل حکم یہی ہے: انسان کا خرچ اس کے اپنے مال میں سے دیا جاتا ہے' خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ ہو۔

شرح

(۱) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّآ آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌO

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (القرآن، البقرة، 233 : 2)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بیان طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا اس لئے یہ قرین حکمت ہے کہ بچہ کی

پرورش کے متعلق ماں باپ پر جو احکام ہیں وہ اس موقع پر بیان فرما دیئے جائیں لہٰذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو' یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔(تفسیر احمدی وجمل)

یعنی اس مدت کا پورا کرنا لازم نہیں اگر بچہ کو ضرورت نہ رہے اور دودھ چھڑانے میں اس کے لئے خطرہ نہ ہو تو اس سے کم مدت میں بھی چھڑانا جائز ہے۔(تفسیر احمدی خازن)

یعنی والد، اس انداز بیان سے معلوم ہوا کہ نسب باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پلوانا باپ کے ذمہ واجب ہے اس کے لئے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو مستحب ہے۔

شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کے دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کرسکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کرسکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر بہ اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں اسی اجرت پر یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلوانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔(تفسیر احمدی مدارک) المعروف سے مُراد یہ ہے کہ حسب حیثیت ہو بغیر تنگی اور فضول خرچی کے۔

(تفسیر خزائن العرفان،۲۳۳)

یعنی اس کو اس کے خلاف مرضی دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ زیادہ اجرت طلب کر کے۔ ماں کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ اس کو وقت پر دودھ نہ دے اور اس کی نگرانی نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد چھوڑ دے اور باپ کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کے حق میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔

یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دُودھ پلائے اور یہ مُدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دُودھ پینے کی مُدت کو پُورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت بھی گزر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہوگا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو تو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دُودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دُودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہوگا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرانا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اُجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اس کی انتہاء ۲ دو برس کامل ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دُودھ پلانے کی مُدت دو برس سے زیادہ نہیں۔

یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اوّل صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے، دوسری

صورت میں عدّت میں ہے اور تیسری صورت میں دُودھ پلانے کی اُجرت دینی ہوگی اور بچہ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلاوجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہ جُدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔

اگر باپ مر جاوے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دُودھ پلانے کی مُدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچ اٹھائیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو محرم بھی ہو۔

یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا لحاظ کر کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے دُودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں گناہ نہیں، مثلاً ماں کا دُودھ اچھا نہ ہو۔

یعنی اے مردو اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دُودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی گناہ نہیں مگر اس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے موافق جو ماں کو دینا ٹھہرایا تھا وہ دے دے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دُودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔

والدات کے حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کو طلاق ہو چکی ہو خواہ وہ عدت میں ہوں یا عدت بھی گزر چکی ہو، اور وہ بھی جو بدستور بچہ کے باپ کے نکاح میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ تاہم اس سے حسب ضرورت کم ہوسکتی ہے (جیسا کہ آگے اس کا ذکر آرہا ہے) اور یہ مدت قمری تقویم کے حساب سے شمار ہوگی۔

یعنی منکوحہ عورت اور مطلقہ عورت جو عدت میں ہو اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری تو پہلے ہی بچہ کے باپ پر ہوتی ہے اور اگر عدت گزر چکی ہے تو اس آیت کی رو سے باپ ہی اس مطلقہ عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا کیونکہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔

یعنی والد سے اس کی حیثیت سے زیادہ کھانے اور کپڑے کے اخراجات کا مطالبہ نہ کیا جائے یہ مطالبہ خواہ عورت خود کرے یا اس کے ورثاء کریں۔

یعنی ماں بلاوجہ دودھ پلانے سے انکار کر دے اور باپ کو پریشان کرے۔ اسی طرح باپ بچہ کو ماں سے جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے اور اس طرح ماں کو پریشان کرے یا اس کے کھانے اور کپڑے کے اخراجات میں کنجوسی کا مظاہرہ کرے۔ یا ماں پر دودھ پلانے کے لیے جبر کیا جائے جبکہ وہ اس بات پر آمادہ نہ ہو۔

یہ بچہ جو دودھ پی رہا ہے۔ خود بھی اپنے باپ کا وارث ہے اور اس کے علاوہ بھی وارث ہوں گے۔ بہر حال یہ خرچہ مشترکہ طور پر میت کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا اور یہ وہ ادا کریں گے جو عصبہ (میت کے قریبی وارث مرد) ہیں۔

یعنی اگر ماں باپ دونوں باہمی مشورہ سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہ ہو اور بچے کی

صحت خراب رہتی ہو یا اگر ماں باپ کے نکاح میں ہے تو اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ماں کو اس دوران حمل ٹھہر جائے اور بچہ کو دودھ چھڑانے کی ضرورت پیش آئے تو ایسی صورتوں میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہ ہوگا اور یہ ضروری نہ رہے گا کہ بچہ کو ضرور دو سال دودھ پلایا جائے۔

اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے اور دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم دایہ سے دودھ پلوانا چاہو تو اس کا معاوضہ تو دینا ہی ہے۔ مگر اس وجہ سے ماں کو جو کچھ طے شدہ خرچہ مل رہا تھا وہ اسے ادا کر دینا چاہیئے، اس میں کمی نہ کرنی چاہیے۔

ایسے بے شمار احکام ہیں جنہیں بیان کرنے کے بعد "اللہ تعالیٰ نے "اللہ سے ڈرتے رہنے " کی تاکید فرمائی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معاملات کی دنیا میں، ایک ہی معاملہ کی بے شمار ایسی شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جن کے مطابق انسان اللہ کے کسی حکم کے ظاہری الفاظ کا پابند رہ کر بھی اپنا ایسا فائدہ سوچ لیتا ہے جو منشائے الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ مگر اس سے دوسرے کا نقصان ہو جاتا یا اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے اور ایسے پیدا ہونے والے تمام حالات کے مطابق الگ الگ حکم بیان کرنا مشکل بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف بھی۔ لہٰذا انسان کو "اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید اس لیے کی جاتی ہے۔ انسان اپنی نیت درست رکھے اور آخرت میں اللہ کے حضور جواب دہی کا تصور رکھتے ہوئے ان احکام کو بعینہ اسی طرح بجالائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی منشا ہو۔

۱، اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ ہے جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ دو سال پورے دودھ پلائے ان الفاظ سے کم مدت دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے۔

۲، طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ سے شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الٰہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق عورت کے روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۳، ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، مگر ماںتا کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کے ذمہ داری اٹھائے اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا اس سے مالی مطالبہ کرے۔

۴، باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تا کہ نہ عورت کو تکلیف ہو نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

۵، یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا معاوضہ دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

فَصْلٌ

﴿یہ فصل آباؤ اجداد اور خادم کے خرچ کے بیان میں ہے﴾

والدین کے خرچ والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

صاحب ہدایہ نے اس سے پہلے بیوی اور اولاد صغار کے نفقہ کو بیان کیا ہے۔ اور اب اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ والدین واجداد وغیرہ کے نفقہ سے متعلق احکام ذکر کریں گے۔ والدین کا نفقہ اگر چہ بیوی واولاد صغار سے مقدم ہے لیکن یہاں مؤخر ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ عام طور پر والدین سے بُعد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص بیوی اور اولاد کے ساتھ ایک خاندان آباد کرتا ہے۔ اس لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ بیوی اور اولاد کے حقوق پورے کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب والدین کو چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ ان کا نفقہ بھی اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی اولاد اور اپنی بیوی کو نفقہ فراہم کرتا ہے۔

والدین کی خدمت ونفقہ میں احادیث کا بیان

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کی خدمت میں رہ تیرے لئے یہی جہاد ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2004)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا میں ہجرت اور جہاد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے ہاتھ پر) بیعت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے اس نے عرض کیا جی ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ سے اس کا اجر چاہتے ہو اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والدین کی طرف جا اور ان دونوں سے اچھا سلوک کر۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2007)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جریج اپنے عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ ان کی ماں آ گئی حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اس طرح صفت بیان کی جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صفت بیان کی تھی جس وقت ان کی ماں نے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی اپنی پلکوں پر رکھی ہوئی تھی پھر اپنا سر ابن جریج کی طرف اٹھا کر ابن جریج کو آواز دی اور کہنے لگیں اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر ابن جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ابن جریج نے کہا اے اللہ ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے پھر ابن جریج نے نماز کو اختیار کیا پھر ان کی ماں نے کہا اے اللہ یہ جریج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرتی ہوں تو یہ میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیتا ہے اے اللہ ابن جریج

کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جریج کی ماں اس پر یہ دعا کرتی کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھیڑوں کا ایک چرواہا تھا جو جریج کے عبادت خانہ میں ٹھہرتا تھا گاؤں سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس عورت کے ساتھ برا کام کیا تو وہ عورت حاملہ ہوگئی اس عورت کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی تو اس عورت سے پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے اس عورت نے کہا اس عبادت خانہ میں جو رہتا ہے یہ اس کا لڑکا ہے (یہ سنتے ہی اس گاؤں کے لوگ) پھاوڑے لے کر آئے اور انہیں آواز دی وہ نماز میں تھے انہوں نے کوئی بات نہ کی تو لوگوں نے اس کا عبادت خانہ گرانا شروع کر دیا جب جریج نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اترا لوگوں نے اس سے کہا کہ اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے جریج ہنسا اور پھر اس نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس نے کہا تیرا باپ کون ہے اس بچے نے کہا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے جب لوگوں نے اس بچے کی آواز سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جتنا عبادت خانہ گرایا ہے ہم اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں جریج نے کہا نہیں بلکہ تم اسے پہلے کی طرح مٹی ہی کا بنا دو اور پھر ابن جریج اوپر چلے گئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2008)

(۴) حضرت بہز بن حکیم بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون بھلائی کا زیادہ مستحق ہے فرمایا تمہاری ماں۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد۔ فرمایا تمہاری والدہ۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کیا اس کے بعد فرمایا تمہاری والدہ۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کیا ان کے بعد کون زیادہ مستحق ہے؟ فرمایا تمہارے والد اور ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، عائشہ اور ابو درداء سے بھی احادیث منقول ہیں۔ بہز بن حکیم، معاویہ بن حیدہ قشیری کے بیٹے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے شعبہ نے بہز بن حکیم کے بارے میں کلام کیا ہے محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں ان سے معمر، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور کئی دوسرے آئمہ راوی ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1979)

(۵) حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے یعنی اس کو دینے میں صرف صدقہ ہی کا ثواب ملتا ہے) مگر اپنے اقرباء میں سے کسی کو صدقہ دینا دوہرے ثواب کا باعث ہے، ایک ثواب تو صدقہ کا اور دوسرا ثواب صلہ رحمی کا ہوتا ہے۔

(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 436)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میرے پاس ایک دینار ہے جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سوا سے کہاں خرچ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی، ماں، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو، اس نے کہا کہ

میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا کہ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا کہ اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو !(یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو۔

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 439)

تنگدست ماں باپ اور آباؤ اجداد کا خرچ انسان پر لازم ہے

(وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُنْفِقَ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهِ وَجَدَّاتِهِ اِذَا كَانُوا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوهُ فِيْ دِيْنِهِ) اَمَّا الْاَبَوَانِ فَلِقَوْلِهِ تَعَالٰى (وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا) نَزَلَتْ الْآيَةُ فِي الْاَبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ، وَلَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ يَعِيشَ فِيْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَتْرُكَهُمَا يَمُوتَانِ جُوْعًا، وَاَمَّا الْاَجْدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلِاَنَّهُمْ مِنْ الْآبَاءِ وَالْاُمَّهَاتِ وَلِهٰذَا يَقُوْمُ الْجَدُّ مَقَامَ الْاَبِ عِنْدَ عَدَمِهِ وَلِاَنَّهُمْ سَبَّبُوا لِاِحْيَائِهِ فَاسْتَوْجَبُوا عَلَيْهِ الْاِحْيَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْاَبَوَيْنِ .وَشَرَطَ الْفَقْرَ لِاَنَّهُ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ، فَاِيجَابُ نَفَقَتِهِ فِيْ مَالِهِ اَوْلٰى مِنْ اِيجَابِهَا فِيْ مَالِ غَيْرِهِ، وَلَا يَمْنَعُ ذٰلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِمَا تَلَوْنَا (وَلَا تَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ) اَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِمَا ذَكَرْنَا اَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَهَا بِالْعَقْدِ لِاحْتِبَاسِهَا لِحَقٍّ لَهُ مَقْصُوْدٍ، وَهٰذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِاتِّحَادِ الْمِلَّةِ، وَاَمَّا غَيْرُهَا فَلِاَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَجُزْءُ الْمَرْءِ فِيْ مَعْنٰى نَفْسِهِ، فَكَمَا لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ نَفْسِهِ لِكُفْرِهِ لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ جُزْئِهِ اِلَّا اَنَّهُمْ اِذَا كَانُوا حَرْبِيِّيْنَ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَاِنْ كَانُوا مُسْتَاْمَنِيْنَ، لِاَنَّا نُهِيْنَا عَنْ الْبِرِّ فِيْ حَقِّ مَنْ يُقَاتِلُنَا فِي الدِّيْنِ .

ترجمہ

اور آدمی پر یہ بات لازم ہے: وہ اپنے ماں باپ' اجداد' جدات کو خرچ دے جب وہ غریب ہوں' اگرچہ ان کا دین اس شخص کے دین سے مختلف ہو۔ جہاں تک ماں باپ کا تعلق ہے تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''دنیا میں ان دونوں کے ساتھ اچھائی کے ساتھ رہو''۔ یہ آیت کافر ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بات اچھائی میں شامل نہیں ہے کہ آدمی خود اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں زندگی گزارے اور ماں باپ کو بھوک سے مرنے کے لئے چھوڑ دے۔ جہاں تک اجداد اور جدات کا تعلق ہے' تو

اس کی وجہ یہ ہے: وہ بھی ماں باپ کی طرح ہیں یہی وجہ ہے: باپ کی عدم موجودگی میں دادا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے: یہ لوگ آدمی کی زندگی کا سبب ہیں' تو آدمی پر بھی یہ لازم ہوگا' ان کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے ضروریات فراہم کرے جس طرح ماں باپ کے لئے کرتا ہے۔ ان کا غریب ہونا شرط ہے' کیونکہ اگر وہ صاحب حیثیت ہوں گے تو ان کے اپنے مال میں سے ان کا خرچ پورا کرنا اس سے بہتر ہے کہ کسی دوسرے کے مال میں سے اسے پورا کیا جائے۔ دین کے اختلاف کی وجہ سے یہ بات ممنوع نہیں ہوگی اس کی دلیل وہ آیت ہے' جو ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ دین کے اختلاف کے ہمراہ صرف بیوی' ماں باپ' اجداد' جدات' اولاد اور اولاد کی اولاد کا خرچ لازم ہوتا ہے۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے' تو اس کی دلیل وہ ہے' جو ہم ذکر کر چکے ہیں: یہ اس عقد کی وجہ سے بیوی کے حق میں لازم ہوگا جس کے نتیجے میں مرد کو اس عورت کو گھر میں رکھنے کا حق ہوتا ہے اور اس چیز کا تعلق دین میں اتحاد کے ساتھ نہیں ہے۔ جہاں تک دیگر افراد کا تعلق ہے' تو اس کی وجہ یہ ہے: جزئیت ثابت ہے اور آدمی کا جزء اس کے اپنے وجود کی حیثیت رکھتا ہے' تو جس طرح آدمی اپنے کفر کی وجہ سے اپنا خرچ نہیں روک سکتا اسی طرح اپنے جزء کا خرچ بھی نہیں روک سکتا۔ البتہ اگر وہ لوگ حربی ہوں تو ان کا خرچ مسلمان کے ذمے نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ ''مستامن'' ہوں کیونکہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی سے منع کیا گیا ہے' جو دین کے بارے میں ہمارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

والدین کے نفقہ کے احکام ومسائل

اصول یعنی باپ دادا دادی نانا نانی (خواہ اسکے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخرجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے بشرطیکہ اولاد خوشحال وتونگر ہو اور خوشحال وتونگر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت ودرجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ وزکوۃ کا مال لینا حرام ہو اگر تونگر اولاد میں مذکر ومؤنث یعنی بیٹا اور بیٹی دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلے میں قرب وجزئیت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی میراث دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نواسی اور بھائی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نواسی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا مستحق صرف بھائی ہوگا۔

ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام ومسائل

ہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپاہج ومعذور ہو یا اندھا ہو یا طالب علم ہو اور یا جہل وبیوقوفی یا کسی اور عذر کی بنا پر کمانے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی وتنگدستی کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ

حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و تنگدست شخص ہے اس کے قریبی اعزاء ہیں صرف تین متفرق بہنیں ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اخیافی بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر برابر حصوں میں کر کے تین خمس تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا ایک خمس سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک خمس اخیافی بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح زید کے ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا درحقیقت ہر وقت متعین ومعلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے چنانچہ اگر زید (جو محتاج ومفلس ہے) کا ایک ماموں ہے اور ایک چچازاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا۔

جو شخص محتاج ومفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین ومذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی والدین دادا دادی اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ مذکر ہوں یا مؤنث یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین ومذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔

محتاج باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال یعنی اشیاء منقولہ بیچ سکتا ہے لیکن عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین وباغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین یعنی قرض ومطالبہ ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز ماں کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔

حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر

کس قدر رحیم وکریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُن)65 ۔الطلاق6:) اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اُجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال وافعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

مسلمان پر غیر مسلم بھائی کا خرچ لازم نہیں ہوگا

(وَلَا تَجِبُ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةُ اَخُوْهُ الْمُسْلِمِ) وَكَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةُ اَخُوْهُ النَّصْرَانِيِّ لِاَنَّ النَّفَقَةَ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْاِرْثِ بِالنَّصِّ بِخِلَافِ الْعِتْقِ عِنْدَ الْمِلْكِ لِاَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيْثِ، وَلِاَنَّ الْقَرَابَةَ مُوْجِبَةٌ لِلصِّلَةِ، وَمَعَ الِاتِّفَاقِ فِي الدِّيْنِ اٰكَدُ وَدَوَامُ مِلْكِ الْيَمِيْنِ اَعْلَى فِي الْقَطِيعَةِ مِنْ حِرْمَانِ النَّفَقَةِ، فَاعْتَبَرْنَا فِي الْاَعْلَى اَصْلَ الْعِلَّةِ وَفِي الْاَدْنَى الْعِلَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فَلِهٰذَا افْتَرَقَا (وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِي نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ(۱)) لِاَنَّ لَهُمَا تَاْوِيْلًا فِيْ مَالِ الْوَلَدِ بِالنَّصِّ، وَلَا تَاْوِيْلَ لَهُمَا فِيْ مَالِ غَيْرِهِ، وَلِاَنَّهُ اَقْرَبُ النَّاسِ اِلَيْهِمَا فَكَانَ اَوْلٰى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ، وَهِيَ عَلَى الذُّكُورِ وَالْاِنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ، لِاَنَّ الْمَعْنٰى يَشْمَلُهُمَا.

ترجمہ

اور کسی عیسائی شخص پر اپنے مسلمان بھائی کا خرچ لازم نہیں ہے اسی طرح مسلمان پر اپنے عیسائی بھائی کا خرچ لازم نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے: نص سے یہ بات ثابت ہے: خرچ کا تعلق وراثت سے ہوتا ہے، جبکہ مالک ہونے پر آزاد ہونے کا حکم اس کے برخلاف ہے، کیونکہ اس کا تعلق قرابت اور محرم ہونے سے ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: قرابت صلۂ رحمی کو لازم کرتی ہے اور دین میں اتفاق کی صورت میں یہ زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے۔ملک یمین کو برقرار رکھنا' خرچ سے محروم کرنے کے مقابلے میں' قطع رحمی کے حوالے سے برتر حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم برتر حیثیت میں اصل علت کا اعتبار کریں گے' اور کمتر صورت میں اس علت کا اعتبار کریں گے جو مؤکد ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان فرق ہوگا۔

والدین کو خرچ دینے میں بیٹے کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا' کیونکہ نص سے یہ بات ثابت ہے: وہ دونوں بیٹے کے مال میں حق رکھتے ہیں' لیکن بیٹے کے علاوہ کسی اور کے مال میں حق نہیں رکھتے۔اس کی ایک دلیل یہ ہے: بیٹا والدین کے سب سے قریب ہوتا ہے اس لیے مناسب یہی ہے: ان کا خرچ اسی کے ذمے ہو۔ظاہر روایت کے مطابق اس بارے میں مذکر اور مونث (یعنی بیٹا اور بیٹی) کا حکم برابر ہوگا اور یہی رائے درست ہے' کیونکہ مفہوم میں دونوں شامل ہیں۔

(۱) يشير الى حديث أنت و مالك لأبى، وروى أبو داود فى "سننه" برقم (٣٥٢٨) والترمذى فى "جامعه" برقم (١٣٨٢) والنسائى فى "المجتبى" برقم (٤١٤٥) وابن ماجه برقم (٢١٣٧) عن عائشة رضى الله عنهه مرفوعاً: "ان أطيب ما أكل الرجل من كسبه، وان ولده من كسبه"

بیٹے کے مال کی نسبت باپ کی طرف کرنے کا بیان

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرا تمام مال ہڑپ کر جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 449)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ میرا مال ہڑپ کر گیا ہے۔آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے تم ان کا مال کھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 450)

(۳) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ہندہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول بخیل مرد ہے مجھے اتنا نہیں دیتا کہ مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو جائے الا یہ کہ میں اسکی لاعلمی میں اس کے مال میں سے کچھ لے لوں (تو اس سے گزارہ ہو جاتا ہے) آپ نے فرمایا اتنا لے سکتی ہو جو دستور کے موافق تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 451)

(۴) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس ایک صحابی آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرا باپ مجھ سے پوچھتا تک نہیں اور میرا مال خرچ کر لیتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اچھا بلاؤ اسکے باپ کو۔انکے باپ کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے نے بارگاہ نبوت میں میری شکایت کی ہے تو انہوں نے دکھ اور رنج کے کچھ اشعار دل میں پڑھے، زبان سے ادا نہیں کیے۔جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچے تو ادھر جبرائیل امین آ گئے۔کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ، اللہ فرما رہا ہے کہ اس سے فرمائیں پہلے وہ اشعار سنائے جو تمہاری زبان پر نہیں آئے بلکہ تمہارے دل نے پڑھے ہیں اور اللہ نے عرش پر ہوتے ہوئے بھی انکو سن لیا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فرمائش پر وہ صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ قربان جاؤں آپ کے رب پر وہ کیسا رب ہے میرے اندر تو ایک خیال آیا تھا اللہ نے وہ بھی سن لیا۔ فرمایا: اچھا پہلے وہ اشعار سناؤ پھر تمہارے مقدمے کا فیصلہ کریں گے۔ یہ اشعار عربی میں ہیں۔ انکا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے۔

ترجمہ

اے میرے بچے میں نے تیرے لیے اپنا سب کچھ لگا دیا — جب تو گود میں تھا تو میں اس وقت بھی تیرے لیے پریشان رہا

تو سوتا تھا اور ہم تیرے لیے جاگتے تھے — تو روتا تھا اور ہم تیرے لیے روتے تھے

اور سارا دن میں تیرے لیے خاک چھانتا تھا اور روزی کماتا تھا — اپنی جوانی کو گرمی اور خزاں کے تھپیڑوں سے پٹواتا تھا

مگر تیرے لیے گرم روٹی کا میں نے ہر حال میں انتظام کیا — کہ میرے بچے کو روٹی ملے، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے

اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے — چاہے میرے آنسوؤں کے سمندر اکٹھے ہو جائیں

جب کبھی تو بیمار ہو جاتا تھا تو ہم تیرے لئے تڑپ جاتے تھے — تیرے پہلو بدلنے پر ہم ہزاروں وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے تھے

تیرے رونے پر ہم بے قرار ہو جاتے تھے — تیری بیماری ہماری کمر توڑ دیتی تھی اور ہمیں مار دیتی تھی

ہمیں یوں لگتا تھا تو بیمار نہیں بلکہ میں بیمار ہوں — تجھے درد نہیں اٹھا بلکہ مجھے درد اٹھا ہے

تیری ہائے پر ہماری ہائے نکلتی تھی — اور ہر پل یہ خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں میرے بچے کی جان نہ چلی جائے

اس طرح میں نے تجھے پروان چڑھایا اور خود میں بڑھاپے کا شکار ہوتا رہا تجھ میں جوانی رنگ بھرتی چلی گئی اور مجھ سے بڑھاپا جوانی چھینتا چلا گیا۔

پھر جب میں اس سطح پر آیا کہ اب مجھے تیرے سہارے کی ضرورت پڑی ہے — اور تو اس سطح پر آ گیا ہے کہ تو بے سہارا چل سکے

تو مجھے تمنا ہوئی کہ جیسے میں نے اسے پالا ہے یہ بھی میرا خیال کریگا — جیسے میں نے اسکے ناز برداشت کیے ہیں، یہ بھی میرے ناز برداشت کریگا

لیکن تیرا لہجہ بدل گیا، تیری آنکھ بدل گئی، تیرے تیور بدل گئے — تو مجھے یوں سمجھنے لگا کہ جیسے میں تیرے گھر کا نوکر ہوں

تو مجھ سے یوں بولنے لگا کہ جیسے میں تیرا زر خرید غلام ہوں — تو یہ بھی بھول گیا کہ میں نے تجھے کس طرح پالا

تیرے لئے کیسے جاگا، تیرے لئے کیسے رویا، تڑپا اور مچلا — آج تو میرے ساتھ وہ کر رہا ہے جو آقا اپنے نوکر کے ساتھ بھی نہیں کرتا

اگر تو مجھے بیٹا بن کر نہیں دکھا سکا — اور مجھے باپ کا مقام نہیں دے سکا

تو کم از کم پڑوسی کا مقام تو دیدے، — کہ پڑوسی بھی پڑوسی کا حال پوچھ لیتا ہے

اور تو بخل کی باتیں کرتا ہے۔

یہ اشعار سننے پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا اٹھ جا میری مجلس سے، تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کا ہے۔ (امام بیہقی، دلائل نبوۃ،)

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: یہ حکم ظاہر روایت کے مطابق ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس لفظ کے ذریعے مصنف نے امام سرخسی رحمہ اللہ کے اس قول سے احتراز کیا ہے: ان کے نزدیک خرچ کی ادائیگی میں وراثت کا اعتبار کیا جائے گا' یعنی ایک مذکر کا حصہ دو مؤنث کے برابر ہوگا۔

تنگدست محرم رشتے دار کے خرچ کا حکم

(وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيرًا فَقِيرًا أَوْ كَانَتْ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا بَالِغًا فَقِيرًا زَمِنًا أَوْ أَعْمَى) لِأَنَّ الصِّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَاجِبَةٌ دُونَ الْبَعِيدَةِ، وَالْفَاصِلُ أَنْ يَكُونَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ، وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ) وَفِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ "وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذَلِكَ" ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ الْحَاجَةِ وَالصِّغَرِ وَالْأُنُوثَةِ وَالزَّمَانَةِ وَالْعَمَى أَمَارَةُ الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ، فَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ غَنِيٌّ بِكَسْبِهِ. بِخِلَافِ الْأَبَوَيْنِ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكَسْبِ وَالْوَلَدُ مَأْمُورٌ بِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُمَا فَتَجِبُ نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكَسْبِ.

قَالَ (وَيَجِبُ ذَلِكَ عَلَى مِقْدَارِ الْمِيرَاثِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ) لِأَنَّ التَّنْصِيصَ عَلَى الْوَارِثِ تَنْبِيهٌ عَلَى اعْتِبَارِ الْمِقْدَارِ، وَلِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ وَالْجَبْرَ لِإِيفَاءِ حَقٍّ مُسْتَحَقٍّ

ترجمہ

اور ہر ذی رحم محرم کے لئے خرچ کی ادائیگی واجب ہے' جبکہ وہ کمسن اور محتاج ہو یا اگر وہ بالغ ہو اور محتاج ہو اور عورت ہو۔ یا بالغ ہو محتاج ہو اور مرد ہو جو لنگڑا یا اندھا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: قریبی قرابت میں صلہ رحمی واجب ہوتی ہے اور دور کی قرابت میں یہ واجب نہیں ہوتی ہے دونوں کے درمیان فرق یہی ہوگا' وہ رشتہ دار ذی رحم محرم ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اور وارث پر اسی کی مانند'' حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں۔ ''اور ذی رحم محرم وارث پر اس کی مانند (لازم ہے)''۔ پھر حاجت

مند ہونا، نابالغ ہونا اور مونث ہونا، لنگڑا ہونا یا اندھا ہونا محتاج ہونے کی علامت ہے، کیونکہ اس صورت میں عاجز ہونا متحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ جو شخص کمانے پر قادر ہو وہ اپنی کمائی کے ذریعے بے نیاز ہو جاتا ہے، جبکہ والدین کا حکم اس سے مختلف ہے، کیونکہ کمانے میں انہیں تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، جبکہ بیٹے کے لئے یہ حکم ہے: وہ ان سے ضرر کو دور کرے، لہٰذا ان دونوں کے کمانے کی قدرت رکھنے کے باوجود، ان دونوں کا خرچ (بیٹے کے ذمے) لازم ہوگا۔ میراث کی مقدار کے اعتبار سے یہ خرچ لازم ہوتا ہے اور اس بارے میں اسے مجبور کیا جائے گا، کیونکہ نص میں وارث کا ذکر ہونا اس بات کی دلیل ہے: وہ خرچ وراثت کے حساب سے ہوگا اور آدمی اتنی ہی ادائیگی برداشت کرتا ہے، جتنا حصہ اسے حاصل ہو سکتا اور زبردستی کرنا اس لیے ہے تاکہ حقدار کو اس کا حق پورا مل سکے۔

تنگدست رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا یہ قول ''وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ'' اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ جس ذی رحم محرم سے ہمیشہ کیلئے نکاح حلال نہیں ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۷۰، بیروت)

عبداللہ بن یزید انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنی بیوی بچوں کی ذات پر کار ثواب سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 322)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! خرچ کر میں تیری ذات پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 323)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکین کے لئے محنت اور مزدوری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 324

حضرت عامر بن سعد کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں میری عیادت کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے کیا میں اپنے سارے مال میں وصیت کر دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے پوچھا نصف مال میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے کہا ثلث میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلث میں کر سکتے ہو، اگرچہ یہ بھی زیادہ ہے اور فرمایا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں ایسی حالت میں چھوڑو کہ تنگدست ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم ان کی ذات پر جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ تمہارے لئے صدقہ ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو اور شاید اللہ تمہاری عمر دراز کرے کہ تم سے ایک قوم کو فائدہ ہو اور دوسری کو نقصان صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 325۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر صدقہ وہ ہے کہ جس سے صدقہ دینے والے کی مالداری قائم رہے اور اپنے رشتہ داروں سے شروع کرو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 327)

معمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ثوری نے پوچھا کہ کیا تو نے اس شخص کے بارے میں کچھ سنا ہے جو اپنے اہل وعیال کے ایک سال یا اس سے کچھ کم کیلئے خرچ جمع کرے، معمر نے کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آیا، پھر میں نے وہ حدیث بیان کی جو ہم سے ابن شہاب زہری نے بواسطہ مالک بن اوس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے درختوں کو بیچ دیتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی خوراک رکھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 328)

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ

ضحاک فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈال دے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہیے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ)65 ۔الطلاق 6:)

اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اُجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

حاملہ مطلقہ کے نفقہ ورہائش کا بیان

حاملہ مطلقہ عورت کو نفقہ اور رہائش دونوں اشیاء ملیں گی چاہے طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن. رجعی طلاق میں اس لیے کہ وہ بیوی کے حکم میں ہے حتی کہ عدت ختم ہو جائے، اور یہ عدت وضع حمل سے ختم ہوگی. رہی بائنہ طلاق والی عورت تو اس کے نفقہ کی دلیل سنت نبویہ اور اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بالجملہ یہ کہ: جب آدمی بیوی کو طلاق بائن دے یعنی یا تو تین طلاق ہو یا پھر خلع یا پھر فسخ نکاح، اور بیوی حاملہ ہو تو اسے نفقہ اور رہائش ملے گی، اس پر اہل علم کا اجماع ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

(تم انہیں وہیں رکھو جہاں رہتے ہو اپنی استطاعت کے مطابق اور انہیں نقصان نہ دو تا کہ تم ان پر تنگی کرو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتی کہ وہ حمل وضع کر دیں).

اور بعض احادیث میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہیں نفقہ نہیں ملے گا، الا یہ کہ تم حاملہ ہو "اور اس لیے بھی کہ حمل خاوند کا بچہ ہے، اس لیے اس پر خرچ کرنا باپ پر واجب ہے، اور یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب عورت پر خرچ کیا جائے، اور اسی طرح رضاعت کی اجرت بھی واجب ہوگی۔ (المغنی (8 ./ 185)

حاملہ عورت کے علاوہ طلاق بائن والی عورت کو نفقہ اور رہائش نہ ملنے کی دلیل صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث ہے: شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس گیا اور ان سے ان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگیں: ان کے خاوند نے انہیں طلاق بتہ دے دی تھی، تو میں یہ معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئی کہ مجھے رہائش اور نفقہ ملنا چاہیے۔

وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نہ تو نفقہ کا فیصلہ کیا اور نہ ہی رہائش کا، اور مجھے حکم دیا کہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر میں عدت گزاروں" (صحیح مسلم حدیث نمبر (. 1480)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: وہ کہتی ہیں: میں نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: نہ تو تیرے لیے نفقہ ہے اور نہ ہی رہائش "اور ابن داود کی روایت میں ہے کہ: آپ کو نفقہ نہیں ملے گا، لیکن یہ کہ آپ حاملہ ہوں"

دوم: مرد پر حمل کی حالت میں بچے کا نفقہ واجب ہے، اور اسی طرح رضاعت میں بھی، اور رضاعت کے بعد کا خرچ بھی والد پر ہے، اس میں سے ماں پر کچھ بھی لازم نہیں چاہے ماں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

نفقہ میں ولادت کے اخراجات، اور رہائش اور کھانا پینا اور لباس اور رضاعت کی اجرت، اور بچے کو جو علاج معالجہ کی ضرورت ہو اس کے اخراجات بھی شامل ہونگے۔

جب مطلقہ عورت حمل وضع کر لے تو نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ ہے رہائش، لیکن اس کے بچے کا خرچ اور اسے رہائش دی جائیگی، اور عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ بچے کے باپ سے رضاعت کی اجرت کا مطالبہ کرے۔

اور جب مطلقہ عورت بچے کی پرورش کرنے والی ہو تو فقہاء کرام کا اس کے نفقہ اور رہائش میں اختلاف ہے کہ آیا باپ پر لازم ہوگا یا نہیں، یعنی جس بچے کی پرورش ہو رہی ہے اس کے باپ پر، یا کہ ماں پر یا جو شخص ماں پر خرچ کر رہا ہے اس پر لازم ہوگا، یا کہ وہ اس میں شریک ہوگا، کہ خاوند اور مطلقہ دونوں ہی خرچ ادا کریں، یہ حاکم کیا جتھاد کے مطابق ہوگا. یا کہ اگر اس کی رہائش ہو تو وہ اس پر اکتفا کریگی اور اگر اس کے پاس رہائش نہیں تو پھر بچے کے باپ پر لازم ہے کہ وہ اسے رہائش فراہم کرے؟ اس میں کئی مشہور اقوال ہیں۔ (حاشیۃ ابن عابدین (3 / 562) اور شرح الخرشی (4 / 218)

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر باپ پر دودھ پیتے بچے کی رہائش لازم کی گئی ہو تو مطلقہ عورت کے لیے شرط لگائی جائیگی کہ جب تک وہ بچے کی پرورش کریگی یا پھر دودھ پلائیگی وہ بھی اس کے ساتھ ہی رہائش میں رہیگی، اور اسے اپنے میکے میں رہنا لازم نہیں، یا پھر اسے مکان کرایہ پر لے کر دیا جائیگا، اور بچے کے باپ اور ماں دونوں کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کے میکے میں رہنے پر صلح کر لیں یا پھر عورت کے لیے خاص مکان ہو.

سوم: بالاتفاق بچے کی رضاعت کی اجرت والد پر ہے، اور طلاق دینے والا باپ یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور کرے.

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بچے کی رضاعت اکیلے باپ کے ذمہ ہے، اور اسے بچے کی ماں کو رضاعت پر مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں، چاہے عورت غلط ہو یا شریف، اور چاہے وہ عقد زوجیت میں ہو یا پھر طلاق یافتہ، ہمارے علم کے مطابق اگر بیوی علحدہ ہو چکی ہے تو اسے بالاتفاق رضاعت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا. لیکن اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہے تو ہمارے ہاں اسی طرح ہے، اور امام ثوری اور شافعی اور اصحاب الرائے بھی یہی کہتے ہیں۔ (المغنی (11 ./ 430)

اور ان کا کہنا ہے: جب ماں رضاعت کی اجرت مثل طلب کرے تو وہ اس کی زیادہ حقدار ہے، چاہے وہ حال زوجیت میں ہو، یا پھر اس کے بعد، اور چاہے باپ کو فری دودھ پلانے والی مل گئی ہو، یا نہ ملے۔ (المغنی (11 ./ 431)

"رہا رضاعت کی اجرت کا مسئلہ تو علماء کرام کا اتفاق ہے کہ عورت کو اس کا حق حاصل ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے (اور اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو). اور خوشحال شخص پر نفقہ واجب ہوگا، لیکن تنگ دست پر نفقہ نہیں ہے۔ (الفتاوی الکبری (3 ./ 347)

چہارم: رہی پرورش کی اجرت یعنی بچے کی ترتیب اور اس کی دیکھ بھال کی اجرت تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے، حنابلہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو پرورش کی اجرت طلب کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے کوئی ایسی عورت بھی موجود ہو جو بغیر اجرت کے پرورش کرے. منتھی الارادات میں درج ہے: اور رضاعت کی طرح ماں زیادہ حقدار ہے چاہے اجرت مثل سے ہی ہو (شرح منتھی الارادات (3 ./ 249)

اور مالکی حضرات کا مسلک یہ ہے کہ: پرورش کرنے کی کوئی اجرت نہیں، اور احناف اور شافعی حضرات کے ہاں اس مسئلہ میں

تفصیل ہے۔(الموسوعة الفقهية (17 / . (311)

بالغ بیٹی اور اپاہج بالغ بیٹے کے خرچ کا حکم

قَالَ (وَتَجِبُ نَفَقَةُ الِابْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالِابْنِ الزَّمِنِ عَلٰى اَبَوَيْهِ اَثْلَاثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ) لِاَنَّ الْمِيْرَاثَ لَهُمَا عَلٰى هٰذَا الْمِقْدَارِ .

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ :هٰذَا الَّذِيْ ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْخَصَّافِ وَالْحَسَنِ، وَفِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلُّ النَّفَقَةِ عَلَى الْاَبِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ) وَصَارَ كَالْوَلَدِ الصَّغِيْرِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْاُوْلٰى اَنَّهُ اجْتَمَعَتْ لِلْاَبِ فِي الصَّغِيْرِ وِلَايَةٌ وَمُؤْنَةٌ حَتّٰى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهٖ فَاخْتَصَّ بِنَفَقَتِهٖ، وَلَا كَذٰلِكَ الْكَبِيْرُ لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ فِيْهِ فَتُشَارِكُهُ الْاُمُّ، وَفِيْ غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيْرَاثِ حَتّٰى تَكُوْنَ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ عَلَى الْاُمِّ وَالْجَدِّ اَثْلَاثًا، وَنَفَقَةُ الْاَخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْاَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُوْسِرَاتِ اَخْمَاسًا عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ، غَيْرَ اَنَّ الْمُعْتَبَرَ اَهْلِيَّةُ الْاِرْثِ فِي الْجُمْلَةِ لَا اِحْرَازُهٗ، فَاِنَّ الْمُعْسِرَ اِذَا كَانَ لَهٗ خَالٌ وَابْنُ عَمٍّ تَكُوْنُ نَفَقَتُهٗ عَلٰى خَالِهٖ وَمِيْرَاثُهٗ يُحْرِزُهُ ابْنُ عَمِّهٖ (وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِبُطْلَانِ اَهْلِيَّةِ الْاِرْثِ وَلَا بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِهٖ وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ) لِاَنَّهَا تَجِبُ صِلَةً وَهُوَ يَسْتَحِقُّهَا عَلٰى غَيْرِهٖ فَكَيْفَ تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَوَلَدِهِ الصَّغِيْرِ لِاَنَّهُ الْتَزَمَهَا بِالْاِقْدَامِ عَلَى الْعَقْدِ، اِذِ الْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُوْنَهَا، وَلَا يَعْمَلُ فِيْ مِثْلِهَا الْاِعْسَارُ .

ثُمَّ الْيَسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيْمَا رُوِيَ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ قَدَّرَهُ بِمَا يَفْضُلُ عَلٰى نَفَقَةِ نَفْسِهٖ وَعِيَالِهٖ شَهْرًا اَوْ بِمَا يَفْضُلُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلَّ يَوْمٍ لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِيْ حُقُوْقِ الْعِبَادِ وَاِنَّمَا هُوَ الْقُدْرَةُ دُوْنَ النِّصَابِ فَاِنَّهُ لِلتَّيْسِيْرِ وَالْفَتْوٰى عَلَى الْاَوَّلِ، لٰكِنَّ النِّصَابَ نِصَابُ حِرْمَانِ

الصَّدَقَةِ .

ترجمہ

اور بالغ بیٹی، لنجے بالغ بیٹے کا خرچ والدین پر اس نسبت سے لازم ہوگا' اس کے تین حصے ہوں گے ان میں سے دو حصے باپ کے ہوں گے' اور ایک حصہ ماں کے ذمے ہوگا' کیونکہ ان دونوں کو وراثت اسی حساب سے ملے گی۔ بندہ ضعیف یہ کہتا ہے: یہ وہ چیز ہے جس کا ذکر خصاف اور حسن کی روایت میں ہے۔

ظاہر الروایت میں یہ ہے: ہر خرچ باپ کے ذمے ہوگا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''ان عورتوں کا رزق (خرچ) اور ان کا لباس اس شخص کے ذمے ہوگا جس کا بچہ ہے''۔ تو یہ کمسن بچے کی مانند ہو جائے گا۔ پہلی روایت کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے: کمسن بچے کی طرف سے دو چیزیں باپ کے ذمے ہوتی ہیں ولایت اور مؤنت یہاں تک کہ نابالغ بچے کی طرف سے صدقہ فطر بھی باپ ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لیے نابالغ بچے کا خرچ بطور خاص باپ پر لازم ہوگا۔ لیکن بالغ بیٹے کی یہ حیثیت نہیں ہوتی کیونکہ اس پر باپ کی ولایت برقرار نہیں رہتی اس لیے اس کے خرچ میں ماں بھی شریک ہوگی اسی طرح باپ کے علاوہ دیگر رشتے داروں پر' ان کی وراثت کے حصے کے حساب سے خرچ کی ادائیگی لازم کی جائے گی۔

یہاں تک کہ نابالغ بچے کا خرچ اس کے دادا اور اس کی ماں پر دو تہائی کی نسبت سے لازم ہوگا محتاج بھائی کا خرچ وراثت کے لحاظ سے متفرق قسم کی خوشحال بہنوں پر پانچ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا جو وراثت میں ان کی مقدار کے حساب سے ہوگا' البتہ یہ ضروری ہے' وراثت کا استحقاق کافی ہوگا۔ اگرچہ عملی طور پر انہیں وراثت میں حصہ نہ ملے۔ اگر کسی محتاج شخص کا ماموں اور چچازاد بھائی خوشحال ہوں' تو اس محتاج شخص کا خرچ اس کے ماموں کے ذمے ہوگا حالانکہ وراثت میں حصہ چچازاد بھائی کو ملتا ہے۔

اگر ان ذی محرم رشتے داروں کے ساتھ دین میں اختلاف ہو' تو خرچ واجب نہیں ہوگا' کیونکہ دین میں اختلاف کی وجہ سے وراثت کی اہلیت بھی باقی نہیں رہتی ہے حالانکہ اس اہلیت کے لئے وراثت پر قیاس کرنا ضروری ہے۔ محتاج شخص پر کسی کا خرچ ادا کرنا لازم نہیں ہوتا' کیونکہ اس کا لازم ہونا عطیے کے طور پر ہوتا ہے اور محتاج شخص خود اس کا مستحق ہے' تو اس پر کسی دوسرے کو خرچ فراہم کرنا کیسے لازم ہوسکتا ہے۔

البتہ بیوی یا نابالغ بچے کے خرچ کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ بیوی اور بچے کا خرچ میاں یا باپ پر لازم ہوتا ہے خواہ وہ غریب ہی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: آدمی جب نکاح کر لیتا ہے' تو وہ اپنے اوپر خرچ کو لازم کر لیتا ہے' کیونکہ خرچ کی ادائیگی کے بغیر نکاح کی مصلحت پوری نہیں ہوتی اور تنگدستی ایسے امور میں حاصل نہیں ہوسکتی۔ امام ابو یوسف سے جو روایت نقل کی گئی ہے: اس کے مطابق خوشحالی کا معیار زکوۃ کا نصاب ہوگا۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے: ایک ماہ کے ذاتی اخراجات اور بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ اگر اس کے پاس کچھ بچ جائے (تو وہ شخص خوشحال شمار ہوگا) یا روزانہ کی آمدن میں اتنی بچت ہوتی ہو' وہ خوشحال

تصور ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے: بندوں کے حقوق میں استطاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس میں نصاب کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ شرعی نصاب تو دولت مند ہونے کے لئے ہوتا ہے۔تاہم فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر دیا گیا ہے اور نصاب سے مراد وہ نصاب ہے جس کی موجودگی میں صدقہ وخیرات لینا حرام ہوتا ہے۔

نابالغ اولاد پر وجوب نفقہ کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی مِلک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو۔اور بالغ بیٹا اگر اپاہج یا مجنون یا نابینا ہو کمانے سے عاجز ہو اور اُس کے پاس مال نہ ہو تو اُس کا نفقہ بھی باپ پر ہے اور لڑکی جبکہ مال نہ رکھتی ہو تو اُس کا نفقہ بہر حال باپ پر ہے اگرچہ اُس کے اعضا سلامت ہوں۔اور اگر نابالغ کی مِلک میں مال ہے مگر یہاں مال موجود نہیں تو باپ کو حکم دیا جائے گا۔کہ اپنے پاس سے خرچ کرے جب مال آئے تو جتنا خرچ کیا ہے اُس میں سے لے لے اور اگر بطورِ خود خرچ کیا ہے اور چاہتا ہے کہ مال آنے کے بعد اُس میں سے لے لے تو لوگوں کو گواہ بنائے کہ جب مال آئے گا میں لے لوں گا اور گواہ نہ کیے تو دیانۃً لے سکتا ہے قضاءً نہیں ہے۔نابالغ کا باپ تنگ دست ہے اور ماں مالدار جب بھی نفقہ باپ ہی پر ہے مگر ماں کو حکم دیا جائیگا کہ اپنے پاس سے خرچ کرے اور جب شوہر کے پاس ہو تو وصول کر لے۔

(جوہرہ نیرہ باب نفقہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر باپ مفلس ہے تو کمائے اور بچوں کو کھلائے اور کمانے سے بھی عاجز ہے مثلاً اپاہج ہے تو دادا کے ذمہ نفقہ ہے کہ خود باپ کا نفقہ بھی اس صورت میں اُسی کے ذمہ ہے۔طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اُس کا نفقہ بھی اُس کے والد کے ذمہ ہے وہ طلبہ مراد نہیں جو فضولیات ولغویات فلاسفہ میں مشتغل ہوں اگر یہ باتیں ہوں تو نفقہ باپ پر نہیں۔(درمختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

اصول وفروع کے نفقہ کا فقہی بیان

بہن، بھائی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی یا ان کی اولاد، اگر غریب ہیں اور حاجت مند ہیں۔تو ان کو زکوٰۃ دینا دوہرا ثواب ہے۔ایک صلہ رحمی کا دوسرے ادائیگی فرض کا ہاں اپنے اصول یعنی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر والے اور اپنے فروع یعنی اولاد مثلاً بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان کی اولاد، کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔یونہی میاں بیوی ایک دوسرے کو عشر زکوٰۃ فطرانہ فدیہ مال کفارہ نہیں دے سکتے۔

اگر یہ اولاد نابالغ ہے اور نادار ہے اور اس کے والدین مالدار صاحب نصاب ہیں تو اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ نابالغ اولاد کا نان نفقہ والدین کے ذمہ ہے اور وہ مالدار ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جو شخص خود تنگدست اور ضرورت مند ہو اس پر کسی دوسرے شخص کا خرچ لازم نہیں ہوتا'

اس کی وجہ یہ ہے: بیوی بچوں کے علاوہ کسی اور کا خرچ 'صلہ رحمی کے طور پر ادا کیا جاتا ہے' جبکہ محتاج شخص تو خود دوسروں کی طرف سے احسان اور صلہ رحمی کا مستحق ہوتا ہے' تو وہ کسی دوسرے پر احسان کیسے کرسکتا ہے' البتہ اس محتاج شخص پر اپنی بیوی اور اپنی نابالغ اولاد کا خرچ لازم ہوتا ہے' کیونکہ اس نے خود نکاح کر کے اس خرچ کی ادائیگی اپنے اوپر لازم کی ہے' کیونکہ خرچ کے بغیر زندگی مشکل صورتحال کا شکار ہو جاتی ہے' اس لیے شوہر کے ذمے بیوی کے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی' خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگدست ہو' اسی طرح کیونکہ نابالغ اولاد باپ کے رحم وکرم پر ہوتی ہے' اس لیے اس کا خرچ ادا کرنا بھی باپ کے ذمے لازم ہوگا۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: خوشحال ہونے کی مقدار کیا ہے؟ وہ یہ فرماتے ہیں: امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: جو شخص نصاب کی مقدار جتنے مال کا مالک ہو' اور وہ نصاب اس کی ذاتی ضروریات کے علاوہ ہو' تو ایسا شخص خوشحال شمار ہوگا اور اس پر دوسرے لوگوں کے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اس بارے میں امام محمد رحمہ اللہ سے دو روایات منقول ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق: جس شخص کے پاس اس کی اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کے علاوہ' ایک ماہ کا خرچ موجود ہو' وہ خوشحال شمار ہوگا۔

دوسری روایت کے مطابق: جس شخص کی آمدن اتنی ہو کہ اسے روزانہ اتنا مال بچ جاتا ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہلخانہ کی ضروریات کے لیے کافی ہو' تو وہ خوشحال شمار ہوگا۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: خوشحالی کے بارے میں پہلا قول معتبر ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: بندوں کے حقوق میں صرف کسی چیز پر قدرت کا اعتبار کیا جاتا ہے' نصاب پر قدرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے: نصاب خوشحالی کی آسانی کے لیے ہوتا ہے' یہاں نصاب سے مراد وہ مقدار ہے' جس کی موجودگی میں انسان کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے۔

غیر موجود بیٹے کے مال میں سے والدین کو خرچ فراہم کرنا

(وَاِذَا كَانَ لِلابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ) وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ (وَاِذَا بَاعَ اَبُوهُ مَتَاعَهُ فِيْ نَفَقَتِهٖ (جَازَ) عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ، وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ (وَاِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ) وَفِيْ قَوْلِهِمَا لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ كُلُّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ، لِاَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ لَهٗ لِانْقِطَاعِهَا بِالْبُلُوْغِ، وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ فِيْ حَالِ حَضْرَتِهٖ وَلَا يَمْلِكُ الْبَيْعَ فِيْ دَيْنٍ لَهٗ سِوَى النَّفَقَةِ، وَكَذَا لَا تَمْلِكُ الْاُمُّ فِي النَّفَقَةِ .

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ لِلْاَبِ وِلَایَةَ الْحِفْظِ فِیْ مَالِ الْغَائِبِ ؛ اَلَا تَرٰی اَنَّ لِلْوَصِیِّ ذٰلِكَ فَالْاَبُ اَوْلٰی لِوُفُوْرِ شَفَقَتِهٖ، وَبَیْعُ الْمَنْقُوْلِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَلَا كَذٰلِكَ الْعَقَارُ لِاَنَّهَا مُحْصَنَةٌ بِنَفْسِهَا، وَبِخِلَافِ غَیْرِ الْاَبِ مِنْ الْاَقَارِبِ لِاَنَّهٗ لَا وِلَایَةَ لَهُمْ اَصْلًا فِی التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصِّغَرِ وَلَا فِی الْحِفْظِ بَعْدَ الْكِبَرِ.

اِذَا جَازَ بَیْعُ الْاَبِ فَالثَّمَنُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهٖ وَهُوَ النَّفَقَةُ فَلَهُ الْاِسْتِیْفَاءُ مِنْهُ، كَمَا لَوْ بَاعَ الْعَقَارَ وَالْمَنْقُوْلَ عَلَی الصَّغِیْرِ جَازَ لِكَمَالِ الْوِلَایَةِ، ثُمَّ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهٖ لِاَنَّهٗ مِنْ جِنْسِ حَقِّهٖ (وَاِنْ كَانَ لِلْاِبْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِیْ یَدِ اَبَوَیْهِ وَاَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ یَضْمَنَا) لِاَنَّهُمَا اسْتَوْفَیَا حَقَّهُمَا لِاَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاجِبَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلٰی مَا مَرَّ وَقَدْ اَخَذَا جِنْسَ الْحَقِّ (وَاِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فِیْ یَدِ اَجْنَبِیٍّ فَاَنْفَقَ عَلَیْهِمَا بِغَیْرِ اِذْنِ الْقَاضِیْ ضَمِنَ) لِاَنَّهٗ تَصَرُّفٌ فِیْ مَالِ الْغَیْرِ بِغَیْرِ وِلَایَةٍ لِاَنَّهٗ نَائِبٌ فِی الْحِفْظِ لَا غَیْرُ، بِخِلَافِ مَا اِذَا اَمَرَهُ الْقَاضِیْ لِاَنَّ اَمْرَهٗ مُلْزِمٌ لِعُمُوْمِ وِلَایَتِهٖ.

وَاِذَا ضَمِنَ لَا یَرْجِعُ عَلَی الْقَابِضِ لِاَنَّهٗ مَلَكَهٗ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ اَنَّهٗ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهٖ.

ترجمہ

اور اگر غیر موجود بیٹے کا مال موجود ہو تو اس میں سے والدین کے خرچ کے لئے حکم دیا جائے گا' اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اگر غیر موجود بیٹے کا باپ اس بیٹے کے مال کو' خرچ حاصل کرنے کے لئے فروخت کر دے' تو ایسا کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ اگر باپ اس غیر موجود بیٹے کی زمین یا مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے' تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: جائیداد خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے اس پر باپ کا ولایت کا حق ختم ہو چکا ہے یہی وجہ ہے: بیٹے کی موجودگی میں باپ اس کے مال کو فروخت نہیں کر سکتا یا اسی طرح خرچ کے علاوہ کسی دوسرے قرض کے سلسلے میں بھی وہ اس مال کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس غیر موجود بیٹے کی ماں بھی اپنے خرچ کے لئے اس مال کو فروخت نہیں کر سکتی۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے: باپ کو اپنے غیر موجود بیٹے کے مال کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ جب وصی کو حفاظت کا حق حاصل ہوتا ہے' تو باپ کو بدرجہ اولیٰ یہ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ باپ میں شفقت کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ جو مال منقل

کیا جا سکتا ہو اسے فروخت کرنا حفاظت کی ایک کڑی ہے' جبکہ غیر منقولہ مال میں یہ پہلو نہیں پایا جاتا اس کی وجہ یہ ہے: وہ بذات خود محفوظ ہوتا ہے۔

باپ کے علاوہ دوسرے کسی رشتے دار کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا' کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے: اس غیر موجود بیٹے کے بچپن میں بھی ان رشتے داروں کو اس کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں تھا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی ان رشتے داروں کو وہ ولایت حاصل نہیں ہوگی جو حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔

جب باپ اس کے مال کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس مال کی قیمت ایک ایسی جنس ہے' جو اس باپ کا حق ہے' یعنی اس کا خرچ ہے تو وہ خریدار سے اس کی قیمت وصول کرنے کا بھی حق رکھتا ہوگا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے: جیسے مکمل ولایت کی وجہ سے باپ نابالغ بیٹے کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے اور قیمت میں سے اپنا خرچ وصول کر سکتا ہے' کیونکہ معاوضہ ایسی جنس ہے جس پر اسے حق حاصل ہے۔ اگر غیر موجود بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں ہو' وہ والدین حاجت مند ہوں اور اس میں سے اپنا خرچ وصول کر لیں تو بعد میں وہ اس کے ضامن نہیں ہوں گے' کیونکہ انہوں نے اپنے حق کو وصول کیا ہے' جیسا کہ ہم پہلے یہ بات ذکر کر چکے ہیں: قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے' وہ اپنا خرچ وصول کرنے کے حقدار ہیں اور انہوں نے یہ حق کی جنس میں سے وصول کیا ہے۔

اگر اس غیر موجود بیٹے کا مال کسی بھی شخص کے قبضے میں ہو اور وہ قاضی کی اجازت کے بغیر مال کو ان ماں باپ پر خرچ کر دے' تو بعد میں وہ شخص ضامن ہوگا' کیونکہ اس نے ولایت کے بغیر دوسرے شخص کے مال میں تصرف کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: وہ اجنبی شخص صرف حفاظت کے سلسلے میں غیر موجود شخص کا نائب تھا اور کسی معاملے میں نہیں تھا' اس کے برخلاف جب قاضی اسے اس کا حکم دیدے' تو حکم مختلف ہوگا' کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہونے کی وجہ سے اس کے حکم کی پابندی کی جائے گی۔ اگر وہ تاوان ادا کر دیتا ہے' تو وہ ان والدین سے واپس نہیں لے گا جنہوں نے اس مال کو قبضے میں لیا (یعنی غیر موجود شخص کے والدین) کیونکہ تاوان ادا کرنے کے نتیجے میں وہ اس کا مالک ہو گیا اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی: اس نے ہبہ کے طور پر وہ مال دیا تھا۔

شرح

عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مُجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اُس کی عورت ہے تو قاضی حکم دیگا کہ اُس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اُس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (فتاویٰ خانیہ، کتاب نفقہ)

شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت اُن چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق، باب نفقہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ نا کافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائیگا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کردی جائے چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مرگیا تو نفقہ ساقط ہوگیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مرگیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہوجائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص، یعنی اجنبی شخص قاضی کے فیصلے کے بغیر، غیر موجود شخص کا مال اس کے والدین پر خرچ کردیتا ہے اور پھر اس پر تاوان کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے، اور وہ تاوان ادا کردیتا ہے، تو اب وہ اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی وصولی نہیں کرسکتا، اگرچہ اس نے پہلے رقم ان والدین پر ہی خرچ کی تھی، کیونکہ اس اجنبی شخص کا غیر موجود شخص کے والدین پر یہ خرچ کرنا بطور احسان ہوگا، عطیے کے طور پر ہوگا اور کیونکہ غیر موجود شخص کے والدین نے اس عطیے کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے، تو اب قبضہ میں لیے جانے کے بعد عطیہ واپس نہیں ہوسکتا، اس لیے وہ اجنبی شخص اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی بھی رقم واپس نہیں لے سکے گا۔

قاضی کے فیصلے کے باوجود خرچ نہ ملنے کا حکم

(وَاِذَا قَضَی الْقَاضِیْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَیْنِ وَذَوِی الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ) لِاَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتّٰى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَقَدْ حَصَلَتْ بِمُضِیِّ الْمُدَّةِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ اِذَا قَضٰى بِهَا الْقَاضِیْ لِاَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَا تَسْقُطُ بِحُصُوْلِ الْاِسْتِغْنَاءِ فِيْمَا مَضٰى.

قَالَ (اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ الْقَاضِیْ بِالْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ) لِاَنَّ الْقَاضِیَ لَهٗ وِلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ اِذْنُهٗ كَاَمْرِ الْغَائِبِ فَيَصِيْرُ دَيْنًا فِیْ ذِمَّتِهٖ فَلَا تَسْقُطُ بِمُضِیِّ الْمُدَّةِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور جب قاضی کسی شخص پر اس کے بیٹے، والدین یا محرم رشتے داروں کا خرچ لازم کردے لیکن وہ شخص ایک مدت تک اس خرچ کو ادا نہ کرے تو اس مدت کا خرچ ساقط ہوجائے گا، کیونکہ لوگوں کا خرچ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ خوشحال ہوں تو وہ خرچ لازم نہیں ہوتا، اس لیے جو مدت گزر گئی گویا اس کی کفایت بھی ہوگئی۔ اس کے برخلاف اگر قاضی

بیوی کے لئے خرچ مقرر کردے، تو وہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ بیوی کا خرچ تو بیوی کے خوشحال ہونے کے باوجود بھی لازم ہوتا ہے۔ اس لیے گزری ہوئی مدت میں عورت کے بے نیاز ہونے کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ اگر قاضی اس غیر موجود شخص کی ذمہ داری پر قرض لینے کی اجازت دیدے، تو گزشتہ مدت کا خرچ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ قاضی کی ولایت سب پر عام ہوتی ہے، تو اس کا حکم دینا اسی طرح ہوگا، جیسا کہ اس غیر موجود شخص نے خود اس کی اجازت دی ہو لہٰذا یہ اس غیر موجود شخص کے ذمے قرض ہوگا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساقط نہیں ہوگا، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر قاضی کسی شخص کے لیے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنی اولاد، اپنے والدین اور اپنے رشتے داروں کو خرچ فراہم کرے گا اور پھر اس کے بعد کچھ عرصہ گزر جاتا ہے، اس میں اس نے خرچ فراہم نہیں کیا، تو اس گزرے ہوئے عرصے کا خرچ ساقط ہوجائے گا، اس کی وجہ یہ ہے: ان لوگوں کا خرچ صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے ہوتا ہے، تو کیونکہ سابقہ عرصہ ان کا ایسے ہی گزر گیا ہے، لہٰذا سابقہ عرصے کے اعتبار نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے: اگر یہ لوگ خوشحال ہوجاتے ہیں تو پھر ان کے خرچ کی ادائیگی لازم نہیں رہتی تو جب کچھ عرصہ خرچ کے بغیر گزر گیا تو یہ اس بات کی دلیل سمجھا جائے گا، اس عرصے کے دوران انہیں خرچ کی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا اب گزرے ہوئے زمانے کا خرچ اس شخص کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر قاضی کسی شخص کی بیوی کا خرچ مقرر کرتا ہے اور پھر کچھ عرصہ خرچ کی ادائیگی کے بغیر گزر جاتا ہے، تو سابقہ زمانے کا خرچ اس شوہر کے ذمے لازم رہے گا اور وہ ساقط نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے: اگر بیوی خوشحال ہو، تو بھی اس کا خرچ ادا کرنا شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے، اس لیے سابقہ زمانے کا خرچ ساقط نہیں ہوگا اور شوہر اس خرچ کو ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی قاضی کسی غیر موجود شخص کے والدین یا اس کے بیوی بچوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اس غیر موجود شخص کے نام پر قرض حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کریں اور پھر کچھ مدت گزرنے تک وہ قرض نہیں لیتے، تو ان کا خرچ ساقط نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے: قاضی کو تمام ولایت حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس کا تصرف اسی طرح ہوگا، جیسے اس غیر موجود شخص نے خود قرضہ لینے کی ہدایت کی ہو کہ تم میرے نام پر قرضہ لے کر اپنا خرچ پورا کرسکتے ہو، تو حکم یہی ہے: اگر غیر موجود شخص نے خود قرضہ لینے کی ہدایت کی ہوتی اور کچھ مدت گزرنے تک والدین یا بیوی بچوں نے قرض نہ لیا ہوتا، تو بھی ان لوگوں کا خرچ ساقط نہیں ہوتا۔

فَصْلٌ

﴿ یہ فصل غلام وباندی کے نفقہ کے بیان میں ہے ﴾

فصل نفقہ غلام وباندی کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس فصل میں غلام وغیرہ اور دیگر حیوانات کے نفقہ کو جمع کیا ہے اور اس فصل کو مؤخر کیا ہے۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ انسان کو اس ملکیت والے مال میں انفاق پر مجبور نہیں کیا جائے البتہ آزادی میں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ جانوروں کا معاملہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان ہے۔ نفقہ زوجہ اور غلام میں فرق کیا جائے گا کیونکہ آقا جب غلام کا نفقہ روک دے تو اس کو غلام کی بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ جبکہ شوہر جب نفقہ زوجہ روکے تو اس کو طلاق پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جب کسی غلام کو بیچا جائے گا اس غلام کو گویا خلیفہ کی طرف پھیرنا ہے یعنی غلام کا خلیفہ اس کی ثمن ہے۔ جبکہ طلاق میں کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو یہ ایسی تفریق ہے جس میں خلیفہ نہیں ہے۔ لہذا خلیفہ کے فوات کے وقت خلیفہ کو طرف پھیرنا منع ہو جائے گا اور جہاں خلیفہ ہو گا وہاں حکم رقیت کو خلف کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۲، بیروت)

غلام وباندی کے نفقہ کے ثبوت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت وہمت کے مطابق ہو۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 538)

اس حدیث میں غلام کے بارے میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت وطاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم میں کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارے میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت وہمت سے زیادہ کی عمل وفعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر وعمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی جو مالک مجازی ہیں یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر

کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں ان کی طاقت وہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ غلام کے تئیں مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں (۱) جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد بازی کا حکم نہ دے (۲) جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے (۳) اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

آقا پر اپنی کنیز اور غلام کا خرچ لازم ہے

(وَعَلَى الْمَوْلٰى اَنْ يُنْفِقَ عَلٰى عَبْدِهِ وَاَمَتِهِ) لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَمَالِيْكِ (اِنَّهُمْ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ، اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ، وَلَا تُعَذِّبُوْا عِبَادَ اللّٰهِ(۱)) (فَاِنْ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا) لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لِلْجَانِبَيْنِ حَتّٰى يَبْقَى الْمَمْلُوْكُ حَيًّا وَيَبْقٰى فِيْهِ مِلْكُ الْمَالِكِ (وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ) بِاَنْ كَانَ عَبْدًا زَمِنًا اَوْ جَارِيَةً لَا يُؤَاجَرُ مِثْلُهَا (اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا) لِاَنَّهُمَا مِنْ اَهْلِ الِاسْتِحْقَاقِ وَفِي الْبَيْعِ اِيفَاءُ حَقِّهِمَا وَاِبْقَاءُ حَقِّ الْمَوْلٰى بِالْخُلْفِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِاَنَّهَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ تَاْخِيْرًا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، وَنَفَقَةُ الْمَمْلُوْكِ لَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ اِبْطَالًا، وَبِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ اَهْلِ الِاسْتِحْقَاقِ فَلَا يُجْبَرُ عَلٰى نَفَقَتِهَا، اِلَّا اَنَّهُ يُؤْمَرُ بِهٖ فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نَهٰى عَنْ تَعْذِيْبِ الْحَيَوَانِ(۲)) وَفِيْهِ ذٰلِكَ، وَنَهٰى عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ(۱) وَفِيْهِ اِضَاعَتُهُ. وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهُ يُجْبَرُ، وَالْاَصَحُّ مَا قُلْنَا، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

(۱) أخرجه البخاری فی "صحیحه" ۴۶۵/۱۰ برقم (۶۰۵۰) و مسلم فی "صحیحه" ۱۲۸۲/۳-۱۲۸۳ برقم (۱۶۶۱) من روایة أبی ذرم رضی الله عنه مرفوعاً۔ و أبو دادود فی "سننه" برقم (۵۱۵۷)۔

(۲) أخرجه أحمد فی "مسنده" ۱۶۸/۵ و أبو داود فی "سننه" ۳۵۹/۵-۳۶۰ برقم (۵۱۵۷) عن أبی ذر رضی الله عنه مرفوعاً: "من لاء مكم من مملوكيكم فاطعموه مما تأكلون و اكسوه مما تكسون، ومن لم يلائمكم منهم فبيعوه ولا تعذبوا خلق الله" وأخرج أحمد فی "المسند" ۱۸۰/۴-۱۸۱ و أبو داود فی "سننه" ۳......۴۹/ برقم (۲۵۴۸) و صححه ابن حبان فی صحیحه فی البر والصلة باب: فصل من البر والاحسان برقم (۵۴۵) سهل بن الحنظلية قال: "مر رسول الله ﷺ ببعير قد لحق ظهره ببطنه فقال: "اتقوا الله فی هذه البهائم المعجمة فاركبوها صالحة و كلوها صالحة"

ترجمہ

اور مالک پر اپنے غلام اور کنیز کا خرچ لازم ہوتا ہے' اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا غلاموں کے بارے میں یہ فرمان ہے: "وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت کر دیا ہے تم انہیں وہی چیز کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی چیز پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو عذاب نہ دو"۔ اگر آقا انکار کر دیتا ہے اور وہ دونوں (غلام اور کنیز) ہنر مند ہوں تو وہ خود کام کر کے کمائیں گے اور کھائیں گے' کیونکہ اس میں دونوں فریقوں کے لئے بہتری ہے' یہاں تک کہ غلام بھی زندہ رہے گا' اور مالک کی ملکیت بھی باقی رہے گی۔ لیکن اگر وہ دونوں ہنر مند نہ ہوں' یعنی وہ غلام لنجا ہو یا کنیز ایسی ہو کہ اسے کوئی ملازم نہ رکھتا ہو' تو آقا کو ان کی فروخت پر مجبور کر دیا جائے گا' کیونکہ وہ دونوں استحقاق رکھتے ہیں اور فروخت کرنے کی صورت میں ان کا حق پورا کیا جا رہا ہے اور آقا کا حق بھی پورا کیا جا رہا ہے کہ اسے قیمت مل جائے گی۔ البتہ بیوی کے خرچ کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہ قرض ہو جاتا ہے' لہٰذا اس میں تاخیر کی جا سکتی ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن غلام کا خرچ قرض نہیں بنتا اس لیے ابطال ضروری ہوگا۔ جبکہ حیوانات کا حکم اس کے برخلاف ہے' اس کی وجہ یہ ہے: وہ استحقاق کے حقدار نہیں ہیں اس لیے ان کے خرچ کے بارے میں آقا کو مجبور نہیں کیا جا سکتا البتہ اسے یہ پابند کیا جائے گا' وہ ان کا خرچ ادا کرے اور یہ معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو اذیت دینے سے منع کیا ہے اور یہ بات اس میں شامل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے بھی منع کیا ہے اور اس میں مال کو ضائع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں مالک کو مجبور کیا جائے گا' تاہم درست قول وہی ہے' جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

دین وخلقت میں غلاموں کی مماثلت کا بیان

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین وخلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو ہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی

(۱) ففی الصحیحین البخاری فی "سحیحہ" فی الاستقراض باب: ما ینهی عن اضاعة المال (۲۳۰۸) و مسلم فی "حصیحہ" فی الاقضیة باب: النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة (۳/۱۳۴۱) (۵۹۳) (۱۲) عن المغیرة بن شعبة مرفوعاً: ان اللّٰه حرم علیکم ثلاثاً: عقوق الأمهات، ووأد البنات، و منع وهات و کرہ لکم ثلاثا: قیل و قال، و کثرة السؤال، واضاعة المال"

پہنائے جو خود پہنتا ہے وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک اس کے مملوک کا اسی حیثیت ومقدار کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج ودستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم وزیادہ ہو یہاں تک کہ اگر مالک خواہ اپنے زہد وتقوی کی بناء پر یا از راہ بخل اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اسکو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو خواہ خود اس کا ہاتھ بٹاؤ یا کسی دوسرے شخص کو اسکی مدد کرنے پر متعین کرو چنانچہ بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چکی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے بایں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چکی پیستے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گرمی اور دھوپ میں تکلیف اٹھائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا اس خادم کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھائے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 541)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دستر خوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم ونوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام ومسائل

آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور ام ولد اور خواہ کمسن ہوں یا بڑی عمر والے اور خواہ اپاہج ومعذور ہوں۔ یا بالکل تندرست وتوانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے مختار ہوں گے کہ محنت ومزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کما کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی وحاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ لیکن دیانۃً اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے یا اسکے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

غلام وباندی کا نفقہ روکنے والے کیلئے وعید کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور لونڈیوں کو ان کا کھانا دیدیا ہے اس نے کہا کہ نہیں انہوں فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا نہ دے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے یعنی اپنے اہل وعیال اور غلام لونڈی وہ اس کی روزی ضائع کرے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 540)

مذہب حنفی پر غیر مقلدین کا اعتراض وجواب

نام نہاد غیر مقلد مولوی وحید الزماں حیدر آبادی لکھتا ہے کہ اگر خاوند کہیں چلا گیا ہو اور اس کا پتہ معلوم ہو تو عورت اپنے شہر کے قاضی کے پاس جائے وہ اس شہر کے قاضی کو لکھ کر جہاں اس کا خاوند ہو عورت کا خرچہ منگوائے۔ اگر یہ امر ممکن نہ ہو جیسا کہ ہمارے زمانے کا حال ہے کہ قاضیوں کو مطلق اختیار نہیں ہے تو عورت اپنے شہر کے قاضی کو اطلاع دے اور وہ نکاح فسخ کرادے۔ رویانی نے کہا کہ اس پر فتویٰ ہے اگر خاوند کا بالکل پتہ نہ ہو جب بھی نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر خاوند مفلس ہو اور نان نفقہ نہ دے سکتا ہو شافعیہ اور اہلحدیث کا یہی قول ہے اور حنفیہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند مفلس ہو یا غائب ہر حال میں عورت صبر سے بیٹھی رہے۔ البتہ اس کے نام پر قرض لے کر کھا سکتی ہے۔ بتلائیے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا۔ اس زمانہ میں تو مالدار وں کو بھی بغیر گروی کے کوئی قرض نہیں دیتا۔

مولوی وحید الزماں کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نام نہاد فرقہ غیر مقلدین کا اتنا وقار بھی نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کو قرض دے۔ لوگوں کو غور وفکر اور نام نہاد اہل حدیث فرقہ کے اس رویے سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ جو فرقہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی ضمانت نہیں دیتا وہ لوگوں کے ایمانوں کے محافظ کس طرح ہو سکتے ہیں۔

دوسرا سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ جو فرقہ مسلمانوں کے بارے میں اتنی بدگمانی رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے ایمانوں کے بارے میں کس قدر بدگمان اور ناسور ہوگا۔

تیسرا معنی یہ معلوم ہوا ہے کہ غیر مقلدین دنیاوی مفلسی سے فقہی احکام کا استدلال کرتے ہیں کیا خوب غیر مقلدین کی نادانی ہے کہ ایک طرف دعویٰ قرآن وسنت کرتے ہوئے تھکتے نہیں ہے جبکہ دوسری طرف گمراہ کن استدلال کی مشینیں لگا رکھی ہیں

چوتھا مفہوم یہ اخذ ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ بتلائیے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا۔ جناب آپ تو علم غیب کو غیر خدا کیلئے شرک سمجھتے ہیں اور اب آنے والے وقت سے متعلق ہونے والے واقعہ کا سوال کر رہے ہیں۔ کہیں اپنے مسلک کی کمزور لکیر سے پھسل تو نہیں گئے۔

کتاب العتاق

﴿ یہ کتاب غلام آزاد کرنے کے بیان میں ہے ﴾

کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق اور عتاق میں مشترکہ مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں اسقاط مشترک ہے۔ کیونکہ عتاق میں ملک رقبہ کا اسقاط ہے جبکہ طلاق میں ملک بضع کے منافع کا اسقاط ہے۔ جس چیز سے ذمے سے ملکیت ساقط ہو جائے اس کو ابراء کہتے ہیں اور جس چیز سے ملکیت قصاص ساقط ہو جائے اس کو عفو کہتے ہیں۔ لہذا اسقاط کی مختلف اقسام وانواع کا باہمی امتیاز کی رعایت کرنے کیلئے فرق کرنا ضروری ہے۔ اور یہاں بعض کی اضافت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۳۵، بیروت)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے کتاب طلاق کے بعد کتاب عتاق کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان میں سرایت ولزوم کے طور پر اسقاط برابر ہے۔ جس طرح طلاق میں ہے۔ یہاں تک کہ اس میں تعلیق صحیح ہے۔ پس بعض اعتاق کل اعتاق کی طرح ہو گیا ہے۔ بہر حال افساد خواہ بطور حقیقت ملکیت میں ہو وہ عتق میں ثبوت کے بعد طلاق کی طرح فسخ کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۵، بیروت)

طلاق کی ترتیب جس کو حدیث میں بھی ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم وہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: لا طلاق ولا عتاق فی غلاق (مسند احمد: ۲۶:۲۷۶)

زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔ اور اکراہ زبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور ومکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

عتاق کا لغوی وشرعی مفہوم

عتاق کا لغوی معنی ہے۔ آزاد کرنا، جبکہ اصطلاح شرعی میں مالک کا کسی غلام کو اپنی ملکیت سے آزاد کر دینے کا نام عتاق ہے۔ عتق اور عتیق کا معنی آزادی ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب مبارک عتیق ہے۔ اور اس لقب مبارک کا سبب یہ ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، جب آپ کی ولادت شریفہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو بیت اللہ شریف لے گئیں اور دعا کی ": اے اللہ انہیں موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرما دے " دعا قبول ہوئی اور آپ کا لقب مبارک عتیق ہو گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد 13 ص 35، شرح مواہب زرقانی، ج 1 ص 445)

عتاق کے اسباب کا بیان

عتاق کے اسباب کثیر ہیں۔

مِنْهَا الْإِعْتَاقُ ، وَمِنْهَا دَعْوَى النَّسَبِ ، وَمِنْهَا الِاسْتِيلَادُ ، وَمِنْهَا مِلْكُ الْقَرِيبِ ، وَمِنْهَا زَوَالُ يَدِ الْكَافِرِ عَنْهُ كَمَا إذَا اشْتَرَى الْحَرْبِيُّ فِي دَارِنَا عَبْدًا مُسْلِمًا فَدَخَلَ بِهِ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَإِنَّهُ يَعْتِقُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَمِنْهَا الْإِقْرَارُ بِحُرِّيَّةِ الْعَبْدِ إذَا اشْتَرَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ .

قرآن کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا . (النساء، ۹۲)

اور مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے۔ اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خوں بہا سپرد کی جائے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا۔ تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے۔ وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

(۲) وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ . (مجادلہ، ۳)

اور وہ جو اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں۔ پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے۔ تو ان پر لازم ہے۔ ایک بردہ آزاد کرنا۔ قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے جو نصیحت تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

(۳) فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا . (النور) اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلو۔

احادیث کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض آزاد کرنے والے کے عضو کو (جہنم کی) آگ سے نجات دے گا سعید

بن مرجانہ کا بیان ہے کہ میں علی بن حسین کے پاس گیا اور ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے ایک غلام کا قصد کیا جس کی قیمت عبداللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دینے کو تیار تھے اس کو آزاد کردیا۔
(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2369)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کسی قول کی اجازت کے بغیر ان کے آزاد کردہ غلام کا مولی بن جائے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا قیامت کے دن نہ کوئی نفل قبول ہوگا نہ فرض۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1299)

(۳) حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے۔
(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 535 حدیث مرفوع)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے آقاؤں نے ولاء کی شرط رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے یا فرمایا جو نعمت کا والی ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2226، حدیث متواتر حدیث مرفوع)

(۵) حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673، حدیث مرفوع)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے اتنا ہی حصہ آزاد رہے گا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1150 حدیث مرفوع)

(۷) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین وخلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539، حدیث مرفوع)

غلامی کی ابتداء وتاریخی تجزیہ

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بدقسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہوجاتا ہے گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کیبعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو بہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔

(۱)۔حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاو کیا گیا؟

(۲)۔آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کردیا؟

(۳)۔غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابہ کرام کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنے کا بیان

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کرکے بے دریغ قتل کردیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے۔

حَتّٰى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً ۔ (سورة محمد)

یہاں تک کہ جب تم اُن کی طاقت کچل چکے ہو تو مضبوطی سے گرفتار کرلو، پھر چاہے احسان کرکے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر اور صحابہ کرام نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا ہم اس پر مامور نہیں ہیں، اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔ (کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف)

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اوران کے آرام وآسائش کا سامان بہم پہنچانا

صحابہ کرام اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام وآسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے خود قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۔(الدھر)

باوجودیکہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف ومراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھالیتے تھے مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرادی۔ ادفئوا اسراکم (طبری)

اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاو

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاو

اگرچہ صحابہ کرام تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاو کرتے تھے؛ لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف ومراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب جنگ مصر میں بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہوکر آئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت واحترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اس کے ساتھ ایک سردار کو کردیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔ (مقریزی)

اسیران جنگ کو اعزہ واقارب سے جدا نہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ واقارب سے جدا نہ کئے جائیں، صحابہ کرام اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے، ایک بار حضرت ابوایوب انصاریؓ کسی فوج میں تھے اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کردیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ واقارب سے جدا کردے گا۔

(مسند دارمی کتاب الجهاد باب النهی عن التفریق بین الوالدة وولدها)

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہوکر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کرلیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہوجائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوسکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاوں پر حملہ کیا مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبی فلایطوء ها حتی تحیض

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آجائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

أیها الناس إنی لا أقول فیکم إلا ما سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول قام فینا یوم حنین

فقال لا يحل لامرء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقى ماءه زرع غيره يعنى آتيان الحبالى من السبايا وأن يصيب امرأة ثيبا من السبى حتى يستبرئها (مسند ابن حنبل)

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

غلاموں کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے؛ لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید کر کے غلام بنالئے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے، (مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے) جنہوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

(ابوداود کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء)

حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دو تا کہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔

(ابوداود كتاب الطلاق باب فى المملوكين يعتقان معاهل تخير امراته)

ایک بار حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بات بند کرنے کی قسم کھائی، پھر معاف کرنے کے بعد قسم کے کفارہ میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔ (بخاری كتاب الادب باب الهجرة)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ دفعۃً حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہؓ نے ان کی جانب سے بکثرت غلام آزاد کئے، (موطا امام مالک كتاب الحق والولاو باب عتق الحيى عن الميت) ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔ (مسلم كتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم وغيرهم)

حضرت میمونہؓ کی ایک لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دیگا؛ لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا۔ (ابوداود کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب الهبۃ)

سفینہ حضرت ام سلمہؓ کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کے لئے آزاد کر دیا۔

(ابوداود کتاب العتق باب فی العتق علی شرط)

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی، بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو

اٹھا لے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچے مارے، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اس کو بلوا کر پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی رسول اللہ ﷺ ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کر دو یہ تو مسلمان ہے۔

(ابوداود كتاب الصلوة باب تشميت العاطس فى الصلوة)

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں؛ لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔ (موطا امام مالك كتاب العتق والولاء باب القطاعة فى الكتابة)

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔ (ابوداود كتاب الفرائض باب فى ميراث ذوى الارحام)

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، خدا کا کوئی شریک نہیں اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔

(ابوداود كتاب العتق باب فيمن اعتق نصيبا له من مملوك)

حضرت حکیم بن حزامؓ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے، (مسلم كتاب الايمان باب بيان حكم عمل الكافر اذا اسلم بعده) ان غلاموں کی آزادی نہایت شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی؛ چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کے دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر "عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام" لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔

(نزهته الابرار تذكره حكيم ابن حزام)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کئے۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۱۰۹، مسند عثمانؓ)

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی: غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال سے آزاد ہیں۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے؛ لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔ (سنن ابن ماجه ابواب العتق باب من اعتق عبد اوله مال)

حضرت ابو مذکورؓ ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی؛ لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے ان کو اس کی قیمت دلادی۔

(ابوداود كتاب العتق باب فى بيع المدبر)

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا؛ لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق

آپ ﷺ نے صرف دوغلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔(ابوداود کتاب العتق باب فیمن عتق عبید اله یبلغهم الثلث)

اسیران ہوازن میں سے حضرت عمرؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا تو انہوں نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کردی جائے۔ (ابوداود کتاب الصیام باب المعتکف یعود المریض کتاب الجہاد میں ہے کہ دو لونڈیاں تھیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنادیا تھا اس لئے اگر صحابہ غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجاتے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزاد کردیتے تھے، حضرت ابومسعود انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے۔(ابوداود کتاب الادب باب فی حق المملوك)

ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے دوغلام ہیں، جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں، میں جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب، نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہوگا۔

اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا، یہ سن کروہ رونے پیٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کردوں، آپ گواہ رہئے کہ وہ آزاد ہیں۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورہ انبیاء)

ایک بار آپ ﷺ نے ابوالہیثم بن التیہان انصاریؓ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کی بی بی نے کہا تم سے یہ نہ ہوسکے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کردو، انہوں نے اس کو آزاد کردیا۔ (ترمذی ابواب الزہد)

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ نیکی کرو، انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کردیا۔ (ادب المفرد باب العفو عن الخادم)

حضرت ابوہریرہؓ اسلام لانے کے لئے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پاکر راستے ہی میں بھاگ گیا یا بھٹک گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ! لے لو یہ تمہارا غلام ہے، بولے کہ آپ گواہ رہئے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔

(بخاری ابواب الشرکة باب اذا قال نعبده هو لله ونوى لعتق والا شهاد فى العتق)

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کو چہرے پر آگ ڈال دی، غلام گھبرا کر اٹھا تو کنویں میں گر پڑا، حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کی حالت دیکھی تو اس کو آزاد کردیا۔ (ادب المفرد باب حسن الملکة)

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام اپنے مملوکہ لونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے؛ بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کے لئے خریدتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی کو اس لئے خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کردیں، (ابوداود کتاب الفرائض باب فی الولاء) ابتدائے اسلام میں حضرت ابوبکرؓ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوامؓ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کردیا، (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب جر الاعبد الولاء)

ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام نے آزاد کیا۔

میر اسماعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد انتالیس ہزار دوسوسینتیس (۷۳۰۲) تک پہنچتی ہے، چنانچہ ان صحابہ کے نام حسب ذیل ہے

حضرت عائشہؓ حضرت حکیم بن حزامؓ ذوالکلاع حمیری حضرت عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

اس کتاب میں حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے؛ لیکن لکھا ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔

(سبل السلام، کتاب العتق).

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عرب کا غلام نہ بنانا

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس قبیلہ بنوتمیم کی ایک لونڈی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو آزاد کردو، کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ ﷺ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں فرماتے تھے؛ لیکن حضرت عمرؓ نے عام قانون بنادیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جاسکتا؛ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں قبائل مرتدہ کے جولوگ گرفتار ہوئے تھے، ان کو انہوں نے اسی بنا پر آزاد کرادیا۔ (یعقوبی)

اسلام کے پہلے عرب کے جولوگ لونڈی یا غلام بنالئے گئے تھے ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنالیا گیا ہوتو وہ اس کے بدلے میں دوغلام بطور فدیہ کے دے کر آزاد کراسکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جاسکتی ہے۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ ریاح بن حارث)

غیر قوم میں اگرچہ غلام بنائی جاسکتی تھیں تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کردیا جائے؛ لیکن حضرت عمرؓ نے جزیہ مقرر کرکے ان کو بالکل آزاد کردیا، چندگاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی، وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی واپس کردیا۔ (حسن المحاضرہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام عام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ (کنزل العمال)

حضرت عمرؓ کے عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے محاصل وخراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہے۔

غلاموں کو مکاتب بنانے کا بیان

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کرلی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کرکے آزاد ہوسکتے ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۔(النور)

اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلو

لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا؛ لیکن آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا؛ چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کردیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو بلوا کر درے سے مارا اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المکاتب)

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے تھے، ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کرکے کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا؛ لیکن آقا نے یکمشت رقم لینے سے انکار کردیا اور بااقساط لینا چاہا، وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کروادی اور کہا، تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھدوں گا، اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کو اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر یہ رقم وصول کرلی۔

(طبقات ابن سعد تذکرہ ابوسعید المقبری)

اسیران جنگ سے اعزہ واقارب کو جدا نہ کرنا

اگرچہ صحابہ کرام مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اعزہ واقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے قانوناً وحکماً اس کی ممانعت فرمادی؛ چنانچہ تمام امرائے فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے، ایک بار بازار میں شورسن کر حضرت عمرؓ نے اپنے دربان یرقاء کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جارہی ہے، انہوں نے تمام مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور یہ آیت پڑھی:

" فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ" (محمد)

پھر اگر تم نے منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ اور اپنے خونی رشتہ کاٹ ڈالو

اور کہا کہ اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہوسکتا ہے کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے؛ چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں۔ (کنز العمال، جلد، صفحہ۴، ۱۱۲)

غلاموں کے وظیفے

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا، اس میں غلام برابر کے شریک تھے، اول اول حضرت ابوبکرؓ نے غلاموں کو بیت

المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا، ابوداود کتاب الخراج میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

کان ابی یقسم للحر والعبد میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرمادیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کے وظائف بھی مقرر فرمائے، (فتوح البلدان، صفحہ) ان کو اس بات میں اس قدر فکر تھی کہ جب ایک عامل نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا، تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے، (فتوح البلدان، صفحہ) حضرت عمرؓ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شماری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے، حضرت عثمانؓ نے اس کو اور ترقی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام ضعیف نظر آتے ان کے ٹیکس معاف کردیتے۔

حضرت عثمانؓ نے عام طور پر یہ ہدایت کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ روزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔

(موطا امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک)

غلاموں کو تعلیم دینے کا بیان

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی، ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو مکتب میں داخل کردیا۔ (فتوح البلدان)

حضرت عثمانؓ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میر منشی بنایا، (فتوح البلدان) بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے؛ چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے اون صاف کرنے کے لئے مکتب سے لڑکے طلب کئے تو کہلا بھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔ (بخاری کتاب الدیات باب من استعار عبداا وصبیا)

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے؛ لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دیدی، تمام مسلمانوں نے کہا اس کا اعتبار نہیں ہے؛ لیکن ان لوگوں نے کہا ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے، اب اس باب میں حضرت عمرؓ سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانون کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ (فتوح البلدان)

غلاموں کی عزت وآبرو کی حفاظت

خلفاء راشدین لونڈیوں اور غلاموں کی عزت وآبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جاسکتا ہے، ایک بار ایک غلام نے کسی لونڈی کی ناموس پر ناجائز حملہ کیا اور حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلاوطن کر دیا۔

(موطا امام محمد باب الاستکراہ فی الزناء)

حقوق میں مساوات

ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفائیرِ اشدینؓ غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے؛ چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گذر چکی ہیں۔

ان تمام مراتب کے پیش نظر ہوجانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں شخصی اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے؛ بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

اعتاق کے مندوب تصرف کا بیان

الْإِعْتَاقُ تَصَرُّفٌ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ ، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أَيُّمَا مُسْلِمٍ أَعْتَقَ مُؤْمِنًا أَعْتَقَ اللَّهُ تَعَالَى بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنْ النَّارِ) وَلِهَذَا اسْتَحَبُّوا أَنْ يُعْتِقَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ وَالْمَرْأَةُ الْأَمَةَ لِيَتَحَقَّقَ مُقَابَلَةُ الْأَعْضَاءِ بِالْأَعْضَاءِ .

قَالَ (الْعِتْقُ يَصِحُّ مِنْ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِي مِلْكِهِ) شَرْطُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ الْعِتْقَ لَا يَصِحُّ إلَّا فِي الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ لِلْمَمْلُوكِ وَالْبُلُوغِ لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ لِكَوْنِهِ ضَرَرًا ظَاهِرًا ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُهُ الْوَلِيُّ عَلَيْهِ ، وَالْعَقْلِ لِأَنَّ الْمَجْنُونَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّصَرُّفِ وَلِهَذَا لَوْ قَالَ الْبَالِغُ : أَعْتَقْت وَأَنَا صَبِيٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ، وَكَذَا إذَا قَالَ الْمُعْتِقُ أَعْتَقْت وَأَنَا مَجْنُونٌ وَجُنُونُهُ كَانَ ظَاهِرًا لِوُجُودِ الْإِسْنَادِ إلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ ، وَكَذَا لَوْ قَالَ الصَّبِيُّ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ إذَا احْتَلَمْت لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِقَوْلٍ مُلْزِمٍ ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ فِي مِلْكِهِ حَتَّى لَوْ أَعْتَقَ عَبْدَ غَيْرِهِ لَا يَنْفُذُ عِتْقُهُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا عِتْقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُهُ ابْنُ آدَمَ).

ترجمہ

اعتاق کا تصرف مندوب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی مؤمن کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو جہنم

سے آزاد کرے گا۔ لہذا مستحب ہے کہ مرد غلام کو اور عورت باندی کو آزاد کرے تاکہ اعضاء کا اعضاء کیساتھ تقابل ہوجائے۔

فرمایا: آزادی ہر اس بالغ عاقل سے صحیح ہوتی ہے جس کی ملکیت ہو۔ اور آزادی کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف ملکیت سے صحیح ہوتی ہے۔ جبکہ مملوک کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور بچہ اس لئے اہل نہیں ہے کیونکہ اس کا نقصان ظاہر ہے۔ کیونکہ ولی بچے پر اعتاق کی ملکیت نہیں رکھتا۔ اور عاقل ہونے کی شرط اس لئے بیان کی ہے کہ مجنون تصرف کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لہذا جب کسی بالغ شخص نے کہا کہ میں نے آزاد کیا جبکہ میں بچہ ہوں تو اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح اگر معتق نے کہا کہ میں نے آزاد کیا لیکن میں مجنون ہوں اور اس کا جنون بھی ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ اعتاق کا اسناد انتفائے حالت عتق کی طرف کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح جب کسی بچے نے کہا کہ جس میں مالک ہوں وہ آزاد ہے جب میں بالغ ہوجاؤں تو اس صورت میں بھی اعتاق درست نہ ہوگا کیونکہ نابالغ کسی ایسے قول کی اہلیت نہیں رکھتا جو حکم لازم کرنے والا ہو۔ اور غلام کا معتق کی ملکیت ہونا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ جب کسی نے شخص نے دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس چیز کا انسان مالک نہیں اس میں عتق نہیں ہے۔

غلام کی آزادی اعضاء کو جہنم سے بچانے والی ہے

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرے گا۔ سعید بن مرجانہ نے بیان کیا کہ پھر میں علی بن حسین (زین العابدین رضی اللہ عنہ) کے یہاں گیا (اور ان سے حدیث بیان کی) وہ اپنے ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کی عبداللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت دے رہے تھے اور آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۵۱۷)

حضرت زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن مرجانہ سے یہ حدیث سن کر اس پر فوراً عمل کر دکھایا اور اپنا ایک ایسا قیمتی غلام آزاد کر دیا جس کی قیمت دس ہزار درہم مل رہے تھے۔ جس کا نام مطرف تھا۔ مگر حضرت زین العابدین نے روپے کی طرف نہ دیکھا اور ایک عظیم نیکی کی طرف دیکھا۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ انسان پروری اور ہمدردی کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کو اولیاء اللہ یا عباد الرحمٰن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت عروہ ابومرواح ابوذرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا میں نے پوچھا کس قسم کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بہت زیادہ بیش قیمت ہو اور اس کے مالکوں کو بہت پسند ہو میں نے پوچھا اگر میں یہ نہ کرسکوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کاریگر کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کے لیے کام کر دو انہوں نے پوچھا اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھ (یعنی ان کے ساتھ برائی کرنے سے باز آ) اس لیے کہ وہ بھی ایک صدقہ

ہے جوتو اپنے آپ پر کرتا ہے۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2370)

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث و آثار

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں عقبہ جہنم کے ایک پھسلنے پہاڑ کا نام ہے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس کے جہنم میں ستر درجے ہیں قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ داخلے کی سخت گھاٹی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ پھر اسکا داخلہ بتایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا ابن زید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ طعام فک رقبۃ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فک رقبۃ بھی پڑھا گیا یعنی فلع فاعل دونوں قرأتوں کا مطلب قریبا ایک ہی ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کا ہر ایک عضو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ حضرت علی بن حسین یعنی امام زید العابدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلالو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم اللہ کے نام پر آزاد ہو بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے (ابن جریر) مسند میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو اسے قیامت کے دن نور ملے گا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے مر جائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کریگا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑے دے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے ان تمام احادیث کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔

ابو داؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ، آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو

کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا، یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے، اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں،

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا۔ نسمہ آزاد کر، رقبۃ چھڑا، اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فک رقبۃ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے دودھ والا جانور دودھ پینے کے لیے کسی مسکین کو دینا، ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا، یہ جنت کے کام ہیں، اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا، پیاسے کو پلا، نیکیوں کا حکم کر، برائیوں سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذی مسغبۃ کے معنی ہیں بھوک والا، جبکہ کھانے کی اشتہا ہو، غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو ناداں بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور اس کا رشتہ دار بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے، اور رشتے دار کو دینا دوہرا اجر دلواتا ہے، (مسند احمد بن حنبل)

غلاموں کے حقوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات

خلفائے راشدین کا یہ بھی یہی دستور تھا کہ اگر کسی غلام کا مالک اس کی کفالت کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو اس کی مدد کیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ ، عَنْ مَخْلَدٍ الْغِفَارِي أَنَّ ثَلاثَةً مَمْلُوكِينَ شَهِدُوا بَدْرًا ، فَكَانَ عُمَرُ يُعْطِي كُلَّ رَجُلٍ مِنْهُمْ كُلَّ سَنَةٍ ثَلاثَةَ آلافٍ ثَلاثَةَ آلافٍ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث 33553)

تین غلاموں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک تو سالانہ تین تین ہزار درہم دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ ، عَنْ هَارُونَ بْنِ عَنْتَرَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَرْزُقَانِ أَرِقَّاءَ النَّاسِ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (33554)

سیدنا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما (اپنے ادوار میں) لوگوں کے غلاموں کو ان کی ضروریات کا سامان پہنچایا کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سوں نے تو غلاموں کو معمولی سے خراج کے عوض خود کمانے اور کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ خراج صرف ایک درہم روزانہ ہوا کرتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب غلاموں کی قیمتیں 40,000 درہم تک پہنچ چکی تھیں۔ اس طریقے سے یہ غلام عملاً آزاد ہو چکے تھے۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ الْفَضْلِ الصَّيْرَفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ :مُحَمَّدُ بْنُ

يَعْقُوبَ أَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَزْيَدٍ أَخْبَرَنِى أَبِى حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِىُّ حَدَّثَنِى رَجُلٌ مِنَّا يُقَالُ لَهُ نَهِيكُ بْنُ يَرِيمَ حَدَّثَنِى مُغِيثُ بْنُ سُمَىٍّ قَالَ :كَانَ لِلزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ أَلْفَ مَمْلُوكٍ يُؤَدِّى إِلَيْهِ الْخَرَاجَ فَلاَ يُدْخِلُ بَيْتَهُ مِنْ خَرَاجِهِمْ شَيْئًا .(بیهقی؛ سنن الکبری؛ حدیث (15787)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جوانہیں خراج ادا کیا کرتے تھے۔اس خراج میں سے کوئی رقم ان کے گھر میں داخل نہ ہوا کرتی تھی۔یعنی وہ سب کی سب رقم انہی غلاموں اور دیگر غرباء پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ بْنُ أَبِى الْمَعْرُوفِ أَخْبَرَنَا أَبُو عَمْرِو بْنُ نُجَيْدٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ أَبِى ذِئْبٍ عَنْ دِرْهَمٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ :ضَرَبَ عَلَىَّ مَوْلاَىَ كُلَّ يَوْمٍ دِرْهَمًا فَأَتَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ اتَّقِ اللَّهَ وَأَدِّ حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلاَكَ .(بیهقی؛ سنن الکبری؛ حدیث (15788)

سیدنا عبدالرحمن (بن عوف) رضی اللہ عنہ کے سابقہ غلام درہم کہتے ہیں، "میرے آقا نے مجھ پر روزانہ ایک درہم کا خراج مقرر کیا تھا۔(ایک دن) میں نے یہ درہم سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا، "اللہ سے ڈرو اور اللہ کا اور اپنے آقا کا حق (انہی کو) ادا کرو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس کسی کو اپنے غلام پر زیادتی کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اسے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

و روی ان اباھریرہ رای رجلا راکبا و غلامه یسعی خلفه، فقال :یا عبدالله احمله، فانه اخوك، و روحك مثل روحه .(بغوی، شرح السنة، کتاب النکاح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔انہوں نے فرمایا، "اے عبداللہ !اسے بھی سوار کرو۔یہ تمہارا بھائی ہی ہے۔تمہارے اندر جو روح ہے وہ بھی اسی کی روح کی طرح ہی ہے۔

آزادی غلام کی شرعی حیثیت کا بیان

آزاد کرنے کی چار قسمیں ہیں :واجب، مندوب، مباح، کفر،

غلام کی آزادی کے وجوب کا بیان

قتل و ظہار و قسم اور روزہ توڑنے کے کفارے میں آزاد کرنا واجب ہے، مگر قسم میں اختیار ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مساکین کو کھانا کھلائے یا کپڑے پہنائے، یہ نہ کر سکے تو تین روزے رکھ لے۔باقی تین میں اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت ہو تو یہی متعین ہے۔

غلام کی آزادی میں استحباب کا بیان

مندوب وہ ہے کہ اللہ (عزوجل) کے لیے آزاد کرے اوس وقت کہ جانب شرع 2)) سے اوس پر یہ ضروری نہ ہو۔

غلام کی آزادی میں اباحت کا بیان

جب کسی شخص نے بغیر کسی قسم کی نیت کرتے ہوئے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ مباح ہے۔اور اس کی شرعی حیثیت کو مباح کہتے ہیں یا اس کو غلام کی آزادی کو اباحت سے تعبیر کرتے ہیں۔

غلام کی آزادی کے کفر ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے بتوں یا شیطان کے نام پر آزاد کیا کہ غلام اب بھی آزاد ہوجائے گا، مگر اس کا یہ فعل کفر ہوا۔کہ ان کے نام پر آزاد کرنا دلیل تعظیم ہے اور ان کی تعظیم کفر ہے۔(جوہرہ نیرہ، کتاب العتاق)

غلام و باندی کے اعتاق میں الفاظ کی صراحت کا بیان

(وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَوْ أَمَتِهِ أَنْتَ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ أَوْ عَتِيقٌ أَوْ مُحَرَّرٌ أَوْ قَدْ حَرَّرْتُك أَوْ قَدْ أَعْتَقْتُك فَقَدْ عَتَقَ نَوَى بِهِ الْعِتْقَ أَوْ لَمْ يَنْوِ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِيحَةٌ فِيهِ .

لِأَنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِيهِ شَرْعًا وَعُرْفًا فَأَغْنَى ذَلِكَ عَنْ النِّيَّةِ وَالْوَضْعِ ، وَإِنْ كَانَ فِى الْإِخْبَارِ فَقَدْ جُعِلَ إنْشَاءً فِى التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْحَاجَةِ كَمَا فِى الطَّلَاقِ وَالْبَيْعِ وَغَيْرِهِمَا (وَلَوْ قَالَ عَنَيْت بِهِ الْإِخْبَارَ الْبَاطِلَ أَوْ أَنَّهُ حُرٌّ مِنْ الْعَمَلِ صُدِّقَ دِيَانَةً) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ (وَلَا يَدِينُ قَضَاءً) لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ (وَلَوْ قَالَ لَهُ يَا حُرُّ يَا عَتِيقُ يُعْتَقُ) لِأَنَّهُ نِدَاءٌ بِمَا هُوَ صَرِيحٌ فِى الْعِتْقِ وَهُوَ لِاسْتِحْضَارِ الْمُنَادَى بِالْوَصْفِ الْمَذْكُورِ هَذَا هُوَ حَقِيقَتُهُ فَيَقْتَضِى تَحَقُّقَ الْوَصْفِ فِيهِ وَأَنَّهُ يَثْبُتُ مِنْ جِهَتِهِ فَيَقْضِى بِثُبُوتِهِ تَصْدِيقًا لَهُ فِيمَا أَخْبَرَ ، وَسَنُقَرِّرُهُ مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى إلَّا إذَا سَمَّاهُ حُرًّا ثُمَّ نَادَاهُ يَا حُرُّ لِأَنَّ مُرَادَهُ الْإِعْلَامُ بِاسْمِ عَلَمِهِ وَهُوَ مَا لَقَّبَهُ بِهِ .وَلَوْ نَادَاهُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَا آزَادُ وَقَدْ لَقَّبَهُ بِالْحُرِّ قَالُوا يُعْتَقُ ، وَكَذَا عَكْسُهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنِدَاءٍ بِاسْمِ عَلَمِهِ فَيُعْتَبَرُ إخْبَارًا عَنْ الْوَصْفِ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا معتق ہے یا عتیق ہے یا محرر ہے یا میں نے تجھے محرر کر دیا یا میں نے تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔اگرچہ آقا نے ان کے آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔اس لئے کہ یہ الفاظ اعتاق کیلئے صریح ہیں۔کیونکہ باعتبار عرف و شرع دونوں میں ان الفاظ استعمال اعتاق کیلئے ہے۔لہذا یہ نیت سے مستغنی ہو گئے۔اور ان الفاظ کی وضع اگرچہ اخبار کیلئے ہے مگر ضرورت کی وجہ سے ان کو تصرفات شرعیہ کیلئے انہیں انشاء کیلئے اختیار کر لیا گیا ہے جس طرح طلاق اور

بیع میں ہے۔

اور جب آقا نے اپنے مملوک سے کہا اے آزاد، اے عتیق، تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ پکارنا لفظ صریح کے ساتھ ہے اور ندا یعنی پکارنا منادیٰ کو وصف مذکور کے ساتھ حاضر کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اور حقیقی طور پر منادیٰ کا مقصد یہی ہے۔ لہذا یہ مذکورہ وصف کے ثابت ہونے کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور یہ وصف منادیٰ کی طرف سے ثابت ہو گیا۔ اسی وجہ سے آقا کی دی ہوئی خبر کی تصدیق ثبوت وصف کیلئے تقاضہ کرتی ہے۔ اور ہم ان شاء اللہ بعد میں اس کو ذکر کریں گے۔ البتہ جب آقا نے غلام کا نام حر رکھ دیا اور اس کے اس نے اس پکارا، اے حر، اور یہاں آقا کا مقصد غلام کو اس کے نام سے اطلاع کرنا ہے۔ یعنی اس نام سے جو اس نے رکھا ہوا ہے۔ اور جب کسی آقا نے فارسی میں اے آزاد کہہ کر پکارا جبکہ اس نے اس غلام کا نام حر رکھا ہوا ہو تو اس بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب اس کا عکس ہو کیونکہ یہاں اس نام سے پکارنا نہیں ہے۔ پس ایسی خبر کا اعتبار کیا جائے گا جو وصف سے ہو۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام کے آزاد ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اوس کے مالک نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے یا اس کے مثل اور کوئی لفظ جس سے آزادی ثابت ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ ذی رحم محرم اوس کا مالک ہو جائے تو ملک میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ سوم یہ کہ حربی کافر مسلمان غلام کو دارالاسلام سے خرید کر دارالحرب میں لے گیا تو وہاں پہنچتے ہی آزاد ہو گیا۔

طلاق کی طرح اس میں بھی بعض الفاظ صریح ہیں بعض کنایہ۔ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائیگا۔ صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تُو آزاد ہے۔ حُر ہے۔ اے آزاد۔ اے حُر۔ میں نے تجھ کو آزاد کیا، ہاں اگر اس کا نام ہی آزاد ہے اور اے آزاد کہا یا نام حُر ہے اور اے حُر کہہ کر پکارا تو آزاد نہ ہوا اور اگر نام آزاد ہے اور اے حُر کہہ کر پکارا یا نام حُر ہے اور اے آزاد کہہ کر پکارا تو آزاد ہو جائے گا۔ یہ الفاظ بھی صریح کے حکم میں ہیں۔ نیت کی ضرورت نہیں، میں نے تجھے تجھ پر صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو ہبہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ غلام قبول کرے۔ (درمختار، کتاب العتاق)

صریح محتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ کے مذکورہ متن سے یہ قاعدہ فقہیہ اخذ ہوتا ہے کہ جہاں کلام میں صراحت مذکور ہو تو اس وقت کسی قسم کی نیت یا دلالت کی محتاجگی نہیں ہوتی کیونکہ صراحت میں خود اس قدر قوت ہے کہ وہ دلالت و نیت سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ

لا عبرة لدلالة فی مقابلة التصریح ۔ (الاشباه)

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اسکی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں صراحت پائی جا رہی ہو اور مخاطب من کل الوجوہ ادارک کر رہا ہو تو ایسی صورت میں کسی بھی دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے۔

اللہ تعالی کا حکم ہے۔

مشرکین کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالی کی مسجدیں تعمیر کریں حالانکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کے اعمال اکارت جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ ۱۷)

اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے، مساجد کو بنانے، اس کے مصالح کا انتظام کرنے اور ان کا نگران بننے سے روک دیا جائے کیونکہ لفظ تعمیر ان دونوں کو شامل ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۷ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اس نص صریح سے معلوم ہوا کہ مساجد کی تعمیر و ترقی کیلئے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں اگرچہ دلالت کا تقاضہ مفاد ہے جیسا کہ مفتی شفیع دیوبندی اور بدعقیدہ لوگوں نے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز قرار دیا ہے۔

اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی:

اگر کسی شخص نے گوشت خریدنے کیلئے وکیل بنایا اور وہ وکیل بنانے والا مسافر ہے اور راستے پر ٹھہرا ہوا ہے تو وکیل کیلئے یہ حکم ہو گا کہ وہ پکا ہوا گوشت لیکر آئے کیونکہ اس کے حال کی دلالت یہی ہے کہ وہ سفر میں ہے اور اگر وہ شخص مقیم ہے تو پھر گوشت خریدنے کیلئے اس نے جو وکیل بنایا ہے وہ کچا گوشت خرید کر لائے اور ان دونوں صورتوں میں عدم صراحت کی وجہ سے حکم دلالت کے مطابق ہوگا۔ (اصول شاشی)

غلام کے اعضاء کو پکار کر آزاد کرنے کا بیان

(وَكَذَا لَوْ قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ أَوْ وَجْهُكَ أَوْ رَقَبَتُكَ أَوْ بَدَنُكَ أَوْ قَالَ لِأَمَتِهِ فَرْجُك حُرٌّ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ ، وَإِنْ أَضَافَهُ إلَى جُزْءٍ شَائِعٍ يَقَعُ فِي ذَلِكَ الْجُزْءِ ، وَسَيَأْتِيك الِاخْتِلَافُ فِيهِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

وَإِنْ أَضَافَهُ إلَى جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ الْجُمْلَةِ كَالْيَدِ وَالرِّجْلِ لَا يَقَعُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَالْكَلَامُ فِيهِ كَالْكَلَامِ فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اور اسی طرح جب کسی آقا نے کہا کہ تیرا سر آزاد ہے یا تیرا چہرہ آزاد ہے یا تیری گردن آزاد ہے یا تیرا بدن آزاد ہے یا اپنی باندی سے کہا کہ تیری شرم گاہ آزاد ہے۔ اس لئے کہ ان الفاظ سے مکمل بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا بیان کتاب طلاق میں بیان

ہو چکا ہے۔اور جب کسی آقا نے کسی جزءِ شائع کی طرف آزادی کی نسبت کی تو جزءِ شائع میں آزادی واقع ہو جائے گی۔اور اس بارے میں بیان شدہ اختلاف ان شاء اللہ عنقریب آپ کیلئے بیان کر دیا جائے گا۔

اور جب آقا نے اعتاق کو نسبت کسی ایسے معین حصے کی طرف جس سے پورے جسم کو تعبیر نہیں کیا جاتا جس طرح ہاتھ اور پاؤں ہیں تو ہمارے نزدیک آزادی واقع نہ ہوگی۔جبکہ اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور اس کی بحث وہی ہے جو کتاب طلاق میں بیان کر دی گئی ہے۔اور طلاق کی بحث کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے تجھے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچا تو اب قبول کی ضرورت ہوگی اگر قبول کریگا تو آزاد ہوگا اور اوتنے دینے پڑینگے۔آزادی کو کسی ایسے جز کی طرف منسوب کیا جو پورے سے تعبیر ہے مثلاً تیرا سر۔تیری گردن۔تیری زبان آزاد ہے تو آزاد ہو گیا اور اگر ہاتھ یا پاؤں کو آزاد کہا تو آزاد نہ ہوا اور اگر تہائی، چوتھائی، نصف وغیرہ کو آزاد کیا تو اوتنا آزاد ہو گیا اگر غلام کو کہا یہ میرا بیٹا ہے یا لونڈی کو کہا یہ میری بیٹی ہے اگر چہ عمر میں زیادہ ہوں یا غلام کو کہا یہ میرا باپ یا دادا ہے یا لونڈی کو کہا کہ یہ میری ماں ہے اگر چہ ان کی عمر اتنی نہ ہو کہ باپ یا دادا یا ماں ہونے کے قابل ہوں تو ان سب صورتوں میں آزاد ہیں اگر چہ اس نیت سے نہ کہا ہو۔اور اگر کہا اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی، اے میری بہن، اے میرے باپ تو بغیر نیت آزاد نہیں۔کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔تو میری ملک نہیں۔تجھ پر مجھے راہ نہیں۔تو میری ملک سے نکل گیا ان میں بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔اگر کہا تو آزاد کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔(ردمحتار، کتاب عتاق)

آقا کے عدم ملکیت اظہار کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْك وَنَوَى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْك لِأَنِّي بِعْتُك ، وَيُحْتَمَلُ لِأَنِّي أَعْتَقْتُك فَلَا يَتَعَيَّنُ أَحَدُهُمَا مُرَادًا إلَّا بِالنِّيَّةِ قَالَ (وَكَذَا كِنَايَاتُ الْعِتْقِ) وَذَلِكَ مِثْلُ قَوْلِهِ خَرَجْتِ مِنْ مِلْكِي وَلَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكِ وَلَا رِقَّ لِي عَلَيْكِ وَقَدْ خَلَّيْتُ سَبِيلَكِ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ نَفْيَ السَّبِيلِ وَالْخُرُوجَ عَنْ الْمِلْكِ وَتَخْلِيَةُ السَّبِيلِ بِالْبَيْعِ أَوْ الْكِتَابَةِ كَمَا يَحْتَمِلُ بِالْعِتْقِ فَلَا بُدَّ مِنْ النِّيَّةِ ، وَكَذَا قَوْلُهُ لِأَمَتِهِ قَدْ أَطْلَقْتُك لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ خَلَّيْتُ سَبِيلَكِ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ طَلَّقْتُك عَلَى مَا نُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (وَلَوْ قَالَ لَا سُلْطَانَ لِي عَلَيْكِ وَنَوَى الْعِتْقَ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنْ الْيَدِ ، وَسُمِّيَ السُّلْطَانُ بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ يَبْقَى الْمِلْكُ دُونَ الْيَدِ كَمَا فِي الْمُكَاتَبِ ، بِخِلَافِ

قَوْلِهِ :لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْك لِأَنَّ نَفْيَهُ مُطْلَقًا بِانْتِفَاءِ الْمِلْكِ لِأَنَّ لِلْمَوْلَى عَلَى الْمُكَاتَبِ سَبِيلًا فَلِهَذَا يَحْتَمِلُ الْعِتْقَ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے کہا کہ تجھ پر میری کوئی ملکیت نہیں ہے اور اس سے آقا نے آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔اور اگر آقا نے آزادی کی نیت نہ کی تو وہ آزاد نہ ہوگا۔کیونکہ اس میں احتمال ہے اور وہ احتمال یہ ہے کہ آقا کا مطلب یہ ہو کہ میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں ہے کیونکہ میں نے تجھے بیچ ڈالا اور یہ بھی احتمال ہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے۔پس یہاں نیت کے بغیر کسی حکم کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا: اور عتق کے کنایات کا بھی یہی حکم ہے۔جس طرح کسی آقا نے کہا "خَرَجْتِ مِنْ مِلْكِي" تو میری ملکیت سے نکل گئی۔ تجھ پر میری طرف کوئی راہ نہیں ہے، میرے لئے تجھ پر کوئی رقیت نہیں ہے، میرے نے تیرا رستہ چھوڑ دیا ہے۔کیونکہ یہ بیع اور کتابت کے واسطے سے بھی ملکیت کی راہ نفی کرنے اور نکلنے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔جس طرح یہ عتق کے ذریعے احتمال رکھتے ہیں۔پس نیت اس میں لازم ہوگئی اور اسی طرح کسی آقا نے اپنی باندی سے کہا "قَدْ أَطْلَقْتُك" کیونکہ اس کا یہ قول "خَلَّيْتُ سَبِيلَك" کے قائم مقام ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔البتہ جب اس نے "" کہا ہے۔جس کو ہم ان شاء اللہ بعد میں بیان کریں گے۔

اور جب آقا نے کہا کہ تجھ پر میری کوئی بادشاہت نہیں ہے اور اس نے آزادی کی نیت بھی کی تب بھی غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ بادشاہت سے مراد قبضہ ہے اور بادشاہ کا نام اسی وجہ سے بادشاہ رکھا گیا ہے کہ سلطنت پر اس کا قبضہ ہوتا ہے۔جبکہ کبھی کبھی ملکیت باقی رہتی ہے مگر قبضہ نہیں ہوتا جس طرح مکاتب میں ہے۔بہ خلاف اس آقا کے جس نے کہا "لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْك" کیونکہ مطلق طور پر سبیل کی نفی کرنا ملکیت کی نفی کرنا ہے۔جبکہ مکاتب پر آقا کو سبیل رہتی ہے اسی سبب کے پیش نظر وہ آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

غلام کی آزادی میں صریح الفاظ کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائیگا۔میں نے تجھے تجھ پر صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو ہبہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ غلام قبول کرے۔

جبکہ کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔تو میری ملک نہیں۔تجھ پر مجھے راہ نہیں۔تو میری ملک سے نکل گیا ان میں بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔اگر کہا تو آزاد کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔(درمختار، کتاب العتق، ج۵، ۵۹۲، بیروت)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے قاعدہ فقہیہ

اذا جاء الاحتمال بطل الاستد لا ل .(الاشباه)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ کیوں نہیں لاتے، ان ۸۰ کوڑے مارو۔ (النور ۴)

اس آیت میں حد زنا کا نصاب بیان کیا گیا ہے لہٰذا استدلال کا تقاضہ یہ ہے کہ چار مرد جو شرعا گواہی کے قابل ہوں ان کا گواہی دینا ضروری ہے لیکن اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی گواہی زمان و مکان یا کیفیت میں مختلف ہوگئی تو یہ اس استدلال میں احتمال ہوگا اور اس طرح حد نافذ نہ ہوگی، بلکہ کسی ایک کے احتمال کی وجہ سے گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔

حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، پھر دوسرے نے آکر شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، پھر تیسرے نے آکر شہادت دی، یہ گواہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت گراں گذری، پھر چوتھا شخص ہاتھ آگے پیچھے کرتا ہوا آیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے چیخ مار کر کہا اے جھلسانے والی آگ؛ تیرے پاس کیا ہے۔ حضرت ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ وہ اتنے زور کی چیخ تھی کہ میں بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! میں نے ایک برا کام دیکھا ہے (یعنی چوتھے گواہ نے زنا کی شہادت کو صراحت کے ساتھ بیان نہ کیا) تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب کو شیطان برے راستہ پر چلانے میں کامیاب نہ ہوا۔ پھر آپ نے ان تینوں کو حد قذف لگائی۔ (المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۷۶، دار الفکر بیروت)

۱۔ حد سرقہ کا نصاب:

چوری کی حد کا نصاب بمطابق مسلک احناف دس درہم ہے اگر نصاب سے کم قیمت کی چوری ہوئی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی، کیونکہ احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت قاسم بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا اس کی قیمت لگاؤ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی آٹھ درہم قیمت لگائی، تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف از عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۴، مکتب اسلامی بیروت)

۲۔ حد قذف:

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو اپنی باندی ہبہ کر دی وہ اس کے ساتھ ایک سفر میں گیا اس سے

جماع کیا اور وہ حاملہ ہوگئی اور اسکی بیوی کو بھی اس کے حمل کی اطلاع پہنچ گئی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا میں نے اپنے خاوند کے ساتھ ایک باندی خدمت اور کام کاج کیلئے بھیجی تھی اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حاملہ ہوگئی۔ جب وہ شخص آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا اور فرمایا: تم نے فلاں لونڈی کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس کو حاملہ کر دیا۔ اس نے کہا ہاں فرمایا: کیا تم نے اس کو خرید لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: کیا تمہاری بیوی نے اس کو ہبہ کر دیا تھا اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا: تم اس ہبہ پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تم کو اس پر رجم کر دوں گا پھر اس عورت کو بتایا گیا کہ اس کا خاوند رجم کر دیا جائے گا تو اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اقرار کر لیا کہ اس نے وہ باندی خاوند کو ہبہ کر دی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد قذف لگا دی۔ (سنن کبری ج ۸ ص ۲۴۱، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

غلام کو اپنا بیٹا قرار دینے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ هَذَا ابْنِى وَثَبَتَ عَلَى ذٰلِكَ عَتَقَ) وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا كَانَ يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ ، فَإِنْ كَانَ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ ذَكَرَهُ بَعْدَ هَذَا ؛ ثُمَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّ وِلَايَةَ الدَّعْوَةِ بِالْمِلْكِ ثَابِتَةٌ وَالْعَبْدُ مُحْتَاجٌ إِلَى النَّسَبِ فَيَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ ، وَإِذَا ثَبَتَ عَتَقَ لِأَنَّهُ يَسْتَنِدُ النَّسَبُ إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ ، وَإِنْ كَانَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِلتَّعَذُّرِ وَيُعْتَقُ إِعْمَالًا لِلَّفْظِ فِي مَجَازِهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ إِعْمَالِهِ بِحَقِيقَتِهِ ، وَوَجْهُ الْمَجَازِ نَذْكُرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اور جب آقا نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور اسی پر پکا ہوگیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور مسئلہ کا یہ حکم اس وقت ہے جب کسی اس جیسے شخص سے اس قسم کو بچہ پیدا ہو سکتا ہو۔ اور اگر اس کہنے والے سے اس قسم کا بچہ پیدا ہی نہ ہو سکتا تو پھر یہ بعد کی بات ہے۔ اور پھر غلام کو نسب معروف نہ ہو تو اس کا نسب اسی شخص سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ دعویٰ نسب کی ولایت ملکیت کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے جبکہ غلام کو نسب کی ضرورت بھی ہے پس آقا سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور جب نسب ثابت ہو گیا تو غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب نطفہ قرار پانے والے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جب غلام کا نسب معروف ہو تو آقا کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اب وہ متعذر ہے جبکہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کسی لفظ کے حقیقی معنی پر عمل مشکل ہو جائے تو اس کے مجازی معنی پر عمل کیا جاتا ہے اور اس مجاز کی دلیل ہم ان شاء اللہ بعد میں ذکر کر دیں گے۔

قاعدہ، حقیقت ومجاز کوایک جگہ جمع نہیں کیا جائے گا

اگر کسی لفظ کے حقیقی معنی کا اعتبار کیا جائے گا تو مجازی معنی کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی لفظ کے مجازی معنی کا اعتبار کیا گیا تو حقیقی معنی کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں کا اجتماع محال عقلی وشرعی ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ایک صاع کو دو صاع کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت ہے اس مقام پر صاع کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوگا کیونکہ صاع کئی قسم کے ہوتے ہیں اگر کسی نے لکڑی کے صاع کی خرید وفروخت کی تو یہ جائز ہے یہاں پر اس حدیث کا مطلب یہ ہے ''جمیع ما یحل فیه ''یعنی جو کچھ صاع میں ہے اس کی خرید وفروخت منع ہے کیونکہ اگر ایک صاع کھجوروں کی بیع دو صاع کھجوروں سے کی جائے تو زیادتی ہوگی جو کہ سود ہے۔ اور سود حرام ہے۔ اور اگر یہاں صاع کا حقیقی معنی مراد لیا جائے کہ نفس صاع کی خرید وفروخت بھی منع ہے اور اس اجناس کی بیع بھی منع ہے تو اس طرح حقیقت ومجاز کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ اس قاعدے کے مطابق محال ہے۔ (نور الانوار)

انتباہ:

عبادات کسی قدر بلند مرتبہ اعمال ہیں کہ بندے کو ابدی بھلائیوں کی طرف منتقل کر دیتی ہیں۔ یہی فرق ہے کہ اخروی بھلائیاں ہمیشہ رہنے والی ہیں جبکہ دنیاوی تمام اعمال کا تعلق محض عارضہ کے ساتھ ہے جس کے انتفاء میں کچھ بھی تاخیر نہیں۔

قاعدہ: کلام میں اصل میں حقیقت ہے۔ (الاشباہ)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا واللہ لا یاکل من هذه الشاة کہ بخدا وہ یہ بکری نہیں کھائے گا۔ تو اس کا اطلاق اس بکری کے گوشت پر ہوگا اگر اس نے بکری کا گوشت کھایا تو وہ حانث ہو جائے گا اور اگر اس نے بکری کا دودھ استعمال کیا تو وہ حانث نہ ہوگا کیونکہ یہاں بکری کا گوشت ہی حقیقت میں بکری کھانے سے مراد لیا جائے گا۔

معنی مجازی کے سقوط کے بیان میں قاعدہ فقہیہ

جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز پر عمل کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ (نور الانوار)

یہ قاعدہ کلیہ ہے اس سے کثیر مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

لا یوا خذ کم الله با للغو فی ایمانکم و لکن یوا خذ کم بما عقد تم الایمان ۔

(المائدہ ۸۹)

ترجمہ: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ (المائدہ ۸۹)

اس آیت سے فقہاء احناف استدلال فرماتے ہیں کہ قسم کو کفارہ صرف یمین منعقدہ کے ٹوٹنے پر ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ عقد استعمال ہوا ہے۔ جس سے ینعقد اور منعقدہ بنا ہے اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے کہ انقاض منعقدہ پر گرفت ہوگی یعنی کفارہ ہوگا اور دوسری قسمیں اس سے مجاز ہیں اور قانون یہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن ہو مجازی معنی ساقط ہو جاتا ہے لہذا دوسری قسموں پر کفارہ نہ ہوگا جیسا کہ اس کی تائید خود دوسری نص سے ہو رہی ہے۔

لا یواء خذ کم الله باللغو ۔(المائدہ ۸۹)

یمین لغو میں اللہ تعالی تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ مجاز تو حقیقت سے مستعار ہوتا ہے یعنی ادھار لیا گیا ہوتا ہے اور کوئی بھی مستعار اپنی اصل کے مقابلے میں نہیں آسکتا اور نہ ہی مستعار کو اصل کے ہوتے ہوئے قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یمین منعقدہ پر کفارہ حقیقی معنی کی وجہ سے ہوگا اور دوسری دونوں قسموں یمین غموس اور یمین لغو میں کفارہ نہ ہوگا کہ یہاں مجاز قابل اعتبار نہیں

آقا کا غلام کو آقا کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ هَذَا مَوْلَایَ أَوْ یَا مَوْلَایَ عَتَقَ). أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ اسْمَ الْمَوْلَى وَإِنْ كَانَ يَنْتَظِمُ النَّاصِرَ وَابْنَ الْعَمِّ وَالْمُوَالَاةُ فِي الدِّينِ وَالْأَعْلَى وَالْأَسْفَلِ فِي الْعَتَاقَةِ إلَّا أَنَّهُ تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ فَصَارَ كَاسْمٍ خَاصٍّ لَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يَسْتَنْصِرُ بِمَمْلُوكِهِ عَادَةً وَلِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ فَانْتَفَى الْأَوَّلُ .وَالثَّانِي وَالثَّالِثُ نَوْعُ مَجَازٍ ، وَالْكَلَامُ لِلْحَقِيقَةِ وَالْإِضَافَةُ إلَى الْعَبْدِ تُنَافِي كَوْنَهُ مُعْتَقًا فَتَعَيَّنَ الْمَوْلَى الْأَسْفَلُ فَالْتَحَقَ بِالصَّرِيحِ ، وَكَذَا إذَا قَالَ لِأَمَتِهِ :هَذِهِ مَوْلَاتِي لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَوْ قَالَ :عَنَيْت بِهِ الْمَوْلَى فِي الدِّينِ أَوْ الْكَذِبَ يُصَدَّقُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِمُخَالَفَتِهِ الظَّاهِرَ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ مُرَادًا الْتَحَقَ بِالصَّرِيحِ وَبِالنِّدَاءِ بِاللَّفْظِ الصَّرِيحِ يُعْتَقُ بِأَنْ قَالَ :يَا حُرُّ يَا عَتِيقُ فَكَذَا النِّدَاءُ بِهَذَا اللَّفْظِ .وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُعْتَقُ فِي الثَّانِي لِأَنَّهُ يَقْصِدُ بِهِ الْإِكْرَامَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ يَا سَيِّدِي يَا مَالِكِي .قُلْنَا :الْكَلَامُ لِحَقِيقَتِهِ وَقَدْ أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا ذَكَرَهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مَا يَخْتَصُّ بِالْعِتْقِ فَكَانَ إكْرَامًا مَحْضًا .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا آقا ہے یا کہا یا اے میرے آقا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ آقا کا لفظ ''مددگار، چچازاد بھائی، دینی معاملات، اعلی اعتاق، اور اسفل وغیرہ سب کو شامل ہے مگر یہاں اسفل کا تعین

ہے پس وہ اس کیلئے اسم خاص ہوگیا ہے۔اوراس کی دلیل یہ ہے کہ آقا عام طور پر اپنے غلام سے مدد نہیں مانگتا اور پھر غلام کو نسب بھی معروف ہے لہذا یہاں پہلا اور دوسرا معنی ختم ہوگیا اور تیسرے معنی میں ایک طرح مجاز ہے۔جبکہ کلام میں اصل معنی حقیقی ہے اور جب غلام کی اضافت اس کے معتق ہونے منافی ہے۔لہذا یہاں آقا اسفل کیلئے متعین ہوگیا اور یہ صریح کے ساتھ ملنے والا ہوگیا۔اوراسی طرح جب آقا نے اپنی باندی سے کہا کہ یہ میری آقا ہے اس کی دلیل بھی ہم بیان کرچکے ہیں۔

اور جب آقا نے کہا کہ میں نے اسی دینی موالات مراد لئے تھے یا جھوٹ مراد لیا تھا تو اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اس کی تصدیق کرلی جائے گی۔البتہ فیصلے کے طور پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور البتہ دوسری صورت جس میں اسفل متعین ہوگیا تو یہ بھی صریح کے ساتھ ملنے والا ہے۔اور لفظ صریح کے پکارنے سے غلام آزاد ہوجاتا ہے کیونکہ جب آقا کہے اے آزاد، اے عتیق، پس اس لفظ کے پکارنے سے بھی غلام آزاد ہوجائے گا۔جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا۔کیونکہ اس کے قول یا سیدی، یا مالکی کہنے سے احترام مراد ہے۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ کلام حقیقی معنی کیلئے ہوتا ہے۔اور حقیقی معنی پر عمل کرنا بھی ممکن ہے۔جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی ایسا کلام ہی نہیں ہے جو آزادی کے ساتھ خاص ہو پس وہ عزت کے پیش نظر ہوگا۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ :أَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّ ءْ رَبَّكَ وَلْيَقُلْ :سَيِّدِي مَوْلَايَ، وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ :عَبْدِي أَمَتِي، وَلْيَقُلْ :فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلَامِي (صحیح البخاری، العتق، باب كراهية التطاول على الرقيق، ح 2552: وصحیح مسلم، الالفاظ من الادب و غيرها، باب حكم اطلاق لفظة العبد و الامة و المولى و السيد، ح(2249:)

کوئی شخص یوں نہ کہے، اپنے رب کو کھنا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا آقا اور میرا مولا۔اور کوئی یوں نہ کہے، میرا بندہ اور میری بندی، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا رب اور ان پر تصرف کرنے والا ہے۔لوگ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں، درحقیقت سب اسی کے بندے ہیں۔اس لیے غلام اور لونڈی کو اپنا بندہ یا اپنی بندی کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح بندگی کی نسبت اپنی طرف ہوجاتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم ربوبیت کے منافی ہے، اس لیے اکثر اہل علم کا قول ہے کہ میرا بندہ اور میری بندی وغیرہ الفاظ جائز نہیں۔البتہ بعض اہل علم نے ایسے الفاظ کو محض مکروہ لکھا ہے۔

اس حدیث میں جو ممانعت بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مذکورہ کلمات کہنا حرام ہیں یا مکروہ؟ کیونکہ دراصل ان کا تعلق، ادب سے ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ کسی کو عَبْدِی (میرا بندہ) اَمَتی (میری بندی) یا اَطْعِمْ رَبَّكَ اپنے رب کو کھانا کھلا) کہنا جائز نہیں۔البتہ لفظ رَب کی نسبت واضافت، بے جان چیز کی طرف کی جاسکتی ہے جیسے رَبُّ

الدَّارِ (گھر کا مالک) ہے کیونکہ اس استعمال میں عبودیت کا تصور ہی نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آقا کو سید اور مولی کہنا چاہیے کیونکہ اضافت اور نسبت کے ساتھ لفظ سید کسی انسان کے لیے بولا جاسکتا ہے۔لفظ السید اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور مخلوق کے لیے بھی بولا جاتا ہے لیکن دونوں کے مفہوم میں بہت زیادہ فرق ہے۔اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم وہی ہوگا جو اس کے شایان شان ہے اور مخلوق کے لیے وہ جو اس کی قدرت وطاقت کے مطابق ہے۔اسی طرح لفظ مولی کے بھی کئی معانی ہیں۔اور لفظ السید کی طرح لفظ مولیٰ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ لفظ کسی انسان کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جانے میں اور مخلوق کے لیے بولاے جانے میں بہت فرق ہے۔مخلوق کے لیے اس کا استعمال، محدود اور اس کی قدرت اور مقام کے لحاظ سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم اس کی عظیم بادشاہت اور سلطنت کے مطابق ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ کراہت تنزیہی مراد ہے۔کیوں کہ غلام سے اپنے کو اعلیٰ سمجھنا ایک طرح کا تکبر ہے۔غلام بھی ہماری طرح خدا کا بندہ ہے۔آدمی اپنے تئیں جانور سے بھی بدتر سمجھے غلام تو آدمی ہے اور ہماری طرح آدم کی اولاد ہے اور غلام لونڈی اس وجہ سے کہنا مکروہ ہے کہ کوئی اس سے حقیقی معنی نہ سمجھے۔کیوں کہ حقیقی بندگی تو سوائے خدا کے اور کسی کے لیے نہیں ہوسکتی۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے آیات قرآنی نقل کی ہیں جن سے لفظ غلام، لونڈی اور سید کے الفاظ استعمال کرنے کا جواز ثابت کیا ہے۔یہ سب مجازی معانی میں ہیں۔لفظ عبد، مملوک اور سید آیات قرآنی واحادیث نبوی میں ملتے ہیں جیسا کہ یہاں منقول ہیں۔ان سے ان الفاظ کا مجازی معانی میں استعمال ثابت ہوا۔قال ابن بطال جاز ان يقول الرجل عبدی او امتی بقوله تعالى و الصالحين من عبادكم و امتكم انما نهى عنه على سبيل الغلظة لا على سبيل التحريم و كره ذلك لاشتراك اللفظ اذ يقال عبدالله وامة الله فعلى هذا لا ينبغى التسمية بنحو عبدالرسول و عبدالنبى و نحو ذلك مما يضاف العبد فيه الى غير الله تعالى (حاشیہ بخاری شریف)

وقوله عبدی، أو أمتی. وقال الله تعالى (والصالحين من عبادكم وإمائكم) وقال (عبدا مملوكا) (وألفيا سيدها لدى الباب) وقال (من فتياتكم المؤمنات) وقال النبى صلى الله عليه وسلم "قوموا إلى سيدكم ." و(اذكرنی عند ربك) سيدك "ومن سيدكم ."

اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور تمہارے غلاموں اور تمہاری باندیوں میں جو نیک بخت ہیں اور (سورۃ نحل میں فرمایا) مملوک غلام نیز (سورہ یوسف میں فرمایا) اور دونوں (حضرت یوسف اور زلیخا) نے اپنے آقا (عزیز مصر) کو دروازے پر پایا۔اور اللہ تعالیٰ نے سوہ نساء میں) فرمایا تمہاری مسلمان باندیوں میں سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اپنے سردار کے لینے کے لیے اٹھو(سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے) اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف میں فرمایا(یوسف نے اپنے

جیل خانہ کے ساتھی سے کہا تھا کہ) اپنے سردار (حاکم) کے یہاں میرا ذکر کر دینا۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنوسلمہ سے دریافت فرمایا تھا کہ) تمہارا سردار کون ہے؟

آقا کا غلام کو بھائی یا بیٹا کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ يَا ابْنِي أَوْ يَا أَخِي لَمْ يَعْتِقْ) لِأَنَّ النِّدَاءَ لِإِعْلَامِ الْمُنَادَى إلَّا أَنَّهُ إذْ كَانَ بِوَصْفٍ يُمْكِنُ إثْبَاتُهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِتَحْقِيقِ ذَلِكَ الْوَصْفِ فِي الْمُنَادَى اسْتِحْضَارًا لَهُ بِالْوَصْفِ الْمَخْصُوصِ كَمَا فِي قَوْلِهِ يَا حُرُّ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَإِذَا كَانَ النِّدَاءُ بِوَصْفٍ لَا يُمْكِنُ إثْبَاتُهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِلْإِعْلَامِ الْمُجَرَّدِ دُونَ تَحْقِيقِ الْوَصْفِ فِيهِ لِتَعَذُّرِهِ وَالْبُنُوَّةُ لَا يُمْكِنُ إثْبَاتُهَا حَالَةَ النِّدَاءِ مِنْ جِهَتِهِ لِأَنَّهُ لَوْ انْخَلَقَ مِنْ مَاءِ غَيْرِهِ لَا يَكُونُ ابْنًا لَهُ بِهَذَا النِّدَاءِ فَكَانَ لِمُجَرَّدِ الْإِعْلَامِ .

وَيُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ شَاذًّا أَنَّهُ يُعْتَقُ فِيهِمَا وَالِاعْتِمَادُ عَلَى الظَّاهِرِ .وَلَوْ قَالَ :يَا ابْنُ لَا يُعْتَقُ لِأَنَّ الْأَمْرَ كَمَا أَخْبَرَ فَإِنَّهُ ابْنُ أَبِيهِ ، وَكَذَا إذَا قَالَ :يَا بُنَيَّ أَوْ يَا بُنَيَّةُ لِأَنَّهُ تَصْغِيرُ الِابْنِ وَالْبِنْتِ مِنْ غَيْرِ إضَافَةٍ وَالْأَمْرُ كَمَا أَخْبَرَ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے کہا کہ اے میرے بیٹے ،اے میرے بھائی تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ ندا منادیٰ کو مطلع کرنے کیلئے ہوتی ہے۔مگر جس وقت وہ کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کو پکارنے والے کی طرف ثابت کرنا ممکن ہو تو تب منادیٰ میں وہ وصف ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ منادیٰ کو اسی وصف کے ساتھ حاضر کیا جا رہا ہے جس طرح کسی آقا نے کہا اے آزاد کہا جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور جب ندا کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس میں ندا دینے والے کی طرف ثابت کرنا ممکن نہ ہو تو یہاں پر ندا صرف اطلاع کیلئے ہوگی منادیٰ میں ثبوت وصف کیلئے نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں اثبات ممکن نہیں ہے۔ جبکہ بیٹا ہونا ایک ایسا وصف ہے جس کو پکارتے وقت ثبوت منادیٰ ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے نطفہ پیدا ہوا ہے تو اس ندا سے وہ اس کا بیٹا نہ ہوگا۔ پس یہ ندا صرف اطلاع کیلئے ہوگئی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے شاذ ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا۔ البتہ اعتماد ظاہر الروایت پر ہے۔ اور جب کسی آقا نے اپنے غلام کو بیٹا کہا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ وہی حکم ہے جس کی اس نے خبر دی ہے۔ کیونکہ وہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے اور جب آقا نے " يَا بُنَيَّ أَوْ يَا بُنَيَّةُ " کہا کیونکہ یہاں اضافت بغیر ابن وبنت کے تصغیر

ہے اور یہ حکم خبر کے مطابق ہے۔

ندا کا فقہی مفہوم

کسی کی توجہ اپنی طرف کرنے کیلئے ندا کا استعمال کیا جاتا ہے۔اس کیلئے مخصوص حروف استعمال کیے جاتے ہیں۔ جنھیں حروف ندا کہتے ہیں اور جسکی توجہ مطلوب ہو اسے منادیٰ کہتے ہیں۔

حروف نداء :یہ پانچ ھیں ۔ یا ،ایا ، ھیا، ای، اور ھمزہ مفتوحہ ۔

ان کا استعمال: یا : قریب وبعید اور متوسط سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ أَيَا وَهَيَا : یہ صرف بعید کیلئے استعمال ہوتے ہیں ۔ أَيْ، ھمزہ مفتوحہ : یہ قریب کیلئے ہیں۔

منادیٰ:

منادیٰ ایسا اسم ہے جو حروف ندا کے بعد آتا ہے۔اور اس سے منادیٰ کی توجہ مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

منادیٰ کی اقسام واعراب منادیٰ کی پانچ اقسام ہیں

۔مفرد معرفہ:یعنی جب منادیٰ معرفہ ھو ، مضاف اور مشابہ مضاف نہ ھو ۔تو اس صورت میں مرفوع ھوگا ۔ جیسے يَا زَيْدُ ۔

۔نکرہ معینہ:یعنی جب نکرہ معین ھو ۔تو اس صورت میں بھی مرفوع ھوگا ۔جیسے يَا رَجُلُ ۔

۔نکرہ غیر معینہ:یعنی جب منادیٰ نکرہ غیر معین ھوگا تو اس صورت میں منصوب ھوگا ۔ جیسے کسی اندھے کا کہنا يَا رَجُلاً خُذْ بِيَدِيْ (اے کوئی آدمی میرا ھاتھ پکڑ) ۔

مضاف: یعنی جب منادیٰ مضاف ہو تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا۔ جیسے يَا سَيِّدَ الْبَشَرْ ۔

مشابہ مضاف: یعنی وہ اسم جو مضاف تو نہ ہو لیکن مضاف کی طرح دوسرے اسم سے ملے بغیر مکمل نہ ہو اور اپنے مابعد میں عامل ہو تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا جیسے يَا طَالِعًا جَبَلاً (اے پہاڑ پر چڑھنے والے)

حروف نداء أَدْعُوْ (/FONT)فعل کے قائم مقام ھوتے ھیں یھی وجہ ھے کہ منادیٰ أَدْعُوْ فعل محذوف کا مفعول بہ ھونے کی وجہ سے محلا ھمیشہ منصوب ھوتا ھے

اگرچه بعض اوقات لفظا مرفوع هوتا هے ۔جیسے یَا زَیْدُ یعنی اَدْعُوْ زَیْدًا ۔

حروف نداء کے چند ضروری قواعد:

.اسم جلالت پر حرف یا ء داخل هوتا هے جیسے یَا اَللّٰهُ ۔

اگر منادی معرف باللام ہوتو حرف نداء اور منادی کے درمیان مذکر کی صورت میں اَيُّهَا اور مونث کی صورت میں اَيَّتُهَا کا اضافہ کرتے ہیں۔جیسے یَا اَيُّهَا الاِنْسَانُ اور یَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۔

.مقام دعا میں حرف نداء یَا کو گرا کر اسم جلالت کے آخر میں میم مشدد کا اضافه کیا جاتا هے ۔جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا ۔

.کبھی منادی کو حذف کردیاجاتاهے جب که قرینه پایا جائے ۔جیسے اَلَا یَا اسْجُدُوْا یهاں لفظ قَوْمُ منادی محذوف هے اور قرینه حرف نداء کا فعل پر داخل هونا هے ۔

.کبھی کبھی حرف نداء کو بھی حذف کردیا جاتا هے جیسے یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اصل میں یَا یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ اصل میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ تها ۔

. اگر منادی غُلَامٌ،رَبٌّ، اُمٌّ وغیره الفاظ هوں اوریه یائے متکلم کی طرف مضاف بھی هوں تو انکو چار طریقوں سے پڑه سکتے هیں ۔یَا غُلَامِیْ ،یَا غُلَامِیَ ، یَاغُلَامِ ، یَاغُلَامًا اور اسی طرح یَا رَبِّیْ ،یَا رَبِّیَ، یَا رَبِّ ، یَا رَبَّا، اسی طرح مذکوره دیگر الفاظ بھی ۔

.اگر منادی مفرد معرفه هو اور اسکے بعدابْنٌ یا بِنْتٌ کالفظ آجائے تو منادی اِبْنٌ اور بِنْتٌ سمیت منصوب جبکه بعد والا علم مضاف الیه هونے کی وجه سے مجرور هوگا ۔جیسے یَا عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اور یَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صلی الله تعالی علیه وسلم ۔

ترکیب:یَا غُلَامَ زَیْدٍ

یَا حرف نداء قائم مقام اَدْعُوْفعل کے اَدْعُوْ فعل اس میں اَنَا ضمیر فاعل ،غُلَامَ مضاف اور زَیْدٍ مضاف ،مضاف اپنے مضاف الیه سے ملکر منادی قائم مقام مفعول به هوا ،اَدْعُوْ فعل اپنے فاعل اور مفعول به سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ندائیه هوا ۔

ترکیب:یَآیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ

یَا حرف ندا قائم مقام اَدْعُوْ فعل کے ، اَدْعُوْ فعل اس میں اَنَا ضمیر اس کا فاعل ،اَیُّ مضاف هَا ضمیر مضاف الیه، مضاف اپنے مضاف الیه سے ملکر موصوف اَلنَّبِیُّ صفت موصوف اپنے صفت سے ملکر منادی قائم مقام مفعول به ،فعل اپنے فاعل اور قائم مقام مفعول به سے ملکر جمله فعلیه ندائیه انشائیه هوا ۔ جَاهِدِفعل امراس میں اَنْتَ ضمیر فاعل ،اَلْکُفَّارَ اس کا مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جمله فعلیه هو کر مقصود باالنداء هوا ۔

جب کسی نے اپنی کنیز سے کہا،اے زانیہ،اے پاگل یا کہااس واہیات نے ایسا کیا پھراس کنیز کو بیچا خریدار نے ان عیوب میں سے کوئی عیب پایا اور اسے پتہ چل گیا کہ بائع نے کسی موقع پر ایسا کہا تھا تو وہ قول عیب کا اقرار قرار دے کر لونڈی کو واپس نہیں کرسکتا کہ وہ الفاظ ندا ہیں یا گالی اون سے مقصود یہ نہیں کہ وہ ایسی ہی ہے اور اگر مالک نے یہ کہا ہے کہ یہ چوٹی ہے یا زانیہ ہے یا پاگل ہے تو مشتری واپس کرسکتا ہے کہ یہ اقرار ہے۔(درر الاحکام،ج۲،ص۳۷۰،بیروت)

اکثر گاؤں والے یا تانگے والے جانوروں کو ایسے عیوب کے ساتھ پکارتے ہیں جن کی وجہ سے اون کو واپس کیا جاسکتا ہے وہاں بھی وہی صورت ہے کہ اگر اون الفاظ سے گالی دینا مقصود ہوتا ہے یا پکارنا مقصود ہوتا ہے تو عیب کا اقرار نہیں اور اگر خبر دینا مقصود ہوتا ہے تو اقرار ہے اور مشتری واپس کرسکتا ہے۔

کلام کے حقیقی معنی کے محال ہونے کا بیان

(وَاِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا ابْنِي عَتَقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَقَالَا : لَا يُعْتَقُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُمْ أَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالُ الْحَقِيقَةِ فَيُرَدُّ فَيَلْغُو كَقَوْلِهِ أَعْتَقْتُكَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ أَوْ قَبْلَ أَنْ تُخْلَقَ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيقَتِهِ لَكِنَّهُ صَحِيحٌ بِمَجَازِهِ لِأَنَّهُ إخْبَارٌ عَنْ حُرِّيَّتِهِ مِنْ حِينِ مَلَكَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْبُنُوَّةَ فِي الْمَمْلُوكِ سَبَبٌ لِحُرِّيَّتِهِ ، إمَّا إجْمَاعًا أَوْ

صِلَةً لِلْقَرَابَةِ ، وَإِطْلَاقُ السَّبَبِ وَإِرَادَةُ الْمُسَبَّبِ مُسْتَجَازٌ فِي اللُّغَةِ تَجَوُّزًا ، وَلِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ مُلَازِمَةٌ لِلْبُنُوَّةِ فِي الْمَمْلُوكِ وَالْمُشَابَهَةُ فِي وَصْفٍ مُلَازِمٍ مِنْ طُرُقِ الْمَجَازِ عَلَى مَا عُرِفَ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ تَحَرُّزًا عَنْ الْإِلْغَاءِ ، بِخِلَافِ مَا اسْتَشْهَدَ بِهِ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ لَهُ فِي الْمَجَازِ فَتَعَيَّنَ الْإِلْغَاءُ ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ لِغَيْرِهِ قَطَعْت يَدَك فَأَخْرَجَهُمَا صَحِيحَتَيْنِ حَيْثُ لَمْ يُجْعَلْ مَجَازًا عَنْ الْإِقْرَارِ بِالْمَالِ وَالْتِزَامِهِ وَإِنْ كَانَ الْقَطْعُ سَبَبًا لِوُجُوبِ الْمَالِ لِأَنَّ الْقَطْعَ خَطَأً سَبَبٌ لِوُجُوبِ مَالٍ مَخْصُوصٍ وَهُوَ الْأَرْشُ ، وَأَنَّهُ يُخَالِفُ مُطْلَقَ الْمَالِ فِي الْوَصْفِ حَتَّى وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي سَنَتَيْنِ وَلَا يُمْكِنُ إثْبَاتُهُ بِدُونِ الْقَطْعِ ، وَمَا أَمْكَنَ إثْبَاتُهُ فَالْقَطْعُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لَهُ ، أَمَّا الْحُرِّيَّةُ فَلَا تَخْتَلِفُ ذَاتًا وَحُكْمًا فَأَمْكَنَ جَعْلُهُ مَجَازًا عَنْهُ .

ترجمہ

اور جب آقا نے کسی ایسے غلام کو کہا اس جیسا غلام اس سے پیدا نہیں ہوسکتا" لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا ابْنِي '' کہا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ آزاد ہوجائے گا جبکہ صاحبین اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کے نزدیک وہ آزاد نہ ہوگا۔ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا کلام ہے جس کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ناممکن ہے۔لہذا وہ لغو اور فضول ہوجائے گا جس طرح آقا کا یہ قول ہے کہ میں نے تجھے اپنی پیدائش سے پہلے یا تیری پیدائش سے پہلے آزاد کردیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اگرچہ اپنے حقیقی معنی میں ناممکن ہے لیکن اس کا استعمال مجاز میں صحیح ہے کیونکہ اس میں آقا کے مالک ہونے میں غلام کی آزادی کی خبر ہے۔اور اس حکم دلیل یہ ہے کہ اس کی آزادی کا سبب غلام کا بیٹا ہونا ہے۔یا پھر جماع کے سبب یا قرابت کے صلہ کے سبب ہے اور یہاں سبب بول کو مسبب مراد لیا گیا ہے۔اور یہ لغت عرب کے مطابق ہے۔اور یہ دلیل بھی ہے کہ غلامی میں بیٹا ہونے کیلئے آزادی ضروری ہے جبکہ لازم میں تشبیہ دینا طرق مجاز میں سے ایک اصول ہے جس طرح معلوم ہوچکا ہے پس اس کلام کو لغو سے بچانے کیلئے مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

جبکہ اس مسئلہ کے خلاف ہے جس سے استشہاد پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مجاز کا کوئی اصول نہیں ہے تو اس کا لغو ہونا وہاں متعین ہے۔اور جبکہ یہ اس صورت کے خلاف ہے۔کہ جب کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹ دیا لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سلامتی کے ساتھ نکالا تو اسے اقرار بہ مال اور لزوم مال سے مجاز نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ ہاتھ کا کاٹنا اگرچہ مال مخصوص یعنی تاوان کے سبب واجب ہے۔اور یہ ایک وصف میں مطلق مال کے خلاف ہے۔اسی لئے عاقلہ پر مال دو سال کے جرمانے سے واجب ہوتا ہے۔جبکہ ہاتھ کاٹنے کے ساتھ اس کا اثبات ممکن نہیں ہے اور یہاں جس کا اثبات ممکن ہے اور کاٹنا اس کا

سبب نہیں ہے۔البتہ آزادی تو وہ ذات اور حکم کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی۔پس ابن سے مجازی طور پر حریت مراد لینا ممکن ہے۔

غلام کو غلام کہہ کر پکارنے کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے غلام ولونڈی کو) یوں نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری بندی اور نہ ہی مملوک یہ کہیں کہ میرا رب یا میری ربیہ۔مالک اپنے غلام کو کہے میرے جوان اور میری لڑکی اور غلام کو چاہیے کہ کہے اے میرے سردار اور اے میری سردارنی۔کیونکہ تم سب مملوک ہو اور رب تو اللہ تعالیٰ ہیں۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1567)

اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں کو غلام کہہ کر پکارنے سے بھی منع کیا ہے،اس میں حقارت کا جو پہلو مضمر ہے،وہ واضح ہے۔ آپ ﷺ نے غلاموں کے لئے بڑے ہی خوب صورت القاب وضع کئے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی میرا غلام یا میری باندی نہ کہے اور نہ غلام میرا رب کہے۔مالک کو میرے بچے،میری بچی کہنا چاہئے اور غلام کو چاہئے کہ میرا سردار یا سردارنی کہے۔کیوں کہ تم سب مملوک ہو اور رب تو سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔

غلامی انسان کی فطرت میں داخل نہیں، یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔اسلام نے اس کی وجہ سے غلاموں کو دل برداشتہ ہونے سے روکا ہے اور ان کے لئے حوصلہ افزا الفاظ استعمال کئے ہیں۔آج کی نام نہاد ومہذب قوم غلامی کی لعنت ختم کرنے کے باوجود اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ بڑا ہی اذیت ناک رویہ اختیار کرتی ہے اور انہیں کسی خاطر میں نہیں لاتی اور ان کے ساتھ جس زیادتی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے،اس کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔جب کہ اسلام اپنے خادموں کو بھی گھر کا ایک فرد شمار کراتا ہے،یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں غلام اپنے لئے آزادی کی بجائے غلامی کو ہی پسند کرتے تھے،وہ جانتے تھے کہ آزادی کے بعد انہیں وہ حمایت نہیں مل سکے گی اور اس استحسان کی نظر سے محروم ہوجائیں گے جو انہیں غلامی کی حالت میں حاصل ہے۔آزادی کے بعد وہ خود ذمہ دار ہوں گے،جب کہ غلامی کی صورت میں معاشرہ ان کا محافظ ہے۔

آقا کا اپنے غلام باندی کو ماں باپ قرار دینے کا بیان

وَلَوْ قَالَ :هَذَا أَبِي أَوْ أُمِّي وَمِثْلُهُ لَا يُولَدُ لِمِثْلِهِمَا فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَوْ قَالَ لِصَبِيٍّ صَغِيرٍ :هَذَا جَدِّي قِيلَ :هُوَ عَلَى الْخِلَافِ .

وَقِيلَ :لَا يُعْتَقُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ هَذَا الْكَلَامَ لَا مُوجَبَ لَهُ فِي الْمِلْكِ إلَّا بِوَاسِطَةٍ وَهُوَ الْأَبُ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ فِي كَلَامِهِ فَتَعَذَّرَ أَنْ يُجْعَلَ مَجَازًا عَنْ الْمُوجَبِ .بِخِلَافِ الْأُبُوَّةِ وَالْبُنُوَّةِ لِأَنَّ لَهُمَا مُوجَبًا فِي الْمِلْكِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ ، وَلَوْ قَالَ :هَذَا أَخِي لَا يُعْتَقُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُعْتَقُ .وَوَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ مَا بَيَّنَّاهُ .

وَلَوْ قَالَ لِعَبْدِهِ هٰذَا ابْنَتِی فَقَدْ قِيلَ عَلَى الْخِلَافِ ، وَقِيلَ هُوَ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْمُسَمَّى فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِالْمُسَمَّى وَهُوَ مَعْدُومٌ فَلَا يُعْتَبَرُ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي النِّكَاحِ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا باپ ہے یا باندی سے کہا کہ یہ میری ماں ہے اور اس طرح کا غلام اس کا باپ یا اس طرح کی باندی اس کی ماں نہیں ہو سکتی تو اس مسئلے کا اختلاف بھی مذکورہ اختلاف کی طرح ہے اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے سے کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ اختلاف شدہ قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق وہ بہ اتفاق فقہاء آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام کی ملکیت میں اس حکم کے بغیر کسی ذریعے کے کچھ واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ اس کلام میں کوئی ذریعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس اس کو مجازی طور آزادی کا موجب قرار دینا ناممکن ہے۔ جبکہ باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں پر بغیر کسی ذریعے کے بھی غلام میں یہ دونوں اسباب آزادی کو واجب کرنے والے ہیں اور جب آقا نے ھذا اخی کہا تو ظاہر الروایت کے مطابق غلام آزاد نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ ایک روایت کے مطابق وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور ان دونوں روایات کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں اور جب آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ اجماعی مسئلہ ہے کیونکہ یہاں مشار الیہ مذکورہ کی جنس ہی نہیں ہے جبکہ حکم کا تعلق مذکور (مسمی) کے ساتھ ہے اور مسمی معدوم ہے پس یہ کلام غیر معتبر ہے اور کتاب نکاح میں ہم اس مسئلہ کی تحقیق بیان کر آئے ہیں۔

قرائن سے استدلال مسائل کا فقہی بیان

صاحب ہدایہ کی مذکورہ عبارت ''اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے سے کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ اختلاف شدہ قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق وہ بہ اتفاق فقہاء آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام کی ملکیت میں اس حکم کے بغیر کسی ذریعے کے کچھ واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ اس کلام میں کوئی ذریعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس اس کو مجازی طور آزادی کا موجب قرار دینا ناممکن ہے۔ جبکہ باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں ایسا نہیں ہے۔'' سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں قرائن کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور خلاف قرینہ کسی دلیل کو بھی ساقط کیا جا سکتا ہے۔

باندی کو مطلقہ یا بائنہ کہنے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ لِأَمَتِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بَائِنٌ أَوْ تَخَمَّرِی وَنَوَى بِهِ الْعِتْقَ لَمْ تُعْتَقْ) وَقَالَ

الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تُعْتَقُ إِذَا نَوَى ، وَكَذَا عَلَى هٰذَا الْخِلَافِ سَائِرُ أَلْفَاظِ الصَّرِيحِ وَالْكِنَايَةِ عَلَى مَا قَالَ مَشَايِخُهُمْ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَهُ أَنَّهُ نَوَى مَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ لِأَنَّ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ مُوَافَقَةً إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِلْكُ الْعَيْنِ ، أَمَّا مِلْكُ الْيَمِينِ فَظَاهِرٌ ، وَكَذٰلِكَ مِلْكُ النِّكَاحِ فِي حُكْمِ مِلْكِ الْعَيْنِ حَتَّى كَانَ التَّأْبِيدُ مِنْ شَرْطِهِ وَالتَّأْقِيتُ مُبْطِلًا لَهُ وَعَمَلُ اللَّفْظَيْنِ فِي إِسْقَاطِ مَا هُوَ حَقُّهُ وَهُوَ الْمِلْكُ وَلِهٰذَا يَصِحُّ التَّعْلِيقُ فِيهِ بِالشَّرْطِ ، أَمَّا الْأَحْكَامُ فَتَثْبُتُ سَبَبٌ سَابِقٌ وَهُوَ كَوْنُهُ مُكَلَّفًا ، وَلِهٰذَا يَصْلُحُ لَفْظَةُ الْعِتْقِ وَالتَّحْرِيرِ كِنَايَةً عَنِ الطَّلَاقِ فَكَذَا عَكْسُهُ .

وَلَنَا أَنَّهُ نَوَى مَا لَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ لُغَةً إِثْبَاتُ الْقُوَّةِ وَالطَّلَاقَ رَفْعُ الْقَيْدِ ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْعَبْدَ أُلْحِقَ بِالْجَمَادَاتِ وَبِالْإِعْتَاقِ يَحْيَا فَيَقْدِرُ ، وَلَا كَذٰلِكَ الْمَنْكُوحَةُ فَإِنَّهَا قَادِرَةٌ إِلَّا أَنَّ قَيْدَ النِّكَاحِ مَانِعٌ وَبِالطَّلَاقِ يَرْتَفِعُ الْمَانِعُ فَتَظْهَرُ الْقُوَّةُ وَلَا خَفَاءَ أَنَّ الْأَوَّلَ أَقْوَى ، وَلِأَنَّ مِلْكَ الْيَمِينِ فَوْقَ مِلْكِ النِّكَاحِ فَكَانَ إِسْقَاطُهُ أَقْوَى وَاللَّفْظُ يَصْلُحُ مَجَازًا عَمَّا هُوَ دُونَ حَقِيقَتِهِ لَا عَمَّا هُوَ فَوْقَهُ ، فَلِهٰذَا امْتَنَعَ فِي الْمُتَنَازَعِ فِيهِ وَانْسَاغَ فِي عَكْسِهِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی باندی سے کہا تو مطلقہ ہے یا بائنہ ہے یا تو اوڑھ لے اور اس سے عتق کی نیت کی تو وہ آزاد نہیں ہوگی امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر آقا نے آزادی کی نیت کر لی تو وہ آزاد ہو جائے گی اور تمام الفاظ صریحہ اور کنایہ میں بھی یہی اختلاف ہے جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی ہے جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں ملکوں کے درمیان موافقت ہے جبکہ دونوں میں سے ہر ایک کی ملک ذاتی ملک ہے۔ جبکہ ملک یمین تو وہ ظاہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک یمین کے حکم میں ہے اسی لئے ہمیشگی نکاح کی شرط ہے اور وقت متعین نکاح کے لئے مبطل ہے اور دونوں لفظوں کا عمل اس کے حق کو ساقط کرنے کے لئے ہے اور وہ ملکیت ہیا سی لئے آزادی کو شرط پر معلق کرنا درست ہے باقی احکام تو وہ سبب سابق کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور سابق کا سبب آقا کا مکلف ہونا ہے۔ اس لئے لفظ عتق اور لفظ تحریر کنایہ عن الطلاق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ ایسے ہی اس کا الٹ بھی درست ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آقا نے ایسا معنی مراد لیا ہے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا اس لئے کہ قوت کے ثابت ہونے کو ہی آزادی

کہتے ہیں جبکہ طلاق رفع قید کا نام ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ غلام کو جمادات کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔اور آزادی کی وجہ سے وہ زندہ رہ کر تصرفات پر قادر ہو جاتا ہے اور منکوحہ کا یہ حال نہیں ہے اس لئے کہ وہ تصرف پر قادر ہوتی ہے۔لیکن قید نکاح اس سے مانع ہے۔اور طلاق سے مانع ختم ہو جاتا ہے اس لئے قوت ظاہر ہوگی اور اس امر میں کوئی خفا نہیں ہے کہ پہلا زیادہ قوی ہے اور اس لئے کہ ملک یمین ملک نکاح سے بڑھ کر ہے۔اس لئے اس کا اسقاط بھی زیادہ قوی ہوگا اور لفظ اپنے سے کم کے لئے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن اپنے سے بلند کے لئے مجاز نہیں بن سکتا اسی وجہ سے جس میں تنازع ہوا اس کے لئے مجاز ممتنع ہوگا اور اس کے برخلاف میں جائز ہوگا۔

ملک یمین ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ کی مذکورہ میں عبارت فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف بیان کیا گیا ہے جس میں احناف کی دلیل اس قاعدہ فقہیہ سے ہے۔اور اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ ملک یمین ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوا کرتی ہے۔یعنی اگر کسی نے ملک نکاح کے سقوط کا ارادہ کیا تو اس سے ملک یمین کا سقوط نہ ہوگا کیونکہ اعلیٰ ادنی کے تحت داخل نہیں ہوا کرتا جبکہ ادنیٰ کے اعلی کے تحت ہو سکتا ہے اسی قاعدہ سے مسئلہ مستنبط ہوا ہے کہ اگر کسی نے اپنی باندی کو مطلقہ یا بائنہ کے الفاظ سے پکارا تو وہ آزاد نہ ہوگی کیونکہ لفظ مطلقہ یا بائنہ یہ قید نکاح کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن قید ملک اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔کیونکہ ان دونوں کی قوت میں فرق ہے یہی احناف کی دلیل ہے جس کو مصنف علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے۔(رضوی عفی عنہ)

غلام کو آزاد کی مثل قرار دینے کا بیان

(وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ الْمِثْلَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُشَارَكَةِ فِي بَعْضِ الْمَعَانِي عُرْفًا فَوَقَعَ الشَّكُّ فِي الْحُرِّيَّةِ (وَلَوْ قَالَ : مَا أَنْتَ إلَّا حُرٌّ عَتَقَ) لِأَنَّ الِاسْتِثْنَاءَ مِنْ النَّفْيِ إثْبَاتٌ عَلَى وَجْهِ التَّأْكِيدِ كَمَا فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ (وَلَوْ قَالَ رَأْسُك رَأْسُ حُرٍّ لَا يُعْتَقُ) لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِحَذْفِ حَرْفِهِ (وَلَوْ قَالَ رَأْسُك رَأْسٌ حُرٌّ عَتَقَ) لِأَنَّهُ إثْبَاتُ الْحُرِّيَّةِ فِيهِ إذْ الرَّأْسُ يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزاد کی مثل ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا اس لئے کہ لفظ مثل عام طور پر کئی معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔لہذا حریت میں شک پیدا ہو گیا اور جب اس نے کہا تو نہیں ہے مگر آزاد تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ نفی سے استثناء کرنا اثبات میں تاکید پیدا کرنے والا ہے جس طرح کلمہ شہادت میں ہے۔اور اگر آقا نے کہا کہ تیرا سر آزاد کا سر ہے تو اس صورت میں غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ حرف حذف تشبیہ کے ساتھ ہے۔اور جب اس نے کہا کہ تیرا سر آزاد سر ہے تو غلام آزاد ہو

جائے گا کیونکہ اس طرح غلام میں آزادی ثابت ہو جائے گی۔کیونکہ سر کے ذریعے تمام بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف اس قول میں آزادی کی طرف اشارہ ہے خواہ اس نے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اس طرح آزاد نہ ہوگا۔

امام سرخسی حنفی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر اس نے آزادی کی نیت کی تو وہ آزاد ہو جائے گا۔کیونکہ عرف عام میں اشارہ کئی معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔جس کے سبب شک پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس نے آزادی کی نیت کی تو اس سے وہ شک بھی ختم ہو جائے گا لہذا وہ آزاد ہو جائے گا۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۸۷، بیروت)

استثناء اثبات میں تاکید پیدا کرنے کا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ نے یہاں مذکورہ عبارت میں یہ قاعدہ فقہیہ بھی بیان کیا ہے کہ استثناء کلام میں یعنی اثبات میں تاکید پیدا کرتا ہے اور اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ جس طرح کلمہ شہادت میں سے استثناء اللہ تعالی کی توحید کا اثبات کرنے کے ساتھ اس میں تاکید پیدا کرنے والا ہے۔اسی طرح یہاں بھی استثناء کلام میں تاکید پیدا کرنے والا ہے۔اس قاعدہ کا ثبوت اس حدیث مبارکہ سے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لا الٰہ الّا اللہ کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لا الٰہ الّا اللہ کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے اپنا جان و مال بچالے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان و مال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالی پر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔صحیح مسلم: جلداول: حدیث نمبر 127

فصل

﴿ یہ فصل شرعی اختیار والے اعتاق کے بیان میں ہے ﴾

فصل اختیار شرعی والی آزادی کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ کہ مصنف علیہ الرحمہ جب اختیار اضطراری والی فصل میں آزادی کے مسائل بیان کر دیئے ہیں کیونکہ وہ اصل ہیں اور اب مصنف علیہ الرحمہ نے ایسے اعتاق کے مسائل کو بیان کیا ہے جو اختیار کے بغیر حاصل نہیں ہوتے ۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۹۰، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے بھی کہا ہے کہ اختیاری کے اضطراری کو لائے ہیں ۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۹۷، بیروت)

اس سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نے غلام کی آزادی کے مستحب ہونے یا کسی کو بطور احسان آزاد کرنے سے متعلق احکام ذکر کیے ہیں ۔ کیونکہ غلامی کسی انسان کی ملکیت میں آجانے کا نام ہے اور اس میں اصل اختیار ہے یعنی غلام آجانے کے بعد کسی کو اختیار نہ ہو وہ اس سے غلام کو آزاد کرنے کا تقاضہ کرے یا مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہو ۔ جبکہ ذی رحم محرم کے آزاد ہونے میں رحم ایک قوی سبب ہے ۔ جو غلامی کے سبب سے قوی ہوتے ہوئے ذی رحم محرم کو آزاد کرا دیتا ہے ۔

غلامی سے آزاد ہونے کے مذہبی ذرائع واسباب کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غلاموں کو محض آزاد کرنے اور آزاد ہونے ہی کی ترغیب نہ دلائی بلکہ آپ نے مدینہ میں حکومت قائم کرنے کے بعد حکومتی سطح پر اس کا اہتمام بھی فرمایا ۔ مدینہ کی اس ریاست کی اقتصادی پالیسی (Fiscl Policy) میں غلاموں کی آزادی کو ایک سرکاری خرچ کی حیثیت دی گئی ۔ ریاست کی آمدنی کا ذریعہ زکوۃ تھی جسے قرآن مجید میں صدقہ کا نام بھی دیا گیا ہے ۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔

(التوبة (9:60)

یہ صدقات تو دراصل فقرا، مساکین اور سرکاری ملازموں (کی تنخواہوں) کے لئے ہیں، اور ان کے لئے جن کی تالیف قلب مقصود ہو ۔ یہ غلام آزاد کرنے، قرض داروں کی مدد کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور مسافروں کی مدد کے لئے ہیں ۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے ۔

حکومتی سطح پر بھی بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا گیا ۔ بعض مکاتبوں کو اپنی رقم کی ادائیگی کے لئے ان کی مدد کی گئی ۔ اس کی

ایک مثال سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں ۔ خلفاء راشدین کے دور میں بیت المال سے غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا جاتا تھا ۔ اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہوتا تو اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بیچ کر اس سے بھی غلام آزاد کئے جاتے ۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا بِسْطَامُ بْنُ مُسْلِمٍ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ : أَنَّ طَارِقَ بْنِ الْمرقّع أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ لِلَّهِ ، فَمَاتَ وَتَرَكَ مَالًا ، فَعُرِضَ عَلَى مَوْلَاهُ طَارِقٍ ، فَقَالَ : شَيْءٌ جَعَلْته لِلَّهِ ، فَلَسْت بِعَائِدٍ فِيهِ ، فَكُتِبَ فِي ذَلِكَ إلَى عُمَرَ ، فَكَتَبَ عُمَرُ : أَنِ اعْرِضُوا الْمَالَ عَلَى طَارِقٍ ، فَإِنْ قَبِلَهُ وَإِلَّا فَاشْتَرَوْا بِهِ رَقِيقًا فَأَعْتِقُوهُمْ ، قَالَ : فَبَلَغَ خَمْسَةَ عَشَرَ رَأْسًا . (مصنف ابن ابی شیبه، کتاب المیراث، حدیث (32086)

حضرت طارق بن مرقع نے ایک غلام کو اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا ۔ وہ فوت ہو گیا اور اس نے کچھ مال ترکے میں چھوڑا ۔ یہ مال اس کے سابقہ مالک طارق کے پاس پیش کیا گیا ۔ وہ کہنے لگے، "میں نے تو اسے محض اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا تھا، میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا ۔" یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجی گئی کہ طارق مال لینے سے انکار کر رہے ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا، "اگر وہ قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے غلام خرید کر آزاد کرو ۔" راوی کہتے ہیں کہ اس مال سے پندرہ غلام آزاد کئے گئے ۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تو عرب میں موجود تمام غلاموں کو حکومت کے مال سے خرید کر آزاد کر دیا گیا ۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے ۔ زکوۃ ایک حکومتی ٹیکس تھا جو مسلمانوں پر مذہبی طور پر واجب کیا گیا تھا ۔ اس معاملے میں تو یہاں تک اجازت دے دی گئی کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوۃ کی رقم سے خود ہی غلام خرید کر آزاد کر دے تو وہ حکومت کو ادائیگی کرتے ہوئے اس رقم کو قابل ادائیگی زکوۃ (Zk Libiliy) سے منہا کر سکتا ہے ۔ ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں سیدنا ابن عباس اور حسن بصری کا یہ موقف بیان کیا ہے ۔

مذہبی بنیادوں پر غلام آزاد کرنے کے احکامات

اللہ تعالی کو چونکہ غلاموں کی آزادی سے خاص دلچسپی تھی، اس وجہ سے کچھ دینی احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں بطور کفارہ انہیں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ۔ ان میں قسم توڑنے، ناجائز طریقے سے طلاق دینے اور غلطی سے کسی کی جان لے لینے کی صورتیں شامل تھیں ۔

قسم توڑنے کا کفارہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۔ (المائدة (5:89)

تم لوگ جو بغیر سوچے سمجھے قسمیں کھا لیتے ہو، ان پر تو اللہ تمہاری گرفت نہ کرے گا مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو، ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا۔ (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ تم دس مساکین کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں لباس فراہم کرو یا پھر غلام آزاد کرو۔ جسے یہ میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔

ایصال ثواب کے طور پر غلام آزاد کرنا

عاص بن وائل نے وصیت کی کہ میری طرف سے میرے فوت ہونے کے بعد) سو غلام آزاد کیا جائے۔ حسب وصیت اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کئے اور اس کے بیٹے نے ارادہ کیا کہ میں بھی اپنے باپ کی طرف سے بقیہ پچاس غلام آزاد کروں اور کہا اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا اور پوچھا افا عتق عنه کیا میں اپنے باپ کی طرف سے باقی پچاس غلام آزاد کروں

فقال رسول الله ﷺ انه لو كان مسلما فاعتقم عنه او تصدقتم عنه او حججتم عنه بلغه ذلك (ابوداؤد شریف)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ وخیرات کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اسے یہ (یعنی ان چیزوں کا ثواب پہنچتا) (مشکوۃ شریف باب الوصایا ج 1 ص 226)

ناجائز طریقے سے طلاق دینے کا کفارہ

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۔ (المجادلة 58:3)

جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں قرار دے بیٹھیں اور پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔

غلطی سے کسی کو قتل کر دینے کا کفارہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۔ (النساء 4:92)

کسی مومن کو یہ بات روا نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے سوائے اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ تو جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر بیٹھے وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو قانون کے مطابق دیت ادا کرے، سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

اگر وہ مقتول تمہاری دشمن قوم کا فرد ہے مگر مسلمان ہے تو اس کا کفارہ بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جس کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہے تو پھر بھی قانون کے مطابق اس کے وارثوں کو دیت کی ادائیگی اور مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ جس کے پاس غلام نہ ہوں، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرتے ہوئے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا بیان

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے روزہ توڑنے پر بھی یہی کفارہ عائد کیا۔

حدثنا موسى :حدثنا إبراهيم :حدثنا ابن شهاب، عن حميد بن عبد الرحمن :أن أبا هريرة رضى الله عنه قال :أتى رجل النبى صلى الله عليه وسلم فقال :هلكت، وقعت على أهلي في رمضان، قال :(أعتق رقبة .(قال :ليس لي، قال :(فصم شهرين متتابعين .(قال :لا أستطيع، قال :(فأطعم ستين مسكيناً .(قال :لا أجد، فأتي بعرق فيه تمر -قال إبراهيم :العرق المكتل -فقال :(أين السائل، تصدق بها .(قال :على أفقر مني، والله ما بين لابتيها أهل بيت أفقر منا، فضحك النبى صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه، قال :فأنتم إذاً(بخاري، كتاب الادب، حديث (6087)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا، "میں ہلاک ہو گیا۔ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے ہیں۔" آپ نے فرمایا، "غلام آزاد کرو۔" وہ کہنے لگا، "میرے پاس کوئی غلام نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا، "دو مہینے کے لگاتار روزے رکھو۔" وہ کہنے لگا، "مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا، "پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔" وہ بولا، "میرے پاس یہ بھی تو نہیں ہے۔"

اسی اثنا میں آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا، "وہ سائل کہاں ہے؟ "اسے ٹوکرا دے کر ارشاد فرمایا، "اسی کو صدقہ کر دو۔" وہ بولا، "مجھ سے زیادہ اور کون غریب ہوگا۔ اللہ کی قسم اس شہر کے دونوں کناروں کے درمیان میرے

خاندان سے زیادہ غریب تو کوئی ہے نہیں۔ "یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہنس پڑے اور آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا، "چلو تم ہی اسے لے جاؤ۔"

سورج گرہن پر غلاموں کی آزادی

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورج گرہن کے موقع پر بھی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

حدثنا موسى بن مسعود :حدثنا زائدة بن قدامة، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت المنذر، عن أسماء بنت أبي بكر رضى الله عنهما قالت :أمر النبي صلى الله عليه وسلم بالعتاقة في كسوف الشمس .(بخاری، کتاب العتق، حدیث (2519)

حضرت سیدہ اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

اس بات کا اندازہ کرنا تو مشکل ہوگا کہ ان مذہبی احکام کے نتیجے میں کتنے غلام آزاد ہوئے البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام غلاموں کو آزاد کرنے سے کتنی دلچسپی رکھتا ہے۔ عربوں کی معاشرت کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں قسم کھانے اور غصے میں بیوی کو ماں قرار دے لینے کے معاملات ہوتے ہی رہتے تھے۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ قسم توڑنے پر چالیس غلام آزاد فرمائے۔

قریبی رشتے دار غلام کی آزادی کا قانون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا کہ اگر کوئی اپنے قریبی رشتہ دار جیسے ماں، باپ، بیٹے، بیٹی، بہن، بھائی وغیرہ کو غلام بنا دیکھے تو اسے خرید کر آزاد کر دے۔ اگر کسی طریقے سے کوئی غلام اپنے ہی قریبی رشتے دار کی ملکیت میں آ جائے تو وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

أخبرنا إسحاق بن إبراهيم، قال :حدثنا جرير عن سهيل، عن أبيه، عن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجزئ ولد والدا إلا أن يجده مملوكا فيشتريه فيعتقه .(سنن الكبرى نسائى، كتاب العتق، حديث (4876)

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "کسی بیٹے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو غلام دیکھے تو انہیں خرید کر آزاد نہ کرے۔"

حدثنا مسلم بن إبراهيم وموسى بن إسماعيل قالا :ثنا حماد بن سلمة، عن قتادة، عن الحسن، عن سمرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وقال موسى في موضع آخر:

عن سمرة بن جندب فيما يحسب حماد قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ملك ذا رحمٍ محرمٍ فهو حرٌّ ."(ابو داؤد، كتاب العتق، حديث 3949، ابن ماجة، كتاب العتق، حديث (2326)

حضرت سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جو کوئی اپنے ذی رحم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے کہ اس قانون کے تحت کتنے غلام آزاد ہوئے لیکن ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مختلف صورتوں میں غلام آزاد کرنے کی کس حد تک ترغیب دی ہے۔

وصیت کے ذریعے غلاموں کی آزادی کا قانون

بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جایا کرتے تھے کہ ان کے غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ ایسے غلام "مدبر" کہلایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے زیادہ پسند نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ غلام کو اپنی زندگی ہی میں جلد سے جلد آزاد کر دیا جائے۔

قال أخبرنا قتيبة بن سعيد، قال :حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن أبي حبيبة، عن أبي الدرداء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الذي يعتق عند الموت كالذي يهدى بعدما شبع .(سنن نسائى الكبرى، كتاب العتق، حديث 4873)

حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا" :جو شخص بھی مرتے وقت غلام آزاد کرتا ہے، وہ تو اس شخص کی طرح ہے جو (گناہوں سے) اچھی طرح سیر ہونے کے بعد (نیکی کی طرف) ہدایت پاتا ہے۔

یہاں پر بعض لوگوں کو شاید یہ خیال گزرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود بھی تو مرض وفات میں چالیس غلاموں کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان چالیس غلاموں سے ساری عمر خدمت لیتے رہے تھے اور عین وفات کے وقت نہیں آزاد فرما دیا تھا۔ آپ نے آخر وقت میں ان غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا۔

اسلام کے قانون وراثت میں وصیت صرف ایک تہائی مال میں کرنے کی اجازت ہے اور دو تہائی مال کے بارے میں قرآن نے واضح طور پر مختلف وارثوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں۔ بعض اوقات ایسی صورت پیش آ جاتی کہ ایک شخص نے غلاموں کی آزادی کے علاوہ اور بھی وصیتیں کر رکھی ہیں۔ ایسی صورت میں غلاموں کی آزادی کو فوقیت دی گئی۔ انہیں آزاد کرنے کے بعد اگر مالک کی جائیداد کے ایک تہائی حصے میں سے کچھ باقی بچتا تو اس سے وہ وصیتیں پوری کی جاتی تھیں ورنہ نہیں۔ اس ضمن میں اگرچہ کوئی مرفوع

حدیث ہمیں نہیں مل سکی لیکن مسلمانوں کے بڑے اہل علم کا یہی نقطہ نظر رہا ہے۔

حدثنا الحسين بن بشر ثنا المعافى عن عثمان بن الأسود عن عطاء قال من أوصى أو أعتق فكان فى وصيته عول دخل العول على أهل العتاقة وأهل الوصية قال عطاء ان أهل المدينة غلبونا يبدؤون بالعتاقة .(دارمى، كتاب الفرائض، حديث (3229

حضرت عطاء کہتے ہیں، "جس نے غلام کی آزادی کے ساتھ ساتھ کوئی اور وصیت بھی کر دی اور وصیت کی مجموعی رقم میں عول داخل ہو گیا (یعنی مجموعی رقم ترکے کے تہائی حصے سے زیادہ ہو گئی) تو اہل مدینہ کی غالب اکثریت کا عمل یہ ہے کہ وہ غلاموں کی آزادی سے ابتدا کرتے ہیں۔

حدثنا المعلى بن أسد ثنا وهيب عن يونس عن الحسن فى الرجل يوصى بأشياء ومنها العتق فيجاوز الثلث قال يبدأ بالعتق .(دارمى، كتاب الفرائض، حديث (3227)

حضرت حسن (بصری) نے ایسے شخص کے بارے میں، جس نے مختلف کاموں اور غلاموں کی آزادی کی وصیت کی تھی اور مجموعی رقم ایک تہائی سے زائد ہو گئی تھی، ارشاد فرمایا، "ابتدا غلاموں کی آزادی سے کی جائے گی۔"

حدثنا عبيد الله عن إسرائيل عن منصور عن إبراهيم قال يبدأ بالعتاقة قبل الوصية. (دارمى، كتاب الفرائض، حديث (3232)

حضرت ابراہیم (نخعی) کہتے ہیں کہ غلاموں کو آزادی وصیت (کے باقی معاملات) سے پہلے دی جائے گی۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے جلیل القدر ائمہ انسانی آزادی کو کس قدر اہمیت دیا کرتے تھے۔

غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے یعنی بے گناہ مارے یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے (مسلم)

یوں تو بلا کسی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ مارنا حرام ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا تاوان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

حضرت ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی ابو مسعود! یاد رکھو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں

آزاد کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلاتی یا فرمایا کہ تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو مار کر ایک بڑا گناہ کیا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بارے سے ہلکے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا تو اس کو آزاد نہ کرنے کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جاتا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور انکے ساتھ حلم و مروت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا ناحق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

اسلام قبول کرنے والے غلاموں کی آزادی کے اقدامات

دین اسلام میں مسلم اور غیر مسلم ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے غلام کو آزاد کرنے کو ثواب کا کام بتایا گیا ہے۔ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں میں یہ صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم غلام کو آزاد کرنا بھی ثواب کا کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی رہا ہے کہ وہ غیر مسلم غلاموں کو بھی آزاد کیا کرتے تھے۔

دنیا بھر کی اقوام کا یہ اصول ہے کہ کسی بھی نیکی یا بھلائی کے کام کا آغاز ہمیشہ اپنے گھر سے ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم میں غرباء و مساکین پائے جاتے ہوں اور اس قوم کے امیر لوگ اپنی قوم کے غرباء کو چھوڑ کر دنیا کے دوسرے خطوں میں جا کر رفاہی کام کرنا شروع کر دیں تو یہ رویہ سب کے نزدیک قابل اعتراض ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں غلام آزاد کرنے کے معاملے میں ترجیح انہی غلاموں کو دی گئی جو کہ اسلام قبول کر چکے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مکی زندگی میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل نہ تھا۔ اس دور میں یہ طریق کار اختیار کیا گیا کہ جو غلام بھی اسلام قبول کرے، اسے صاحب ثروت مسلمان خرید کر آزاد کر دیں۔ یہ بات ہم تک تواتر سے منتقل ہوئی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دولت کا بڑا حصہ غلاموں کو آزاد کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدثنا أبو نعيم :حدثنا عبد العزيز بن أبى سلمة، عن محمد بن المنكدر :أخبرنا جابر بن عبد الله رضى الله عنهما قال :كان عمر يقول :أبو بكر سيدنا، وأعتق سيدنا .يعنى بلالا .(بخارى، كتاب الفضائل، حديث (3754)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، "ابو بکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا تھا۔" مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کی ایک حکومت قائم ہو گئی تھی جس کے سربراہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے۔ اس دور میں

مسلمان ہونے والے غلاموں کو نہ صرف خرید کر آزاد کرنے کے لئے زکوۃ فنڈ کو استعمال کیا گیا بلکہ پورے عرب سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے غلاموں کے لئے یہ قانون بنا دیا گیا۔

حدثنا إبراهيم بن موسى :أخبرنا هشام، عن ابن جريج، وقال عطاء، عن ابن عباس: كان المشركون على منزلتين من النبى صلى الله عليه وسلم والمؤمنين: كانوا مشركي أهل حرب، يقاتلهم ويقاتلونه، ومشركي أهل عهد، لا يقاتلهم ولا يقاتلونه، وكان إذا هاجرت امرأة من أهل الحرب لم تخطب حتى تحيض وتطهر، فإذا طهرت حل لها النكاح، فإن هاجر زوجها قبل أن تنكح ردت إليه، وأن هاجر عبد منهم أو أمة فهما حران ولهما ما للمهاجرين، ثم ذكر من أهل العهد مثل حديث مجاهد :وأن هاجر عبد أو أمة للمشركين أهل عهد لم يردوا، وردت أثمانهم .(بخاری، كتاب النكاح، حديث (5286)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔بعض مشرکین "اہل حرب " تھے۔وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد " تھے۔نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہوکر) ہجرت کرتیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہوکر) ہجرت کر کے آپہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔

حربی غلاموں کی آزادی کا بیان

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آجاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔۔۔۔اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آجاتے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا بلکہ ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحرّاني، قال :حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد

بن إسحاق، عن أبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن رِبْعِيِّ بن حِرَاش، عن عليّ بن أبى طالب قال :خرج عِبْدَانٌ إلى رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليه مواليهم فقالوا :يامحمد، واللّه ما خرجوا إليك رغبة فى دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرّق، فقال ناس :صدقوا يارسول اللّه رُدَّهم إليهم، فغضب رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم وقال" :ما أراكم تنتهون يا معشر قريشٍ حتى يبعث اللّه (عزوجل) عليكم من يضرب رقابكم على هذا "وأبى أن يردَّهم، وقال" :هم عتقاء اللّه عزوجل ."(ابو داؤد، كتاب الجهاد، حديث (2700)

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آ گئے۔ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد !خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔"لوگ کہنے لگے، "یارسول اللہ !ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، "اے گروہ قریش !میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عزوجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر اس کی پاداش میں ضرب لگائے۔ "آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عزوجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرما دیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آجائے۔

حدثنا عبد الله حدثنى أبى حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال :لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف أعتق من رقيقهم .(مسند احمد، باب عبدالله بن عباس، مصنف ابن ابى شيبة، حديث (34283)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آگئے تھے) آزاد فرما دیا۔

مشہور مستشرق ولیم میور اس اعلان کے بارے میں لکھتے ہیں: آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجا جس سے وہ لوگ

بہت ناراض ہوئے۔اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے سچے اور بہادر پیرو ثابت ہوئے۔ (ولیم میور، he (life of ohe)

مشہور مورخ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں ان میں سے بعض غلاموں کے نام بیان کئے ہیں۔ان میں سے ایک ابوبکرہ نفیع بن مسروح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔بکرہ عربی میں چرخی (Pulley)) کو کہتے ہیں۔انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کہ یہ قلعے کی دیوار پر موجود چرخی کے رسے سے لٹک کر نیچے اترے تھے۔ان میں ایک رومی لوہار ابونافع بن الازرق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ایسے تمام غلاموں کو درجہ بلند کرنے کے لئے ان کی ولاء کا تعلق بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قائم کیا گیا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کے سب غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اپنے خاندان میں شامل کر لئے گئے۔اس کی تفصیل ہم "ولاء" کی بحث میں بیان کریں گے۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں کے ہاں یہ رسم رائج ہوگئی کہ جو غلام اسلام قبول کر لیتا، وہ اسے اس کے مالکان سے خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔اس طریقے سے بے شمار غلاموں نے آزادی حاصل کی۔

ثم ذكر البيهقي لقصة منام شاهدا من طريق الاعمش، عن أبي وائل، عن عبدالله، وأنه كان من جملة ما جاء به عبيد فأتى بهم أبا بكر، فلما رد الجميع عليه رجع بهم ثم قام يصلي فقاموا كلهم يصلون معه. فلما انصرف قال: لمن صليتم؟ قالوا: لله. قال: فأنتم له عتقاء. فأعتقهم. (ابن كثير، سيرة النبوية)

حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو غلام لئے گئے ان میں سے میں بھی تھا۔جب سب غلام ان کے سامنے پیش کئے گئے تو وہ ان سے ہٹ کر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔یہ سب غلام بھی ان کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔نماز کے بعد ابوبکر ان کی طرف مڑے اور پوچھا، "تم نے کس کے لئے نماز پڑھی ہے؟" وہ بولے، "اللہ کے لئے۔" "آپ نے فرمایا،" پھر تم اسی کے لئے آزاد ہو۔" یہ کہہ کر آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: مَضَتِ السُّنَّةُ أَنْ لاَ يُسْتَرَقَّ كَافِرٌ مُسْلِمًا. (مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الجهاد، حدیث (23290)

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ (مسلمانوں میں) یہ معمول کی بات ہے کہ مسلمان کو غیر مسلم کا غلام نہیں بننے دیا جاتا۔

انیسویں صدی کے مستشرق جارج بش لکھتے ہیں: (محمد کے) پیروکاروں میں یہ مستقل دستور بن گیا کہ ان کے غلاموں میں سے جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو، اسے آزاد کر دیا جائے۔

جے ایم وڈنی لکھتے ہیں: (اسلام میں) تمام انسانوں کو مستقلاً برابر قرار دیا گیا ہے۔کم سے کم نظریاتی طور پر، بلند و پست، امیر و

غریب سب ایک ہی مقام پر کھڑے ہیں۔مشترکہ بھائی چارے کا رشتہ بہت ہی مضبوط ہے۔ذات و نسل سرے سے ہی مفقود ہے۔ ابتدائی دور کی عیسائیت میں بھی اگر اسی درجے میں نہ سہی، لیکن کسی حد تک یہی چیز موجود ہے۔"لا الہ الا اللہ" کہا اور غلام آزاد ہو گیا۔

ذی رحم ملکیت کے ملکیت رقیت سے اعلی ہونے کا بیان

(وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ) وَهَذَا اللَّفْظُ مَرْوِيٌّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَهُوَ حُرٌّ" وَاللَّفْظُ بِعُمُومِهِ يَنْتَظِمُ كُلَّ قَرَابَةٍ مُؤَيَّدَةٍ بِالْمَحْرَمِيَّةِ وِلَادًا أَوْ غَيْرَهُ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِهِ.

لَهُ أَنَّ ثُبُوتَ الْعِتْقِ مِنْ غَيْرِ مَرْضَاةِ الْمَالِكِ يَنْفِيهِ الْقِيَاسُ أَوْ لَا يَقْتَضِيهِ، وَالْأُخُوَّةُ وَمَا يُضَاهِيهَا نَازِلَةٌ عَنْ قَرَابَةِ الْوِلَادِ فَامْتَنَعَ الْإِلْحَاقُ أَوْ الِاسْتِدْلَالُ بِهِ، وَلِهَذَا امْتَنَعَ التَّكَاتُبُ عَلَى الْمُكَاتَبِ فِي غَيْرِ الْوِلَادِ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فِيهِ.

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّهُ مَلَكَ قَرِيبَهُ قَرَابَةً مُؤَثِّرَةً فِي الْمَحْرَمِيَّةِ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ، وَهَذَا هُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْأَصْلِ، وَالْوِلَادُ مُلْغًى لِأَنَّهَا هِيَ الَّتِي يُفْتَرَضُ وَصْلُهَا وَيَحْرُمُ قَطْعُهَا حَتَّى وَجَبَتْ النَّفَقَةُ وَحَرُمَ النِّكَاحُ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إذَا كَانَ الْمَالِكُ مُسْلِمًا أَوْ كَافِرًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لِعُمُومِ الْعِلَّةِ.

ترجمہ

اور جو شخص ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔یہ لفظ عموم کے پیش نظر ایسی کرامت کو شامل ہے جس کو ابدی حرمت حاصل ہو اور یہ حرمت ولادت کے ذریعے ہو یا کسی اور ذریعے سے ہو۔جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے غیر ولادت میں ہم سے اختلاف کیا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے۔کہ مالک کی رضا کے بغیر ثبوت عتق کو قیاس منع کرتا ہے یا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ آزاد نہ ہو۔جبکہ اخوہ اور غیرہ اخوہ کی قرابت ولادت سے بھی کم ہے لہذا ان کا الحاق اور ان کا استدلال دونوں منع ہو جائیں گے۔

اور اسی طرح غیر ولاد میں مکاتب پر تکاتب کرنا ممتنع ہے جب کہ ولاد میں ممتنع نہیں ہے۔ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم

نے بیان کی ہے اوراس لئے بھی کہ وہ ایسے قریبی کا مالک ہوا ہے جو جس کی قرابت محرمیت مؤثر ہے اس لئے کہ وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور اصل میں یہی مؤثر ہے جبکہ ولادت تو غیر مؤثر ہے کیونکہ قرابت کو ملانا ہی فرض ہے اوراس کو توڑنا حرام ہے حتی کہ نفقہ واجب ہوتا ہے جبکہ نکاح حرام ہوتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ مالک مسلمان ہو یا دارالسلام میں کافر ہو کیونکہ علت عام ہے۔

ذی رحم محرم کی آزادی فقہ شافعی وحنفی کے اختلاف کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اوراس کو خرید کر آزاد کردے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 577 مسلم)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحاب ظواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اوراس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ (فیعتقـه) میں حرف فا سبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اوراس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے "لہٰذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 579)

حضرت حسن بصری حضرت سمرہ سے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ ہبہ یا وراثت کے ذریعہ) اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ "

(ترمذی، ابن ماجہ)

مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خریدا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یا بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خریدا یا بھائی نے غلام خریدا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

"ذی رحم "اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں "اور محرم "اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد نہیں ہوجاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گذری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ دادا، پڑدادا وغیرہ) اور فروع کے درجہ کے قرابت دار، (جیسے بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فروع کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارے میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول وفروع کے قرابت داروں ہی کے حاصل ہے وہ محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالک نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آجانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ذی رحم محرم یعنی ایسا قریب کا رشتہ والا کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو اور ایک عورت ہو تو نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جیسے باپ ،ماں، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، بھانجہ، بھانجی ان میں کسی کا مالک ہو تو فوراً ہی آزاد ہو جائیگا اور اگر ان کے کسی حصہ کا مالک ہوا تو اوتنا آزاد ہوگیا۔ اس میں مالک کے عاقل بالغ ہونے کی بھی شرط نہیں بلکہ بچہ یا مجنون بھی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو آزاد ہو جائے گا۔ (درمختار، کتاب عتاق)

مکاتب کا اپنے بھائی کو خریدنے کا بیان

وَالْمُكَاتَبُ إذَا اشْتَرَى أَخَاهُ وَمَنْ يَجْرِي مَجْرَاهُ لَا يَتَكَاتَبُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ مِلْكٌ تَامٌّ يُقْدِرُهُ عَلَى الْإِعْتَاقِ وَالْافْتِرَاضِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ ، بِخِلَافِ الْوِلَادِ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيهِ مِنْ مَقَاصِدِ الْكِتَابَةِ فَامْتَنَعَ الْبَيْعُ فَيَعْتِقُ تَحْقِيقًا لِمَقْصُودِ الْعَقْدِ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَتَكَاتَبُ عَلَى الْأَخِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا قُلْنَا أَنْ نَمْنَعَ ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا مَلَكَ ابْنَةَ عَمِّهِ وَهِيَ أُخْتُهُ مِنْ الرَّضَاعِ لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ مَا ثَبَتَتْ بِالْقَرَابَةِ وَالصَّبِيُّ جُعِلَ أَهْلًا لِهَذَا الْعِتْقِ ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ حَتَّى عَتَقَ الْقَرِيبُ عَلَيْهِمَا عِنْدَ الْمِلْكِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَبْدِ فَشَابَهَ النَّفَقَةَ .

ترجمہ

اور جب مکاتب نے اپنے بھائی یا کسی بھائی کے قائم مقام کو خرید لیا تو وہ اس مکاتب کے اوپر مکاتب نہ ہوگا کیونکہ مکاتب کو اس قدر کامل ملکیت حاصل نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ جس نے اس کو آزادی پر قدرت دے دی تو مسئلہ وقت قدرت ہی سپرد ہو جائے گا۔ جبکہ ولادت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ کتابت کے مقاصد میں آزادی ہے۔ کیونکہ اسی وجہ سے اس کی (مکاتب) بیع منع ہوئی ہے۔

کیونکہ مقصود عقد کو ثابت کرتے ہوئے وہ آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکاتب کا بھائی پر اسی پر مکاتب ہوگا اور صاحبین کا قول بھی اسی طرح ہے۔ پس منع کا اختیار ہے۔ اور البتہ یہ صورت اس کے خلاف ہے جب کوئی شخص اپنے چچا کی بیٹی کا مالک بن جائے اور اس کی رضاعی بہن بھی ہو، کیونکہ محرم ہونے معتبر ہے جو اس کی قرابت سے ثابت ہے اور بچے اور اسی مجنون کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ قریبی آدمی مالک ہونے کے وقت ہی آزاد ہو جائے گا۔ لہذا ابندے کا حق آزادی اس سے متعلق ہو گیا اور یہ نفقہ کے مشابہ ہو گیا ہے۔

شرح

حضرت عروہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ بریرہ ان کے پاس اپنی کتابت (کی رقم کی ادائیگی) کے لیے مدد مانگنے آئیں اور اپنی کتابت کی رقم سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اپنے مالکوں کے پاس جا اگر وہ اس بات کو پسند کریں کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کی رقم ادا کر دوں اور تیری ولاء میرے لیے ہو تو میں ایسا کروں چنانچہ بریرہ نے یہ بات اپنے مالکوں سے کہی تو وہ لوگ نہ مانے اور کہا کہ اگر وہ ثواب کی نیت سے ایسا کرنا چاہتی ہیں تو کریں لیکن تیری ولاء کے مالک ہم ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خرید لو اور آزاد کر دو اس لیے کہ حق ولاء تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خرید لو اور آزاد کر دو اس لیے کہ حق ولاء تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس کو کوئی حق نہیں اگر چہ سینکڑوں بار شرط لگائے اور اللہ کی شرط زیادہ مستحق اور مضبوط ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2410)

اللہ کی رضا کیلئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان

(وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا لِوَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ لِلشَّيْطَانِ أَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ) لِوُجُودِ رُكْنِ الْإِعْتَاقِ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ وَوَصْفُ الْقُرْبَةِ فِي اللَّفْظِ الْأَوَّلِ زِيَادَةٌ فَلَا يَخْتَلُّ الْعِتْقُ بِعَدَمِهِ فِي اللَّفْظَيْنِ الْآخَرَيْنِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے غلام کو اللہ کیلئے آزاد کیا یا اس نے شیطان یا بت کیلئے آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا رکن اپنی اہلیت کے ساتھ محل میں واقع ہو گیا ہے جبکہ قربت کا وصف لفظ اول میں زیادہ ہے۔ جبکہ آخری دو الفاظ میں قربت معدوم ہونے کی وجہ سے وہ خلل انداز نہ ہوگا۔

غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے راستہ میں یہ شعر کہے درازی شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے۔ مگر یہ کہ دار الکفر سے اس نے نجات دلائی پھر انہوں نے بیان کیا کہ میرا غلام راستے ہی سے بھاگ گیا جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اس وقت میرا غلام آ نکلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ یہ تیرا غلام ہے تو میں نے کہا وہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے اور میں نے اس کو آزاد کر دیا ابو کریب نے ابو اسامہ سے جو روایت کی اس میں یہ نہیں بیان کیا کہ وہ آزاد ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2383)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے ابو ہریرہ نکلے اور ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا ہو گیا کچھ دنوں کے بعد وہ غلام آیا اس حال میں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرا غلام ہے جو تیرے پاس آیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ آزاد ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پہنچ کر یہ شعر کہہ رہے تھے۔ درازی شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے مگر یہ کہ دار الفکر سے اس نے نجات دلائی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2382)

حالانکہ آزادی کے لیے گواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اس لیے بیان کیا کہ باب کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے اپنے غلام کو آزاد کیا تھا۔ بعضوں نے کہا امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ غلام کو یوں کہنا وہ اللہ کا ہے اس وقت آزاد ہوگا جب کہنے والے کی نیت آزاد کرنے کی ہو اگر کچھ اور مطلب مراد رکھے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ آزاد کرنے کے لیے بعض الفاظ تو صریح ہیں جیسے کہ وہ آزاد ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ بعضے کنایہ ہیں جیسے وہ اللہ کا ہے یعنی اب میری ملک اس پر نہیں رہی، وہ اللہ کی ملک ہو گیا۔

مجبور و سکران والے سے آزادی کا بیان

(وَعِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ) لِصُدُورِ الرُّكْنِ مِنْ الْأَهْلِ فِي الْمَحَلِّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

(وَإِنْ أَضَافَ الْعِتْقَ إِلَى مِلْكٍ أَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ) أَمَّا الْإِضَافَةُ إِلَى الْمِلْكِ فَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَأَمَّا التَّعْلِيقُ بِالشَّرْطِ فَلِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَيَجْرِي فِيهِ التَّعْلِيقُ بِخِلَافِ التَّمْلِيكَاتِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي

مَوْضِعِهِ .

ترجمہ

مجبور اور نشہ والے کا آزاد کرنا واقع ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا رکن اپنے اہل سے محل میں واقع ہوا ہے۔جس طرح طلاق میں ہے اور اس سے پہلے ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔

اور جب آقا نے آزادی کو ملکیت یا کسی شرط کی طرف منسوب کیا تو اس کیلئے ایسا کرنا صحیح ہے۔جس طرح طلاق میں اضافت صحیح ہے جبکہ ملک کی طرف اضافت میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور وہ کتاب طلاق میں ہم بیان کر چکے ہیں۔البتہ شرط کے ساتھ معلق کرنا وہ جائز ہے کیونکہ آزادی اسقاط حق ہے لہذا اس میں تعلیق جاری رہے گی۔جبکہ تملیک میں ایسا نہیں ہے۔جس کا حکم اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مجبور کی طرف سے وقوع آزادی میں ائمہ ثلاثہ نے اختلاف کیا ہے۔کیونکہ مجبوری کو صرف رضامندی ختم کرنے والی ہے۔جبکہ عتق اس پر موقوف نہیں ہے۔لہذا ہازل کا عتق جائز ہوگا اور نشہ والے کا عتق کا اعتبار پر تمام ائمہ کے اتفاق سے اختیار کی گئی ہے۔(فتح القدیر، ج۱۰، ص۸۶، بیروت)

حربی کے غلام کا مسلمان ہو کر آنے کا بیان

(وَإِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ إلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ) (لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَبِيدِ الطَّائِفِ حِينَ خَرَجُوا إلَيْهِ مُسْلِمِينَ هُمْ عُتَقَاءُ اللَّهِ تَعَالَى) وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ وَهُوَ مُسْلِمٌ وَلَا اسْتِرْقَاقَ عَلَى الْمُسْلِمِ ابْتِدَاءً .

ترجمہ

اور اگر کسی حربی شخص کا غلام مسلمان ہو کر ہماری طرف آجائے تو وہ آزاد ہوگا کیونکہ طائف کے غلام جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزاد ہیں۔اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ انہوں نے مسلمان ہونے کی حالت میں اپنے جان کو محفوظ کیا ہے اور ابتدائی طور پر کسی بھی مسلمان پر غلامی نہیں کی جا سکتی۔

طوائف کے غلاموں کی آزادی کا بیان

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر

ہوتا۔اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحرّاني، قال :حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد بن إسحاق، عن أبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن رِبْعِيٍّ بن حِرَاش، عن عليّ بن أبي طالب قال :خرج عِبْدَانٌ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليه مواليهم فقالوا :يامحمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرِّق، فقال ناس :صدقوا يارسول الله رُدَّهم إليهم، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال" :ما أراكم تنتهون يا معشر قريشٍ حتى يبعث الله (عزوجل) عليكم من يضرب رقابكم على هذا "وأبى أن يردَّهم، وقال" :هم عتقاء الله عزوجل ."(ابو داؤد، كتاب الجهاد، حديث (2700)

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آ گئے۔ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد ! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔"لوگ کہنے لگے، "یارسول اللہ !ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، "اے گروہ قریش !میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عزوجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔ "آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عزوجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرما دیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آ جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال :لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف أعتق من رقيقهم .(مسند احمد، باب عبدالله بن عباس، مصنف ابن ابی شیبة، حديث (34283)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرما دیا۔

باندی کے تابع حمل کے آزاد ہونے کا بیان

(وَإِنْ أَعْتَقَ حَامِلًا عَتَقَ حَمْلُهَا تَبَعًا لَهَا) إِذْ هُوَ مُتَّصِلٌ بِهَا (وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ دُونَهَا) لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى إعْتَاقِهَا مَقْصُودًا لِعَدَمِ الْإِضَافَةِ إِلَيْهَا وَلَا إِلَيْهِ تَبَعًا لِمَا فِيهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوعِ ، ثُمَّ إعْتَاقُ الْحَمْلِ صَحِيحٌ وَلَا يَصِحُّ بَيْعُهُ وَهِبَتُهُ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ نَفْسَهُ شَرْطٌ فِي الْهِبَةِ وَالْقُدْرَةُ عَلَيْهِ فِي الْبَيْعِ وَلَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْجَنِينِ وَشَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي الْإِعْتَاقِ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو اس باندی کے تابع ہوتے ہوئے اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے کہ حمل باندی سے ملا ہوا ہے اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو باندی آزاد نہیں ہوگی صرف حمل آزاد ہوگا اس لئے کہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی جارہی نہ تو قصدا کیونکہ باندی کی طرف اضافت نہیں ہے اور نہ ہی تبعا کیونکہ اس میں قلب موضوع ہے۔ پھر حمل کا اعتاق درست ہے لیکن اس کا ہبہ اور بیع درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ میں ذات کی سپردگی شرط ہے اور بیع میں سپردگی پر قدرت شرط ہے جبکہ جنین کی طرف اضافت کرنے سے یہ چیز نہیں پائی جارہی اور اعتاق میں ان میں سے کوئی شرط نہیں ہے لہذا دونوں جدا ہو گئے۔

حاملہ باندی کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی باندی آزاد ہوئی تو اس کا حمل بھی اس کے تابع ہونے کے سبب بھی آزاد ہوگا۔ اسی پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں استثناء اگر کیا جائے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح یہ مذکور ہے۔ خلافا لِأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَالنَّخَعِيِّ وَالشَّعْبِيِّ وَعَطَاءٍ وَابْنِ سِيرِينَ ، وَقَوْلُهُمْ مَرْوِيٌّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ .

(فتح القدیر، ۱۰، ص ۹۲، بیروت)

حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ زبیر بن عوان نے ایک غلام خرید اکر آزاد کیا اس غلام کی اولاد ایک آزاد عورت سے تھی جب زبیر نے غلام کو آزاد کر دیا تو زبیر نے کہا اس کی اولاد میری مولی ہیں اور ان کی ماں کے لوگوں نے کہا ہمارے مولی ہیں دونوں نے جھگڑا کیا حضرت عثمان کے پاس آئے آپ نے حکم کیا کہ ان کی ولا زبیر کو ملے گی۔

حضرت سعید بن مسیّب سے سوال ہوا اگر ایک غلام کا لڑکا آزاد عورت سے ہو تو اس لڑکے کی ولاء کس کو ملے گی سعید نے کہا اگر اس لڑکے کا باپ غلامی کی حالت میں مرجائے تو ولا اس کی ماں کے موالی کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مثال اس کی یہ ہے ملاعنہ عورت کا لڑکا اپنی ماں کے موالی کی طرف منسوب ہوگا اگر

وہ مرجائے گا وہی اس کے وارث ہوں گے اگر جنایت کرے گا وہی دیت دیں گے پھر اس عورت کا خاوند اقرار کر لے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی ولاء باپ کے موالی کو ملے گی وہی وارث ہوں گے وہی دیت دیں گے مگر اس کے باپ پر حد قذف پڑے گی مالک نے اسی طرح کہا اگر عورت ملاعنہ عربی ہو اور خاوند اس کے لڑکے کا اقرار کر لے کہ میرا لڑکا ہے تو وہ لڑکا اپنے باپ سے ملا دیا جائے گا۔ جب تک خاوند اقرار نہ کرے تو اس لڑکے کا ترکہ اس کی ماں اور اخیافی بھائی کو حصہ دے کر جو بچ رہے گا۔ مسلمانوں کا حق ہوگا اور ملاعنہ کے لڑکے کی میراث اس کی ماں کے موالی کو اس واسطے ملتی ہے کہ جب تک اس کے خاوند نے اقرار نہیں کیا نہ اس لڑکے کا نسب ہے نہ اس کا کوئی عصبہ ہے جب خاوند نے اقرار کر لیا نسب ثابت ہوگیا اپنے عصبہ سے مل جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس غلام کی اولاد آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ آزاد ہو وہ، اپنے پوتے یا ولاء کا مالک ہوگا جب تک باپ غلام رہے گا جب باپ آزاد ہو جائے گا تو اس کے موالی کو ملے گی اگر باپ غلامی کی حالت میں مرجائے گا تو میراث اور ولاء دادا کو ملے گی اگر اس غلام کے دو آزاد لڑکوں میں سے ایک لڑکا مرجائے اور باپ ان کا غلام ہو تو ولاء اور میراث اس کے دادا کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حاملہ لونڈی اگر آزاد ہو جائے اور خاوند اس کا غلام ہو پھر خاوند بھی آزاد ہو جائے وضع حمل سے پہلے یا بعد تو ولاء اس بچہ کی اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی کیونکہ یہ بچہ قبل آزادی کے اس کا غلام ہوگیا البتہ جو حمل اس عورت کو بعد آزادی کے ٹھہرے گا اس کی ولاء اس کے باپ کو ملے گی جب وہ آزاد کر دیا جائے گا کہا مالک نے جو غلام اپنے مولیٰ کے اذن سے اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کی ولاء مولیٰ کو ملے گی غلام کو نہ ملے گی اگرچہ آزاد ہو جائے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1166)

باندی کے حمل کو مال کے بدلے آزاد کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ عَلَى مَالٍ صَحَّ) وَلَا يَجِبُ الْمَالُ إذْ لَا وَجْهَ إلَى إلْزَامِ الْمَالِ عَلَى الْجَنِينِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ ، وَلَا إلَى إلْزَامِهِ الْأُمَّ لِأَنَّهُ فِي حَقِّ الْعِتْقِ نَفْسٌ عَلَى حِدَةٍ ، وَاشْتِرَاطُ بَدَلِ الْعِتْقِ عَلَى غَيْرِ الْمُعْتَقِ لَا يَجُوزُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْخُلْعِ ، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ قِيَامُ الْحَبَلِ وَقْتَ الْعِتْقِ إذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْهُ ، لِأَنَّهُ أَدْنَى مُدَّةِ الْحَمْلِ.

ترجمہ

اور جب آقا نے حمل کو مال کے عوض آزاد کیا تو آزادی درست ہوگی لیکن مال واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ جنین پر مال واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ اس پر کسی کو ولایت کا حق نہیں ہے اور اس کی ماں پر مال واجب کرنے کی صورت نہیں ہے کیونکہ آزادی کے حق میں جنین ایک الگ جان ہے اور آزادی کا بدل جس کو آزاد کرنا ہے اس کے علاوہ کسی اور پر شرط لگانا جائز

نہیں ہے جس طرح کہ خلع میں گزر چکا ہے۔اور بوقت عتق حمل کا قیام اسی صورت میں معلوم ہوگا جب اس وقت سے چھ ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنا ہو اس لئے کہ یہ حمل کی ادنی مدت ہے۔

جنین سے متعلق مذاہب فقہاء

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چاند کی تاریخ کے لحاظ سے چھ ماہ ہے۔طبی لحاظ سے حمل کی کم از کم مدت سے مراد ہے کہ عام معمول سے پہلے جو بچہ پیدا ہو اور عموماً پیدائش کے بعد ایسے بچے زندہ رہ جاتے ہوں۔جدید طبی تحقیقات نے بھی یہ بات ثابت کردی ہے کہ چھ ماہ میں جنین کے تمام اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں اور اگر اس مدت میں وضع حمل ہو جائے تو طبی سہولیات کی فراہمی سے مولود کی جان محفوظ بنائی جاسکتی ہے۔فقہاء اسلام نے کم از کم مدت کے تعین کے لیے اِن نصوص شریعت کو بنیاد بنایا ہے :والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین اور چاہیے کہ (باہمی مشورے سے) مائیں اپنے جنے ہوئے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلاتی رہیں دوسری آیت سورہ احقاف کی ہے جسے پہلی آیت کے ساتھ رکھ کر اہل علم نے مدت کا تعین کیا ہے :و حمله و فصاله ثلاثون شهراً (بچے) کی مدت حمل اور مدت رضاعت (دونوں کا کل دورانیہ) تیس ماہ ہے۔

ان دونوں آیات مبارکہ کو جمع کرنے سے کم او کم مدت چھ ماہ اس طرح بنتی ہے کہ اگر وضع حمل نو ماہ کے بعد ہو تو تیس ماہ میں سے نو ماہ نکال کر رضاعت کی مدت اکیس ماہ بنے گی اور اگر پیدائش کے بعد پورے دو سال تک دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ سے منہا کی جائے تو یہ چوبیس ماہ کل تیس ماہ سے منفی کرنے کے بعد چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔پوری مدت رضاعت کو سامنے رکھ کر تیس ماہ کی نص کو اصل اور طبعی مدت مان کر کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہی بنے گی۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سب اکابر صحابہ نے انہیں آیات سے یہ حکم اخذ کیا تھا اور اسی مدت پر امت کا اجماع ہوگیا۔یہ تو تھا حمل کی کم از کم مدت کا مسئلہ۔جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو اس کے تعین میں اہل علم کا صریح نص نہ ہونے کی وجہ سے اتفاق نہیں ہوسکا۔

ظاہری مذہب: امام ابن حزم نے مذکورہ بالا آیات کو بنیاد بنا کر کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو ماہ کی مدت کو فیصلہ کن مدت کہا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نو ماہ سے زیادہ مدت تک ٹھہرے جانے والے حمل کا شرعی اعتبار رکھتا ہے تو وہ اللہ کے واضح کلام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔جب اللہ نے خود ہی زیادہ سے زیادہ مدت تیس مہینے متعین کردی. ہے تو کم یا زیادہ کا سوال ہی نہ رہا۔

شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور رائے چار برس ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک رائے یہی ملتی ہے۔احناف اور شافعیہ میں سے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے دو برس کی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بتلایا ہے۔امام حزم اور ظاہری مذہب میں نو ماہ کی ہی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت تسلیم کرلیا گیا ہے۔جن ائمہ نے زیادہ سے زیادہ چار برس کی رائے اختیار کی ہے تو انہوں نے اپنی رائے کے درست ہونے کے یہ دلائل دیے ہیں :انسانوں کو جو روزمرہ مسائل پیش آتے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے لیے شریعت میں نصوص پائی جاتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کے وہ عرف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔جس طرح حیض اور نفاس کا حکم عورت

کے معمول پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ خون کا سیلان بند ہوتے ہی عورت پاک ہو جاتی ہے اسی طرح عورتوں کے وضع حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین چار برس کیا گیا ہے کیونکہ اگر کسی عورت کے ہاں وقت پر ولادت نہ ہو تو عورتوں میں زیادہ سے زیادہ وضع حمل کا یہی معمول دیکھا گیا ہے۔مبارک بن مجاہد کہتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں محمد بن عجلان کے گھر ہر بار چار برس کے حمل کے بعد ولادت ہوتی تھی۔اُن کی گھر والی کا یہ ایسا بندھا معمول تھا کہ ان کی بابت کہا جاتا کہ فلانہ کا معمول حمل فیل کی طرح پورے چار برس ہے۔

جن ائمہ کرام نے زیادہ سے زیادہ مدت دو برس اختیار کی ہے ان کی دلیلیں یہ ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرمایا کرتی تھیں لا یبقی الولدفی رحم امها كثر من سنتين، و لو بفركة مغزل جنین اپنی ماں کے پیٹ میں کبھی بھی دو برس سے زیادہ نہیں ٹکتا بس سمجھوں اتنی مدت اوٹھہرا تو ٹھہر جائے گا جتنی دیر میں تکلے کا ایک چکر پورا ہوتا ہے (دھوپ میں تکلے کا سایہ یا اس کا ایک چکر کم مدت کے لیے کنایۃ ہے) یہ اصحاب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس فرمان کی بابت فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا اس مدت کا تعین یقیناً اپنے طور پر نہ فرماتی ہوں گی کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان کوئی شخص بھی اپنے مشاھدے یا عقل سے حتمی کور پر نہیں کرسکتا۔یہ ماننا ہی پڑے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ایسا سن رکھا ہوگا۔

باندی کی اولاد کے آزاد ہونے کا بیان

قَالَ (وَ وَلَدُ الْأَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ) لِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ مِنْ مَائِهِ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ ، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ ، وَلَا مُعَارِضَ لَهُ فِيهِ لِأَنَّ وَلَدَ الْأَمَةِ لِمَوْلَاهَا .

ترجمہ

فرمایا کہ باندی کی اولا جو اس آقا سے ہوگی وہ آزاد ہوگی کیونکہ آقا کے نطفے سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس پر آزادی ہوگی یہی اصل ہے اور بچہ کے متعلق کوئی معارض نہیں ہے۔کیونکہ باندی کا بچہ اس کے آقا کا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے نبی کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم سے آزاد ہونے سے استدلال کیا ہے۔اس حدیث کو ہم مکمل ترجمے کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔

حضرت ابن نمیر محمد بن بشر اسماعیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی سے پوچھا کیا تم نے ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے انہوں نے کہ وہ چھوٹی عمر میں فوت ہوگئے اگر خدا کی مرضی ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔(فتح القدیر،۱۰،ص ۹۶،بیروت)

باندی کے بچے کے مملوک ہونے کا بیان

(وَوَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوكٌ لِسَيِّدِهَا) لِتَرَجُّحِ جَانِبِ الْأُمِّ بِاعْتِبَارِ الْحَضَانَةِ أَوْ لِاسْتِهْلَاكِ مَائِهِ بِمَائِهَا وَالْمُنَافَاةُ مُتَحَقِّقَةٌ وَالزَّوْجُ قَدْ رَضِيَ بِهِ ، بِخِلَافِ وَلَدِ الْمَغْرُورِ لِأَنَّ الْوَالِدَ مَا رَضِيَ بِهِ .

ترجمہ

اور باندی کا وہ بچہ جو اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہو وہ اس باندی کے مالک کا مملوک ہوگا اس لئے کہ پرورش کے اعتبار سے یا شوہر کے نطفے کے باندی کے کے ساتھ ملکر ہلاک ہونے کیا عتبار سے ماں کی جہت راجع ہے اور منافات ثابت ہے اور شوہر اس پر راضی ہے اس شخص کے بچے کے خلاف کہ جس کو دھوکا دیا گیا ہو کیونکہ کہ والد اس پر راضی نہیں ہے۔

غلام باپ اور کنیز ماں کے بچوں کی آزادی کا فقہی بیان

دور جاہلیت میں ان میں سے ہر قسم کے بچوں کو بالعموم غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ان میں سے ان بچوں کی حالت نسبتاً بہتر تھی جو آقا اور لونڈی کے ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں لیکن یہ بھی اپنے ان سوتیلے بہن بھائیوں کی نسبت کمتر درجے کے حامل ہوا کرتے تھے جو ان کے باپ اور ایک آزاد عورت کے ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں۔ان بچوں کے حقوق وراثت وغیرہ کے معاملات میں اپنے آزاد بہن بھائیوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر تھے۔

اسلام نے ان بچوں سے متعلق جو اصلاحات کیں،ان کے مطابق آقا اور لونڈی کے تعلق سے پیدا ہونے والے بچوں کو مکمل طور پر آزاد اور اپنے سوتیلے بہن بھائیوں کے ہم پلہ قرار دیا۔انہیں وراثت میں بھی وہی حقوق دیے گئے جو ان کے بہن بھائیوں کو حاصل تھے۔نہ صرف اولاد بلکہ اس اولاد کی کنیز ماں کے خود بخود آزاد ہو جانے کا قانون بنا دیا گیا جس کی تفصیل ہم "ام ولد" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں۔بالکل یہی معاملہ ان بچوں کے ساتھ کیا گیا جن کا باپ غلام اور ماں آزاد ہو۔ان بچوں کو بھی مکمل طور پر آزاد قرار دے دیا گیا۔

امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ آزاد ماں اور غلام باپ کے بچے بھی آزاد ہی ہوں گے۔

قال أحمد :إذا تزوج العبد حرة عتق نصفه .ومعنى هذا ، أن أولاده يكونون أحراراً وهم فرعه ، فالأصل عبد وفرعه حر والفرع جزء من الأصل . (ابن تيميه، السياسة الشرعية فى اصلاح الراعى و الرعية)

احمد بن حنبل کہتے ہیں،"جب کوئی غلام کسی آزاد خاتون سے شادی کر لے تو اس کا نصف آزاد ہو گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ

اس غلام کی اولاد آزاد ہو گئی کیونکہ وہ اسی کی ایک شاخ ہے۔تنا تو غلام ہے لیکن شاخیں آزاد ہیں اور شاخ تو تنے کا ایک حصہ ہی ہے۔"

ایسے بچے جن کی ماں غلام اور باپ آزاد ہو تو ان کے ضمن میں کوئی مرفوع حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ رہی ہوگی کہ ایسا کوئی مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پیش ہی نہ ہوا ہوگا۔اول تو ایسے جوڑوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جن میں سے ایک غلام اور ایک آزاد ہو۔دوسرے یہ کہ جو ایسے جوڑے ہوں گے بھی،انہوں نے اپنے مالکان کو بچوں کی آزادی پر راضی کر لیا ہوگا اور عدالت میں مقدمے کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔

حضرت سیدنا عمر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک لونڈی نے جھوٹ بول کر خود کو آزاد عورت ظاہر کر کے شادی کر لی۔اس مقدمے میں خلیفہ وقت نے ان بچوں کے آزاد باپ کو حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے بچوں کو آزاد کروالے۔(موطا امام مالک، کتاب الاقضیۃ، حدیث 2160)۔ایک اور مقدمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس پیش کیا گیا تو انہوں نے ایسے بچوں کو غلام بنانے سے منع فرما دیا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ مِسْعَرٍ وَسُفْيَانَ ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ الْأَحْنَفِ ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ :إِنَّ عَمِّي زَوَّجَنِي وَلِيدَتَهُ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَسْتَرِقَّ وَلَدِي ، قَالَ :لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ .(مصنف ابن ابى شيبة؛ حديث (21277)

ایک شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا،میرے چچا نے اپنی لونڈی کی شادی مجھ سے کر دی تھی۔اب وہ میری اولاد کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔انہوں نے فرمایا،"ایسا نہیں ہو سکتا۔"

ابن کثیر نے امام شافعی کا ایک نقطہ نظر یہ درج کیا ہے کہ ماں یا باپ میں سے اگر ایک بھی آزاد ہو تو ان کے بچے بھی آزاد ہی تصور کئے جائیں گے۔(تفسیر سورۃ نساء (4:25)

رہے وہ بچے جن کے ماں اور باپ دونوں ہی غلام ہوں،ان کے بارے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل سکی۔تفسیر و فقہ کی کتب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔جب تک ان کے والدین غلام رہیں گے،یہ بچے بھی غلام ہی تصور کئے جائیں گے اور جب والدین آزاد ہوں گے یا ان میں سے کوئی مکاتبت کرے گا تو یہ بچے خود بخود ان کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے۔اگر والدین میں سے ایک آزاد اور ایک غلام ہو تو اعتبار ماں کا کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ ، عَنِ الْعُمَرِيِّ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ :وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَتِهَا .(مصنف ابن ابى شيبة؛ حديث (21000)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا،"لونڈی کی (اپنے مالک کے علاوہ اولاد) اپنی ماں کے درجے پر ہے(یعنی وہ ماں کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گی)

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلاَمِ بْنُ حَرْبٍ ، عَنْ مُغِيرَةَ ، عَنْ إبْرَاهِيمَ ؛ فِي الرَّجُلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ عَبْدَهُ فَتَلِدُ لَهُ أَوْلاَدًا ، قَالَ : هُمْ بِمَنْزِلَةِ أُمِّهِمْ ، يَعْتِقُونَ بِعِتْقِهَا وَيُرَقُّونَ بِرِقِّهَا ، فَإِذَا مَاتَ سَيِّدُهُمْ عَتَقُوا .(مصنف ابن ابی شیبة؛ حدیث(20996)

حضرت امام ابراہیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتوی دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہوگئی تھی۔انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہوجائے گی تو یہ بھی آزاد ہوجائیں گے۔جب ماں کا آقا فوت ہوگا تو یہ سب کے سب آزاد ہوجائیں گے۔"

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا لونڈی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل ہوجائے گا کہ یہ مکاتبت کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔ غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوجاتا۔ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقاؤں کے ذمہ تھی۔اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقاؤں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا اور بالغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

آزاد عورت کے بچے کی آزادی کا بیان

(وَوَلَدُ الْحُرَّةِ حُرٌّ عَلَى كُلِّ حَالٍ) لِأَنَّ جَانِبَهَا رَاجِحٌ فَيَتْبَعُهَا فِي وَصْفِ الْحُرِّيَّةِ كَمَا يَتْبَعُهَا فِي الْمَمْلُوكِيَّةِ والمرقوقية وَالتَّدْبِيرِ وَأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ وَالْكِتَابَةِ ، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

ترجمہ

اور آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا اس لئے کہ عورت کی جانب راجح ہے پس وصف حریت میں بچہ ماں کے تابع ہوگا جیسا کہ مملوک، مرقوق، مدبر، ام ولد اور مکاتب ہونے میں بچہ ماں کے ہی تابع ہوتا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آزاد عورت کے بچے کا ہر طرح سے آزاد ہونا اس دلیل کے پیش نظر ہے کیونکہ

آزادی اور غلامی میں ترجیح آزادی کو ہے اور ماں جو اصل ہے جب وہ آزاد ہے تو اولاد اس کے تابع ہوتے ہوئے بھی اسی کی طرح آزاد ہوگی۔(عنایہ شرح الہدایہ، ۶، ص ۳۰۴، بیروت)

تابع ومتبوع کی فنی بحث کا بیان

معطوف کی تعریف:

معطوف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد واقع ہو اور تابع ومتبوع دونوں مقصود بالنسبۃ ہوں۔تابع کو معطوف اور متبوع کو معطوف علیہ کہتے ہیں، جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ وَعَمْرٌو ۔ میں زَیْدٌ معطوف علیه اور عَمْرٌو معطوف ہے۔

نوٹ:

تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبۃ تو ہونگے لیکن ضروری نہیں کہ دونوں کی طرف نسبت کی نوعیت بھی ایک ہو جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ لاَ عَمْرٌو، یہاں زَیْدٌ کی طرف آنے کی اور عَمْرٌو کی طرف نہ آنے کی نسبت کی گئی ہے۔اور یہاں یہ مقصود بھی تھا کہ زَیْدٌ کی طرف آنے کی نسبت کی جائے اور عَمْرٌو سے اسکی نفی کی جائے لہذا یہ دونوں مقصود بالنسبۃ ہوئے اگرچہ نسبت کی نوعیت مختلف ہے۔

معطوف کے چند ضروری قواعد:

اسم کا عطف اسم پر، فعل کا فعل، حرف کا حرف، مفرد کا مفرد، جملے کا جملے، نیز عامل کا عامل، اور معمول کا معمول پر ہوتا ہے۔

جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر اور فعلیہ کا فعلیہ پر مناسب ہوتا ہے لیکن برعکس بھی جائز ہے۔جیسے جَاءَ زَیْدٌ وَ عَلِیٌّ ذَهَبَ۔

۔اسم ظاہر کا عطف اسم ظاہر یا اسم ضمیر پر اور اسم ضمیر کا عطف اسم ضمیر یا اسم ظاہر پر جائز ہے۔

جیسے جَاءَ زَیْدٌ وَعَمْرٌو، جاءَ زَیْدٌ وَأَنْتَ ، مَاجَاءَ نِیْ اِلاَّ أَنْتَ وَعَلِیٌّ اور أَنَا وَأَنْتَ صَدِیْقَانِ .

بسا اوقات جملے کے شروع میں واقع ہونے والی واو عطف کی غرض سے نہیں آتی بلکہ استیناف کیلئے آتی ہے۔

جیسے وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا اس وقت اسے واؤ مستانفه ااور جملے کو جمله مستانفه کهتے هیں .

ضمیر مرفوع متصل بارز یا مستتر پر عطف کرنا ہو تو پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لانا ضروری ہے۔

جیسے نَجَوْتُمْ اَنْتُمْ وَ مَنْ مَعَکُمْ (تم نے اور تمھارے ساتھیوں نے نجات پائی)

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ .

ضمیر مجرور پر عطف کرنا ہوتو عموماً حرف جر کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

جیسے مَرَرْتُ بِهٖ وَبِزَيْدٍ اور بعض اوقات اعادہ نہیں کیا جاتا ،جیسے قرآن پاک میں وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ آیا ہے .

فائدہ :

بعض عبارتوں میں عطف کی یہ نشانیاں ہوتی ہیں . عط عط یا عف عف .

عطف بیان کی تعریف:

وہ تابع ہے جو صفت تو نہ ہو لیکن صفت کی طرح اپنے متبوع کو واضح کرے یہ اپنے متبوع سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔

جیسے أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ . اس مثال میں عمر تابع ہے جس نے متبوع ابوحفص کو واضح کیا . اور قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ أَبُوْهُرَيْرَةَ، تابع کو عطف بیان اور متبوع کو مبیّن کہتے ہیں .

عطف بیان کے چند ضروری قواعد:

اگر کنیت اور علم ایک ساتھ آ جائیں تو ان میں سے مشہور کو عطف بیان بنائیں جیسے مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی میں عُمَرُ اور دوسری میں أَبُوْهُرَيْرَةَ عطف بیان ہیں۔

اگر متبوع معرفہ ہوتو عطف بیان اسکی وضاحت کرتا ہے جیسے مذکورہ مثالیں اور نکرہ ہوتو اسکی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

جیسے وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ . اس مثال میں صدید عطف بیان نے ماء متبوع کی تخصیص کی .

عطف بیان تخصیص اور ازالہ وہم کیلئے بھی آتا ہے۔

جیسے أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اور اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ،رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ .

بَابُ الْعَبْدِ يَعْتِقُ بَعْضُهٗ

باب عتق بعض کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے غلام کی بعض آزادی کو کل آزادی سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ غلام کل آزادی متفق علیہ ہے جبکہ غلام کی بعض آزادی مختلف فیہ ہے لہذا متفق علیہ کو مقدم ذکر کرنا اولیٰ تھا جس صاحب ہدایہ نے اپنایا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۳۰۷، بیروت)

غلام کی بعض آزادی سے متعلق فقہی آثار

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کردے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے اتنا ہی حصہ آزاد رہے گا۔

(۱) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ مولی اگر اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کا ایک حصہ جیسے ثلث یا ربع یا نصف آزاد کر جائے تو بعد مولی کے مرجانے کے اسی قدر حصہ جتنا مولیٰ نے آزاد کیا تھا آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس حصے کی آزادی بعد مولی کے مرجانے کے لازم ہوئی اور جب تک مولیٰ ازندہ تھا اس کو اختیار تھا جب مرگیا تو موافق اس کی وصیت کے اسی قدر حصہ آزاد ہوگا اور باقی غلام آزاد نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ غیر کی ملک ہوگا تو باقی غلام غیر کی طرف سے کیونکر آزاد ہوگا نہ اس نے آزادی شروع کی اور نہ ثابت کی اور نہ اس کے واسطے ولاء ہے بلکہ یہ میت کا فعل ہے اسی نے آزاد کیا اور اسی نے اپنے لیے ولاء ثابت کی تو غیر کے مالک میں کیونکر درست ہوگا البتہ اگر یہ وصیت کر جائے کہ باقی غلام بھی اس کے مال میں سے آزاد کردیا جائے گا اور ثلث مال میں سے وہ غلام آزاد ہوسکتا ہوتو آزاد ہو جائے گا پھر اس کے شریکوں یا وارثوں کو تعرض نہیں پہنچتا کیونکہ ان کا کچھ ضرر نہیں۔

(۲) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیماری میں تہائی غلام آزاد کردیا تو وہ ثلث مال میں سے پورا آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہ مثل اس شخص کے نہیں ہے جو اپنی تہائی غلام کی آزادی اپنی موت پر معلق کردے اس واسطے کہ اس کی آزادی قطعی نہیں جب تک زندہ ہے رجوع کرسکتا ہے اور جس نے اپنے مرض میں تہائی غلام قطعا آزاد کردیا اگر وہ زندہ رہ گیا تو کل غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ میت کا تہائی مال میں وصیت درست ہے جیسے صحیح سالم کا تصرف کل مالک میں درست ہے۔

(۳) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنا غلام قطعی طور پر آزاد کردیا یہاں تک کہ اس کی شہادت ہوگئی اور اس کی حرمت پوری ہوگئی اور اس کی میراث ثابت ہوگئی اب اس کے مولیٰ کو نہیں پہنچتا کہ اس پر کسی مال یا خدمت کی شرط لگادے یا

اس پر کچھ غلامی کا بوجھ ڈالے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ غلام میں سے آزاد کردے تو اس کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ کر آزاد کرے اور غلام اس کے اوپر آزاد ہو جائے گا پس جس صورت میں وہ غلام خاص اسی کی ملک ہے تو زیادہ تر اس کی آزادی پوری کرنے کا حقدار ہوگا اور غلامی کا بوجھ اس پر نہ رکھ سکے گا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1150)

اعتاق کے اجزاء وعدم اجزاء کا بیان

(وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى بَعْضَ عَبْدِهِ) عَتَقَ ذَلِكَ الْقَدْرُ وَيَسْعَى فِي بَقِيَّةِ قِيمَتِهِ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا : (يَعْتِقُ كُلُّهُ) وَأَصْلُهُ أَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَا أَعْتَقَ وَعِنْدَهُمَا لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، فَإِضَافَتُهُ إلَى الْبَعْضِ كَإِضَافَتِهِ إلَى الْكُلِّ فَلِهَذَا يَعْتِقُ كُلُّهُ .

لَهُمْ أَنَّ الْإِعْتَاقَ إثْبَاتُ الْعِتْقِ وَهُوَ قُوَّةٌ حُكْمِيَّةٌ ، وَإِثْبَاتُهَا بِإِزَالَةِ ضِدِّهَا وَهُوَ الرِّقُّ الَّذِي هُوَ ضَعْفٌ حُكْمِيٌّ وَهُمَا لَا يَتَجَزَّآنِ فَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنْ الْقِصَاصِ وَالِاسْتِيلَادِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْإِعْتَاقَ إثْبَاتُ الْعِتْقِ بِإِزَالَةِ الْمِلْكِ ، أَوْ هُوَ إزَالَةُ الْمِلْكِ لِأَنَّ الْمِلْكَ حَقُّهُ وَالرِّقَّ حَقُّ الشَّرْعِ أَوْ حَقُّ الْعَامَّةِ .

وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ وِلَايَةِ الْمُتَصَرِّفِ وَهُوَ إزَالَةُ حَقِّهِ لَا حَقِّ غَيْرِهِ .

وَالْأَصْلُ أَنَّ التَّصَرُّفَ يَقْتَصِرُ عَلَى مَوْضِعِ الْإِضَافَةِ وَالتَّعَدِّي إلَى مَا وَرَاءَهُ ضَرُورَةَ عَدَمِ التَّجَزِّيءِ ، وَالْمِلْكُ مُتَجَزِّئٌ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ فَيَبْقَى عَلَى الْأَصْلِ ، وَتَجِبُ السِّعَايَةُ لِاحْتِبَاسِ مَالِيَّةِ الْبَعْضِ عِنْدَ الْعَبْدِ ، وَالْمُسْتَسْعَى بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ إلَى الْبَعْضِ تُوجِبُ ثُبُوتَ الْمَالِكِيَّةِ فِي كُلِّهِ ، وَبَقَاءُ الْمِلْكِ فِي بَعْضِهِ يَمْنَعُهُ ، فَعَمِلْنَا بِالدَّلِيلَيْنِ بِإِنْزَالِهِ مُكَاتَبًا إذْ هُوَ مَالِكٌ يَدًا لَا رَقَبَةً ، وَالسِّعَايَةُ كَبَدَلِ الْكِتَابَةِ ، فَلَهُ أَنْ يَسْتَسْعِيَهُ .

وَلَهُ خِيَارُ أَنْ يُعْتِقَهُ لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ قَابِلٌ لِلْإِعْتَاقِ ، غَيْرَ أَنَّهُ إذَا عَجَزَ لَا يُرَدُّ إلَى الرِّقِّ لِأَنَّهُ إسْقَاطٌ لَا إلَى أَحَدٍ فَلَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الْمَقْصُودَةِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ يُقَالُ

وَيُفْسَخُ ، وَلَيْسَ فِي الطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنْ الْقِصَاصِ حَالَةٌ مُتَوَسِّطَةٌ ، فَأَثْبَتْنَاهُ فِي الْكُلِّ تَرْجِيحًا لِلْمُحَرِّمِ ، وَالِاسْتِيلَادُ مُتَجَزِّئٌ عِنْدَهُ ، حَتَّى لَوْ اسْتَوْلَدَ نَصِيبَهُ مِنْ مُدَبَّرَةٍ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ .وَفِي الْقِنَّةِ لَمَّا ضَمِنَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالْإِفْسَادِ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَكَمُلَ الِاسْتِيلَادُ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا ہو تو اسی مقدار سے وہ غلام آزاد ہوگا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ غلام باقی قیمت میں آقا کے لئے سعی کرے گا جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اعتاق متجزی ہو سکتا ہے اسی وجہ سے آزادی اتنی مقدار پر آزادی منحصر ہوگی جتنا آقا نے آزاد کیا ہو جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اعتاق متجزی نہیں ہو سکتا اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول اسی لئے بعض غلام کی طرف آزادی کی اضافت کرنا کل غلام کی طرف اضافت کرنے کی طرح ہے اسی وجہ سے پورا غلام آزاد ہو جائے گا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس کا اثبات اس کی ضد کو ختم کرنے سے ہوگا اور قوت کی ضد وہ رقیت ہے جو حکمی کمزوری ہے اور یہ دونوں متجزی نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے یہ طلاق دینے قصاص معاف کرنے اور ام ولد بنانے کی طرح ہو گیا۔

جبکہ امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ ملک کو زائل کر کے عتق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے کیونکہ ملک معتق کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ متصرف کی ولایت کے تحت داخل ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے نا کہ دوسروں کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے۔

اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا تجزی کے نہ پائے جانے کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک متجزی ہے جیسا کہ بیع اور ہبہ میں ہے اسی وجہ سے تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سعی کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اس کے پاس کچھ مالیت محبوس ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستسعی مکاتب کے درجے میں ہے۔ اس لئے کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے غلام میں ثبوت ملکیت کے موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لئے مانع ہے لہذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر کے اس کو مکاتب قرار دے دیا اس لئے کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کے رقبہ کا اور کمائی کرنا بدل کتابت کی طرح ہے۔ اس لئے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کروالے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو آزاد کردے اس لئے کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیت کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اسقاط لا الی احد ہے اس لئے فسخ کو قبول نہیں کرے گا کتابت مقصودہ کے خلاف اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا

اقالہ بھی ہوسکتا ہے اور جو فسخ بھی ہوسکتا ہے۔

اور طلاق اور قصاص کا معاف کرنا ان میں کوئی درمیانی حالت نہیں اس لئے ہم نے محرم کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے کل میں ثابت کردیا اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ استیلاد یعنی ام ولد بنانا متجزی ہوتا ہے یہاں تک کہ آقا نے مدبرہ باندی سے اپنے حصے کو ام ولد بنالیا تو وہ اس کے حصے تک محدود رہے گا اور کامل مملوکہ باندی میں جب کسی نے افساد کی وجہ سے اپنے ساتھی کے حصے کا تاوان دے دیا تو ضمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہوگیا اس لئے استیلاد پورا ہوگیا۔

بعض آزادی کے اعتبار کا بیان

حضرت ابوملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے "اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کردیا جائے۔

(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 582)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔لہٰذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کردینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی،لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کردے۔

غلام سے سعایہ لینے متعلق فقہی تصریحات

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشترک) میں سے اپنے حصہ کو آزاد کردیا تو اسے چھڑانا اس کے مال میں ہے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور دوسرے حصہ کے شرکاء کے حصوں کی قیمت کے برابر غلام سے مزدوری کرائی جائے گی بغیر اس پر مشقت ڈالے ہوئے امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ پھر غلام سے محنت مزدوری کروائی گئی بغیر مشقت ڈالے ہوئے اس پر۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 547)

احادیث سے واضح ہے کہ کسی غلام سے اتنا ہی کام اور وہی کام لیا جاسکتا ہے جو اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو۔اگر وہ کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مالک پر لازم ہے کہ وہ خود اس کی مدد کرے۔ایسے مالک کو اللہ تعالیٰ بہت

اجر سے نوازے گا۔

أخبرنا أبو يعلى قال حدثنا أبو خيثمة قال حدثنا عبد الله بن يزيد قال حدثني سعيد بن أبي أيوب قال حدثني أبو هانء قال حدثني عمرو بن حريث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما خففت عن خادمك من عمله كان لك اجرا في موازينك .(صحيح ابن حبان، حديث (4314)

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جو اپنے خادم کے کام میں کمی کرتا ہے، اسے اس کا اجر اپنے اعمال کے وزن کے وقت ملے گا۔"

امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی غلام پر بوجھ لادنے سے متعلق ہوئے فرماتے ہیں:

قال شافعي :و معنى قوله "لا يكلف من العمل الا ما يطيق "يعني . . والله اعلم .:الا ما يطيق الدوام عليه، لاما يطيق يوما اور يومين، او ثلاثه، و نحو ذلك ثم يعجز . و جملة ذلك ما لا يضر ببدنه الضرر البين، فان عمى او زمن، انفق عليه مولاه، و ليس له ان يسترضع الامة غير ولدها الا ان يكون فيها فضل عن ربه، او يكون ولدها يغتذى بالطعام، فيقيم بدنه، فلا باس به . (بغوی، شرح السنة، كتاب النكاح)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں، اس ارشاد کہ "غلام پر کام کا اتنا ہی بوجھ لادا جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ " کا معنی یہ ہے، (اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے) کہ اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس کا ہمیشہ کرتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک، دو یا تین دن کسی کام کو تو کرلے اور اس کے بعد (بیمار پڑ کر) اس سے عاجز آجائے۔اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جن کے نتیجے میں اس کی صحت کو واضح نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے وہ کسی کام کے نتیجے میں نابینا ہوجائے یا بیمار پڑ جائے۔

(بیماری کی صورت میں) مالک پر لازم ہے کہ وہ اس پر خرچ کرے۔اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی لونڈی کو اپنے بچے کے علاوہ دوسرے کسی بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ اس پر اپنے رب کا فضل ہو (یعنی ایک بچے کی ضرورت سے زیادہ دودھ اترتا ہو)، یا پھر اس کا اپنا بچہ کچھ اور کھا کر نشوونما پا رہا ہو (اور اس کا دودھ فالتو ہوگیا ہو) تو پھر کسی اور کے بچے کو دودھ پلانے میں حرج نہیں ہے۔

سعایہ میں غلاموں سے حسن سلوک کرنے کا بیان

کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ ان حقوق کی تلقین محض اخلاقی نوعیت کی تھی۔اگر ایسا بھی ہوتا تب بھی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حکم ہی کافی تھا، لیکن ان حقوق کو قانونی طور پر بھی نافذ کردیا گیا۔اس کی تفصیل ان روایات میں بیان کی گئی ہے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَذْهَبُ إِلَى الْعَوَالِي كُلَّ يَوْمِ سَبْتٍ، فَإِذَا وَجَدَ عَبْداً فِي عَمَلٍ لاَ يُطِيقُهُ، وَضَعَ عَنْهُ مِنْهُ . (موطاء مالك، كتاب الجامع، حديث (2807)

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر ہفتے کے دن مدینہ کے گردونواح میں (واقع کھیتوں وغیرہ) میں جایا کرتے اور اگر انہیں کوئی ایسا غلام مل جاتا جو اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر رہا ہوتا تو آپ اس کا بوجھ کم کروا دیتے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ :لاَ تُكَلِّفُوا الأَمَةَ غَيْرَ ذَاتِ الصَّنْعَةِ الْكَسْبَ ,فَإِنَّكُمْ مَتَى كَلَّفْتُمُوهَا ذَلِكَ كَسَبَتْ بِفَرْجِهَا، وَلاَ تُكَلِّفُوا الصَّغِيرَ الْكَسْبَ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَرَقَ، وَعِفُّوا إِذْ أَعَفَّكُمُ اللَّهُ، وَعَلَيْكُمْ مِنَ الْمَطَاعِمِ بِمَا طَابَ مِنْهَا . (موطاء مالك، كتاب الجامع، حديث (2808)

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، "اگر تمہاری لونڈیاں کوئی ہنر نہ جانتی ہوں تو انہیں کمانے کے لئے مت کہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے نتیجے میں وہ عصمت فروشی کرنا شروع کر دیں گی۔ بچوں کو بھی کمانے کے لئے مت کہو کیونکہ اگر انہیں روزگار نہ ملے گا تو وہ چوری شروع کر دیں گے۔ ان سے مہربانی کا سلوک کرو کیونکہ اللہ نے تم سے مہربانی کی ہے۔ تم پر یہ لازم ہے کہ انہیں خوراک اور علاج کی سہولیات مہیا کرو۔

غلاموں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے مالکوں کے مال میں سے رواج کے مطابق بنیادی ضروریات کا سامان لے سکتے تھے۔

عبد الرزاق عن بن جريج قال سمعت نافعا يحدث أن عبد الله بن عمر يقول إن المملوك لا يجوز له أن يعطى من ماله أحدا شيئا ولا يعتق ولا يتصدق منه بشيء إلا بإذن سيده ولكنه يأكل بالمعروف ويكتسي هو وولده وامرأته .(مستدرك حاكم؛ حديث (2856)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے، "غلام کو اس کی اجازت تو نہیں ہے کہ وہ اپنے مالک کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی چیز دے یا مالک کا غلام آزاد کرے یا اس میں سے صدقہ کرے۔ لیکن اسے دستور کے مطابق اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے خوراک اور کپڑا لینے کا حق حاصل ہے۔"

غلاموں کے ان حقوق کا تقدس اس درجے کا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حقوق فراہم نہ کرنے والے مالک پر غلام کے جرم کی سزا نافذ کی۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّ رَقِيقاً لِحَاطِبٍ سَرَقُوا نَاقَةً لِرَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ، فَانْتَحَرُوهَا فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَمَرَ عُمَرُ كَثِيرَ بْنَ الصَّلْتِ أَنْ يَقْطَعَ أَيْدِيَهُمْ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ :أَرَاكَ تُجِيعُهُمْ .ثُمَّ قَالَ عُمَرُ :وَاللَّهِ لأُغَرِّمَنَّكَ غُرْماً يَشُقُّ عَلَيْكَ . ثُمَّ قَالَ :لِلْمُزَنِيِّ كَمْ ثَمَنُ نَاقَتِكَ ؟ فَقَالَ الْمُزَنِيُّ :قَدْ كُنْتُ وَاللَّهِ أَمْنَعُهَا مِنْ أَرْبَعِ مِئَةِ دِرْهَمٍ .فَقَالَ عُمَرُ : أَعْطِهِ ثَمَانَ مِئَةِ دِرْهَمٍ . (موطاء مالك، كتاب الاقضية، حديث (2178)

حضرت عبدالرحمن بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ (ان کے والد) حاطب کے ایک غلام نے بنو مزینہ کے کسی شخص کی اونٹنی

چرا کر اسے ذبح کر (کے کھا گیا۔) یہ معاملہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کی عدالت میں) لایا گیا۔ (پہلے) سیدنا عمر نے کثیر بن صلت کو اس غلام کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن پھر (آقا سے) ارشاد فرمایا، "مجھے لگتا ہے تم انہیں بھوکا رکھتے ہو۔" پھر فرمایا، "اللہ کی قسم! میں تم پر ایسا جرمانہ عائد کروں گا جو تمہیں ناگوار گزرے گا۔" اس کے بعد بنو مزینہ کے اس مدعی سے پوچھا، "تمہاری اونٹنی کی قیمت کیا ہے؟" اس نے کہا، "واللہ میں نے تو اس کے چار سو درہم قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آقا سے فرمایا، "اسے آٹھ سو درہم ادا کر دو۔"

مشترک غلام کو کسی ایک کے آزاد کرنے کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ عَتَقَ) ، فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا فَشَرِيكُهُ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ أَعْتَقَ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيكَهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ .

ترجمہ

اور جب ایک غلام دو شریکوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہو تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پھر اگر وہ شریک مالدار ہو تو اسکے ساتھی کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی ضمان لے لے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرا لے۔

مشترکہ غلام سے استعساء میں شوافع واحناف کا اختلاف

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔" (بخاری ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 574 مسلم)

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہوسکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (محنت) کرائی جائے ! چنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کردے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کردے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کرلے یا اپنا حصہ آزاد کردے اس صورت میں حق ولاء دونوں کو حاصل ہوگا ! اس بارے صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو دوسرا شریک اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کرلے، اور چونکہ آزادی متجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق ولاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 573)

اس باب میں جن مسائل واحکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کردے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہوجائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس ختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام ومسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے ! البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام ومسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

مشترک غلام کے بارے میں صاحبین کی استدلال کردہ حدیث

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہوجائے گا (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے متصور ہوگی)

اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کرسکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر ہو غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو) ۔ " (بخاری ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 575 مسلم)

متعدد مالکوں کے مشترک غلام کی مکاتبت

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص متعدد مالکوں کا غلام ہوتا تھا۔ اس کی صورت ایسی ہی تھی جیسا کہ اگر کوئی کسی پارٹنر شپ کمپنی کا ملازم ہو۔ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر کوئی ایک پارٹنر غلام میں اپنے حصے کو آزاد کرے تو باقی پارٹنر بھی اپنے اپنے حصوں کو آزاد کردیں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوں تو غلام خود بخود مکاتب کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ وہ کما کر اپنے باقی مالکان کو ادائیگی کرے گا اور اس معاملے میں اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

قال الامام البخاری حدثنا بشر بن محمد :أخبرنا عبد الله :أخبرنا سعيد بن أبی عروبة، عن قتادة، عن النضر بن أنس، عن بشير بن نهيك، عن أبی هريرة رضی الله عنه، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال :(من أعتق شقيصا من مملوكه فعليه خلاصه فی ماله، فإن لم يكن له مال، قوم المملوك قيمة عدل، ثم استسعی غير مشقوق عليه .((بخاری، كتاب الشركة، حديث (2492)

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "اگر کسی نے غلام میں سے اپنے حصے کو آزاد کردیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس غلام کو پورا آزاد کروائے۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس غلام کی مناسب قیمت لگوائی جائے اور اسے سے اسے کمانے کو کہا جائے گا اور اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

ضمان کی صورت میں معتق کا غلام سے رجوع کرنے کا بیان

فَإِنْ ضَمِنَ رَجَعَ الْمُعْتِقُ عَلَى الْعَبْدِ (وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ ، وَإِنْ أَعْتَقَ أَوْ اسْتَسْعَى فَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا ، وَإِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ) وَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا فِي الْوَجْهَيْنِ .وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

ترجمہ

پھر اگر اس نے ضمان لے لیا تو معتق غلام سے رجوع کرے گا اور اس کا ولاء معتق کو ملے گا اور اگر شریک ثانی اپنے حصے کو آزاد کردیا یا اس سے کمائی کرائی تو ولاء ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اور اگر معتق تنگدست ہے۔ تو شریک کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو آزاد کردے اور اگر وہ چاہے اس سے محنت کرائے اور ولاء دونوں صورتوں میں ان کے درمیان ہوگی اور یہ حضرت امام اعظم

رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

ولاء کی لغوی تشریح کا بیان

ولاء عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "و، ل، ی" ہے ولی کا مطلب ہے دوست، مددگار، حلیف، قریبی، حامی اسی سے ولاء کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب ہے دوستی، قربت، محبت، نصرت، حمایت۔ جب یہ لفظ ال کے اضافے کے ساتھ الولاء کے طور پر استعمال ہوتا ہےتو یہ ایک شرعی اصطلاح بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ مومن آدمی کو کس کس سے دوستی اور محبت کرنی چاہیے۔ الولاء کا لفظ شرعی اصطلاح میں اس قدر جامع ہے کہ اردو کے کسی ایک لفظ کے ساتھ اس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی مشکل ہے ہم نے اس کی ترجمانی کے لیے "دوستی" کا لفظ منتخب کیا ہے لیکن اس دوستی سے مراد وہ سرسری تعلقات نہیں جو عارضی مفادات یا بعض دیگر وقتی اسباب کے تابع ہوتے ہیں بلکہ اس دوستی سے مراد وہ قلبی تعلق ہے جو ہمیشہ قائم رہے اور جس میں دلی محبت اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہو سرسے خون کی ندیاں ہی کیوں نہ گزر جائیں لیکن اس دوستی میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2387)

شہاب کہتے تھے کہ سنت جاری ہے اس بات پر جب غلام آزاد ہو جائے اس کا مال اسی کو ملے گا۔ امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اور مکاتب جب مفلس ہو جائیں تو ان کے مالک اور ام ولد لے لیں گے مگر اولاد کو نہ لیں گے کیونکہ اولاد غلام کا مالک نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ غلام جب بیچا جائے اور خریدار اس کے مالک لینے کی طرف کرلے تو اولاد اس میں داخل نہ ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے غلام اگر کسی کو زخمی کرے تو اس دیت میں وہ خود اور مال اس کا گرفت کیا جائے گا مگر اس کی اولاد سے مواخذہ نہ ہوگا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1153)

یعنی ولاء کا معنی غلام یا لونڈی کا ترکہ جب وہ مرجائے تو اس کا آزاد کرنے والا اس کا وارث بنے۔ عرب میں غلام اور آقا کے اس تعلق کو بیع کرنے یا ہبہ کرنے کا رواج تھا۔ شارع نے اس سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ ولاء نسب کی طرح ہے جو کسی طور بھی زائل نہیں ہوسکتا۔ اس پر تمام فقہاء عراق اور حجاز کا اتفاق ہے۔ (حاشیہ، بخاری، کتاب العتاق)

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ ولاء سے متعلق لکھتے ہیں۔

فرع فی الأصل علی ما إذا مات المعتق عن ابنین، فقال: لو مات الابنان ولأحدهما ابن وللآخر ابنان ثم مات المعتق فمیراث المعتق بینهم؛ لأن الولاء لم یصر میراثاً بین ابن المعتق بل هو باق فی المعتق علی حاله، ثم یخلفه فیه أقرب عصبة علی ما ذکرنا، وهؤلاء فی القرب إلیه علی السواء (محیط برهانی، ج۴، ص۱۷۶، بیروت)

شریک ثانی کیلئے ضمان کا بیان

(وَقَالَا : لَيْسَ لَهُ إلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ وَالسِّعَايَةُ مَعَ الْإِعْسَارِ ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُعْتِقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ) وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ تُبْتَنَى عَلَى حَرْفَيْنِ : أَحَدُهُمَا : تَجَزِّيءُ الْإِعْتَاقِ وَعَدَمُهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَالثَّانِي : أَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ سِعَايَةَ الْعَبْدِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يَمْنَعُ . لَهُمَا فِي الثَّانِي قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ نَصِيبَهُ ، إنْ كَانَ غَنِيًّا ضَمِنَ ، وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا سَعَى فِي حِصَّةِ الْآخَرِ ، قَسَّمَ وَالْقِسْمَةُ تُنَافِي الشَّرِكَةَ وَلَهُ أَنَّهُ احْتَبَسَتْ مَالِيَّةُ نَصِيبِهِ عِنْدَ الْعَبْدِ فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ كَمَا إذَا هَبَّتْ الرِّيحُ فِي ثَوْبِ إنْسَانٍ وَأَلْقَتْهُ فِي صَبْغِ غَيْرِهِ حَتَّى انْصَبَغَ بِهِ فَعَلَى صَاحِبِ الثَّوْبِ قِيمَةُ صَبْغِ الْآخَرِ مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا لِمَا قُلْنَا فَكَذَا هَاهُنَا ، إلَّا أَنَّ الْعَبْدَ فَقِيرٌ فَيَسْتَسْعِيهِ .

ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ يَسَارُ التَّيْسِيرِ ، وَهُوَ أَنْ يَمْلِكَ مِنْ الْمَالِ قَدْرَ قِيمَةِ نَصِيبِ الْآخَرِ لَا يَسَارُ الْغِنَى ، لِأَنَّ بِهِ يَعْتَدِلُ النَّظَرُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ بِتَحْقِيقِ مَا قَصَدَهُ الْمُعْتِقُ مِنْ الْقُرْبَةِ وَإِيصَالِ بَدَلِ حَقِّ السَّاكِتِ إلَيْهِ ،

ترجمہ

حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک اول کے مالدار ہونے کی صورت میں شریک ثانی کو صرف ضمان کا حق ہوگا جبکہ اس کے تنگدست ہونے کی صورت میں اسے صرف کمائی کرانے کا حق ہوگا۔ اور معتق غلام سے رجوع نہیں کرے گا اور ولاء صرف معتق کے لئے ہوگا اور یہ مسئلہ دو اصلوں پر مبنی ہے ان میں سے ایک غلام کا متجزی ہونا نہ ہونا جو ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسری اصل یہ ہے کہ معتق کا خوش حال ہونا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے ہاں اس کے کسب سے مانع نہیں ہے جبکہ حضرات صاحبین کے ہاں مانع ہے۔ اصل ثانی میں حضرات صاحبین کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے اس شخص کے بارے میں جو اپنا حصہ آزاد کر دیا گر یہ مالدار ہو تو ضامن ہوگا اور اگر وہ فقیر ہو تو غلام دوسرے کے حصے کے لئے کمائی کرے گا آپ ﷺ نے تقسیم فرما دی اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی مالیت غلام کے پاس محبوس ہے اس لئے اس کو تاوان لینے کا اختیار ہوگا جس طرح کہ اگر ہوا نے کسی شخص کے کپڑے کو اڑا کر کسی دوسرے کی رنگ میں ڈال دیا اور وہ کپڑا رنگین ہو گیا تو کپڑے

کے مالک پر دوسرے کی قیمت واجب ہے چاہے وہ مالدار ہو یا تنگدست اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔اس لئے یہی حکم صورت مسئلہ میں بھی ہے لیکن اگر غلام فقیر ہو تو شریک ثانی اس سے کمائی کرائے۔اس کے بعد یسار تیسیر مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اتنی مالیت کا مالک ہو کہ دوسرے کے حصے کی قیمت ادا کر سکے اور یسار غناء مراد نہیں ہیا اس لئے کہ یسار تیسیر سے دونوں کی طرف شفقت برابر رہتی ہے کیونکہ معتق کے لئے اس کا چاہا ہوا یعنی قرابت کا ثبوت ہو جائے گا اور ساکت کو اس کے حق کا بدل مل جائے گا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشترک) میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے غلام کی مناسب قیمت لگائی جائے گی اور اس کے بقیہ شرکاء کو ادائیگی کی جائے گی، ان کے حصول کے بقدر اور غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جتنا حصہ اس نے آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد رہے گا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 549)

خواہ مخواہ اس پر جبر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے محنت نہ ہو سکے تو جتنا آزاد ہوا اتنا آزاد، باقی حصہ غلام رہے گا۔یہ باب لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دونوں الفاظ میں تطبیق دی، یعنی بعض روایتوں میں یوں آیا ہے۔ والا فقد عتق منه ماعتق اور بعضوں میں یوں آیا ہے استعسی غیر مشقوق علیه امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت جب ہے کہ غلام محنت مشقت کے قابل نہ ہو اور آزاد کرنے والا نادار ہو اور دوسری صورت جب ہے کہ وہ محنت مشقت اور کمائی کے قابل ہو۔

ایک دور وہ بھی تھا کہ کسی ایک غلام کو کئی آدمی مل کر خرید لیا کرتے تھے۔اب اگر ان ساجھیوں میں سے کوئی شخص اس غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرنا چاہتا تو اس کے لیے اسلام نے یہ حکم صادر کیا کہ پہلے اس غلام کی صحیح قیمت تجویز کی جائے۔پھر اپنا حصہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو باقی حصہ داروں کو تخمینہ کے مطابق ان کے حصوں کی قیمتیں ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام مکمل آزاد ہو گیا۔اگر وہ شخص مالدار نہیں تو پھر صرف اسی کا حصہ آزاد ہوا ہے۔باقی حصص غلام خود محنت مزدوری کر کے ادا کرے۔اسی صورت میں وہ پوری آزادی حاصل کر سکے گا۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف طرق سے کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔اس روشن حقیقت کے ہوتے ہوئے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آیات واحادیث سے مسائل کے استنباط کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مالداری کی حالت میں عدم وجوب سعایہ کا بیان

ثُمَّ التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِمَا ظَاهِرٌ ، فَعَدَمُ رُجُوعِ الْمُعْتِقِ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِعَدَمِ

السِّعَايَةِ عَلَيْهِ فِي حَالَةِ الْيَسَارِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ لِعَدَمِ التَّجَزِّيءِ. وَأَمَّا التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِ فَخِيَارُ الْإِعْتَاقِ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِي الْبَاقِي إذْ الْإِعْتَاقُ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ ، وَالتَّضْمِينُ لِأَنَّ الْمُعْتِقَ جَانٍ عَلَيْهِ بِإِفْسَادِهِ نَصِيبَهُ حَيْثُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ وَنَحْوُ ذَلِكَ مِمَّا سِوَى الْإِعْتَاقِ وَتَوَابِعِهِ ، وَالِاسْتِسْعَاءُ لِمَا بَيَّنَّا .وَيَرْجِعُ الْمُعْتِقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِأَنَّهُ قَامَ مَقَامَ السَّاكِتِ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ وَقَدْ كَانَ لَهُ ذَلِكَ بِالِاسْتِسْعَاءِ فَكَذَلِكَ لِلْمُعْتِقِ وَلِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ ضِمْنًا فَيَصِيرُ كَأَنَّ الْكُلَّ لَهُ وَقَدْ عَتَقَ بَعْضُهُ فَلَهُ أَنْ يُعْتِقَ الْبَاقِيَ أَوْ يَسْتَسْعِيَ إنْ شَاءَ ، وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ فِي هَذَا الْوَجْهِ لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ .

ترجمہ

حضرات صاحبین کے قول پر تخریج ظاہر ہے اس لئے معتق کا غلام سے مال ضمان واپس نہ لینا مالداری کی حالت میں سعایہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ہے۔کیونکہ ولاء معتق کے لئے ہے اور پورا عتق بھی اسی کی طرف سے واقع ہوا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ عتق کے اجزاء نہیں ہوتے۔البتہ امام صاحب کے قول پر تخریج کرنے کا حکم شریک کے لئے اعتاق کا اختیار دینا ہے۔کیونکہ بقیہ غلام میں اس کی ملکیت باقی ہے۔کیونکہ یہاں ان کے نزدیک اعتاق کے اجزاء ہو سکتے ہیں اور ضمانت لینے کا حق اس وجہ سے ہے معتق اس کے حصے کو خراب کرتے ہوئے زیادتی کرنے والا ہے۔البتہ دوسرے شریک کے لئے اعتاق اور اس کے توابع اور استعساء کے سوا بیع اور ہبہ وغیرہ کے احکام ختم کر دئے ہیں اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔اور معتق مال ضمان کو غلام سے واپس لے گا۔اس لئے کہ ضمانت ادا کرنے کی وجہ سے وہ ساکت کے قائم مقام ہو گیا ہے۔اور جب ساکت کیلئے استعساء کے ذریعے یہ اختیار تھا۔تو معتق کو بھی یہ حق حاصل ہو گا۔اور اس لئے بھی کہ معتق ادائے ضمان کی وجہ سے اس غلام کو ضمنی طور پر مالک ہو چکا ہے لہذا یہ اس طرح ہو چکا ہے کہ جس طرح پورا اسی کا ہے۔حالانکہ اس نے بعض ہی غلام آزاد کیا ہے تو اسے یہ اختیار ہے کہ باقی کو آزاد کر دے یا جب چاہے تو اس سے محنت کرائے۔اور اس صورت میں ولاء معتق کو ملے گا۔کیونکہ مکمل عتق ہی اسی کی جانب واقع ہوا ہے کیونکہ ضمان ادا کر کے وہ اس کا مالک ہو چکا ہے۔

شرح

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ولاء معتق کیلئے ہے۔جس طرح حدیث متواترہ میں ہے اور اس کو امام بخاری کے سمیت کثیر ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے اور اس کی بحث گزر بھی چکی ہے ایک سند وہ حدیث اس طرح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے بریرہ کو خریدا تو اس کے مالک نے

شرط لگائی کہ ولاء ہم لیں گے میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو ولاء اس کے لیے ہے جو روپیہ دے چنانچہ میں نے بریرہ کو آزاد کردیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور اس کو اس کے خاوند کے متعلق اختیار دیا تو اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ کو اتنا اتنا مال دے تو بھی میں اس کے ساتھ نہ رہوں چنانچہ وہ اپنے شوہر سے جدا ہوگئی۔

(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2388 حدیث متواتر)

آزاد کرنے والے کی تنگدستی کا بیان

وَفِی حَالِ إِعْسَارِ الْمُعْتِقِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى لِمَا بَيَّنَّا ، وَالْوَلَاءُ لَهُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الْعِتْقَ مِنْ جِهَتِهِ ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَسْعِي عَلَى الْمُعْتِقِ بِمَا أَدَّى بِإِجْمَاعٍ بَيْنَنَا لِأَنَّهُ يَسْعَى لِفِكَاكِ رَقَبَتِهِ أَوْ لَا يَقْضِي دَيْنًا عَلَى الْمُعْتِقِ إِذْ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِعُسْرَتِهِ ، بِخِلَافِ الْمَرْهُونِ إِذَا أَعْتَقَهُ الرَّاهِنُ الْمُعْسِرُ لِأَنَّهُ يَسْعَى فِي رَقَبَةٍ قَدْ فُكَّتْ أَوْ يَقْضِي دَيْنًا عَلَى الرَّاهِنِ فَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ.وَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمُوسِرِ كَقَوْلِهِمَا .

وَقَالَ فِي الْمُعْسِرِ :يَبْقَى نَصِيبُ السَّاكِتِ عَلَى مِلْكِهِ يُبَاعُ وَيُوهَبُ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى تَضْمِينِ الشَّرِيكِ لِإِعْسَارِهِ وَلَا إِلَى السِّعَايَةِ لِأَنَّ الْعَبْدَ لَيْسَ بِجَانٍ وَلَا رَاضٍ بِهِ ، وَلَا إِلَى إِعْتَاقِ الْكُلِّ لِلْإِضْرَارِ بِالسَّاكِتِ فَتَعَيَّنَ مَا عَيَّنَّاهُ .

قُلْنَا :إِلَى الِاسْتِسْعَاءِ سَبِيلٌ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى الْجِنَايَةِ بَلْ تُبْتَنَى السِّعَايَةُ عَلَى احْتِبَاسِ الْمَالِيَّةِ فَلَا يُصَارُ إِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الْقُوَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْمَالِكِيَّةِ وَالضَّعْفِ السَّالِبِ لَهَا فِي شَخْصٍ وَاحِدٍ .

ترجمہ

اور معتق کے تنگدست ہونے کی حالت میں اگر شریک ثانی چاہے تو اپنا حصہ بھی آزاد کردے کیوں کہ اس کی ملکیت باقی ہے اور اگر چاہے تو اس سے کمائی کرائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے اور دونوں صورتوں میں اس کو بھی ولاء ملے گا کیوں کہ اس کی طرف سے بھی عتق واقع ہوا ہے اور غلام مستسعی معتق سے اپنا اداء کردہ مال واپس نہیں لے سکتا باتفاق فقہائے احناف کیوں کہ وہ تو اپنی گردن چھڑانے کیلئے کمائی کرتا ہے اور معتق پر کوئی قرضہ نہیں اداء کرتا ہے اسلیے کہ معتق کے عسر کی وجہ سے اس پر کچھ بھی نہیں لازم ہے برخلاف عبد مرہون کے جب اسے معسر راہن آزاد کردے، اس لیے کہ عبد مرہون اپنی گردن کیلئے کمائی کرتا ہے جو چھوٹ چکی

ہے یا وہ ایسا قرضہ اداء کرتا ہے جو راہن پر تھا لہذا وہ راہن سے واپس لے لے گا۔

اور موسر کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرات صاحبین کے قول کی طرح جب کہ معسر کے متعلق ان کا قول یہ کہ ساکت کا حصہ اس کی ملکیت برقرار رہے گا جسے بیچا بھی جاسکے گا اور ہبہ بھی کیا جاسکے گا کیوں کہ شریک اول کے معسر ہونے کی وجہ سے اس سے ضمان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی غلام سے کمائی کرانے کا اختیار ہے کیوں کہ نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ ہی آزادی پر راضی ہے اور پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے کہ اس میں ساکت کا ضرر ہے لہذا ہم نے جو کچھ متعین کیا ہے وہی متعین ہے، ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ شریک ثانی کے لیے غلام سے کمائی کرانے کی راہ ہے کیوں کہ استعاء کے لیے جنایت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ استعاء اس کی مالیت کے احتباس پر مبنی ہے لہذا ایک ہی غلام میں قوت جو موجب ملکیت ہے وہ اور ضعف جو اس قوت کو سلب کرنے والا ہے وہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنا حصہ کسی غلام میں آزاد کردیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام میں آزاد کردیا تو اس پر اس کا آزاد کرانا اپنے مال سے واجب ہے اگر اس کے پاس مال ہو ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس غلام سے محنت کرائی جائے گی لیکن اس کو مشقت میں نہ ڈالا جائے حجاج بن حجاج ابان اور موسیٰ بن خلف نے قتادہ سے روایت کی ہے اور اس کو شعبہ نے مختصراطور پر بیان کیا۔(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2379)

جب غلام کی آزادی کی شہادت ایک آدمی بیان کرے

قَالَ (وَلَوْ شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى صَاحِبِهِ بِالْعِتْقِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ مُوسِرَيْنِ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَكَذَا إِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّ صَاحِبَهُ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ فَصَارَ مُكَاتَبًا فِي زَعْمِهِ عِنْدَهُ وَحَرُمَ عَلَيْهِ الِاسْتِرْقَاقُ فَيُصَدَّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَيُمْنَعُ مِنْ اسْتِرْقَاقِهِ وَيَسْتَسْعِيهِ لِأَنَّا تَيَقَّنَّا بِحَقِّ الِاسْتِسْعَاءِ كَاذِبًا كَانَ أَوْ صَادِقًا لِأَنَّهُ مُكَاتَبُهُ أَوْ مَمْلُوكُهُ فَلِهَذَا يَسْتَسْعِيَانِهِ ، وَلَا يَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الْحَالَيْنِ فِي أَحَدِ شَيْئَيْنِ ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُ ، وَقَدْ تَعَذَّرَ التَّضْمِينُ لِإِنْكَارِ الشَّرِيكِ فَتَعَيَّنَ الْآخَرُ وَهُوَ السِّعَايَةُ ، وَالْوَلَاءُ لَهُمَا لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا يَقُولُ عَتَقَ

نَصِيبُ صَاحِبِي عَلَيْهِ بِإِعْتَاقِهِ وَوَلَاؤُهُ لَهُ ، وَعَتَقَ نَصِيبِي بِالسِّعَايَةِ وَوَلَاؤُهُ لِي .

(وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : إنْ كَانَا مُوسِرَيْنِ فَلَا سِعَايَةَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَبْرَأُ عَنْ سِعَايَتِهِ بِدَعْوَى الْعَتَاقِ عَلَى صَاحِبِهِ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُمَا ، إلَّا أَنَّ الدَّعْوَى لَمْ تَثْبُتْ لِإِنْكَارِ الْآخَرِ وَالْبَرَاءَةُ عَنْ السِّعَايَةِ قَدْ ثَبَتَتْ لِإِقْرَارِهِ عَلَى نَفْسِهِ (وَإِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعَى لَهُمَا) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدَّعِي السِّعَايَةَ عَلَيْهِ صَادِقًا كَانَ أَوْ كَاذِبًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ إذْ الْمُعْتِقُ مُعْسِرٌ (وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا سَعَى لِلْمُوسِرِ مِنْهُمَا) لِأَنَّهُ لَا يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِإِعْسَارِهِ ، وَإِنَّمَا يَدَّعِي عَلَيْهِ السِّعَايَةَ فَلَا يَتَبَرَّأُ عَنْهُ (وَلَا يَسْعَى لِلْمُعْسِرِ مِنْهُمَا) لِأَنَّهُ يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِيَسَارِهِ فَيَكُونُ مُبَرِّئًا لِلْعَبْدِ عَنْ السِّعَايَةِ ، وَالْوَلَاءُ مَوْقُوفٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُحِيلُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَهُوَ يَتَبَرَّأُ عَنْهُ فَيَبْقَى مَوْقُوفًا إلَى أَنْ يَتَّفِقَا عَلَى إعْتَاقِ أَحَدِهِمَا .

ترجمہ

اور جب دونوں شریکوں میں سے ہرایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام ان میں سے ہرایک کے لیے اس کے حصے کی مزدوری کرے گا۔اگر چہ وہ دونوں مالدار ہوں یا وہ دونوں غربت میں ہوں اوراسی طرح جب ان میں سے ایک مال والا ہواور دوسرا غریب ہواوران میں سے ہرایک سمجھ رہا ہو کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کردیا ہے۔پس غلام اس کے خیال کے مطابق مکاتب ہو جائے گا اور پھر اسی پر اس غلام کو دوبارہ غلام بنانا حرام ہے کیونکہ اسی شریک کے حق میں اس کی تصدیق کرلی جائے گی۔اوراس شریک کو استرقاق کے طور پر غلامی سے منع کردیا جائے گا۔ہاں اس سے محنت کروائی جائے گی۔کیونکہ استعساء کا یقین ہے خواہ وہ شریک سچا ہو یا جھوٹا ہو۔کیونکہ وہ اس کا مکاتب ہے یا وہ اس کا مملوک ہے۔
پس وہ دونوں غلاموں سے کمائی کرائیں گے۔اورعسرویسر کی حالت میں یہ حکم مختلف نہ ہوگا کیونکہ دونوں احوال میں سے کسی ایک حالت میں آقا کا حق ہے۔اس لئے کہ معتق کا مالدار ہونا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک غلام کی محنت کے مانع نہ ہوگا جبکہ شریک کے انکار کے سبب تاوان لینا بھی ناممکن ہے۔لہذا اس میں دوسری دلیل متعین ہو جائے گی۔اور وہ صرف کمائی کروانا ہے جبکہ ولاء دونوں کو ملے گا۔کیونکہ ان دونوں میں سے ہرایک اس حکم کا قائل ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے کے سبب آزاد ہوا ہے

لہذا اس کا ولاء میرے لئے ہے۔

صاحبین علیہما الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دونوں مالی طور پر مستحکم ہیں تو غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہرایک اپنے ساتھی پر ضمان کا دعویٰ کرنے والا اور اس کو کمائی سے بری کرنے والا ہے۔لہذا صاحبین کے نزدیک کمائی کرنا مالدار معتق کیلئے مانع ہے۔ہاں البتہ دوسرے کے انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت کرنے والا نہ ہوگا۔جبکہ غلام کا کمائی سے بری الذمہ ہونا کبھی تو اس کی ذات پر اس کے ذاتی اقرار کے ثبوت سے ہوتا ہے۔اوراگر دونوں شریک غریب ہوں تو غلام دونوں کیلئے کمائی کرے گا کیونکہ ان میں سے ہرایک شریک غلام پر محنت کرنے کے دعویٰ کا حق رکھتا ہے۔خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ معتق تندست ہے۔اور جب دونوں شرکاء میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگدست ہو تو اس صورت میں غلام صرف تنگدست کیلئے کمائی کرے گا۔کیونکہ عسر کے سبب وہ اپنے شریک پر دعویٰ نہیں کرنے والا اور وہ صرف کمائی کا دعویٰ کرنے والا ہے پس غلام اس طرح کمائی سے بری الذمہ نہ ہوگا اور غلام عسر والے کیلئے کمائی نہ کرے گا کیونکہ دوسرے شریک کے مالدار ہونے کی وجہ سے عسر والا ضمان کا دعویٰ کرنے والا ہے۔پس وہ غلام کو کمائی سے بری کرنے والا ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں ولاء موقوف ہوگا۔کیونکہ ان میں سے ہرایک ولاء دوسرے کے سپرد کرنے والا ہے حالانکہ دوسرا اس سے برأت کرنے والا ہے لہذا ولاء موقوف رہے گا۔حتیٰ کہ دونوں شرکاء کسی ایک غلام کو آزاد کرنے پر متفق ہو جائیں۔

شرح

اگر کسی حصہ کو آزاد کیا تو اتنا ہی آزاد ہوگا یہ اس صورت میں ہے۔کہ جب وہ حصہ معین ہو مثلاً آدھا۔تہائی۔چوتھائی۔اوراگر غیر معین ہو مثلاً تیرا ایک حصہ آزاد ہے تو اس صورت میں بھی آزاد ہوگا مگر چونکہ حصہ غیر معین ہے،لہٰذا مالک سے تعیین کرائی جائے گی کہ تری مراد کیا ہے جو وہ بتائے اوتنا آزاد قرار پائے گا اور دونوں صورتوں میں یعنی بعض معین یا غیر معین میں جتنا باقی ہے اس میں سعایت کرائیں گے یعنی اس غلام کی اوس روز جو قیمت بازار کے نرخ سے ہو اس قیمت کا جتنا حصہ غیر آزاد شدہ کے مقابل ہو اتنا مزدوری وغیرہ کرا کر وصول کریں جب قیمت کا وہ حصہ وصول ہو جائے اس وقت پورا آزاد ہو جائیگا۔

حضرت علی بن عبداللہ سفیان عمرو سالم اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسا غلام آزاد کیا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اگر وہ مالدار ہے تو اس غلام کی قیمت لگائی جائے گی پھر وہ غلام آزاد کردیا جائے گا (باقی حصوں کی قیمت آزاد کرنے والے کو دینی ہوگی)۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2373)

حضرت عبداللہ بن یوسف، مالک، نافع عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا حصہ کسی غلام کا آزاد کردیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ پورے غلام کی قیمت کے برابر ہو تو اس غلام کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے گی اور ان کے شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دے دے پھر وہ آزاد ہو جائے گا ورنہ بصورت تنگ دستی اس غلام کا اتنا ہی حصہ

آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2374)

غلام وباندی کی شہادت میں مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (کیوں کہ اس میں مالک کی طرف داری کا احتمال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سب لونڈی غلام ہو، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل اور ثقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل ثقہ ہوں ثابت فرمارہے ہیں۔

غلام کی آزادی کو معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ إنْ لَمْ يَدْخُلْ فُلَانٌ هَذِهِ الدَّارَ غَدًا فَهُوَ حُرٌّ ، وَقَالَ الْآخَرُ: إنْ دَخَلَ فَهُوَ حُرٌّ فَمَضَى الْغَدُ وَلَا يُدْرَى أَدَخَلَ أَمْ لَا عَتَقَ النِّصْفُ وَسَعَى لَهُمَا فِي النِّصْفِ الْآخَرِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ :يَسْعَى فِي جَمِيعِ قِيمَتِهِ) لِأَنَّ الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِسُقُوطِ السِّعَايَةِ مَجْهُولٌ ، وَلَا يُمْكِنُ الْقَضَاءُ عَلَى الْمَجْهُولِ فَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ لِغَيْرِهِ لَك عَلَى أَحَدِنَا أَلْفُ دِرْهَمٍ فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي بِشَيْءٍ لِلْجَهَالَةِ ، كَذَا هَذَا .

وَلَهُمَا أَنَّا تَيَقَّنَّا بِسُقُوطِ نِصْفِ السِّعَايَةِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا حَانِثٌ بِيَقِينٍ ، وَمَعَ التَّيَقُّنِ بِسُقُوطِ النِّصْفِ كَيْفَ يُقْضَى بِوُجُوبِ الْكُلِّ ، وَالْجَهَالَةُ تَرْتَفِعُ بِالشُّيُوعِ وَالتَّوْزِيعِ ، كَمَا إذَا أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ لَا بِعَيْنِهِ أَوْ بِعَيْنِهِ وَنَسِيَهُ وَمَاتَ قَبْلَ التَّذَكُّرِ أَوْ الْبَيَانِ ، وَيَتَأَتَّى التَّفْرِيعُ فِيهِ عَلَى أَنَّ الْيَسَارَ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ أَوْ لَا يَمْنَعُهَا عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي سَبَقَ .

ترجمہ

اور جب کسی ایک شریک نے کہا کہ اگر فلاں شخص آنے والی کل میں اس گھر داخل نہ ہوا تو وہ غلام آزاد ہے۔ جبکہ دوسرے نے کہا کہ اگر وہ داخل ہوا تو وہ آزاد ہے اور آنے والا کل گزر گیا لیکن یہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ داخل ہوا ہے یا نہیں۔ تو نصف غلام آزاد

ہوجائے گا اور بقیہ آدھے کیلئے وہ سعایہ کرے گا۔ یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ پوری قیمت ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ جس شریک کے سبب سقوط کا حکم دیا جانا ہے وہ مجہول ہے اور کسی مجہول پر کوئی فیصلہ ممکن نہیں پس یہ اس طرح ہوگیا ہے جس کسی نے دوسرے سے کہا ہم میں سے کسی ایک پر تیرے لئے ایک ہزار درہم ہیں۔ تو جہالت کے سبب کوئی فیصلہ نہ ہوگا اور اسی طرح شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں آدھے سعایہ کے سقوط کا یقین ہے۔ کیونکہ دونوں شرکاء میں سے ایک یقینا حانث ہے۔ لہذا نصف سعایہ کے سقوط کے یقین ہوتے ہوئے مکمل سعایہ کے وجوب کا فیصلہ کس طرح کیا جائے گا۔ کیونکہ پھیلنے اور پھیلانے سے جہالت دور ہو جاتی ہے جس طرح کسی غیر معین دو غلاموں میں سے کسی ایک کو آزاد کیا یا معین کرتے ہوئے آزاد کیا لیکن اس شخص نے جس کو معین کیا تھا اس کو بھول گیا۔ اور پھر اس کو یاد کرنے یا بیان کرنے سے پہلے فوت ہوگیا۔ اور اس مسئلہ کی تفریع کا حاصل اس طرح ہے کہ آسانی (مالداری) سعایہ کے مانع ہے یا نہیں ہے اور یہ اسی اختلاف پر ہے جو اس سے پہلے ہم بیان کرچکے ہیں۔

شرح

ایک کی طرف سے جب شرط پائی گئی تو مشروط کے پائے جانے کے سبب وہ غلام اتنے حصے میں آزاد ہوکر بقیہ اس مسئلہ کی وہی صورت ہوگی جو مشترکہ غلام کی آزادی جب کسی ایک کی جانب سے ہو جیسا احادیث میں بھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ کسی عادل کی تجویز کے مطابق اس کی پوری قیمت ہو تو اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2375)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتوی دیتے تھے اگر کوئی غلام یا لونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کردے تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے جب کہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ عادل کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو اور شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے گی اور آزاد کیے ہوئے (غلام اور لونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، ابن عمر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے اور اس کی لیث وابن ابی ذیب ابن اسحاق وجویریہ ویحیی بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2378)

دو شرکاء کی دو غلاموں پر قسم کھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَا عَلَى عَبْدَيْنِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ يَعْتِقْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا) لِأَنَّ الْمَقْضِيَّ عَلَيْهِ بِالْعِتْقِ مَجْهُولٌ ، وَكَذَلِكَ الْمَقْضِيُّ لَهُ فَتَفَاحَشَتْ الْجَهَالَةُ فَامْتَنَعَ

الْقَضَاءُ ، وَفِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ الْمَقْضِيُّ لَهُ وَالْمَقْضِيُّ بِهِ مَعْلُومٌ فَغَلَبَ الْمَعْلُومُ الْمَجْهُولَ

ترجمہ

اور جب دو آدمیوں نے دو غلاموں پر قسم کھائی اوران دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کیلئے قسم کھائی تو ان میں ایک غلام بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ جس پر آزادی کا حکم لگانا تھا وہ مجہول ہے اور جس کا تقاضہ کیا جانا تھا وہ بھی مجہول ہے اور یہ جہالت فاحشہ ہوگی لہذا فیصلہ ممتنع ہوگیا ہے جبکہ ایک غلام کے بارے میں تقاضہ کردہ حکم معلوم ہے اور معلوم مجہول پر غالب ہوگیا۔

شرح

حضرت عبید بن اسماعیل، ابو اسامہ، عبید اللہ، نافع، ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ کسی عادل کی تجویز کے مطابق اس کی پوری قیمت ہو تو اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2375)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام کا آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو تو وہ آزاد کر دیا جائے گا نافع نے کہا کہ ورنہ (بصورت تنگ دستی) جتنا آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد ہوگا ایوب نے بیان کیا میں نہیں جانتا کہ یہ نافع کا قول ہے یا حدیث میں شامل ہے۔
(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2377)

جب دو مالکوں میں کسی ایک نے بیٹا خرید لیا

(وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ ابْنَ أَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيبُ الْأَبِ) لِأَنَّهُ مَلَكَ شِقْصَ قَرِيبِهِ وَشِرَاؤُهُ إعْتَاقٌ عَلَى مَا مَرَّ (وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) عَلِمَ الْآخَرُ أَنَّهُ ابْنُ شَرِيكِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ (وَكَذَا إذَا وَرِثَاهُ ، وَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا : فِي الشِّرَاءِ يَضْمَنُ الْأَبُ نِصْفَ قِيمَتِهِ إنْ كَانَ مُوسِرًا ، وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الِابْنُ فِي نِصْفِ قِيمَتِهِ لِشَرِيكِ أَبِيهِ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ إذَا مَلَكَا ، بِهِبَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ ، وَعَلَى هَذَا إذَا اشْتَرَاهُ رَجُلَانِ وَأَحَدُهُمَا قَدْ حَلَفَ بِعِتْقِهِ إنْ اشْتَرَى نِصْفَهُ .

لَهُمَا أَنَّهُ أَبْطَلَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالْإِعْتَاقِ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إعْتَاقٌ ، وَصَارَ هَذَا كَمَا إذَا

كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ أَجْنَبِيَّيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ ، وَلَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ فَلَا يُضَمِّنُهُ ، كَمَا إذَا أَذِنَ لَهُ بِإِعْتَاقِ نَصِيبِهِ صَرِيحًا ، وَدَلَالَةُ ذَلِكَ أَنَّهُ شَارَكَهُ فِيمَا هُوَ عِلَّةُ الْعِتْقِ وَهُوَ الشِّرَاءُ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إعْتَاقٌ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْكَفَّارَةِ عِنْدَنَا ، وَهَذَا ضَمَانُ إفْسَادٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطُ بِالرِّضَا ، وَلَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَعَدَمِهِ ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنْهُ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى السَّبَبِ ، كَمَا إذَا قَالَ لِغَيْرِهِ : كُلْ هَذَا الطَّعَامَ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْآمِرِ وَلَا يَعْلَمُ الْآمِرُ بِمِلْكِهِ .

ترجمہ

اور جب دو اشخاص نے آپس میں سے کسی ایک کے بیٹے کو خریدا تو باپ والا حصہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے قریبی حصے کا مالک ہوا ہے اور اسی خریدنا ہی آزادی ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اگرچہ دوسرے کو اس کی بات کا علم ہو کہ وہ غلام اس کے حصے دار کا بیٹا ہے یا اس کا علم نہ ہو اور اسی طرح جب وہ دونوں وارث ہوئے ہیں تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر وہ چاہے تو اس سے محنت کرائے اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک خریداری کی صورت میں اگر باپ مالدار ہے تو غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ تنگدست ہے تو غلام بیٹا اپنے باپ کے شریک کیلئے آدھی قیمت کیلئے کمائی کرے گا اور یہ مسئلہ اسی اختلاف پر ہے اور جب وہ دونوں ہبہ، صدقہ یا وصیت کے ذریعے اس کے مالک ہو جائیں۔ اور یہ اختلاف اس طرح بھی ہے کہ جب دو آدمیوں نے کسی غلام کو خریدا اور ان میں سے ایک نے یہ قسم اٹھا رکھی تھی کہ اگر اس نے غلام کا نصف خریدا تو وہ آزاد ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے شریک نے آزاد کر کے اپنے ساتھی کے حصے کو باطل کر دیا ہے کیونکہ قریبی شخص کو خریدنا آزادی ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح غلام دو اجنبی مالکوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے اپنا آزاد کر دیا ہو

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں شریک اپنا حصہ خراب کرنے پر خود راضی ہوا ہے لہذا معتق اس کا ضامن نہ ہوگا جس طرح جب اس نے دوسرے کو صراحت کے طور پر اپنا حصہ آزاد کرنے کی اجازت دی اور اس کی رضامندی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ اس طرح چیز میں شرکت کی ہے جو آزادی کی علت ہے اور وہ چیز خریدنا ہے کیونکہ قربت کی خریداری آزادی ہے حتیٰ کہ ہمارے نزدیک شرائے قریب کے سبب مشتری کفارے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

صاحبین کے ظاہری فرمان کے مطابق یہ ضمان افساد ہے۔ کیونکہ عسر و یسر کے سبب حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔ پس رضا کے سبب

ضمان ساقط ہوجائے گا۔ جبکہ علم وعدم علم کے سبب حکم مختلف نہ ہوگا اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ظاہر الروایت کے مطابق اسی طرح روایت ہے کیونکہ حکم کا مدار علت پر ہوتا ہے (قاعدہ فقہیہ، رضوی عفی عنہ) جس طرح کسی شخص نے کہا کہ کھانا کھاؤ جبکہ حکم دینے والا غلام ہے اور آمر کو اپنی ملکیت کا علم ہی نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کردے۔ " (مسلم)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد ہوجاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحاب ظواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد ہوجاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ فیعتقہ میں حرف فا سبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے "لہذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہوجائے گا۔

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل بہتر ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا "ابوذر کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا " کونسا بردہ آزاد کرنا بہتر ہے؟ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیارا ہو "میں نے عرض کیا کہ "اگر ایسا نہ کر سکوں؟ (یعنی از راہ کسل نہیں بلکہ از راہ عجز وعدم استطاعت ایسا غلام آزاد نہ کرسکوں؟) " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کام کرنے والے کی مدد کرو یا جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو اس کی وہ چیز بنادو "میں نے عرض کیا "اگر میں یہ (بھی) نہ کرسکوں (تو کیا کروں؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو یاد رکھو یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔ " (بخاری ومسلم)

ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر وبھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے، اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم ہو اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو ! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری وعظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں تک نماز، روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسری وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہذا یہاں جہاد کو نماز وروزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر' جہاد "سے مراد مطلق "مشقت برداشت کرنا "ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات وعبادات سے بھی، چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو "جہاد اکبر "فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عمل، ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے قل امنت بالله ثم استقم کام کرنے والے کی مدد کرو میں " کام سے "مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ ہو خواہ وہ صنعت وکاریگری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ وکسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ وکسب اسکی اور اسکے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو وہ شخص اپنے ضعف ومجبوری کی وجہ سے اس کسب وپیشہ کو پوری طرح انجام نہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو ! اسی طرح "جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو الخ " کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کرسکتا ہو تو تم اس کا کام کردو تا کہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے۔ "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو " کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ، کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر وبھلائی ہے خصوصا ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذاء ونقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہو۔ مراز خیر تو امید نیست شر مرساں اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ "یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو "لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے بایں طور کے اس بھلائی کے مختلف فوائد اسے حاصل ہوتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ

قال العلامة ابن محمود البابرتی الحنفی علیه الرحمه فی شرح هذه العبارة ،قَوْلُهُ (وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْأَبِ .وَقَوْلُهُ (وَكَذَا لَوْ وَرِثَاهُ) يَعْنِي بِالِاتِّفَاقِ .وَصُورَتُهُ امْرَأَةٌ اشْتَرَتْ ابْنَ زَوْجِهَا فَمَاتَتْ عَنْ أَخٍ وَزَوْجٍ كَانَ النِّصْفُ لِلزَّوْجِ وَيَعْتِقُ عَلَيْهِ ، أَوْ امْرَأَةٌ لَهَا زَوْجٌ وَأَبٌ وَلَهَا غُلَامٌ وَهُوَ أَبُو زَوْجِهَا فَمَاتَتْ الْمَرْأَةُ صَارَ غُلَامُهَا مِيرَاثًا بَيْنَ زَوْجِهَا وَأَبِيهَا .وَقَوْلُهُ (وَقَالَا فِي الشِّرَاءِ) إشَارَةٌ إلَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ الِاتِّفَاقِ فِي صُورَةِ الْإِرْثِ .وَقَوْلُهُ (قَدْ حَلَفَ بِعِتْقِهِ إنْ اشْتَرَى نِصْفَهُ) إنَّمَا قَيَّدَ بِالنِّصْفِ ، لِأَنَّهُ إذَا حَلَفَ بِعِتْقِهِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِشَرِكَةِ الْآخَرِ لَا يَعْتِقُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الشَّرْطَ شِرَاءُ كُلِّ الْعَبْدِ وَلَمْ يُوجَدْ .وَوَجْهُ قَوْلِهِمَا عَلَى مَا ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ ظَاهِرٌ .وَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا ذَكَرَهُ فِيهِ .وَتَقْرِيرُهُ :الشَّرِيكُ الْآخَرُ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ وَمَنْ رَضِيَ بِذَلِكَ لَا يَضْمَنُ الْمُفْسِدَ (كَمَا إذَا أَذِنَ لَهُ بِإِعْتَاقِ نَصِيبِهِ صَرِيحًا وَدَلَالَةُ ذَلِكَ) أَيْ الدَّلِيلُ عَلَى رِضَاهُ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ (أَنَّهُ شَارَكَهُ فِيمَا هُوَ عِلَّةُ الْعِتْقِ ، وَهُوَ الشِّرَاءُ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إعْتَاقٌ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْكَفَّارَةِ عِنْدَنَا) وَالْمُشَارَكَةُ فِي عِلَّةِ الْعِتْقِ رِضًا بِالْعِتْقِ لَا مَحَالَةَ .وَالْمُرَادُ بِالْعِلَّةِ عِلَّةُ الْعِلَّةِ لِأَنَّ الشِّرَاءَ عِلَّةُ التَّمَلُّكِ وَالتَّمَلُّكُ فِي الْقَرِيبِ عِلَّةُ الْعِتْقِ ، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إلَى عِلَّةِ الْعِلَّةِ إذَا لَمْ تَصْلُحْ الْعِلَّةُ لِلْإِضَافَةِ إلَيْهَا ، وَهَاهُنَا كَذَلِكَ لِأَنَّ

التَّمَلُّكَ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ يَثْبُتُ بَعْدَ مُبَاشَرَةِ عِلَّتِهِ بِغَيْرِ اخْتِيَارٍ ، بِخِلَافِ الْإِرْثِ فَإِنَّهُ لَا إِعْتَاقَ هُنَاكَ وَلِهَذَا لَا يَخْرُجُ بِهِ عَنِ الْكَفَّارَةِ .وَقَوْلُهُ (وَهَذَا ضَمَانُ إِفْسَادٍ) يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ جَوَابًا عَمَّا يُقَالُ إِنَّمَا كَانَ الرِّضَا مُسْقِطًا لِلضَّمَانِ أَنْ لَوْ كَانَ ضَمَانَ إِفْسَادٍ ، وَأَمَّا إِذَا كَانَ ضَمَانَ تَمَلُّكٍ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ كَمَا إِذَا اسْتَوْلَدَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْجَارِيَةَ بِإِذْنِهِ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِهِ الضَّمَانُ لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ إِذِ الِاسْتِيلَادُ مَوْضُوعٌ لِطَلَبِ الْوَلَدِ لَا لِلْعِتْقِ ، فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ الْوَاجِبُ بِهِ ضَمَانَ عِتْقٍ وَهُوَ غَيْرُ مَوْضُوعٍ لَهُ فَكَانَ ضَمَانَ تَمَلُّكٍ .وَوَجْهُ الْجَوَابِ أَنَّهُ ضَمَانُ إِفْسَادٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطَ بِالرِّضَا ، وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِقَوْلِهِ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا لِأَنَّهُ رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ هَذَا ضَمَانُ تَمَلُّكٍ فَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ الضَّمَانُ .وَقَوْلُهُ (وَلَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ) أَيْ بِالْقَرَابَةِ (وَعَدَمِهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى السَّبَبِ) أَيْ الْعِلَّةِ (كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ كُلْ هَذَا الطَّعَامَ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْآمِرِ وَلَا يَعْلَمُ الْآمِرُ بِمِلْكِهِ) وَالسَّبَبُ قَدْ وُجِدَ بِمَا مَرَّ .

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ فَصَلَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ عَالِمًا بِالْقَرَابَةِ وَبَيْنَ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِهَا فِي حُكْمِ الضَّمَانِ لِأَنَّ الرِّضَا لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا إِذَا كَانَ عَالِمًا بِهَا .(عنایہ شرح الھدایہ ، ج٦ ،ص ٣٣٠ ،بیروت)

غلام کو باپ اور اجنبی کے خریدنے کا بیان

(وَإِنْ بَدَأَ الْأَجْنَبِيُّ فَاشْتَرَى نِصْفَهُ ثُمَّ اشْتَرَى الْأَبُ نِصْفَهُ الْآخَرَ وَهُوَ مُوسِرٌ فَالْأَجْنَبِيُّ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَبَ) لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ (وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الِابْنَ فِي نِصْفِ قِيمَتِهِ) لِاحْتِبَاسِ مَالِيَّتِهِ عِنْدَهُ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُ .

وَقَالَا :لَا خِيَارَ لَهُ وَيَضْمَنُ الْأَبُ نِصْفَ قِيمَتِهِ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُمَا

ترجمہ

اور جب کسی اجنبی نے ابتداء کرتے ہوئے غلام کا نصف حصہ خریدا پھر باپ نے غلام کا دوسرا حصہ خریدا اور وہ مالدار بھی ہے تو اس اجنبی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو باپ سے تاوان وصول کرے کیونکہ وہ اپنا حصہ خراب کرنے پر راضی نہیں ہے اور اگر وہ چاہے تو بیٹے سے اس کی نصف قیمت کیلئے کمائی کرائے کیونکہ اس وقت بیٹے کے پاس اجنبی کی مالیت قید میں ہے۔ اور حضرت امام اعظم

رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حکم اسی طرح ہے کیونکہ یہاں معتق کیلئے یسر سعایہ کے مانع نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اجنبی کو استسعاء کا اختیار نہیں ہے اور باپ نصف قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ معتق کیلئے یسر سعایہ سے مانع ہے۔ (یہ صاحبین کے نزدیک ہے)

یسر کے مانع سعایہ ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

صاحب ہدایہ نے یہاں پر فقہاء احناف کا اختلاف اس مسئلہ میں بیان کیا ہے کہ مذکورہ صورت میں یسر یعنی جب باپ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا حالت آسانی میں ہونا یہ سعایہ کے مانع ہے یا نہیں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مانع نہیں ہے کیونکہ اس میں آزاد کرنے والے کیلئے حالت یسر اس کو بے نیاز کردینے والی ہے۔ جبکہ صاحبین کیلئے مانع ہے کیونکہ ان کے نزدیک اجنبی کیلئے یہ حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مالدار آدمی کا نصف بیٹا خریدنے کا بیان

(وَمَنِ اشْتَرَى نِصْفَ ابْنِهِ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا :يَضْمَنُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا) وَمَعْنَاهُ إِذَا اشْتَرَى نِصْفَهُ مِمَّنْ يَمْلِكُ كُلَّهُ فَلَا يَضْمَنُ لِبَائِعِهِ شَيْئًا عِنْدَهُ ، وَالْوَجْهُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنا نصف بیٹا خرید لیا اور وہ شخص مالدار ہے تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اگر باپ حالت یسر والا ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اسکا حکم یہ ہے کہ باپ نے اس شخص سے بیٹے کا نصف خریدا ہے جو اس کے کل کا مالک تھا۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک باپ اپنے بائع کیلئے کسی بھی چیز کا ضامن نہ ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

یسر کے سبب ضمانت ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

صاحب ہدایہ کی مذکورہ عبارت میں بیان کردہ مسئلہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ باپ مالدار ہے لہذا اس پر کوئی ضمانت نہیں ہے جبکہ صاحبین کے حالت یسر میں وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس حالت میں اس کیلئے ضمانت کے طور ادائیگی میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور ایک سابق میں لازم ہونے والی ذمہ داری عہدہ برا ہونا بھی ہے۔

تین آدمیوں کے درمیان مشترکہ غلام کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ نَفَرٍ فَدَبَّرَهُ أَحَدُهُمْ وَهُوَ مُوسِرٌ ثُمَّ أَعْتَقَهُ الْآخَرُ وَهُوَ مُوسِرٌ)

فَأَرَادُوا الضَّمَانَ فَلِلسَّاكِتِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ ثُلُثَ قِيمَتِهِ قِنًّا وَلَا يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ. (وَلِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ ثُلُثَ قِيمَتِهِ مُدَبَّرًا وَلَا يُضَمِّنَهُ الثُّلُثَ الَّذِى ضَمِنَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا الْعَبْدُ كُلُّهُ لِلَّذِى دَبَّرَهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَيَضْمَنُ ثُلُثَىْ قِيمَتِهِ لِشَرِيكَيْهِ مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا)

ترجمہ

اور جب کوئی غلام تین آدمیوں میں مشترک ہواوران میں سے کسی ایک نے اس کومدبر بنادیا ہےاوروہ شخص مالدار بھی ہے اور اس کے بعد دوسرے نے آزاد کردیا ہےاوروہ بھی مالدار ہےاور پھرانہی دونوں نے ضمان دینا چاہا تو خاموش کو چاہیے کہ وہ مدبر کرنے والے سے صرف رقت کی تہائی قیمت کی ضمان لےاور معتق سے ضمان نہ لے جبکہ مدبر کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ معتق سے غلام کے مدبر ہونے کے حساب سے اس کی تہائی قیمت کوبطور ضمان لےاوراس تہائی کا ضمان نہ لے جس کا وہ خود ضامن ہوا ہے اور یہ حکم حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کے نزدیک پوراغلام اسی شخص کا ہے جس بندے نے پہلی بار اس کومدبر کیا ہےاورمدبر بنانے والا قیمت کا دوتہائی اپنے شرکاء کیلئے ضامن ہوگا اگرچہ وہ مالدار ہو یا حالت فقر میں ہو۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتوی دیتے تھے اگر کوئی غلام یالونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہوان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کردے تواس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے جب کہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہوکہ عادل کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہواور شریکوں کوان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے گی اور آزاد کیے ہوئے (غلام اورلونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، ابن عمر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے اوراس کی لیث وابن ابی ذیب ابن اسحاق و جویریہ ویحیی بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2378)

تدبیر کی اصل میں امام اعظم وصاحبین کا اختلاف

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ التَّدْبِيرَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَ أَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لَهُمَا كَالْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ شُعْبَةٌ مِنْ شُعَبِهِ فَيَكُونُ مُعْتَبَرًا بِهِ ، وَلَمَّا كَانَ مُتَجَزِّئًا عِنْدَهُ اقْتَصَرَ عَلَى نَصِيبِهِ ، وَقَدْ أَفْسَدَ بِالتَّدْبِيرِ نَصِيبَ الْآخَرَيْنِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُدَبِّرَ نَصِيبَهُ أَوْ يُعْتِقَ أَوْ يُكَاتِبَ أَوْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ أَوْ يَسْتَسْعِيَ الْعَبْدَ أَوْ يَتْرُكَهُ عَلَى حَالِهِ لِأَنَّ نَصِيبَهُ بَاقٍ عَلَى مِلْكِهِ

فَاسِدٌ بِإِفْسَادِ شَرِيكِهِ حَيْثُ سَدَّ عَلَيْهِ طُرُقَ الِانْتِفَاعِ بِهِ بَيْعًا وَهِبَةً عَلَى مَا مَرَّ ، فَإِذَا اخْتَارَ أَحَدُهُمَا الْعِتْقَ تَعَيَّنَ حَقُّهُ فِيهِ وَسَقَطَ اخْتِيَارُهُ غَيْرَهُ فَتَوَجَّهَ لِلسَّاكِتِ سَبَبُ ضَمَانِ تَدْبِيرِ الْمُدَبِّرِ وَإِعْتَاقِ هَذَا الْمُعْتِقِ ، غَيْرَ أَنَّ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ لِيَكُونَ الضَّمَانُ ضَمَانَ مُعَاوَضَةٍ إذْ هُوَ الْأَصْلُ حَتَّى جُعِلَ الْغَصْبُ ضَمَانَ مُعَاوَضَةٍ عَلَى أَصْلِنَا ، وَأَمْكَنَ ذَلِكَ فِى التَّدْبِيرِ لِكَوْنِهِ قَابِلًا لِلنَّقْلِ مِنْ مِلْكٍ إلَى مِلْكٍ وَقْتَ التَّدْبِيرِ ، وَلَا يُمْكِنُ ذَلِكَ فِى الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ عِنْدَ ذَلِكَ مُكَاتَبٌ أَوْ حُرٌّ عَلَى اخْتِلَافِ الْأَصْلَيْنِ ،

ترجمہ

اوراس اختلاف کا سبب یہ قاعدہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تدبیر میں اجزاء ہوتے ہیں جبکہ اس میں صاحبین نے اختلاف کیا ہے۔جس طرح اعتاق ہے کیونکہ مدبر بنانا بھی اعتاق کا ایک حصہ ہے۔پس تدبیر کو اعتاق پر قیاس کیا جائے گا اور جب امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تدبیر میں تجزی ہے تو وہ حکم کا انحصار مدبر پر ہی رہے گا۔البتہ مدبر نے تدبیر کرتے ہوئے دوسروں کے حصوں کوخراب کیا ہے تو ان ساتھیوں میں سے ہرایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حصے کو مدبر بنائے یا اسے آزاد کرے یا مکاتب بنائے یا پہلے مدبر سے ضمان لے یا غلام سے کمائی کرائے یا اس کو اسی حال پر چھوڑ دے کیونکہ ہرایک کا حصہ اس کی ملک پر باقی رہے گا البتہ مدبر اول کے افساد کے پیش نظر یہ ملک فاسد ہوجائے گی کیونکہ اس نے بیع اور ہبہ کے طور اس غلام سے فائدہ اٹھانے کے طرق بند کردیے ہیں جس طرح اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اس کے بعد جب ان میں سے کسی ایک نے عتق کو اختیار کرلیا ہے تو اس عتق میں اس کا حق متعین ہوگیا ہے اوراس عتق کے سوا کا اختیار ساقط ہوجائے گا اور خاموش رہنے والے کیلئے ضمان کے اسباب ثابت ہوئے (۱) مدبر کا مدبر کرنا (۲) آزاد کرنے والا کا آزاد کرنا ہے۔البتہ اس کو مدبر سے ضمان لینے کا اختیار ہے۔تاکہ یہ تاوان، تاوان معاوضہ بن جائے۔کیونکہ معاوضے کا تاوان ہی اصل ہے۔حتیٰ کہ ہمارے قاعدے کے مطابق غاصب کی ضمان کو بھی ضمان معاوضہ قرار دیا جائے اور ایسا کرنا تدبیر میں ممکن ہے کیونکہ تدبیر کے وقت غلام ایک ملکیت سے دوسری ملکیت میں منتقل ہونے کا اہل ہے جبکہ اعتاق میں یہ ممکن نہیں ہے۔کیونکہ اعتاق کے وقت یہ غلام مکاتب ہوگا یا پھر آزاد ہوگا۔(اس اختلاف کا سبب ائمہ کے قاعدہ فقہیہ کے اختلاف کے مطابق ہے)۔

شرح

کسی نے اپنے دو غلاموں کو مخاطب کرکے کہا تم میں کا ایک آزاد ہے تو اوسے بیان کرنا ہوگا جس کو بتائے کہ میں نے اُسے مراد لیا وہ آزاد ہوجائے گا۔اور بیان سے ایک کو بیع کیا یا رہن رکھا یا مکاتب یا مدبر کیا تو دوسرا آزاد ہونے کے لیے معین ہوگیا۔اور اگر نہ بیان کیا نہ اس قسم کا کوئی تصرف کیا اور ایک مرگیا تو جو باقی ہے وہ آزاد ہوگیا اور اگر مولیٰ خود مرگیا تو وارث کو بیان کرنے کا حق نہیں

بلکہ ہرایک میں سے آدھا آدھا آزاداورآدھے باقی میں دونوں سعایت کریں۔(عالم گیری، کتاب عتاق، ج۲،ص۲۰)

مکاتبت ختم کرنے میں مکاتب کی رضامندی کا بیان

وَلَا بُدَّ مِنْ رِضَا الْمُكَاتِبِ بِفَسْخِهِ حَتَّى يَقْبَلَ الِانْتِقَالَ فَلِهَذَا يَضْمَنُ الْمُدَبِّرُ ، ثُمَّ لِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ ثُلُثَ قِيمَتِهِ مُدَبَّرًا لِأَنَّهُ أَفْسَدَ عَلَيْهِ نَصِيبَهُ مُدَبَّرًا ، وَالضَّمَانُ يَتَقَدَّرُ بِقِيمَةِ الْمُتْلَفِ ، وَقِيمَةُ الْمُدَبَّرِ ثُلُثَا قِيمَتِهِ قِنًّا عَلَى مَا قَالُوا .

وَلَا يُضَمِّنُهُ قِيمَةَ مَا مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ جِهَةِ السَّاكِتِ لِأَنَّ مِلْكَهُ يَثْبُتُ مُسْتَنِدًا وَهُوَ ثَابِتٌ مِنْ وَجْهٍ دُونَ وَجْهٍ ، فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ .

وَالْوَلَاءُ بَيْنَ الْمُعْتِقِ وَالْمُدَبِّرِ أَثْلَاثًا ثُلُثَاهُ لِلْمُدَبِّرِ وَالثُّلُثُ لِلْمُعْتِقِ لِأَنَّ الْعَبْدَ عَتَقَ عَلَى مِلْكِهِمَا عَلَى هَذَا الْمِقْدَارِ .

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ التَّدْبِيرُ مُتَجَزِّئًا عِنْدَهُمَا صَارَ كُلُّهُ مُدَبَّرًا لِلْمُدَبِّرِ وَقَدْ أَفْسَدَ نَصِيبَ شَرِيكَيْهِ لِمَا بَيَّنَّا فَيَضْمَنُهُ ، وَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ فَأَشْبَهَ الِاسْتِيلَادَ ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ ضَمَانُ جِنَايَةٍ ، وَالْوَلَاءُ كُلُّهُ لِلْمُدَبِّرِ وَهَذَا ظَاهِرٌ .

ترجمہ

عقد کتابت کوختم کرنے کیلئے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے۔تاکہ وہ انتقال ملکیت کوقبول کرنے والا بن جائے اسی دلیل کے پیش نظر ساکت مدبر سے ضمان وصول کرے گا اور پھر معتق کو یہ اختیار ہوگا کہ معتق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان وصول کرے کیونکہ معتق غلام کے آزاد ہونے کی حالت میں ہی اس کا حصہ خراب کرنے والا ہے۔اور ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔(قاعدہ فقہیہ)

اور مدبر کی قیمت خالص غلام کی دوتہائی قیمت ہوا کرتی ہے جس طرح مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے اور جب مدبر شریک ساکت جو قیمت دی ہے معتق اس سے ضمان نہیں لے سکتا۔کیونکہ مدبر کی ملکیت اس کے تدبیر کرتے وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا ۔کیونکہ یہ ایک طرح ثابت ہے اور ایک طرح ثابت نہیں ہے پس ضامن بنانے کے حق میں یہ ملکیت ظاہر نہ ہوگی۔اور مدبر ومعتق کے درمیان تین تہائی کے حساب سے ولاء مشترک ہوگا یعنی مدبر کیلئے دوتہائی اور ایک تہائی معتق کیلئے ہوگی۔کیونکہ غلام ان کی دونوں کی اسی قدر ملکیت میں آزاد ہوا ہے۔

صاحبین کے نزدیک مدبر میں تجزی نہیں ہوتی توان کے نزدیک مکمل غلام ایک ہی کیلئے مدبر ہوگا کیونکہ مدبر اپنے دونوں شرکاء

کا حصہ خراب کردیا ہے۔لہذا وہ دونوں کے حصے کا ضامن ہوگا اور حالت عسر ویسر کے سبب یہ ضمان مختلف نہ ہوگا کیونکہ یہ ضمان ملکیت حاصل کرنے کا معاوضہ ہے پس یہ استیلاد کے موافق ہوگیا ہے۔جبکہ اعتاق میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جنایت کا ضمان ہے اور مکمل ولاء مدبر کا ہے اور یہی ظاہر ہے۔

ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق قاعدہ فقہیہ

ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔(قاعدہ فقہیہ)

حضرت عبداللہ بن یوسف مالک یحیی بن سعید عمرہ بنت عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بریرہ کتابت کی رقم کی ادائیگی میں مدد مانگنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہارے مالک پسند کریں تو میں ان کو تیری قیمت یک مشت دے دوں اور تجھے آزاد کردوں بریرہ نے اپنے مالکوں سے جاکر بیان کیا تو ان لوگوں نے کہا ہم نہیں بیچتے ہیں مگر اس شرط پر کہ تیری ولاء ہم لیں گے مالک نے یحیی کا قول بیان کیا عمرہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو خرید لو اور آزاد کردو اس لیے کہ ولاء اسی کو ملے گی جو آزاد کرے۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2413)

حضرت ابونعیم عبدالواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا میں نے کہا کہ میں عتبہ بن ابی لہب کے پاس تھا عتبہ کا انتقال ہوا اور ان کے بیٹے میرے وارث ہوئے اور ان لوگوں نے مجھ ابن ابی عمرو کے ہاتھ بیچ دیا ابن ابی عمرو نے مجھ کو آزاد کردیا اور بنوعتبہ نے ولاء کی شرط اپنے لیے کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ بریرہ میرے پاس آئی اور وہ مکاتبہ تھی اس نے کہا کہ مجھے خرید لیجئے اور آزاد کردیجئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اچھا تو بریرہ بولی کہ وہ مجھے نہیں بیچیں گے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ولاء لیں گے حضرت عائشہ نے کہا کہ پھر مجھے اس کی حاجت نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا انہوں نے وہی بیان کیا جو بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو خرید لو اور آزاد کردو اور ان کے مالکوں نے ولاء کی شرط اپنے لیے کرلی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کو ملے گی جو آزاد کرے اگرچہ سینکڑوں شرطیں لگائے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2414)

دومالکوں کے درمیان مشترکہ باندی کا بیان

قَالَ (وَإِذَا كَانَتْ جَارِيَةٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ زَعَمَ أَحَدُهُمَا أَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لِصَاحِبِهِ وَأَنْكَرَ ذَلِكَ الْآخَرُ فَهِيَ مَوْقُوفَةٌ يَوْمًا وَيَوْمًا تَخْدُمُ الْمُنْكِرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا : إنْ شَاءَ الْمُنْكِرُ اسْتَسْعَى الْجَارِيَةَ فِي نِصْفِ قِيمَتِهَا ثُمَّ تَكُونُ حُرَّةً لَا سَبِيلَ عَلَيْهَا) لَهُمَا

أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُصَدِّقْهُ صَاحِبُهُ انْقَلَبَ إِقْرَارُ الْمُقِرِّ عَلَيْهِ كَأَنَّهُ اسْتَوْلَدَهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ أَنَّهُ أَعْتَقَ الْمَبِيعَ قَبْلَ الْبَيْعِ يُجْعَلُ كَأَنَّهُ أَعْتَقَ كَذَا هَذَا فَتَمْتَنِعُ الْخِدْمَةُ وَنَصِيبُ الْمُنْكِرِ عَلَى مِلْكِهِ فِي الْحُكْمِ فَتَخْرُجُ إِلَى الْعَتَاقِ بِالسِّعَايَةِ كَأُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمُقِرَّ لَوْ صَدَقَ كَانَتْ الْخِدْمَةُ كُلُّهَا لِلْمُنْكِرِ ، وَلَوْ كَذَبَ كَانَ لَهُ نِصْفُ الْخِدْمَةِ فَيَثْبُتُ مَا هُوَ الْمُتَيَقَّنُ بِهِ وَهُوَ النِّصْفُ ، وَلَا خِدْمَةَ لِلشَّرِيكِ الشَّاهِدِ وَلَا اسْتِسْعَاءَ لِأَنَّهُ يَتَبَرَّأُ عَنْ جَمِيعِ ذَلِكَ بِدَعْوَى الِاسْتِيلَادِ وَالضَّمَانِ ، وَالْإِقْرَارُ بِأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ يَتَضَمَّنُ الْإِقْرَارَ بِالنَّسَبِ وَهُوَ أَمْرٌ لَازِمٌ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ ، فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ الْمُقِرُّ كَالْمُسْتَوْلِدِ .

ترجمہ

فرمایا: اور اگر ایک لونڈی دو مالکوں کے درمیان مشترکہ تھی اور پھر ان میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا کہ وہ اس کے شریک کی ام ولد ہے جبکہ دوسرے نے اس کا انکار کر دیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک دن توقف کیا جائے گا اور وہ ایک دن منکر شریک کی خدمت کرے۔

صاحبین کے نزدیک اگر منکر چاہے تو نصف قیمت میں باندی سے کمائی کرائے تو پھر وہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحبین کے دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کرنے والے نے اس کے ساتھی سے تصدیق نہیں کی تو مقر کا اقرار اسی پر لوٹ آئے گا۔ گویا باندی کو ام ولد بنانے والا ہی وہی ہے اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح مشتری نے بائع پر اقرار کیا کہ بائع نے فروخت کرنے سے پہلے ہی مبیع کو آزاد کر دیا ہے اور یہ اقرار اس طرح ہو جائے ا جس طرح مشتری نے خود آزاد کیا ہو۔ اور یہاں بھی اسی طرح حکم ہے۔ پس خدمت لینا ممتنع ہے اور منکر کا حصہ اس کی ملکیت میں حکمی طور پر باقی ہے۔ پس اعتاق کیلئے سعایہ کے سبب تخریج کی جائے گی۔ جس طرح نصرانی کی ام ولد جب وہ مسلمان ہو جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اقرار کرنے والے کی تصدیق کی جاتی تو منکر کیلئے پوری قیمت ہوتی اور جب اس کو جھٹلایا گیا تو منکر کیلئے آدھی خدمت ہوگی۔ لہذا حکم اسی کا ثابت ہوگا جو یقین سے ثابت ہوگی۔ اور وہ نصف ہے اور موجودہ شریک کیلئے نہ خدمت کا حق ہے اور نہ ہی سعایہ کا حق ہے کیونکہ یہ شریک استیلاد اور ضمان کا دعویٰ کرتے ہوئے ان سب سے بری ہے اور ام ولد کا اقرار نسبی اقرار کی طرح ثابت ہو جائے گا۔ اور حکم لازم ہے جو رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔ پس اقرار کرنے والا مستولد کی طرح نہ ہوگا۔

مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

اگر باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور اس پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالی المغنی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں: اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں:

شادی شدہ لونڈی سے جماع کی تحریم میں کوئی شک وشبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، وہ تو صرف خاوند کے لیے مباح ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک عورت دو مردوں کے لیے حلال نہیں اگر مالک نے اس سے جماع کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے تعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اور ایک جگہ پر ان کا قول ہے: امام احمد رحمہ اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ اسے کوڑے لگائے جائیں کے اور سنگسار نہیں کیا جائے گا، یعنی اسے کوڑوں کی صورت میں تعزیر لگائی جائے گی۔ (المغنی لابن قدامہ (9 / 497)

دو مالکوں کے درمیان ام ولد کے مشترک ہونے کا بیان

(وَإِنْ كَانَتْ أُمُّ وَلَدٍ بَيْنَهُمَا فَأَعْتَقَهَا أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا : يَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهَا) لِأَنَّ مَالِيَّةَ أُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ وَمُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا ، وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ تُبْتَنَى عِدَّةٌ مِنْ الْمَسَائِلِ أَوْرَدْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى .

وَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّهَا مُنْتَفَعٌ بِهَا وَطْئًا وَإِجَارَةً وَاسْتِخْدَامًا ، وَهَذَا هُوَ دَلَالَةُ التَّقَوُّمِ ، وَبِامْتِنَاعِ بَيْعِهَا لَا يَسْقُطُ تَقَوُّمُهَا كَمَا فِي الْمُدَبَّرِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ أُمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إذَا أَسْلَمَتْ عَلَيْهَا السِّعَايَةُ ، وَهَذَا آيَةُ التَّقَوُّمِ . غَيْرَ أَنَّ قِيمَتَهَا ثُلُثُ قِيمَتِهَا قِنَّةً عَلَى مَا قَالُوا لِفَوَاتِ مَنْفَعَةِ الْبَيْعِ وَالسِّعَايَةِ بَعْدَ الْمَوْتِ ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ لِأَنَّ الْفَائِتَ مَنْفَعَةُ الْبَيْعِ ، أَمَّا السِّعَايَةُ وَالِاسْتِخْدَامُ بَاقِيَانِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّقَوُّمَ بِالْإِحْرَازِ وَهِيَ مُحْرَزَةٌ لِلنَّسَبِ لَا لِلتَّقَوُّمِ وَالْإِحْرَازُ لِلتَّقَوُّمِ تَابِعٌ ، وَلِهَذَا لَا تَسْعَى لِغَرِيمٍ وَلَا لِوَارِثٍ بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ ، وَهَذَا لِأَنَّ السَّبَبَ فِيهَا مُتَحَقِّقٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ الْجُزْئِيَّةُ الثَّابِتَةُ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ

الْمُصَاهَرَةِ ، إلَّا أَنَّهُ لَمْ يُظْهِرْ عَمَلُهُ فِي حَقِّ الْمِلْكِ ضَرُورَةَ الِانْتِفَاعِ فَعَمِلَ السَّبَبُ فِي إسْقَاطِ التَّقَوُّمِ ، وَفِي الْمُدَبَّرِ يَنْعَقِدُ السَّبَبُ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَامْتِنَاعُ الْبَيْعِ فِيهِ لِتَحْقِيقِ مَقْصُودِهِ فَافْتَرَقَا .

وَفِي أُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ قَضَيْنَا بِتَكَاتُبِهَا عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ الْجَانِبَيْنِ ، وَبَدَلُ الْكِتَابَةِ لَا يَفْتَقِرُ وُجُوبُهُ إلَى التَّقَوُّمِ .

ترجمہ

اور جب ام ولد دو مالکوں کے درمیان مشترک تھی اور ایک نے اس کو اس حال میں آزاد کردیا کہ وہ مالدار ہے۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ ام ولد کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ام ولد کی مالیت قیمت قوی نہیں ہے۔

البتہ صاحبین کے نزدیک قوی قیمت ہے اور اسی قاعدے پر کئی مسائل مشتمل ہیں جن کو ہم نے کفایہ منتہی میں بیان کردیا ہے۔

صاحبین کے فرمان کی دلیل یہ ہے کہ وطی، اجارہ اور خدمت لینے کے طور پر اس باندی سے نفع اٹھانا ممکن ہے اور یہ اس کی قوی قیمت ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ اس کی بیع کا منع ہونا اس کی قیمت کو قوی ہونے سے ساقط کرنے والا نہیں ہے۔ جس طرح مدبر ہے۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ جب نصرانی کی ام ولد جب مسلمان ہوجائے تو اس پر سعایہ واجب ہے اور قیمت قوی ہونے کی دلیل ہے۔

البتہ اس کی قیمت صرف باندی کی تہائی قیمت ہوگی۔ جس طرح مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے۔ کیونکہ فوت ہونے کے بعد بیع اور سعایہ کا نفع ختم ہوجاتا ہے۔ جبکہ مدبر میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف بیع کا نفع فوت ہوا ہے۔ جبکہ خدمت لینا اور کمائی کروانا تو وہ دونوں موجود ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کا قوی ہونا یہ احراز کے سبب سے ہے اور ام ولد نسب کیلئے محرز ہوا کرتی ہے جبکہ تقویم کیلئے نہیں ہوتی۔ البتہ تقویم کیلئے احراز تابع ہے۔ اسی دلیل کے پیش نظر ام ولد کسی قرض خواہ یا وارث کیلئے کمائی نہیں کرتی۔ جبکہ مدبر میں ایسا نہیں ہے۔

اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ اس میں موجودہ حالت میں سبب ثابت ہے اور وہ بیٹا پیدا ہونے کے سبب جزئیت ہے۔ جس طرح حرمت مصاہرت میں بتایا گیا ہے۔ البتہ انتفاع کی ضرورت کے پیش نظر ملکیت کے حق میں اس کا عمل ظاہر نہ ہوا۔ پس یہی سبب سقوط تقویم میں مؤثر ہوگیا جبکہ مدبر میں موت کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اس کی بیع کا ممتنع ہونا اس کے مقصود کے ثابت ہونے کے سبب سے ہے کیونکہ دونوں میں فرق واضح ہوگیا ہے۔

البتہ نصرانی کی ام ولد میں ہم نے دونوں اطراف سے نقصان کو دور کرنے کیلئے مکاتب ہونے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ بدل

کتابت کا وجوب تقوم کا محتاج ہونے والا نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے پھر ایک ان میں سے (اپنا حصہ) آزاد کردے تو وہ دوسرے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا۔ (اگر مالدار ہو (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1279)

حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام (مشترک) میں سے اپنے حصے کو آزاد کردیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا اور باقی غلام کی قیمت بطور تاوان مالک کو دلوائی (کیونکہ آدھا آزاد ہو آدھا غلام) یہ ناممکن ہے لہذا اعتق تو جائز ہے البتہ آزاد کرنے والا اپنے شریک کے حصہ کی قیمت اپنے شریک کو ادا کرے گا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 543)

باب عتق احد العبدين

یہ باب اپنے غلاموں میں سے کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کے بیان میں ہے

باب کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب بھی بعض آزادی سے متعلق ہے۔اور اس سے پہلے بھی بعض آزادی سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔البتہ وہ ایک غلام کی بعض غلامی متعلق تھا اس لئے اس کو مقدم کیا ہے اور یہ باب متعدد غلاموں سے بعض کی آزادی سے متعلق ہے لہذا اس کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔لہذا پہلا جزء کے درجے ہوا تو اس کو مقدم ذکر کیا اور دوسرے کل کے درجے میں لہذا اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔(فتح القدیر، ج ۱۰،ص ۱۸۰، بیروت)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب کسی ایک غلام کی بعض آزادی کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں کئی غلاموں میں کسی ایک غلام کو آزاد کرنے سے متعلق احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔کیونکہ واحد تثنیہ سے مقدم ہوا کرتا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶،ص ۳۵۱، بیروت)

تین غلاموں میں کسی ایک کی آزادی کا بیان

(وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَعْبُدٍ دَخَلَ عَلَيْهِ اثْنَانِ فَقَالَ : أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ خَرَجَ وَاحِدٌ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ مَاتَ وَلَمْ يُبَيِّنْ عِتْقَ مَنْ الَّذِي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ وَنِصْفُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الْآخَرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ كَذَلِكَ إلَّا فِي الْعَبْدِ الْآخَرِ فَإِنَّهُ يَعْتِقُ رُبُعُهُ) أَمَّا الْخَارِجُ فَلِأَنَّ الْإِيجَابَ الْأَوَّلَ دَائِرٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ ، وَهُوَ الَّذِي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ فَأَوْجَبَ عِتْقَ رَقَبَةٍ بَيْنَهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فَيُصِيبُ كُلًّا مِنْهُمَا النِّصْفُ ، غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتَفَادَ بِالْإِيجَابِ الثَّانِي رُبُعًا آخَرَ لِأَنَّ الثَّانِيَ دَائِرٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدَّاخِلِ ، وَهُوَ الَّذِي سَمَّاهُ فِي الْكِتَابِ آخِرًا فَيَتَنَصَّفُ بَيْنَهُمَا ، غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْحُرِّيَّةِ بِالْإِيجَابِ الْأَوَّلِ فَشَاعَ النِّصْفُ الْمُسْتَحَقُّ بِالثَّانِي فِي نِصْفَيْهِ ، فَمَا أَصَابَ الْمُسْتَحَقَّ بِالْأَوَّلِ لَغَا ، وَمَا أَصَابَ الْفَارِغَ بَقِيَ فَيَكُونُ لَهُ الرُّبُعُ فَتَمَّتْ لَهُ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ وَلِأَنَّهُ لَوْ أُرِيدَ هُوَ بِالثَّانِي يَعْتِقُ نِصْفُهُ ، وَلَوْ أُرِيدَ بِهِ الدَّاخِلُ لَا يَعْتِقُ هَذَا النِّصْفُ فَيَتَنَصَّفُ فَيَعْتِقُ مِنْهُ الرُّبُعُ بِالثَّانِي

وَالنِّصْفُ بِالْأَوَّلِ ، وَأَمَّا الدَّاخِلُ فَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ : لَمَّا دَارَ الْإِيجَابُ الثَّانِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ وَقَدْ أَصَابَ الثَّابِتَ مِنْهُ الرُّبُعُ فَكَذَلِكَ يُصِيبُ الدَّاخِلَ وَهُمَا يَقُولَانِ إنَّهُ دَائِرٌ بَيْنَهُمَا ، وَقَضِيَّتُهُ التَّنْصِيفُ وَإِنَّمَا نَزَلَ إلَى الرُّبُعِ فِي حَقِّ الثَّابِتِ لِاسْتِحْقَاقِهِ النِّصْفَ بِالْإِيجَابِ الْأَوَّلِ كَمَا ذَكَرْنَا ، وَلَا اسْتِحْقَاقَ لِلدَّاخِلِ مِنْ قَبْلُ فَيَثْبُتُ فِيهِ النِّصْفُ .

قَالَ (فَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ مِنْهُ فِي الْمَرَضِ قُسِمَ الثُّلُثُ عَلَى هَذَا) وَشَرْحُ ذَلِكَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ سِهَامِ الْعِتْقِ وَهِيَ سَبْعَةٌ عَلَى قَوْلِهِمَا لِأَنَّا نَجْعَلُ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى أَرْبَعَةٍ لِحَاجَتِنَا إلَى ثَلَاثَةِ الْأَرْبَاعِ فَنَقُولُ : يَعْتِقُ مِنْ الثَّابِتِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ وَمِنْ الْآخَرَيْنِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سَهْمَانِ فَيَبْلُغُ سِهَامُ الْعِتْقِ سَبْعَةً ، وَالْعِتْقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَصِيَّةٌ وَمَحَلُّ نَفَاذِهَا الثُّلُثُ ، فَلَا بُدَّ أَنْ يُجْعَلَ سِهَامُ الْوَرَثَةِ ضِعْفَ ذَلِكَ فَيُجْعَلَ كُلُّ رَقَبَةٍ عَلَى سَبْعَةٍ وَجَمِيعُ الْمَالِ أَحَدٌ وَعِشْرُونَ فَيَعْتِقُ مِنْ الثَّابِتِ ثَلَاثَةٌ وَيَسْعَى فِي أَرْبَعَةٍ وَيَعْتِقُ مِنْ الْبَاقِيَيْنِ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا سَهْمَانِ وَيَسْعَى فِي خَمْسَةٍ ، فَإِذَا تَأَمَّلْت وَجَمَعْت اسْتَقَامَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثَانِ .

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يُجْعَلُ كُلُّ رَقَبَةٍ عَلَى سِتَّةٍ لِأَنَّهُ يَعْتِقُ مِنْ الدَّاخِلِ عِنْدَهُ سَهْمٌ فَنَقَصَتْ سِهَامُ الْعِتْقِ بِسَهْمٍ وَصَارَ جَمِيعُ الْمَالِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ ، وَبَاقِي التَّخْرِيجِ مَا مَرَّ .

ترجمہ

جس شخص کے تین غلام ہوں اور اس کے پاس دو غلام آئے اور اس نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ایک نکل گیا اور دوسرا آیا پھر مولی نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اسکے بعد مولی مر گیا اور اس نے آزاد کیے گئے کی وضاحت نہ کی۔تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے یہاں جس غلام پر قول کا عادہ کیا گیا ہے اس کے تین چوتھاہی حصے آزاد ہوں گے اور دوسرے دونوں کا نصف آزاد ہوگا امام محمد نے بھی یہی فرمایا ہے سوا ہے بعد میں آنے والے غلام کے چنانچہ اس کا چوتھاہی آزاد ہوگا۔

البتہ نکلنے والے غلام اور باقی رہنے والے غلام کے درمیان اشتراک اسی وجہ سے برابر ہے۔اور ثابت وہ غلام تو ہے جس پر قول کا اعادہ کیا گیا ہے لہذا ایجاب اول نے ان دونوں کے مابین ایک رقبہ کے عتق کو واجب کر دیا اسلئے کہ وہ دونوں برابر ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا عتق حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں ثابت غلام نے دوسرے ایجاب سے ربع اخر کے عتق کا فائدہ حاصل کر لیا اس لے کہ ایجاب ثانی اسکے اور داخل

ہونے والے غلام کے درمیان مشترک ہے لہذا عتق ثانی بھی ان کے درمیان نصف نصف ہوگا لیکن غلام موجود ایجاب اول کے ذریعے آدھے حریت کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ غلام ایجاب ثانی سے جس نصب کا مستحق ہوا وہ اسکے دونوں نصب میں پھیل گیا لہذا ایجاب اول سے جو اسے ملا وہ لغو ہو گیا اور جو غیر مستحق فارغ سے لاحق ہوا وہ باقی رہا اور ایجاب ثانی سے ربع ملا اور تین چوتھائی اسکے لئے مکمل ہو گیا۔

اور اس لئے کہ اگر ایجاب ثانی سے یہی غلام مراد لیا جائے تو اس کا نصف باقی آزاد ہو جائیگا اور اگر ایجاب ثانی سے داخل لیا جائے تو آدھا آزاد نہیں ہوگا لہذا آزادی کو آدھا آدھا کر دیا گیا اور غلام موجود کا ربع ایجاب ثانی سے آزاد ہو جائے گا اور اسکا آدھا ایجاب اول سے آزاد ہو جائیگا رہا داخل تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ایجاب ثانی غلام داخل اور غلام داخل کے درمیان مشترک ہے اور اس آزادی سے ثابت کو ربع ملا ہے تو داخل کو بھی ربع ملے گا اور شیخین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایجاب ثانی ثابت اور داخل مشترک ہے اور یہ اشتراک تنصیف کا مقتضی ہے مگر موجود کے حق میں ربع کی طرف عود کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ ایجاب اول سے نصف آزادی کا حق دار ہو گیا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا اور داخل کے لئے اس سے پہلے کوئی استحقاق ثابت نہیں ہے پس اس میں آدھا عتق ثابت ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر مولی کا یہ قول مرض موت میں ہو تو اسکا ثلث مال اسی حساب سے تقسیم کیا جائے گا اور اسکی تشریح یہ ہے کہ آزادی کے حصول کو جمع کیا جائے گا جو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر سات ہیں کیونکہ ہم ہر رقبہ کے چار حصے کریں گے اس لئے کہ ہمیں تین چوتھائی حصوں کی ضرورت ہے جبکہ ہم کہیں گے کہ غلام موجود کے تین حصے آزاد ہوں گے اور آخر کے دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو حصے آزاد ہوں اور آزادی کے سات حصے ہو جائیں گے اور مرض الموت کا اعتق وصیت ہے اور اسکا محل نفاذ تہائی مال ہے لہذا ورثاء کے سہام اس کے دو گنے قرار دینا ضروری ہے اس لئے ہر غلام کے سات حصے ہوں گے اور پورے مال کے اکیس حصے ہوں گے جبکہ غلام موجود کے تین حصے آزاد ہوں گے اور چار حصوں میں وہ کمائے گا اور باقی دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کے دو دو حصے آزاد ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک پانچ حصوں میں کمائی کرے گا پھر جب تم غور کر کے (انہیں) جمع کرو گے تو ثلث ثلثان صحیح ہوں گے اور امام محمدؒ کے یہاں ہر غلام کے چھ حصے کئے جائے گے کیوں کہ ان کے یہاں عبد داخل کا ایک ہی حصہ آزاد ہوگا لہذا اعتق کے سہام میں سے ایک حصہ کم ہو جائے گا اور پورے مال کے اٹھارہ حصے ہوں گے اور باقی تخریج گزر چکی ہے

شرح

حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ ڈال کر دو کی آزادی قائم رکھی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1151)

ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابان بن عثمان کی خلافت میں اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور سوا ان غلاموں کے اور کچھ مال اس شخص کے پاس نہ تھا تو ابان بن عثمان نے حکم کیا ان غلاموں کے تین حصے کئے گئے پھر جس حصے پر

میت کا حصہ نکلا وہ غلام آزاد ہو گئے اور جب حصوں پر وارثوں کا نام نکلا وہ غلام رہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1152)

اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس خلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا اجزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے ! البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا اجزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

سقوط حق کی مختلف صورتوں کا بیان

(وَلَوْ كَانَ هَـذَا فِي الطَّلَاقِ وَهُنَّ غَيْرُ مَدْخُولَاتٍ وَمَاتَ الزَّوْجُ قَبْلَ الْبَيَانِ سَقَطَ مِنْ مَهْرِ الْخَارِجَةِ رُبُعُهُ وَمِنْ مَهْرِ الثَّابِتَةِ ثَلَاثَةُ أَثْمَانِهِ وَمِنْ مَهْرِ الدَّاخِلَةِ ثُمُنُهُ) قِيلَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خَاصَّةً ، وَعِنْدَهُمَا يَسْقُطُ رُبُعُهُ ، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُهُمَا أَيْضًا ، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْفَرْقَ وَتَمَامَ تَفْرِيعَاتِهَا فِي الزِّيَادَاتِ .

ترجمہ

اور اگر یہ قول طلاق کے متعلق ہو اور عورتیں غیر مدخول بھا ہوں اور وضاحت کرنے سے پہلے شوہر مر جائے تو خارجہ کے مہر سے چوتھائی ساقط ہوگا اور ثابتہ کے مہر سے تہائی ثمن ساقط ہوگا اور داخلہ کے مہر سے اس کا ثمن ساقط ہوگا ایک قول یہ ہے کہ یہ امام محمدؒ ہی کا قول ہے اور حضرات شیخینؒ کے یہاں داخلہ کے مہر کا ربع ساقط ہوگا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہی حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا بھی قول ہے اور ہم (طلاق اور عتاق کے) فرق کو اور اس مسلئے کی تمام جزئیات کو زیادات میں بیان کر چکے ہیں۔

شرح

سابقہ مسائل میں صاحب ہدایہ ان مختلف صورتوں کو بیان کرآئے ہیں جن کے سبب مختلف حقوق ساقط ہوجاتے ہیں۔البتہ طلاق وعتاق کی بعض صورتوں میں فرق ہے ظاہر ہے ایک باب میں عتق رقبہ کا حکم ہے جبکہ دوسرے باب میں عتق بضع کا حکم ہے اور اسی طرح قیاسی جزئیات میں تفریق کا پایا جانا یہ کسی طرح کے متفرع احکام میں ہوتا ہے کیونکہ انواع میں اختلاف تنوع بھی اس کا سبب ہوسکتا ہے۔اوراسی طرح بعض کا بعض سے مختلف ہونا بھی پایا جاتا ہے۔

دوغلاموں میں سے ایک کی آزادی کا اعلان کرنا

(وَمَنْ قَالَ لِعَبْدَيْهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ فَبَاعَ أَحَدَهُمَا أَوْ مَاتَ أَوْ قَالَ لَهُ أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَتَقَ الْآخَرُ) لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْعِتْقِ أَصْلًا بِالْمَوْتِ وَلِلْعِتْقِ مِنْ جِهَتِهِ بِالْبَيْعِ وَلِلْعِتْقِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ بِالتَّدْبِيرِ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ ، وَلِأَنَّهُ بِالْبَيْعِ قَصَدَ الْوُصُولَ إلَى الثَّمَنِ وَبِالتَّدْبِيرِ إبْقَاءَ الِانْتِفَاعِ إلَى مَوْتِهِ ، وَالْمَقْصُودَانِ يُنَافِيَانِ الْعِتْقَ الْمُلْتَزَمَ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ دَلَالَةً وَكَذَا إذَا اسْتَوْلَدَ إحْدَاهُمَا لِلْمَعْنَيَيْنِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْبَيْعِ الصَّحِيحِ وَالْفَاسِدِ مَعَ الْقَبْضِ وَبِدُونِهِ وَالْمُطْلَقِ وَبِشَرْطِ الْخِيَارِ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ لِإِطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ وَالْمَعْنَى مَا قُلْنَا ، وَالْعَرْضُ عَلَى الْبَيْعِ مُلْحَقٌ بِهِ فِي الْمَحْفُوظِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، وَالْهِبَةُ وَالتَّسْلِيمُ وَالصَّدَقَةُ وَالتَّسْلِيمُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ ؛ .

ترجمہ

جس شخص نے اپنے دوغلاموں سے کہاتم میں سے ایک آزاد ہے پھران میں سے ایک کوفروخت کردیایاایک غلام مرگیایاایک سے مولی نے کہاتم میرے مرنے کے بعدآزادہوتو دوسرا غلام آزاد ہوگا کیوں کہ مراہواغلام موت کی وجہ سے محل آزادی نہ رہا لہذادوسراغلام (آزادی کے لیے) متعین ہوگیااوراس لیے کہ آقانے بیع سے ثمن وصول کرنے کاارادہ کیاہےاورتدبیر سے اپنی موت تک نفع اٹھانے کاارادہ کیاہےاوریہ دونوں مقصود عتق ملتزم کے منافی ہیں لہٰذادوسراغلام آزادی کے لیے دلالت متعین ہوگیا اورایسے ہی جب (دوباندیوں میں سے) ایک کوآقانے ام ولد بنالیاہوانہیں دونوں معنوں کی وجہ سے اور بیع صحیح اور بیع فاسد مع القبض اوربدون القبض میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح بیع مطلق اوراحدالمتعاقدین کے لیے بیع بشرط الخیار میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ جامع صغیر کاحکم مطلق ہےاورمطلب وہی ہے جوہم بیان کرچکے ہیں اور امام ابو یوسفؒ سے مروی محفوظ میں بیع کے لیے پیش کرنابھی بیع کے ساتھ لاحق ہےاورھبہ مع التسلیم اورصدقہ مع التسلیم بیع کے درجے میں ہے کیوں کہ ان میں سے ہرایک

تملیک ہے۔

شرح

حضرت ابن عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جوشخص اپنے مشترک غلام میں سے اپنے حصہ کوآزادکردے اوراس کے پاس اپنامال ہوجوغلام کی قیمت کوپہنچ جائے تواس غلام کی اندازے کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اورباقی شرکاءکوان کے حصوں کی قیمت اداکی جائے گی اوراس کی طرف وہ غلام آزادہوجائے گاورنہ جتنااس نے اپنے حصہ کاغلام آزادکیااتناہی ہوگایعنی پوراآزادنہ ہوگا۔(صحیح مسلم: جلددوم: حدیث نمبر 1277)

دوبیویوں میں سے کسی ایک کوطلاق دینے کابیان

وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ لِامْرَأَتَيْهِ إحْدَاكُمَا طَالِقٌ ثُمَّ مَاتَتْ إحْدَاهُمَا لِمَا قُلْنَا ، وَكَذَلِكَ لَوْ وَطِئَ إحْدَاهُمَا لِمَا نُبَيِّنُ (وَلَوْ قَالَ لِأَمَتَيْهِ إحْدَاكُمَا حُرَّةٌ ثُمَّ جَامَعَ إحْدَاهُمَا) لَمْ تَعْتِقْ الْأُخْرَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا تَعْتِقُ لِأَنَّ الْوَطْءَ لَا يَحِلُّ إلَّا فِي الْمِلْكِ وَإِحْدَاهُمَا حُرَّةٌ فَكَانَ بِالْوَطْءِ مُسْتَبْقِيًا الْمِلْكَ فِي الْمَوْطُوءَةِ فَتَعَيَّنَتْ الْأُخْرَى لِزَوَالِهِ بِالْعِتْقِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَلَهُ أَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْمَوْطُوءَةِ لِأَنَّ الْإِيقَاعَ فِي الْمُنَكَّرَةِ وَهِيَ مُعَيَّنَةٌ فَكَانَ وَطْؤُهَا حَلَالًا فَلَا يُجْعَلُ بَيَانًا وَلِهَذَا حَلَّ وَطْؤُهُمَا عَلَى مَذْهَبِهِ إلَّا أَنَّهُ لَا يُفْتِي بِهِ ، ثُمَّ يُقَالُ الْعِتْقُ غَيْرُ نَازِلٍ قَبْلَ الْبَيَانِ لِتَعَلُّقِهِ بِهِ أَوْ يُقَالُ نَازِلٌ فِي الْمُنَكَّرَةِ فَيَظْهَرُ فِي حَقِّ حُكْمٍ تَقَبَّلِهِ وَالْوَطْءُ يُصَادِفُ الْمُعَيَّنَةَ ، بِخِلَافِ الطَّلَاقِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْأَصْلِيَّ مِنْ النِّكَاحِ الْوَلَدُ ، وَقَصْدُ الْوَلَدِ بِالْوَطْءِ يَدُلُّ عَلَى اسْتِبْقَاءِ الْمِلْكِ فِي الْمَوْطُوءَةِ صِيَانَةً لِلْوَلَدِ ، أَمَّا الْأَمَةُ فَالْمَقْصُودُ مِنْ وَطْئِهَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ فَلَا يَدُلُّ عَلَى الِاسْتِبْقَاءِ

ترجمہ

ایسے ہی اگرکسی نے اپنی دوبیویوں سے کہاتم میں سے ایک کوطلاق ہے پھران میں سے ایک مرگئی اس دلیل کی وجہ سے جوہم بیان کرچکے ہیں ایسے ہی اگرشوہرنے ان میں سے ایک سے وطی کرلی اس دلیل کی وجہ سے جوہم بیان کرچکے ہیں۔اوراگرکسی نے اپنی دوباندیوں سے کہاتم میں سے ایک آزادہے پھران میں سے ایک سے ہم بستری کرلی توامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری باندی آزادنہ ہوگی حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دوسری باندی آزادہوجائے گی۔کیونکہ وطی صرف ملکیت میں حلال ہے لہٰذاوطی کرکے

آقا موطوءہ میں ملکیت باقی رکھنا چاہتا ہے اس لے دوسری آزادی کے لیے متعین ہو جائے گی کیوں کہ آزادی سے ملکیت ختم ہو گی جیسے طلاق میں ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موطوءَ میں ملکیت موجود ہے کیوں کہ ایقاع حریت غیر معین باندی میں ہے اور موطوءَ باندی معینہ ہے لہٰذا اسکی وطی حلال ہو گی اور اسے بیان نہیں قرار دیا جا سکتا اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ان دونوں سے وطی حلال ہے تاہم اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ وضاحت سے پہلے آزادی واقع نہیں ہو گی اس لیے کہ آزادی وضاحت سے متعلق ہے یا یوں کہا جائے گا کہ غیر معین باندی میں آزادی واقع ہو گی اور اس حکم کے حق میں ظاہر ہو گا جسے وہ غیر معین باندی قبول کرے گی حالانکہ وطی معینہ باندی سے واقع ہوئی ہے برخلاف طلاق کے کیوں کہ نکاح کا مقصد اصلی سے اولاد کا ارادہ کرنا حفاظت ولد کے حوالے سے موطوءَ میں ملکیت باقی رکھنے کے مقصد ہر دلیل ہے رہی باندی تو اس سے وطی کر کے شہوت پوری کرنا مقصود ہے نہ کہ ولد لہٰذا یہ استبقاء ملکیت پر دلیل نہیں ہو گا۔

شرح

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارثہ سے تھا، آپ کا شمار مدینہ منورہ کے دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا، دور نبوت میں آپ نے چند افراد کے ساتھ مکہ جا کر اسلام قبول کیا تھا، وہ دورِ جہالت میں بھی نوشت وخواند سے واقف تھے، حضور اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو انھیں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا بھائی بنایا گیا جنھوں نے انھیں اپنے مکان لے جا کر میزبانی کی اور فرمایا کہ میں اپنے مکان، مال اور باغ میں سے ہر ایک کا آدھا حصہ آپ کی نذر کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیدوں گا تا کہ آپ ان سے نکاح کر سکیں، یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت سعدؓ بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ذریعہ معاش کے طور پر تجارت شروع کر دی۔

امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہمیں خبر دی ابن شہابؓ نے کہ رافع بن خدیج نے رافع بن سلمہ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس رہیں۔ ان کی موجودگی میں ایک جوان عورت سے نکاح کر لیا۔ اور اس کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ پہلی بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا تو ایک طلاق دیدی اور انہیں روکے رکھا۔ جب عدت گزرنے لگی تو ان سے رجوع کر لیا۔ پھر جوان عورت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے تو انہوں نے پھر طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ پھر ایک طلاق دیدی اور انہیں روکے رکھا۔ جب عدت گزرنے لگی تو ان سے رجوع کر لیا اور لوٹا لیا۔ پھر نوجوان عورت کی طرف مائل ہو گئے تو انہوں نے پھر طلاق مانگی۔ آپ نے کہا تم کیا چاہتی ہو۔ اب ایک طلاق باقی رہ گئی ہے۔ اگر چاہتی ہو تو اسی طرح رہو۔ اگر چاہو تو میں تمہیں طلاق دے دوں۔ پہلی بیوی نے کہا میں اس کی طرف مائل ہونے کے باوجود اسی طرح برقرار رہنا منظور کرتی ہوں۔ تو رافع نے انہیں روکے رکھا اور رافع نے اس بارے میں کوئی گناہ تصور نہیں کیا جبکہ وہ ترجیح پر راضی ہو گئیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جب عورت کو علم ہو کہ اسے کنارہ کش ہو جانے کا اختیار ہے اور وہ راضی ہو جائے۔ اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (مؤطا امام محمد، حدیث نمبر ۵۸۳)

باندی کی آزادی کو بچہ جننے سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِأَمَتِهِ إنْ كَانَ أَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِينَهُ غُلَامًا فَأَنْتِ حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَدْرِي أَيُّهُمَا وُلِدَ أَوَّلًا عَتَقَ نِصْفُ الْأُمِّ وَنِصْفُ الْجَارِيَةِ وَالْغُلَامُ عَبْدٌ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَعْتِقُ فِي حَالٍ وَهُوَ مَا إذَا وَلَدَتْ الْغُلَامَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الْأُمُّ بِشَرْطٍ وَالْجَارِيَةُ لِكَوْنِهَا تَبَعًا لَهَا ، إذْ الْأُمُّ حُرَّةٌ حِينَ وَلَدَتْهَا ، وَتَرِقُّ فِي حَالٍ وَهُوَ مَا إذَا وَلَدَتْ الْجَارِيَةَ أَوَّلًا لِعَدَمِ الشَّرْطِ فَيَعْتِقُ نِصْفُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَتَسْعَى فِي النِّصْفِ ، أَمَّا الْغُلَامُ يَرِقُّ فِي الْحَالَيْنِ فَلِهَذَا يَكُونُ عَبْدًا ، وَإِنْ ادَّعَتْ الْأُمُّ أَنَّ الْغُلَامَ هُوَ الْمَوْلُودُ أَوَّلًا وَأَنْكَرَ الْمَوْلَى وَالْجَارِيَةُ صَغِيرَةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ لِإِنْكَارِهِ شَرْطَ الْعِتْقِ ، فَإِذَا حَلَفَ يَعْتِقُ وَاحِدٌ مِنْهُمْ ، وَإِنْ نَكَلَ عَتَقَتْ الْأُمُّ وَالْجَارِيَةُ ؛ لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ حُرِّيَّةَ الصَّغِيرَةِ مُعْتَبَرَةٌ لِكَوْنِهَا نَفْعًا مَحْضًا فَاعْتُبِرَ النُّكُولُ فِي حَقِّ حُرِّيَّتِهِمَا فَعَتَقَتَا ، وَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ كَبِيرَةً وَلَمْ تَدَّعِ شَيْئًا وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا عَتَقَتْ الْأُمُّ بِنُكُولِ الْمَوْلَى خَاصَّةً دُونَ الْجَارِيَةِ ؛ لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ الْكَبِيرَةِ ، وَصِحَّةُ النُّكُولِ تُبْتَنَى عَلَى الدَّعْوَى فَلَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ وَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ الْكَبِيرَةُ هِيَ الْمُدَّعِيَةُ لِسَبْقِ وِلَادَةِ الْغُلَامِ وَالْأُمُّ سَاكِتَةٌ يَثْبُتُ عِتْقُ الْجَارِيَةِ بِنُكُولِ الْمَوْلَى دُونَ الْأُمِّ لِمَا قُلْنَا ، وَالتَّحْلِيفُ عَلَى الْعِلْمِ فِيمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ اسْتِحْلَافٌ عَلَى فِعْلِ الْغَيْرِ ، وَبِهَذَا الْقَدْرِ يُعْرَفُ مَا ذَكَرْنَا مِنْ الْوَجْهِ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى .

ترجمہ

جس نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر پہلا بچہ لڑکا پیدا ہوا تو تو آزاد ہے پھر اس نے لڑکا اور لڑکی دونوں جنے اور یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ پہلے کون پیدا ہوا تو آزاد ہو جائے گی نصف ماں اور نصف لڑکی، اور لڑکا غلام رہے گا، اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک ایک حالت میں آزاد ہوتی ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ جب پہلے اس نے لڑکا جنا ہو، ماں شرط کی وجہ سے آزاد ہو گی اور لڑکی ماں کے تابع ہونے کی وجہ سے آزاد ہو گی، کیوں کہ بوقت ولادت جاریہ ماں آزاد ہو چکی ہے۔ اور ایک حالت میں ماں اور لڑکی میں سے ہر ایک رقیق رہے گی اور وہ حالت یہ ہے کہ جب ماں نے لڑکی جنی ہو، کیوں کہ شرط معدوم ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا آدھا

آزاد ہوگا اور آدھے کیلئے کمائی کریں گے رہا لڑکا تو وہ دونوں حالتوں میں رقیق رہے گا اسی لئے وہ غلام کہلائے گا۔

اور اگر ماں نے یہ دعوی کیا کہ لڑکا ہی پہلے پیدا ہوا ہے اور مولی نے انکار کر دیا اور لڑکی ابھی چھوٹی ہے تو یمین کے ساتھ مولی کی بات کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ وہ شرط آزادی کا انکار کرنے والا ہے پھر اگر مولی نے قسم کھالی تو ان میں سے کوئی آزاد نہ ہوگا اور اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو ماں اور لڑکی آزاد ہو جائیں گی، اس لئے کہ صغیرہ کی حریت کے حوالے سے ماں کا دعوی معتبر ہے کیوں کہ یہ صرف نفع ہے، لہذا ان دونوں کی حریت کے حق میں انکار کا اعتبار کر لیا جائے گا اور ماں اور لڑکی دونوں آزاد ہو جائیں گی۔ اور اگر لڑکی بالغہ ہو اور اس نے (حریت کا) دعوی نہ کیا ہو اور باقی مسئلہ اسی طرح ہو تو مولی کے انکار سے صرف ماں آزاد ہوگی اور لڑکی آزاد نہیں ہوگی، کیوں کہ بالغہ لڑکی کے حق میں ماں کا دعوی معتبر نہیں ہے اور انکار کی صحت دعوی پر ہی مبنی ہے لہذا لڑکی کے حق میں یہ انکار مؤثر نہیں ہوگا۔ اور اگر بالغہ لڑکی ہی لڑکے کی سبقت ولادت کا دعوی کرنے والی ہو اور ماں خاموش ہو تو مولی کے انکار قسم سے ہی لڑکی آزاد ہو جائے گی، لیکن ماں آزاد نہیں ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ اور ہماری بیان کردہ تمام صورتوں علم پر قسم لی جائے گی کیوں کہ یہ دوسرے کے فعل پر قسم لینا ہے اور اس مقدار بیان سے وہ صورتیں بھی واضح ہو جاتی ہیں جنہیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کیا ہے۔

تفویت شرط تفویت مشروط کو مستلزم کا قاعدہ فقہیہ

اذا فات الشرط فات المشروط ۔(الاشباه)

جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ (النساء)

آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کی ادائیگی کیلئے وقت شرط ہے۔ اور اسی طرح وضو شرط ہے

شرط کی اقسام:

شرط کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ شرط جائز ۲۔ شرط فاسد ۳۔ شرط لغو

۱۔ شرط جائز کی تعریف:

ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضہ کرتی ہو اور وہ اسی عقد کے مناسب بھی ہو یا وہ شرط معاشرے میں جاری ہو یا اس کے جواز پر حکم شرعی موجود ہو، اسے شرط جائز کہتے ہیں۔ اس کی مثال خیار شرط کے مسائل سے ملتی ہے۔ اور اس کے جواز کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو کسی سے بیع کرے تو یہ کہہ کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی فتنہ نہیں اور میرے لئے تین دن تک اختیار ہے۔

۲۔ شرط فاسد کی تعریف:

ہر وہ شرط جس کا تقاضہ نہ عقد کرتا ہو اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو۔

۳۔ شرط لغو کی تعریف:

ہر وہ شرط جو شرط جائز اور شرط فاسد کے سوا ہو وہ شرط لغو کہلاتی ہے۔

انتباہ:

خیار شرط کا اختیار ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کے لئے خیار تھا اور وہ مر گیا تو خیار باطل ہوگا۔ (قدوری)

دو گواہوں کی شہادت پر آزادی کا بیان

قَالَ (وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إلَّا أَنْ يَكُونَ فِي وَصِيَّةٍ) اسْتِحْسَانًا ذَكَرَهُ فِي كِتَابِ الْعَتَاقِ (وَإِنْ شَهِدَ أَنَّهُ طَلَّقَ إحْدَى نِسَائِهِ جَازَتْ الشَّهَادَةُ وَيُجْبَرُ الزَّوْجُ عَلَى أَنْ يُطَلِّقَ إحْدَاهُنَّ) وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : الشَّهَادَةُ فِي الْعِتْقِ مِثْلُ ذَلِكَ) وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَى عِتْقِ الْعَبْدِ لَا تُقْبَلُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعِنْدَهُمَا تُقْبَلُ ، وَالشَّهَادَةُ عَلَى عِتْقِ الْأَمَةِ وَطَلَاقِ الْمَنْكُوحَةِ مَقْبُولَةٌ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى بِالِاتِّفَاقِ وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ .وَإِذَا كَانَ دَعْوَى الْعَبْدِ شَرْطًا عِنْدَهُ لَمْ تَتَحَقَّقْ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ ؛ لِأَنَّ الدَّعْوَى مِنْ الْمَجْهُولِ لَا تَتَحَقَّقُ فَلَا تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَعِنْدَهُمَا لَيْسَ بِشَرْطٍ فَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَإِنْ انْعَدَمَ الدَّعْوَى .أَمَّا فِي الطَّلَاقِ فَعَدَمُ الدَّعْوَى لَا يُوجِبُ خَلَلًا فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهَا .

وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ إحْدَى أَمَتَيْهِ لَا تُقْبَلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ الدَّعْوَى شَرْطًا فِيهَا لِأَنَّهُ إنَّمَا لَا تُشْتَرَطُ الدَّعْوَى لِمَا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ فَشَابَهُ الطَّلَاقَ ، وَالْعِتْقُ الْمُبْهَمُ لَا يُوجِبُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ عِنْدَهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَصَارَ كَالشَّهَادَةِ عَلَى عِتْقِ أَحَدِ الْعَبْدَيْنِ .وَهَذَا كُلُّهُ إذَا شَهِدَا فِي صِحَّتِهِ عَلَى أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اگر دولوگوں نے کسی شخص کے بارے میں یہ شہادت دی کہ اس نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کردیا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک گواہی باطل ہے، مگر یہ کہ وصیت میں ہو۔ اور امام محمدؒ نے استحساناً اسے عتاق میں بیان کیا ہے اور اگر دولوگوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیدی ہے تو گواہی جائز ہوگی اور شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دے اور یہ بالاتفاق ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عتق کی شہادت بھی شہادت طلاق کی طرح ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عتق عبد کی شہادت دعوائے عبد کے بغیر مقبول نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مقبول ہے اور باندھی کے عتق اور منکوحہ کے طلاق کی شہادت کے بغیر دعوی کے بھی بالاتفاق مقبول ہے اور یہ مسئلہ مشہور ہے اور جب امام صاحبؒ کے نزدیک غلام کا دعوی کرنا شرط ہے تو جامع صغیر کے مسئلہ میں دعوی متحقق نہیں ہوگا کیوں کہ مجہول کی طرف سے دعوی متحقق نہیں ہوتا لہذا گواہی بھی مقبول نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک (دعوائے عبد) شرط نہیں ہے تو شہادت مقبول ہوگی اگر چہ دعوی معدوم ہو، لیکن طلاق میں دعوی معدوم ہونے سے شہادت میں خلل نہیں ہوتا اسلئے کہ اس میں دعوی شرط نہیں ہے۔

اور اگر دو آدمیوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں نے اپنی دو باندیوں میں سے ایک باندی آزاد کی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شہادت بھی مقبول نہ ہوگی اگر چہ اس میں دعوی شرط نہیں ہے، اس لیے کہ دعوی صرف اس وجہ سے شرط نہیں ہے کہ عتق شرم گاہ کی حرمت کو متضمن ہے لہذا یہ طلاق کے مشابہ ہوگیا۔ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں عتق مبہم تحریم فرج کا موجب نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہذا یہ شہادت احد العبدین کو آزاد کرنے کی شہادت کی طرح ہوگی اور یہ تمام اس صورت میں ہے جب دونوں گواہوں نے یہ شہادت دی ہو کہ فلاں نے اپنی صحت کے زمانے میں اپنے دو غلاموں کو میں سے ایک کو آزاد کیا ہے۔

شہادت آزادی کو شہادت طلاق پر قیاس کرنے کا بیان

مذکورہ مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مابین اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا سبب یہی ہے کہ صاحبین نے آزادی کی شہادت کو طلاق کی شہادت پر قیاس کیا ہے لہذا ان کے نزدیک شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور شہادت کے پیش نظر غلام یا باندی آزاد ہو جائیں گے۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شہادت تب تسلیم کی جائے جب غلام اس کا دعوی کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔

غلام و باندی کی شہادت میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (

کیوں کہ اس میں مالک کی طرف داری کا احتمال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب شہادات، رقم ۲۶۵۹)

مطلب یہ ہے کہ تم سب اللہ کے لونڈی غلام ہو اور اللہ ہی کے لونڈی غلاموں کی اولاد ہو، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل اور ثقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل ثقہ ہوں ثابت فرما رہے ہیں۔ ترجمۃ الباب میں نقل کردہ آثار سے آپ کا مدعا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

مرض موت میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان

أَمَّا إِذَا شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ أَوْ شَهِدَا عَلَى تَدْبِيرِهِ فِي صِحَّتِهِ أَوْ فِي مَرَضِهِ وَأَدَاءُ الشَّهَادَةِ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ أَوْ بَعْدَ الْوَفَاةِ تُقْبَلُ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّ التَّدْبِيرَ حَيْثُمَا وَقَعَ وَقَعَ وَصِيَّةً ، وَكَذَا الْعِتْقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَصِيَّةٌ ، وَالْخَصْمُ فِي الْوَصِيَّةِ إنَّمَا هُوَ الْمُوصِي وَهُوَ مَعْلُومٌ .وَعَنْهُ خَلَفٌ وَهُوَ الْوَصِيُّ أَوْ الْوَارِثُ ، وَلِأَنَّ الْعِتْقَ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ يَشِيعُ بِالْمَوْتِ فِيهِمَا فَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خَصْمًا مُتَعَيِّنًا وَلَوْ شَهِدَا بَعْدَ مَوْتِهِ أَنَّهُ قَالَ فِي صِحَّتِهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ فَقَدْ قِيلَ :لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ .وَقِيلَ تُقْبَلُ لِلشُّيُوعِ هُوَ الصَّحِيحُ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ

اور اگر دونوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اپنے مرض الموت میں اپنا ایک غلام آزاد کیا ہے یا یہ شہادت دی کہ اس نے اپنی صحت یا اپنے مرض میں ایک غلام کو مدبر بنایا ہے اور اس شہادت کی ادائیگی فلاں کے مرض الموت میں یا اس کی وفات کے بعد ہو تو استحساناً یہ شہادت مقبول ہوگی کیوں کہ تدبیر جب بھی واقع ہوتی ہے وصیت ہی واقع ہوتی ہے نیز مرض الموت میں آزادی بھی وصیت ہے اور وصیت کے سلسلے میں موصی خصم ہے اور وہ معلوم ہے اور اس کا خلیفہ بھی ہے وصی یا وارث اور اس لیے کہ مرض الموت کا عتق آقا کی موت سے دونوں غلاموں میں پھیل جاتا ہے لہذا ان میں سے ہر ایک غلام خصم متعین ہوگیا اور آقا کی موت کے بعد دو لوگوں نے یہ گواہی دی کہ آقا نے اپنی صحت کے دوران کہا تھا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے تو ایک قول یہ ہے کہ یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی کیوں کہ یہ وصیت نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شہادت مقبول ہوگی کیوں عتق دونوں غلاموں میں پھیل چکا ہے۔

شرح

حضرت عمران ابن حصین راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس شخص کے پاس ان

غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا (پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بلایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا، اس طرح ان سے دو کو تو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا اور آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہار ناراضگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔ "اور نسائی کی روایت میں جو حضرت عمران ہی سے منقول ہے، ان الفاظ "سخت الفاظ فرمائے " کی بجائے یہ الفاظ ہیں " کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں "اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ "آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (شخص کے حق میں بطور تنبیہ وتہدید) یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پر پہنچتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 576)

دو کو تو آزاد کر دیا الخ " کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں کی صرف تہائی تعداد میں ہوگا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح وصیت، صدقہ، ھبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زین العرب نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلام زنگی ہوا کرتے تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ اور امام نووی نے حضرت امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں (مساوی سلوک کے پیش نظر) ہر غلام کا تہائی حصہ تو آزاد متصور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت لی جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر اس لئے اظہار ناراضگی فرمایا کہ اس نے چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کر کے اپنے ورثاء کو بالکل محروم کر دیا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سخت مکروہ عمل تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ورثاء پر اس طرح شفقت وکرم کیا کہ اس شخص کی طرف سے دی گئی آزادی کو دو غلاموں کے حق میں جاری کیا اور باقی چار کو ان کو ورثاء کا حق قرار دے دیا۔ حدیث کے اس جزو سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو اس کے کسی نامشروع اور ظالمانہ عمل پر برا کہہ سکتے ہیں اور یہ اس ارشاد گرامی حدیث (اذکروا اموا تکم بالخیر) (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو) کے منافی نہیں ہے۔

باب الحلف بالعتق

﴿یہ باب حلف بہ عتق کے بیان کے میں ہے﴾

باب حلف بہ عتق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حلف سے معلق کردہ آزادی کو موخر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ آزادی شرط کے ساتھ معلق ہے۔ کیونکہ جب شرط پائی جائے گی تب ہی جزاء پائی جائے گی۔ لہذا اس کا سبب مؤخر ہونے کی وجہ سے اس کو موخر ذکر کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص، بیروت)

آزادی کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ إذَا دَخَلْت الدَّارَ فَكُلُّ مَمْلُوكٍ لِي يَوْمَئِذٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَيْسَ لَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى مَمْلُوكًا ثُمَّ دَخَلَ عَتَقَ) لِأَنَّ قَوْلَهُ يَوْمَئِذٍ تَقْدِيرُهُ يَوْمَ إذْ دَخَلْت ، إلَّا أَنَّهُ أَسْقَطَ الْفِعْلَ وَعَوَّضَهُ بِالتَّنْوِينِ فَكَانَ الْمُعْتَبَرُ قِيَامَ الْمِلْكِ وَقْتَ الدُّخُولِ وَكَذَا لَوْ كَانَ فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلَفَ عَبْدٌ فَبَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ حَتَّى دَخَلَ عَتَقَ لِمَا قُلْنَا .

قَالَ (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَالَ فِي يَمِينِهِ يَوْمَئِذٍ لَمْ يَعْتِقْ) لِأَنَّ قَوْلَهُ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي لِلْحَالِ وَالْجَزَاءُ حُرِّيَّةُ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ ، إلَّا أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الشَّرْطُ عَلَى الْجَزَاءِ تَأَخَّرَ إلَى وُجُودِهِ فَيَعْتِقُ إذَا بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ إلَى وَقْتِ الدُّخُولِ وَلَا يَتَنَاوَلُ مَنْ اشْتَرَاهُ بَعْدَ الْيَمِينِ .

ترجمہ

جس شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہو تو اس دن میرا ہر غلام آزاد ہے اور اس کا کوئی غلام نہیں ہے پھر اس نے ایک غلام خریدا اور گھر میں داخل ہوا تو وہ غلام آزاد ہوگا کیوں کہ حالف کے قول یومئذ کی تقدیر یوم اذ دخلت ہے لیکن اسے فعل کو ساقط کر کے اس کے عوض تنوین کر دیا لہذا بوقت دخول ملکیت کا قیام معتبر ہوگا ایسے ہی اگر قسم کھانے کے دن اس کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور اس کے گھر میں داخل ہونے تک ہو غلام اس کی ملکیت پر برقرار رہے تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر حالف نے اپنی قسم میں یومئذ نہ کہا ہو تو (بعد میں خریدا ہوا غلام) آزاد نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا قول مملوک لیی فی الحال کے لیے اور اس قول کی جزاء یہ ہے کہ جو فی الحال اس کا غلام ہے وہی آزاد ہو لیکن جب شرط جزا پر داخل ہوئی تو جزا وجود شرط کے وقت تک مؤخر ہو گئی لہذا بوقت دخول جو غلام اس کی ملکیت میں رہے گا وہی آزاد گا اور جو حالف نے قسم کے بعد خریدا ہے اسے جزا

شامل نہیں ہوگی۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان

حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ (ابتداءً) میں حضرت ام سلمہ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہو گے "میں نے عرض کیا (کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو میرے لئے سعادت وخوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتیں تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا "چنانچہ حضرت ام سلمہ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 583)

حضرت سفینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت ام سلمہ کے غلام تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت ام سلمہ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہران یا رومان اور یا رباح تھا انکی کنیت ابوعبدالرحمن یا ابوالبختری تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کیا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

"سفینہ " کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بار برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب "سفینہ "ہوگیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے بچھڑ گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آ گیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالحارث ! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہے! یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو لیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

مذکر غلام کو آزاد کرنے کی شرط کا بیان

وَمَنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي ذَكَرٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَهُ جَارِيَةٌ حَامِلٌ فَوَلَدَتْ ذَكَرًا لَمْ يَعْتِقْ) وَهَذَا إذَا وَلَدَتْ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا ظَاهِرٌ ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْحَالِ ، وَفِي قِيَامِ الْحَمْلِ وَقْتَ الْيَمِينِ احْتِمَالٌ لِوُجُودِ أَقَلِّ مُدَّةِ الْحَمْلِ بَعْدَهُ ، وَكَذَا إذَا وَلَدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ؛ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْمَمْلُوكَ الْمُطْلَقَ ، وَالْجَنِينُ مَمْلُوكٌ تَبَعًا لِلْأُمِّ لَا مَقْصُودًا ، وَلِأَنَّهُ عُضْوٌ مِنْ وَجْهٍ وَاسْمُ الْمَمْلُوكِ يَتَنَاوَلُ الْأَنْفُسَ دُونَ الْأَعْضَاءِ وَلِهَذَا لَا

يَمْلِكُ بَيْعَهُ مُنْفَرِدًا .

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ : وَفَائِدَةُ التَّقْيِيدِ بِوَصْفِ الذُّكُورَةِ أَنَّهُ لَوْ قَالَ : كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي تَدْخُلُ الْحَامِلُ فَيَدْخُلُ الْحَمْلُ تَبَعًا لَهَا .

ترجمہ

جس شخص نے کہا کہ میرے مذکر غلام آزاد ہے اور اس کی ایک حاملہ باندی ہے جس نے لڑکا جنا تو وہ لڑکا آزاد نہیں ہوگا یہ حکم اس صورت میں جب (کہنے کے وقت سے) چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں باندی نے لڑکا جنا ہو تو ظاہر ہے کیوں کہ لفظ فی الحال کے لیے ہے اور بوقت قسم قیام حمل میں شک ہے کیوں کہ اسکے بعد حمل کی اقل مدت موجود ہے اور ایسے ہی جب چھ ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنا ہو کیوں کہ لفظ مطلق مملوک کو شامل ہے اور جنین ماں کے تابع ہو کر مملوک ہے اور بہ ذات خود مملوک نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ جنین من وجہ عضو نہیں ہے اور لفظ مملوک نفوس کو شامل ہوتا ہے نہ کہ اعضاء کو اسی لیے آقا صرف حمل کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ (غلام کو) وصف ذکورت کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر حالف کل مملوک لی کہتا تو اس میں حاملہ باندی داخل ہوجاتی اور حاملہ باندی کے تابع ہو کر حمل بھی داخل ہو جاتا۔

مشروط قسم میں عدم قید کی بناء پر حکم کی معدومیت کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب مالک نے قسم مذکر غلام کی اٹھائی جبکہ حاملہ باندی کا حمل اس قسم کے احاطے میں شمار نہ ہوگا اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے۔ کہ قسم میں مذکورہ قید ذکوریت ایک نفس یعنی جان جو وصف مذکر کے ساتھ خاص ہو مراد ہے جبکہ حاملہ کے حمل پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ جنین ماں کے تابع ہونے کے سبب حکم حریت سے خارج ہوگیا۔ (رضوی عفی عنہ)

مالک کا مملوک کی ملکیت کے ساتھ آزادی مقید کرنے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ ، أَوْ قَالَ : كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ وَلَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى آخَرَ ثُمَّ جَاءَ بَعْدُ غَدٍ عَتَقَ الَّذِي فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلَفَ) لِأَنَّ قَوْلَهُ أَمْلِكُهُ لِلْحَالِ حَقِيقَةً يُقَالُ : أَنَا أَمْلِكُ كَذَا وَكَذَا وَيُرَادُ بِهِ الْحَالُ ، وَكَذَا يُسْتَعْمَلُ لَهُ مِنْ غَيْرِ قَرِينَةٍ وَالِاسْتِقْبَالُ بِقَرِينَةِ السِّينِ أَوْ سَوْفَ فَيَكُونُ مُطْلَقُهُ لِلْحَالِ فَكَانَ الْجَزَاءُ حُرِّيَّةَ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ مُضَافًا إلَى مَا بَعْدَ الْغَدِ فَلَا يَتَنَاوَلُ مَا يَشْتَرِيهِ بَعْدَ الْيَمِينِ .

ترجمہ

اور اگر حالف نے کہا ہر وہ مملوک جس کا میں مالک ہوں وہ کل کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا میرا ہر مملوک کل کے بعد آزاد ہے اور اس کا ایک مملوک ہے پھر اس نے دوسرا خریدا اور غد کے بعد والا دن آیا تو وہی غلام آزاد ہوگا جو قسم کھانے کے دن اس کی ملکیت میں ہوگا، کیوں کہ حالف کا قول املکہ درحقیقت فی الحال موجود مملوک کی لئے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میں اتنے اور اتنے کا مالک ہوں اور اس فی الحال جو مملوکہ چیزیں ہوتی ہیں وہی مراد ہوتی ہیں اور املک بغیر قرینہ کے حال کیلئے مستعمل ہے اور سین یا سوف کے قرینہ سے استقبال کیلئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے مطلق ملک حال کیلئے ہوگا لہذا جزاء جو فی الحال مملوک ہے اسکی آزادی ہوگی جو مابعد الغد کی طرف مضاف ہوگی اور حالف نے جسے یمین کے بعد خریدا ہے اسے جزاء شامل نہیں ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب آقا نے آزادی کو کسی شرط پر معلق کیا مثلاً اگر تو فلاں کام کرے تو آزاد ہے اور وہ شرط پائی گئی تو غلام آزاد ہے جبکہ شرط پائی جانے کے وقت اوسکی ملک میں ہو اور اگر ایسی شرط پر معلق کیا جو فی الحال موجود ہے مثلاً اگر میں تیرا مالک ہو جاؤں تو آزاد ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا۔ لونڈی حاملہ تھی اوسے آزاد کیا تو اوس کے شکم میں جو بچہ ہے وہ بھی آزاد ہے اور اگر صرف پیٹ کے بچہ کو آزاد کیا تو وہی آزاد ہوگا لونڈی آزاد نہ ہوگی، مگر جب تک بچہ پیدا نہ ہولے لونڈی کو بیچ نہیں سکتا۔ (درمختار، کتاب عتق، ج ۵، ص، ۴۰۰، بیروت)

بَابُ الْعِتقِ عَلَى جُعْلٍ

﴿ یہ باب مال کے بدلے آزاد کرنے کے بیان میں ہے ﴾

باب جعل عتق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب عتق کے ابواب میں سے ہے اور اس کو عتق کے ابواب میں اسی طرح مؤخر ذکر کیا ہے، جس طرح طلاق سے خلع کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں ابواب اسقاط مال سے ہے جو اصل نہیں ہے کیونکہ اصل عدم مال سے اسقاط ہے جو کہ یہاں معدوم ہے۔ لہذا اس کو اس کی اصل سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ صحاح میں ہے کہ جعل کو جیم کے ضمہ اور اسی طرح جیم کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے "وَالْجُعْلُ مَا يُجْعَلُ لِلْإِنْسَانِ عَلَى شَيْءٍ يَفْعَلُهُ"۔ اور ایک غریب حدیث میں ہے۔ جو قتیبی سے اور فارابی کے دیوان ادب میں اس کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ پس اس میں دونوں طرح جائز ہے۔ (فتح القدیر، ص ۱۰، ص ۲۵۰، بیروت)

غلام کو مال کے بدلے میں آزاد کرنے کا بیان

وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ) وَذَلِكَ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ أَنْتَ حُرٌّ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ أَوْ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَإِنَّمَا يُعْتَقُ بِقَبُولِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ إذْ الْعَبْدُ لَا يَمْلِكُ نَفْسَهُ وَمِنْ قَضِيَّةِ الْمُعَاوَضَةِ ثُبُوتُ الْحُكْمِ بِقَبُولِ الْعِوَضِ لِلْحَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، فَإِذَا قَبِلَ صَارَ حُرًّا ، وَمَا شَرَطَ دَيْنٌ عَلَيْهِ حَتَّى تَصِحَّ الْكَفَالَةُ بِهِ ، بِخِلَافِ بَدَلِ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ مَعَ الْمُنَافِي وَهُوَ قِيَامُ الرِّقِّ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَإِطْلَاقُ لَفْظِ الْمَالِ يَنْتَظِمُ أَنْوَاعَهُ مِنْ النَّقْدِ وَالْعَرَضِ وَالْحَيَوَانِ ، وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَيْنِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ فَشَابَهَ النِّكَاحَ وَالطَّلَاقَ وَالصُّلْحَ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ ، وَكَذَا الطَّعَامُ وَالْمَكِيلُ وَالْمَوْزُونُ إذَا كَانَ مَعْلُومَ الْجِنْسِ ، وَلَا تَضُرُّهُ جَهَالَةُ الْوَصْفِ ؛ لِأَنَّهَا يَسِيرَةٌ .

ترجمہ

اور جس شخص نے مال کے بدلے غلام کو آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور یہ مثال اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص یہ کہے کہ تم ایک ہزار درہم یا ایک ہزار درہم کے بدلے میں آزاد ہو تو غلام اس کو قبول کرنے کے بعد ہی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ مال کا بدلہ بغیر مال ہے کیونکہ غلام اپنی ذات کا مالک نہیں ہوا کرتا جبکہ معاوضہ کا تقاضہ یہ ہے کہ عوض قبول کرتے ہی

اسی حالت میں حکم ثابت ہو جائے گا جس طرح بیع میں ہوتا ہے پس جب غلام نے بدلہ قبول کرلیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور شرط والا مال غلام پر قرض ہوگا حتی کہ اس کا کفالہ صحیح ہو جائے۔ جبکہ بدل کتابت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ منافی کے ہونے کے باوجود وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ جس طرح اس کا علم ہو چکا ہے۔ اور وہ آزادی کے منافی کا پایا جانا ہے جبکہ لفظ مال کا اطلاق مال کی تمام اقسام کو شامل ہے جس طرح نقدی، سامان اور حیوان ہیں۔ خواہ وہ معین نہ ہو۔ کیونکہ یہ مال کا بدلہ بغیر مال ہے پس یہ نکاح، طلاق اور قتل عمد میں صلح کے مشابہ ہو گیا ہے اور لفظ مال غلہ، ناپ تول والی اشیاء کو بھی شامل ہے۔ جبکہ ان میں شرط یہ ہے کہ ان کی جنس معلوم ہو جائے۔ اور وصف کی جہالت کی عدم مضر ہونا اس کے قلیل ہونے کے سبب سے ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے حالانکہ تو جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، درمختار میں کہا گیا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے دین کا، جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شیء کا تاوان، خلع کا بدل، مال کے بدلے آزاد کرنا، مال مورث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام ثمنوں اور دینوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (عینی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہو جانے اس کی شرط کے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام وکمال روپیہ ادا کر دیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہو جائیگا۔ (درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع مطبع مجتبائی دهلی)

معلق آزادی میں غلام کے ماذون ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِأَدَاءِ الْمَالِ صَحَّ وَصَارَ مَأْذُونًا) وَذَلِكَ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ إنْ أَدَّيْت إلَيَّ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَأَنْتَ حُرٌّ ؛ وَمَعْنَى قَوْلِهِ صَحَّ أَنَّهُ يُعْتَقُ عِنْدَ الْأَدَاءِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَصِيرَ مُكَاتَبًا ؛ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِي تَعْلِيقِ الْعِتْقِ بِالْأَدَاءِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ مَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ فِي الِانْتِهَاءِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

وَإِنَّمَا صَارَ مَأْذُونًا ؛ لِأَنَّهُ رَغَّبَهُ فِي الِاكْتِسَابِ بِطَلَبِهِ الْأَدَاءَ مِنْهُ ، وَمُرَادُهُ التِّجَارَةُ دُونَ التَّكَدِّي فَكَانَ إذْنًا لَهُ دَلَالَةً .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی مالک نے آزادی کو مال کی ادائیگی کے ساتھ معلق کیا تو یہ اعتاق صحیح ہوگا اور وہ غلام ماذون ہو جائے گا اور یہ

اسی کی مثل ہے جس طرح کوئی شخص کہے اگر تو نے مجھے ایک ہزار درہم ادا کیے تو وہ آزاد ہے۔ اس کے قول کا حکم یہ ہے کہ بغیر کسی مکاتبت کے ادائیگی کے وقت اس کی آزادی صحیح ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں آزادی کی صراحت ادائیگی کے ساتھ معلق ہونے میں واضح ہے۔ اگرچہ انتہائی اعتبار سے اس میں معاوضہ کا معنی بیان کیا جا رہا ہے جس کو ہم ان شاءاللہ تعالی بیان کریں گے۔

شرح

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ☆ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔(النور، ۳۳)

اور چاہئے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ اللہ انہیں مقدور والا کر دے اپنے فضل سے اور تمہارے ہاتھ کی مِلک باندی غلاموں میں سے جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو۔ اگر ان میں کچھ بھلائی جانو۔ اور اس پر ان کی مدد کرو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا۔ اور مجبور نہ کرو اپنی کنیزوں کو بدکاری پر جب کہ وہ بچنا چاہیں تا کہ تم دنیوی زندگی کا کچھ مال چاہو۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بیشک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبوری ہی کی حالت پر رہیں بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وہ اس قدر مال ادا کر کے آزاد ہو جائیں اور اس طرح کی آزادی کو کتابت کہتے ہیں اور آیت میں اس کا امر استحباب کے لئے ہے اور یہ استحباب اس شرط کے ساتھ مشروط ہے جو اس کے بعد ہی آیت میں مذکور ہے۔

شانِ نزول : حویطب بن عبد العزی کے غلام صبیح نے اپنے مولی سے کتابت کی درخواست کی، مولی نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیت نازِل ہوئی تو حویطب نے اس کو سو دینار پر مکاتَب کر دیا اور ان میں سے بیس اس کو بخش دیئے باقی اس نے ادا کر دیئے۔

بھلائی سے مراد امانت و دیانت اور کمائی پر قدرت رکھنا ہے کہ وہ حلال روزی سے مال حاصل کر کے آزاد ہو سکے اور مولی کو مال دے کر آزادی حاصل کرنے کے لئے بھیک نہ مانگتا پھرے اسی لئے حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے غلام کو مکاتَب کرنے سے انکار فرما دیا جو سوائے بھیک کے کوئی ذریعہ کسب کا نہ رکھتا تھا۔

مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ وہ مکاتَب غلاموں کو زکوۃ وغیرہ دے کر مدد کریں جس سے وہ بدلِ کتابت دے کر اپنی گردن چھڑا سکیں اور آزاد ہو سکیں۔ (خزائن العرفان، نور ۳۳)

حافظ ابن کثیر دمشقی شافعی لکھتے ہیں۔

جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادگی کی بابت کوئی تحریر کرنی چاہیں تو وہ انکار نہ کریں۔ غلام اپنی کمائی سے وہ مال جمع کر کے اپنے آقا کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں فرض وواجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیر خواہی کے ہے۔ آقا کو اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کر دو تو اسے اختیار ہے خواہ اس قسم کا غلام اس سے اپنی آزادگی کی بابت تحریر چاہے وہ اس کی بات کو قبول کرلے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام سیرین نے جو مالدار تھا ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کرلو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا، دربار فاروقی میں مقدمہ گیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوادی۔ (بخاری)

عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واجب نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادگی کی تحریر کر دے، اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے۔

یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے۔ خیر سے مراد امانت داری، سچائی، مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اپنے غلاموں میں جو تم سے مکاتب کرنا چاہیں، مال کے کمانے کی صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کرو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے اور رقم پوری کرنا چاہیں گے اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو۔ یعنی جو رقم ٹھیر چکی ہے، اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ چوتھائی یا تہائی یا آدھا یا کچھ حصہ۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوۃ سے ان کی مدد کرو آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوۃ دیں تا کہ وہ مقرر رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے۔

(تفسیر ابن کثیر، نور ۳۳)

حاکم کا مالک کو مال لینے پر مجبور کرنے کا بیان

(وَإِنْ أَحْضَرَ الْمَالَ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى قَبْضِهِ وَعَتَقَ الْعَبْدُ) وَمَعْنَى الْإِجْبَارِ فِيهِ وَفِي سَائِرِ الْحُقُوقِ أَنَّهُ يَنْزِلُ قَابِضًا بِالتَّخْلِيَةِ .

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ وَهُوَ الْقِيَاسُ ؛ لِأَنَّهُ تَصَرُّفُ يَمِينٍ إذْ هُوَ تَعْلِيقُ الْعِتْقِ بِالشَّرْطِ لَفْظًا ، وَلِهَذَا لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِ الْعَبْدِ وَلَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ وَلَا

جَبْرَ عَلَى مُبَاشَرَةِ شُرُوطِ الْأَيْمَانِ ؛ لِأَنَّهُ لَا اسْتِحْقَاقَ قَبْلَ وُجُودِ الشَّرْطِ ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ وَالْبَدَلُ فِيهَا وَاجِبٌ .

وَلَنَا أَنَّهُ تَعْلِيقٌ نَظَرًا إلَى اللَّفْظِ وَمُعَاوَضَةٌ نَظَرًا إلَى الْمَقْصُودِ ؛ لِأَنَّهُ مَا عَلَّقَ عِتْقَهُ بِالْأَدَاءِ إلَّا لِيَحُثَّهُ عَلَى دَفْعِ الْمَالِ فَيَنَالَ الْعَبْدُ شَرَفَ الْحُرِّيَّةِ وَالْمَوْلَى الْمَالَ بِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْكِتَابَةِ ، وَلِهَذَا كَانَ عِوَضًا فِي الطَّلَاقِ فِي مِثْلِ هَذَا اللَّفْظِ حَتَّى كَانَ بَائِنًا فَجَعَلْنَاهُ تَعْلِيقًا فِي الِابْتِدَاءِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ الْمَوْلَى حَتَّى لَا يَمْتَنِعَ عَلَيْهِ بَيْعُهُ ، وَلَا يَكُونُ الْعَبْدُ أَحَقَّ بِمَكَاسِبِهِ وَلَا يَسْرِي إلَى الْوَلَدِ الْمَوْلُودِ قَبْلَ الْأَدَاءِ ، وَجَعَلْنَاهُ مُعَاوَضَةً فِي الِانْتِهَاءِ عِنْدَ الْأَدَاءِ دَفْعًا لِلْغُرُورِ عَنْ الْعَبْدِ حَتَّى يُجْبَرَ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ ، فَعَلَى هَذَا يَدُورُ الْفِقْهُ وَتَخْرُجُ الْمَسَائِلُ نَظِيرُهُ الْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ .

وَلَوْ أَدَّى الْبَعْضَ يُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ إلَّا أَنَّهُ لَا يَعْتِقُ مَا لَمْ يُؤَدِّ الْكُلَّ لِعَدَمِ الشَّرْطِ كَمَا إذَا حَطَّ الْبَعْضَ وَأَدَّى الْبَاقِيَ .

ثُمَّ لَوْ أَدَّى أَلْفًا اكْتَسَبَهَا قَبْلَ التَّعْلِيقِ رَجَعَ الْمَوْلَى عَلَيْهِ وَعَتَقَ لِاسْتِحْقَاقِهَا ، وَلَوْ كَانَ اكْتَسَبَهَا بَعْدَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ مَأْذُونٌ مِنْ جِهَتِهِ بِالْأَدَاءِ مِنْهُ ، ثُمَّ الْأَدَاءُ فِي قَوْلِهِ إنْ أَدَّيْت يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ ؛ لِأَنَّهُ تَخْيِيرٌ ، وَفِي قَوْلِهِ إذَا أَدَّيْت لَا يَقْتَصِرُ ؛ لِأَنَّ إذَا تُسْتَعْمَلُ لِلْوَقْتِ بِمَنْزِلَةِ مَتَى .

ترجمہ

اور جب کسی شخص کا غلام مال لایا تو حاکم اس غلام کے مالک کو مال لیکر آزاد کرنے مجبور کرے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا۔ اس حکم اور تمام اجباری احکام کا معنی یہ ہے کہ تخلیہ کی صورت میں آقا مال لینے والا شمار ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مالک پر مال لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ قسم کا تصرف ہے اور قیاس کا تقاضہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ لفظ عتق کے ساتھ شرط معلق ہے۔ یہ بھی دلیل ہے کہ تصرف غلام کے موقوف کرنے پر نہیں ہوتا اور تصرف نہ ہی ختم ہونے کا احتمال رکھنے والا ہے۔ اور قسم کی شرائط کو انجام دینے کیلئے جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وجود شرط سے پہلے قسم کا حق ثابت ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ عقد کتابت میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ عقد کتابت بدلہ ہے اور اس میں معاوضہ واجب ہوتا ہے۔

ہمارے دوسرے ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اگر چہ لفظ کے اعتبار سے یہ تعلیق ہے لیکن مقصود کے اعتبار سے معاوضہ ہے۔

کیونکہ مالک نے غلام کو مال کی ادائیگی کے ساتھ آزادی پر معلق کیا ہے تاکہ وہ اس کو مال دینے پر ابھارے۔ پس غلام آزادی سے مشرف ہو جائے گا۔ اور اس کے بدلے میں مالک مال پانے والا ہوگا جس طرح عقد کتابت میں ہوا کرتا ہے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ اسی طرح کا لفظ طلاق میں معاوضہ بنتا ہے۔ یہاں تک وہ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ پس ہم نے مالک کے قول کو ابتداء میں تعلیق قرار دیا ہے تاکہ اس لفظ پر عمل ہو جائے۔ اور مالک سے نقصان دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ مالک کا اس غلام کو بیچنا منع نہیں ہے اور یہ غلام اپنی کمائی میں خود اختیار والا بھی نہیں ہے اور مال ادا کرنے سے قبل پیدا ہونے والی اولاد میں آزادی سرایت کرنے والی نہیں ہے۔

اور انتہائی اعتبار سے مال کے وقت غلام سے نقصان دور کرنے کیلئے ہم نے اس کو معاوضہ قرار دیا ہے۔ لہذا مالک کو مال لینے پر مجبور کیا جائے گا اور اسی پر فقہ (اصول) کا دارومدار ہے اور اس اصول سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔ اور کی مثال عوض کی شرط کے ساتھ والا ہبہ ہے۔

اور جب غلام کچھ مال ادا کیا تو تب بھی مالک کو لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن جب تک غلام مکمل مال ادا نہیں کرتا اس وقت تک وہ آزاد نہ ہوگا کیونکہ شرط ختم ہو چکی ہے۔ جس طرح مالک مال میں سے کچھ کم کر دے اور غلام بھی بقیہ ادا کرے تو بھی آزاد نہ ہوگا اور غلام نے تعلیق سے پہلے کمائے ہوئے ایک ہزار دراہم ادا کیے تو مالک دوبارہ اس سے اتنی رقم لے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ مالک ان دراہم کا حقدار تھا۔ اور اگر غلام نے وہ دراہم تعلیق کے بعد کمائے تھے تو اس صورت میں مالک اس سے دوبارہ نہیں لے گا کیونکہ مالک کی جانب سے شرط لگانے پر غلام مالک کی طرف سے ماذون ہو جائے گا اور اس کے بعد مالک کا قول ''اِنْ أَدَّيْتَ'' میں ادا کرنے انحصار مجلس تک رہے گا کیونکہ یہ اختیار ہے اور ''اذا ادیت'' کہنے کی حالت میں ادا کرنا مجلس پر موقوف نہ ہوگا کیونکہ ''اذا متیٰ'' کی طرح اس کا استعمال وقت کیلئے ہوتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لونڈی غلام نے اگر خود نکاح کرلیا یا ان کا نکاح کسی اور نے کر دیا تو یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے جائز کر دے گا نافذ ہو جائے گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، پھر اگر وطی بھی ہو چکی اور مولی نے رد کر دیا تو جب تک آزاد نہ ہو لونڈی اپنا مہر طلب نہیں کر سکتی، نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور اگر وطی نہ ہوئی جب تو مہر واجب ہی نہ ہوا۔ یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جسے اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہو، مثلاً مالک نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا یا قاضی یا وصی اور لونڈی، غلام سے مراد عام ہیں، مدبّر، مکاتب، ماذون، ام ولد یا وہ جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا سب کو شامل ہے۔ مکاتب اپنی لونڈی کا نکاح اپنے اذن سے کر سکتا ہے اور اپنا یا اپنے غلام کا نہیں کر سکتا اور ماذون غلام، لونڈی کا بھی نہیں کر سکتا۔ مولیٰ کی اجازت سے غلام نے نکاح کیا تو مہر و نفقہ خود غلام پر واجب ہے، مولیٰ پر نہیں اور مر گیا تو مہر و نفقہ دونوں ساقط اور غلام خالص مہر و نفقہ کے سبب بیچ ڈالا جائے گا اور مدبر و مکاتب نہ بیچے جائیں بلکہ انھیں حکم دیا جائے کہ کما کر ادا کرتے رہیں۔ ہاں مکاتب اگر بدل کتابت سے

عاجز ہو تو اب مکاتب نہ رہے گا اور مہر و نفقہ میں بیچا جائے گا اور غلام کی بیع اُس کا مولیٰ کرے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے سامنے قاضی بیع کر دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن داموں کو فروخت ہو رہا ہے، مولیٰ اپنے پاس سے اتنے دام دیدے اور فروخت نہ ہونے دے۔ (ردمحتار، کتاب نکاح غلام)

غلام کی آزادی کو موت کے بعد ایک ہزار سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ :أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ فَالْقَبُولُ بَعْدَ الْمَوْتِ) لِإِضَافَةِ الْإِيجَابِ إلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ أَنْتَ حُرٌّ غَدًا بِأَلْفِ دِرْهَمٍ ، بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ حَيْثُ يَكُونُ الْقَبُولُ إلَيْهِ فِي الْحَالِ ؛ لِأَنَّ إيجَابَ التَّدْبِيرِ فِي الْحَالِ إلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْمَالُ لِقِيَامِ الرِّقِّ .

قَالُوا :لَا يُعْتَقُ عَلَيْهِ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ ، وَإِنْ قَبِلَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا لَمْ يُعْتِقْهُ الْوَارِثُ ؛ لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْإِعْتَاقِ ، وَهَذَا صَحِيحٌ .

ترجمہ

اور جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ تم میرے مرنے کے بعد ایک ہزار درہم ادا کر کے آزاد ہو تو غلام کا اس کے قول کو قبول کرنا موت کے بعد ہوگا کیونکہ آزادی کا ایجاب موت کے بعد کی طرف مضاف ہے اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح کسی مالک نے کہا کہ تم ایک ہزار درہم کے بدلے کل آزاد ہو۔

جبکہ مالک کے اس قول میں ایسا نہیں ہے کہ جب مالک نے کہا ''أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ'' تو غلام کو اسی وقت قبول کرنا ہوگا کیونکہ اس میں اس حال میں مدبر ہونے کا ایجاب ہو چکا ہے۔ مگر مال واجب نہ ہوگا کیونکہ غلامی موجود ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ جامع صغیر کے مطابق جب تک ورثاء آزاد نہ کریں غلام آزاد نہ ہوگا خواہ وہ مالک کی موت کے بعد آزادی کا ایجاب قبول کرے کیونکہ میت میں اعتاق کی اہلیت نہیں ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر مقید کا مولیٰ مرا اور اسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہبہ و صدقہ وغیرہا کر سکتے ہیں۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد ہے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مولیٰ مر گیا تو آزاد نہ ہوا اور اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرا تو غلام پورا آزاد ہو گیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے کے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا، لہٰذا آزاد بھی نہ ہوگا۔ مدبرہ کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبرہ مطلقہ ہو اور اگر مقیدہ ہو

تونہیں۔(درمختار، کتاب عتاق)

آزادی کوخدمت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

قَالَ :(وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ فَقَبِلَ الْعَبْدُ فَعَتَقَ ثُمَّ مَاتَ مِنْ سَاعَتِهِ فَعَلَيْهِ قِيمَةُ نَفْسِهِ فِي مَالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ :عَلَيْهِ قِيمَةُ خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ) أَمَّا الْعِتْقُ فَلِأَنَّهُ جَعَلَ الْخِدْمَةَ فِي مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ عِوَضًا فَيَتَعَلَّقُ الْعِتْقُ بِالْقَبُولِ ، وَقَدْ وُجِدَ وَلَزِمَهُ خِدْمَةُ أَرْبَعِ سِنِينَ ؛ لِأَنَّهُ يَصْلُحُ عِوَضًا فَصَارَ كَمَا إذَا أَعْتَقَهُ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ ، ثُمَّ إذَا مَاتَ الْعَبْدُ فَالْخِلَافِيَّةُ فِيهِ بِنَاءٌ عَلَى خِلَافِيَّةٍ أُخْرَى ، وَهِيَ أَنَّ مَنْ بَاعَ نَفْسَ الْعَبْدِ مِنْهُ بِجَارِيَةٍ بِعَيْنِهَا ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ الْجَارِيَةُ أَوْ هَلَكَتْ يَرْجِعُ الْمَوْلَى عَلَى الْعَبْدِ بِقِيمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَهُمَا وَبِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ عِنْدَهُ وَهِيَ مَعْرُوفَةٌ .
وَوَجْهُ الْبِنَاءِ أَنَّهُ كَمَا يَتَعَذَّرُ تَسْلِيمُ الْجَارِيَةِ بِالْهَلَاكِ وَالِاسْتِحْقَاقِ يَتَعَذَّرُ الْوُصُولُ إلَى الْخِدْمَةِ بِمَوْتِ الْعَبْدِ ، وَكَذَا بِمَوْتِ الْمَوْلَى فَصَارَ نَظِيرَهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جس شخص نے اپنے غلام کواس شرط پر آزاد کیا کہ وہ چار سال اس کی خدمت کرے گا اور غلام نے اس کو قبول کرلیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔اس کے بعد وہ غلام اسی وقت فوت ہو گیا تو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے نزدیک غلام کے مال میں اس کی جان کی قیمت واجب ہوگی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ چار سال خدمت کی قیمت واجب ہوگی۔البتہ آزاد ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ ایک تعین کردہ مدت تک خدمت کرنے کا بدلہ ہے۔لہذا آزادی قبول کرنے پر معلق ہو جائے گی اور غلام کا قبول کرنا پایا جارہا ہے پس غلام پر چار سالہ خدمت واجب ہوگئی۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ خدمت میں بدل بننے کی صلاحیت ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح مالک نے ایک ہزار درہم کے بدلے غلام کو آزاد کر دیا ہو۔اور اس کے بعد غلام فوت ہو جائے تو اس مسئلہ کا اختلاف دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔اور وہ مسئلہ یہ ہے۔

ایک مالک نے اپنے غلام سے ایک متعین باندی کے بدلے میں اسی غلام کی جان کو بیچا پھر وہ مستحق نکل گئی یا ہلاک ہوگئی تو شیخین کے نزدیک مالک غلام کی جان کی قیمت واپس لے گا جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مالک باندی کی قیمت واپس لے گا۔اور مشہور مسئلہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باندی کے ہلاک ہو جانے یا مستحق کے نکل جانے کے سبب اس کو سپرد کرنا ناممکن

ہو جاتا ہے اسی طرح غلام کی موت کے سبب بھی خدمت ناممکن ہو جاتی ہے۔ایسے مالک کی مدت کے سبب بھی متعذر ہے پس یہ مسئلہ اسی مسئلہ کی طرح ہو گیا۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مکاتب کیا سونے یا چاندی پر اور اس کی کتابت میں کوئی شرط لگا دی سفر یا خدمت یا اضحیہ کی لیکن اس شرط کو معین کر دیا پھر مکاتب اپنے قسطوں کے ادا کرنے پر مدت سے پہلے قادر ہو گیا اور اس نے قسطیں ادا کر دیں مگر یہ شرط اس پر باقی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور حرمت اس کی پوری ہو جائے گی اب اس شرط کو دیکھیں گے اگر وہ شرط ایسی ہے جو مکاتب کو خود ادا کرنا پڑتی ہے (جیسے سفر یا خدمت کی شرط) تو یہ مکاتب پر لازم نہ ہوگی اور نہ مولیٰ کو اس شرط کے پورا کرنے کا استحقاق ہوگا اور جو شرط ایسی ہے جس میں کچھ دینا پڑتا ہے جیسے اضحیہ یا کپڑے کی شرط تو یہ مانند روپوں اشرفیوں کے ہوگی اس چیز کی قیمت لگا کر وہ بھی اپنی قسطوں کے ساتھ ادا کر دے گا جب تک ادا نہ کرے گا آزاد نہ ہوگا۔

مکاتب مثل اس غلام کے ہے جس کو مولیٰ آزاد کر دے دس برس تک خدمت کرنے کے بعد اگر مولیٰ مر جائے اور دس برس نہ گزرنے ہوں تو ورثاء کی خدمت میں دس برس پورے کرے گا اور ولاء اس کی اسی کو ملے گی جس نے اس کی آزادی ثابت کی یا اس کی اولاد کو مردوں میں سے یا عصبہ کو۔

جو شخص اپنے مکاتب سے شرط لگائے تو سفر نہ کرنا یا نکاح نہ کرنا یا میرے ملک میں سے باہر نہ جانا بغیر میرے پوچھے ہوئے اگر تو ایسا کرے گا تو تیری کتابت باطل کر دینا میرے اختیار میں ہوگا۔اس صورت میں کتابت کا باطل کرنا اس کے اختیار میں نہ ہوگا اگرچہ مکاتب ان کاموں میں سے کوئی کام کرے اگر مکاتب کی کتابت کو مولیٰ باطل کرے تو مکاتب کو چاہیے کہ حاکم کے سامنے فریاد کرے وہ حکم کر دے کہ کتابت باطل نہیں ہو سکتی مگر اتنی بات ہے کہ مکاتب کو نکاح کرنا یا سفر کرنا یا ملک سے باہر جانا بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے درست نہیں ہے خواہ اس کی شرط ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام کو سو دینار کے بدلے میں مکاتب کرتا ہے اور غلام کے پاس ہزار دینار موجود ہوتے ہیں تو وہ نکاح کر کے ان دیناروں کو مہر کے بدلے میں تباہ ہو کر پھر عاجز ہو کر مولیٰ کے پاس آتا ہے نہ اس کے پاس مول ہوتا ہے نہ اور کچھ اس میں سراسر مولیٰ کا نقصان ہے یا مکاتب سفر کرتا ہے اور قسطوں کے دن آجاتے ہیں لیکن وہ حاضر نہیں ہوتا تو اس میں مولیٰ کا حرج ہوتا ہے اسی نظر سے مکاتب کو درست نہیں کہ بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے نکاح کرے یا سفر کرے بلکہ ان امورات کا اختیار کرنا مولیٰ کو ہے چاہے اجازت دے چاہے منع کرے۔

(مؤطا امام مالک، کتاب عتاق)

دوسرے شخص سے باندی آزاد کرانے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ :أَعْتِقْ أَمَتَك عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَيَّ أَنْ تُزَوِّجَنِيهَا فَفَعَلَ فَأَبَتْ أَنْ

تَتَزَوَّجَهُ فَالْعِتْقُ جَائِزٌ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْآمِرِ) ; لِأَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ أَعْتِقْ عَبْدَكَ عَلَى
أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَيَّ فَفَعَلَ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَيَقَعُ الْعِتْقُ عَلَى الْمَأْمُورِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ
لِغَيْرِهِ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَيَّ فَفَعَلَ حَيْثُ يَجِبُ الْأَلْفُ عَلَى الْآمِرِ ; لِأَنَّ
اشْتِرَاطَ الْبَدَلِ عَلَى الْأَجْنَبِيِّ فِي الطَّلَاقِ جَائِزٌ وَفِي الْعَتَاقِ لَا يَجُوزُ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ
.(وَلَوْ قَالَ :أَعْتِقْ أَمَتَكَ عَنِّي عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا قُسِّمَتْ الْأَلْفُ عَلَى
قِيمَتِهَا وَمَهْرِ مِثْلِهَا ، فَمَا أَصَابَ الْقِيمَةَ أَدَّاهُ الْآمِرُ ، وَمَا أَصَابَ الْمَهْرَ بَطَلَ عَنْهُ) ; لِأَنَّهُ
لَمَّا قَالَ عَنِّي تَضَمَّنَ الشِّرَاءَ اقْتِضَاءً عَلَى مَا عُرِفَ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ قَابَلَ
الْأَلْفَ بِالرَّقَبَةِ شِرَاءً وَبِالْبُضْعِ نِكَاحًا فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمَا ، وَوَجَبَتْ حِصَّةُ مَا سَلَّمَ لَهُ وَهُوَ
الرَّقَبَةُ وَبَطَلَ عَنْهُ مَا لَمْ يُسَلِّمْ وَهُوَ الْبُضْعُ ، فَلَوْ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرْهُ .
وَجَوَابُهُ أَنَّ مَا أَصَابَ قِيمَتَهَا سَقَطَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَهِيَ لِلْمَوْلَى فِي الْوَجْهِ الثَّانِي ، وَمَا
أَصَابَ مَهْرَ مِثْلِهَا كَانَ مَهْرًا لَهَا فِي الْوَجْهَيْنِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی دوسرے مالک سے کہا کہ تم مجھ پر ایک ہزار درہم کے بدلے میں اپنی باندی کو آزاد کرو۔اور شرط یہ ہے کہ تم اس باندی کا مجھ سے نکاح کر دو۔لہذا اس مالک باندی نے ایسا ہی کیا لیکن باندی نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تو آزادی جائز ہے اور حکم دینے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا۔کیونکہ جس شخص نے دوسرے بندے سے کہا ہے کہ تم ایک ہزار درہم کے بدلے اپنا غلام آزاد کرو اور ایک ہزار مجھ پر لازم ہوں گے۔اور مأمور نے اسی طرح کر دیا تو حکم دینے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا۔جبکہ آزادی مأمور کی جانب سے واقع ہوگی۔بہ خلاف اس صورت کے کہ جب کسی شخص نے کسی دوسرے بندے سے کہا کہ ایک ہزار کے بدلے اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔اور ایک ہزار مجھ پر لازم ہوں گے اور اگر مأمور نے طلاق دی تو آمر پر ایک ہزار واجب ہوں گے۔کیونکہ طلاق میں اجنبی پر بدل کی شرط لگانا جائز ہے۔جبکہ آزادی میں جائز نہیں ہے اور اس کو ہم پہلے بھی ثابت کر چکے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ تو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنی باندی کو آزاد کر دے اور یہ مسئلہ اسی حال پر رہا تو ہزار کو اس باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثلی پر تقسیم کیا جائے گا۔اور جو قیمت کے مقابلے میں آئے گا اس کو آمر ادا کرے گا۔اور جو مہر کے بدلے میں آئے گا وہ آمر سے ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ جب آمر نے میری جانب سے کہا تو اس کا یہ قول بطور فیصلہ شراء کو شامل ہے جس طرح معلوم ہو چکا ہے۔پس جب اس طرح کی صورت حال ہے تو آمر نے ہزار کو غلام کی گردن خریدنے اور بضع سے نکاح

کرنے کا مقابل بنایا ہے۔پس ہزار رقبہ اور بضع پر تقسیم ہو گیا ہے۔اور جو چیز آمر کے سپرد کی گئی ہے یعنی رقبہ تو آمر پر اسی مقدار کے مطابق واجب ہوگا۔اور بضع جو آمر کے سپرد ہی نہیں ہوئی ہے تو اس کے دراہم آمر سے ساقط ہو جائیں گے۔اور اگر وہ باندی آمر سے نکاح کرے جبکہ اس مسئلہ کو امام محمد علیہ الرحمہ نے بیان ہی نہیں کیا۔مگر اس کا حکم اس طرح ہے کہ ہزار میں سے جو باندی کی قیمت کے مقابلے میں ہے وہ صورت اول میں ساقط ہو جائے گا اور دوسری صورت میں وہ قیمت مالک کو ملے گی۔اور جتنی مقدار باندی کے مہر مثل کے مقابلے میں آئے گی وہ دونوں صورتوں میں مہر بنے گی۔

شرح

طلاق میں اجنبی پر بدل لگانے کی شرط کے جواز کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ مسئلہ میں اس دلیل کو بھی ذکر کیا ہے کہ طلاق میں کسی اجنبی شخص کو بدل بنانے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں حکم کا اصل مقصود پایا جا رہا ہے۔

یاد رہے کہ بدل ہونے کی صلاحیت میں اجنبیت کا اثر اس کو زائل کرنے والا نہیں ہے کیونکہ بدل میں اصل یہی ہوتا ہے کہ کسی حکم کو اس کی اصل سے اس کے غیر کی طرف پھیرا جائے۔اور جب اس میں کوئی دلیل اختلاف نہ ہو اور اس کی اصل کا مقصد فوت بھی نہ ہو رہا تو حکم کو پھیرنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

بَابُ التَّدْبِيرِ

﴿ یہ باب مدبر غلام کے بیان میں ہے ﴾

باب تدبیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ آزادی سے متعلق وہ احکام جو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے آزادی سے متعلق موت سے متعلق ہونے والے احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور اس کی وجہ مناسبت یعنی فقہی مطابقت ظاہر ہے۔ اور مطابقت فقہی کی سب سے اچھی دلیل یہ ہے کہ یہ مقید ہے اور مقید مرکب ہوتا ہے اور مرکب ہمیشہ مفرد سے مؤخر ہوتا ہے کیونکہ اس سے سابق باب عتق معلق بہ حلف میں سارے مسائل جو مقید ہیں لیکن ان کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں غلام کی آزادی کے تمام مسائل کو موت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح تدبیر کا معنی امور کے بعد نظر کرنا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۲۸۱، بیروت)

مدبر غلام کا فقہی مفہوم

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت مولی نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا کہ اگر میں مرجاؤں یا جب میں مروں تو تُو آزاد ہے غرض اسی قسم کے وہ الفاظ جن سے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب عتاق، باب تدبیر)

عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ سب سے پہلے 1680ء کو قصۂ ابو شحمہ "میں مستعمل ملتا ہے۔

جب آقا نے اپنی موت کے ساتھ آزادی متعین کیا

(إِذَا قَالَ الْمَوْلَى لِمَمْلُوكِهِ إِذْ مِتُّ فَأَنْتَ حُرٌّ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبُرٍ مِنِّي أَوْ أَنْتِ مُدَبَّرٌ أَوْ قَدْ دَبَّرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا) ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِيحٌ فِي التَّدْبِيرِ فَإِنَّهُ إثْبَاتُ الْعِتْقِ عَنْ دُبُرٍ

ترجمہ

جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ جب فوت ہو جاؤں تو آزاد ہے یا میرے بعد تو آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کیا تو وہ غلام مدبر ہو جائے گا کیونکہ تدبیر میں یہ الفاظ صراحت کے ساتھ آئے ہیں۔ لہذا مدبر ہونے سے آزادی ثابت ہو

جائے گی۔

مدبر کی اقسام کا فقہی بیان

مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق۔ مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ جس میں کسی ایسے امر کا اضافہ نہ کیا ہو جس کا ہونا ضروری نہ ہو یعنی مطلقاً موت پر آزاد ہونا قرار دیا مثلاً اگر میں مروں تو تُو آزاد ہے اور اگر کسی وقتِ معین پر یا وصف کے ساتھ موت پر آزاد ہونا کہا تو مقید ہے مثلاً اس سال مروں یا اس مرض میں مروں کہ اُس سال یا اس مرض سے مرنا ضرور نہیں اور اگر کوئی ایسا وقت مقرر کیا کہ غالب گمان اس سے پہلے مرجانا ہے مثلاً بوڑھا شخص کہے کہ آج سے سو۱۰۰ برس پر مروں تو تُو آزاد ہے تو یہ مدبر مطلق ہی ہے کہ یہ وقت کی قید بیکار ہے کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اب سے سو۱۰۰ برس تک زندہ نہ رہے گا۔ (عالم گیری، کتاب عتاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر یہ کہا کہ جس دن مروں تو آزاد ہے تو اگر چہ رات میں مرے وہ آزاد ہوگا کہ دن سے مراد یہاں مطلق وقت ہے ہاں اگر وہ کہے کہ دن سے میری مراد صبح سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے یعنی رات کے علاوہ تو یہ نیت اس کی مانی جائیگی مگر اب یہ مدبر مقید ہوگا۔ (درمختار، کتاب عتاق)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو مدبر کرے پھر مرجائے اور اس کا مال کچھ موجود ہو کچھ غائب ہو جس قدر موجود ہو اس کے ثلث میں سے مدبر کو روک رکھیں گے اور اس کی کمائی کو بھی جمع کرتے جائیں گے یہاں تک کہ جو مال غائب ہے وہ بھی نکل آئے پھر اگر مولی کے کل مال کے ثلث میں سے مدبر آزاد ہو سکے گا تو آزاد ہو جائے اور مدبر کا مال اور کمائی اسی کو ملے گی اور جو ثلث میں سے کل آزاد نہ ہو سکے گا تو ثلث ہی کی مقدار آزاد ہو جائے گا اس کا مال اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزادی کی جتنی وصیتیں ہیں صحت میں ہوں یا مرض میں ان میں رجوع اور تغیر کر سکتا ہے مگر تدبیر میں جب کسی کو مدبر کر دیا اب اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس لونڈی کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور اس کو مدبر نہ کیا تو اس کی اولاد اپنی ماں کے ساتھ آزاد نہ ہوگی اس لیے کہ مولی کا اس وصیت کے بدل ڈالنے کا اختیار تھا نہ ان کی ماں کے لیے آزادی ثابت ہوئی تھی بلکہ یہ ایسا ہے کوئی کہے اگر فلانی لونڈی میرے مرنے تک رہے تو وہ آزاد ہے پھر وہ اس کے مرنے تک رہی تو آزاد ہو جائے گی مگر مولی کو اختیار ہے کہ موت سے پیشتر اس کو یا اس کی اولاد کو بیچے تو آزادی کی وصیت اور تدبیر کی وصیت میں سنت قدیمہ کی رو سے بہت فرق ہے اگر وصیت مثل تدبیر کے ہوتی تو کوئی شخص اپنی وصیت میں تغیر و تبدل کا اختیار نہ رکھتا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے چند غلاموں کو صحت کی حالت میں مدبر کرے اور سوا ان کے کچھ مال نہ رکھتا ہو اگر اس نے اس طرح مدبر کیا کہ پہلے ایک کو پھر دوسرے کو تو جس کو پہلے مدبر کیا وہ ثلث مال میں سے آزاد ہو جائے گا پھر دوسرا پھر تیسرا اسی طرح جب تک ثلث مال میں گنجائش ہو اگر سب کو ایک ساتھ مدبر کیا ہے ایک ہی کلام میں تو ہر ایک ثلث آزاد ہو جائے گا

جب سب کو بیماری میں مدبر کیا۔ (موطاامام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

مدبر کی خرید وفروخت کا بیان

(ثُمَّ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَلَا هِبَتُهُ وَلَا إخْرَاجُهُ عَنْ مِلْكِهِ إلَّا إلَى الْحُرِّيَّةِ) كَمَا فِي الْكِتَابَةِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجُوزُ ؛ لِأَنَّهُ تَعْلِيقُ الْعِتْقِ بِالشَّرْطِ فَلَا يَمْتَنِعُ بِهِ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ كَمَا فِي سَائِرِ التَّعْلِيقَاتِ وَكَمَا فِي الْمُدَبَّرِ الْمُقَيَّدِ وَلِأَنَّ التَّدْبِيرَ وَصِيَّةٌ وَهِيَ غَيْرُ مَانِعَةٍ مِنْ ذَلِكَ .

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْمُدَبَّرُ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَهُوَ حُرٌّ مِنْ الثُّلُثِ) وَلِأَنَّهُ سَبَبُ الْحُرِّيَّةِ ؛ لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ تَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا سَبَبَ غَيْرُهُ ؛ ثُمَّ جَعْلُهُ سَبَبًا فِي الْحَالِ أَوْلَى لِوُجُودِهِ فِي الْحَالِ وَعَدَمِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ ؛ وَلِأَنَّ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ حَالُ بُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ التَّصَرُّفِ فَلَا يُمْكِنُ تَأْخِيرُ السَّبَبِيَّةِ إلَى زَمَانِ بُطْلَانِ الْأَهْلِيَّةِ ، بِخِلَافِ سَائِرِ التَّعْلِيقَاتِ ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ مِنْ السَّبَبِيَّةِ قَائِمٌ قَبْلَ الشَّرْطِ ؛ لِأَنَّهُ يَمِينٌ وَالْيَمِينُ مَانِعٌ وَالْمَنْعُ هُوَ الْمَقْصُودُ ، وَأَنَّهُ يُضَادُّ وُقُوعَ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ ، وَأَمْكَنَ تَأْخِيرُ السَّبَبِيَّةِ إلَى زَمَانِ الشَّرْطِ ؛ لِقِيَامِ الْأَهْلِيَّةِ عِنْدَهُ فَافْتَرَقَا ؛ وَلِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ خِلَافَةٍ فِي الْحَالِ كَالْوِرَاثَةِ وَإِبْطَالُ السَّبَبِ لَا يَجُوزُ ، وَفِي الْبَيْعِ وَمَا يُضَاهِيهِ ذَلِكَ .

ترجمہ

مدبر کی خرید وفروخت اس کا ہبہ اور اس کو ملکیت سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ البتہ آزاد کیا جاسکتا ہے جس طرح کتابت میں ہوتا ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جائز ہے۔ کیونکہ تدبیر آزادی کو شرط پر معلق کرنے والا ہے۔ پس تدبیر کے سبب بیع وہبہ منع نہ ہوں گے۔ جس طرح تمام معلقات میں ہوتا ہے اور جس طرح مقید مدبر میں ہوتا ہے اور اس سبب کے پیش نظر بھی کہ تدبیر وصیت ہے اور وصیت بیع وغیرہ سے مانع نہیں ہے۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنے غلام سے کہا تو میری موت کے بعد آزاد ہے (اس کو مدبر کہتے ہیں) پھر وہ آدمی فوت ہوگیا اور اس نے اس غلام کے علاوہ ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو نعیم بن انحام کے ہاتھوں بیچ دیا۔ جابر کہتے ہیں کہ وہ قبطی تھا اور ابن زبیر کی امارت کے پہلے سال فوت ہوا۔ یہ حدیث حسن صحیح

ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابر سے ہی منقول ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مدبر کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان ثوری مالک، اوزاعی، اور بعض علماء کے نزدیک مدبر کی بیع مکروہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نحام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا ہے۔

(بخاری ومسلم مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 578)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ "چنانچہ نعیم ابن عبداللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے، اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔"

" مدبر " کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اسے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو۔ "مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کر سکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو سکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہوگا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مر جائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مر جانے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہٰذا امام ابوحنیفہ اس حدیث کے مفہوم میں تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہوگا۔

مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں نعیم ابن نحام لکھا ہے لیکن علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام نحام ہے، اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں نعیم کی نحمہ (یعنی آواز سنی) " اس مناسبت سے انہیں نحام کہا جانے لگا۔"

مدبر کرنے کے بعد اب اپنے اس قول کو واپس نہیں لے سکتا۔ مدبر مطلق کو نہ بیچ سکتے ہیں۔ نہ ہبہ کر سکتے نہ رہن رکھ سکتے نہ صدقہ کر سکتے ہیں۔ (عالمگیری، کتاب عتاق)

مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

مدبر وہ غلام جس کے لیے آقا کا فیصلہ ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور حدیث کا مفہوم یہی بتلاتا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ اس بارے میں امام قسطلانی نے چھ اقوال نقل کیے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں:
وقال النووی الصحیح ان الحدیث علی ظاهره و انه یجوز بیع المدبر بکل حال مالم یمت السید (قسطلانی) یعنی نووی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور ہر حال میں مدبر کی بیع جائز ہے جب تک اس کا آقا زندہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقا منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچا جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے۔ ان کا استدلال قوی و مضبوط ہے لہذا ترجیح مذہب احناف کو ہے۔

جب آقا نے غلام کو خدمت یا اجرت کے ساتھ مقید کیا

قَالَ :(وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَسْتَخْدِمَهُ وَيُؤَاجِرَهُ وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً وَطِئَهَا وَلَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا) ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ ثَابِتٌ لَهُ وَبِهِ تُسْتَفَادُ وِلَايَةُ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ

(فَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) لِمَا رَوَيْنَا ؛ وَلِأَنَّ التَّدْبِيرَ وَصِيَّةٌ ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مُضَافٌ إلَى وَقْتِ الْمَوْتِ وَالْحُكْمُ غَيْرُ ثَابِتٍ فِي الْحَالِ فَيَنْفُذُ مِنْ الثُّلُثِ ، حَتَّى لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ يَسْعَى فِي ثُلُثَيْهِ ، وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ يَسْعَى فِي كُلِّ قِيمَتِهِ ؛ لِتَقَدُّمِ الدَّيْنِ عَلَى الْوَصِيَّةِ وَلَا يُمْكِنُ نَقْضُ الْعِتْقِ فَيَجِبُ رَدُّ قِيمَتِهِ (وَوَلَدُ الْمُدَبَّرَةِ مُدَبَّرٌ) وَعَلَى ذَلِكَ نُقِلَ إجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .

ترجمہ

فرماتے ہیں کہ آقا کو مدبر غلام سے خدمت لینے اور اسے کرایہ پر دینے کا اختیار ہے اور اگر باندی مدبرہ ہو تو آقا کو اس سے وطی

کرنے اور (کسی دوسرے سے) اس کا نکاح کرنے کا بھی حق ہے کیوں کہ مدبر میں آقا کی ملکیت ثابت ہے اور ملکیت ہی سے ان تصرفات کی ولایت حاصل ہوتی ہے پھر جب آقا مر جائے تو مدبر اس کے تہائی مال سے آزاد ہو گا اس حدیث پاک کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور اس لئے کہ تدبیر وصیت ہے کیوں یہ ایسا تبرع ہے جو وقت موت کی طرف منسوب ہے اور حکم فی الحال ثابت بھی نہیں ہے لہذا یہ عتق تہائی مال سے نافذ ہو گا حتیٰ کہ اگر آقا کے پاس مدبر کے علاوہ دوسرا کوئی مال نہ ہو تو غلام اپنے دو ثلث میں کمائی کرے گا اور اگر آقا پر قرض ہو تو غلام اپنی پوری قیمت میں کمائی کرے گا اس لئے کہ قرض وصیت سے مقدم ہوتا ہے اور مدبر کی آزادی کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے لہذا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے اور مدبرہ کی اولاد بھی مدبرہ ہو گی اور اسی پر صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منقول ہے۔

شرح

سعید بن مسیب کہتے تھے جب کوئی شخص اپنی لونڈی کو مدبر کرے تو اس سے وطی کر سکتا ہے مگر بیع یا ہبہ نہیں کر سکتا اور اس کی اولاد بھی مثل اپنی ماں کے ہوں گی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1188)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مدبر غلام ہی ہے یعنی اپنے مولیٰ کی مِلک ہے۔ اس کو آزاد کر سکتا ہے مکاتب بنا سکتا ہے اوس سے خدمت لے سکتا ہے مزدوری پر دے سکتا ہے، اپنی ولایت سے اوس کا نکاح کر سکتا ہے اور اگر لونڈی مدبرہ ہے تو اوس سے وطی کر سکتا ہے۔ اوس کا دوسرے نکاح کر سکتا ہے اور مدبرہ سے اگر مولیٰ کی اولاد ہوئی تو وہ ام ولد ہوگئی۔

جب مولیٰ مرے گا تو اس کے تہائی مال سے مدبر آزاد ہو جائے گا یعنی اگر یہ تہائی مال ہے یا اس سے کم تو بالکل آزاد ہو گیا اور اگر تہائی سے زائد قیمت کا ہے تو تہائی کی قدر آزاد ہو گیا باقی کے لیے سعایت کرے اور اگر اس کے علاوہ مولے کے پاس اور کچھ نہ ہو تو اس کی تہائی آزاد، باقی دو تہائیوں میں سعایت کرے۔ یہ اس وقت ہے کہ وُرثہ اجازت نہ دیں اور اگر اجازت دیدیں یا اس کا کوئی وارث ہی نہیں تو کُل آزاد ہے۔ اور اگر مولیٰ پر دَین ہے کہ یہ غلام اس دین میں مُستغرق ہے تو کل قیمت میں سعایت کر کے قرض خواہوں کو ادا کرے۔ (درمختار، کتاب عتاق)

مدبر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

(وَإِنْ عَلَّقَ التَّدْبِيرَ بِمَوْتِهِ عَلَى صِفَةٍ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ إنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا أَوْ سَفَرِي هَذَا أَوْ مِنْ مَرَضِ كَذَا فَلَيْسَ بِمُدَبَّرٍ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ) ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ لَمْ يَنْعَقِدْ فِي الْحَالِ لِتَرَدُّدٍ فِي تِلْكَ الصِّفَةِ ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ الْمُطْلَقِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ عِتْقُهُ بِمُطْلَقِ الْمَوْتِ وَهُوَ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ (فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يُعْتَقُ الْمُدَبَّرُ

) مَعْنَاهُ مِنَ الثُّلُثِ ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حُكْمُ التَّدْبِيرِ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ ؛ لِتَحَقُّقِ تِلْكَ الصِّفَةِ فِيهِ فَلِهَذَا يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ .

وَمِنْ الْمُقَيَّدِ أَنْ يَقُولَ إنْ مِتُّ إلَى سَنَةٍ أَوْ عَشْرِ سِنِينَ لِمَا ذَكَرْنَا ، بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ إلَى مِائَةِ سَنَةٍ وَمِثْلُهُ لَا يَعِيشُ إلَيْهِ فِي الْغَالِبِ ؛ لِأَنَّهُ كَالْكَائِنِ لَا مَحَالَةَ .

ترجمہ

اور اگر آقانے تدبیر کی کسی صفت پر اپنی موت کو معلق کیا مثال کے طور پر اس نے یہ کہا اگر میں اپنے اس مرض میں یا اپنے اس سفر میں مرگیا یا فلاں مرض میں مرگیا تو غلام مدبر نہیں ہوگا اور اس کی بیع جائز ہوگی کیوں کہ سبب فی الحال منعقد نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اس صفت میں شک ہے خلاف مطلق مدبر کے کیوں کہ اس کی آزادی مطلق موت پر موقوف ہے اور مرنا یقینی ہے۔ پھر اگر آقا اپنی بیان کردہ صفت پر مرجائے تو وہ مدبر آزاد ہوجائے گا جیسے مطلق مدبر آزاد ہوتا ہے یعنی ثلث سے آزاد ہوگا۔ اس لئے کہ تدبیر کا حکم آقا کی زندگی کے آخری حصہ میں ثابت ہوگا، کیوں وہ صفت اسی آخری حصہ میں ثابت ہوگی۔ اسی لئے تہائی مال سے آزادی معتبر ہوگی اور مقید میں سے یہ صورت ہے کہ میں اگر ایک سال یا دس سال میں مرگیا (تو تم آزاد ہو) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں خلاف اس صورت کے کہ جب آقانے "إِلَىٰ مِائَةِ سَنَةٍ" کہا ہو اور اس جیسے لوگ عام طور پر سو سال زندہ نہیں رہتے اس لئے یہ لا محالہ ہونے والا ہے۔

حال میں سبب کے عدم انعقاد کی وجہ صفت کے مشکوک ہونے کا بیان

صاحب ہدایہ نے مالک کی مذکورہ تعلیق سے متعلق یہ قاعدہ فقہیہ بیان کیا ہے کہ جب کسی حکم کو کسی ایسی صفت کے ساتھ مقید کیا جائے تو اس حالت میں سبب ہونے میں معدوم ہوجائے تو ایسی صورت میں وہ صفت مشکوک ہوجائے گی لہذا اسی صفت کو بنیاد بناتے ہوئے کسی طرح بھی حکم کا انعقاد کرنا درست نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور سوا اس کے کچھ مال نہ تھا پھر مولیٰ مرگیا اور مدبر کے پاس مال ہے تو ثلث مدبر آزاد ہوجائے گا اور مال اس کا اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس مدبر کو مولیٰ مکاتب کردے پھر مولیٰ مرجائے اور سوا اس کے کچھ مال نہ چھوڑے تو اس کا ایک ثلث آزاد ہوجائے گا اور بدل کتابت میں سے بھی ایک ثلث گھٹ جائے گا اور دو ثلث مدبر کو ادا کرنا ہوں گے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1186)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مدبر مقید کا مولیٰ مرا اور اوسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہائی مال سے آزاد ہوجائیگا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہبہ وصدقہ وغیرہا کرسکتے ہیں۔

مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد ہے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مولیٰ مرگیا تو آزاد نہ ہوا اور اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرا تو غلام پورا آزاد ہوگیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے کے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا، لہٰذا آزاد بھی نہ ہوگا۔ مدبرہ کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبرہ مطلقہ ہو اور اگر مقیدہ ہو تو نہیں۔ (درمختار، کتاب عتاق)

عمرو بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنے غلام کی آزادی کے لیے کہا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلایا اور اسے بیچ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر وہ غلام اپنی آزادی کے پہلے ہی سال مرگیا تھا۔ (بخاری، رقم الحدیث ۲۵۳۴)

اس کا نام یعقوب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم پر یا سات سو یا نو سو پر نعیم کے ہاتھ اس کو بیچ ڈالا۔ امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہوسکے تو مدبر بیچا جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے وہ ضعیف ہیں اور صحیح حدیث سے مدبر کی بیع کا جواز نکلتا ہے۔ مولیٰ کی حیات میں۔

حدیث ہٰذا سے مالکیہ کے مسلک کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حدیث میں جس غلام کا ذکر ہے اس کی صورت تقریباً ایسی ہی تھی۔ بہر حال مدبر کو اس کا آقا اپنی حیات میں اگر چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے کیوں کہ اس کی آزادی موت کے ساتھ مشروط ہے۔ موت سے قبل اس پر جملہ احکام بیع وشراء لاگو رہیں گے۔

بَابُ الِاسْتِيلَادِ

﴿یہ باب ام ولد کے بیان میں ہے﴾

باب استیلاد کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب استیلاد کی فقہی مطابقت باب تدبیر کے ساتھ اس طرح ہے کہ ان دونوں ابواب میں آزادی موت کے ساتھ مقید ہے۔لہٰذا ان دونوں اسباب کے اشتراک کی وجہ سے انہیں آپس میں ملا دیا ہے۔اور یہ دونوں ابواب استحقاق عقد کے اعتبار سے مطابق ہے۔البتہ باب تدبیر کے تقدم کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسب ہے۔کیونکہ اس میں آزادی لفظ ایجاب کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں استیلاد کے ساتھ ہے لہٰذا اس کو مقدم کر دیا ہے۔اور استیلاد مصدر ہے اس کو معنی بچہ طلب کرنا ہے۔(فتح القدیر،ج ۱۰،ص ۳۱۰،بیروت)

اس سے پہلے باب میں چونکہ آزادی کو مقید کرنا غلام کے ساتھ تھا اور اس میں باندی کے ساتھ ہے۔اور جنس غلامیت میں غلام باندی سے افضل ہے۔کیونکہ ماہیت غلام کا ماہیت باندی سے اعلیٰ ہونا واضح ہے لہٰذا افضل کو مقدم کرنا اولیٰ تھا تو اس کو مقدم کر دیا ہے اور ام ولد والے باب کو اس سے مؤخر کر کیا ہے۔

ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بچہ پیدا ہوا اور مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اقرار کیا یا زمانہ حمل میں اقرار کیا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے اور اس صورت میں ضروری ہے کہ اقرار کے وقت سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو۔(درمختار، کتاب عتق۔باب استیلاد، ج ۵،ص ۲۴۸، بیروت)

استیلاد(ا) طلب بچہ کردن. فرزند خواستن . مادر فرزند کردن کنیزک را . امّ ولد کردن محبت کردن با کنیزک تا از وی فرزند آید۔(تاج المصادر بیہقی)

ولادت خواستن .(غیاث .(با کنیزک آرمیدن برای فرزند شدن . صحبت کردن با کنیزک تا از او فرزند باشد .(زوزنی)طلب الولد من الامۃ .(تعریفات جرجانی)

(اصطلاح فقہ) الاستیلاد در لغت مطلقاً بہ معنی طلب فرزند و شرعاً قرار دادن کنیز یست بنام مادر کودک (امّ ولد) و این عمل بہ دو شی صورت پذیرد : یکی دعوی کودک، مادر بودن کنیز را نسبت بخود، دیگر مالک بودن پدر مر کنیز را، یعنی کنیز، زر خرید پدر کودک باشد.
کذا فی جامع الرموز فی فصل التدبیر .(کشاف اصطلاحات الفنون)

دراثر نزدیکی مولی با اَمہ خود ولدی بوجود آمدن اگرچہ علقہ باشد .استیلاد موجب آن است کہ اختیارات مولی نسبت

بمستولدہ محدود شود و جز در موارد مخصوص نتواند او را بغیر منتقل کند مگر اینکہ انتقال سبب تسریع در آزادی او گردد . منظور از تحدید اختیارات آن است کہ مستولدہ پس از مرگ مولی از سہم الارث ولد خود آزاد شود۔

ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت ابراہیم کی والدہ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: اسے اس کے بچے نے آزاد کرا دیا۔(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 674)

ام ولد سے متعلق اصلاحات

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ایسی لونڈی اپنے خاوند کی بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي، ثنا محمد بن سلمة، عن محمد بن إسحاق، عن خطّاب بن صالح مولى الأنصار، عن أمّه، عن سلامة بنت معقل امرأة من خارجة قيس عَيْلان، قالت :قَدِمَ بي عمي في الجاهلية، فباعني من الحباب بن عمرو أخي أبي اليَسَر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب ثم هلك، فقالت امرأته :الآن والله تباعين في دَيْنِهِ، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت :يارسول الله،إني امرأة من خارجة قيس عيلان قدم بي عمي المدينة في الجاهلية، فباعني من الحباب بن عمرو أخي أبي اليَسَر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب، فقالت امرأته :الآن والله تباعين في دَيْنه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :من وَلِيُّ الحباب؟ "قيل :أخوه أبو اليسر بن عمرو، فبعث إليه فقال: "أعتقوها، فإذا سمعتم برقيقٍ قدم عليَّ فأتوني أعوضكم منها "(ابو داؤد، كتاب العتق، حديث (3953)

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔میرے ہاں ان سے عبدالرحمٰن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ان کی بیوی کہنے لگی،"خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔ " آپ نے فرمایا، "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟ " کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔ " آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آ جایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يوسُفَ .نـا أَبُـو عَـاصِـمٍ، ثـنا أبو بَكْرٍ، يَعْنِي النَّهْشَلِيَّ، عَنِ الْحُسَيْنِ ابنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عِـكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ قَالَ :ذُكِـرَتْ أُمُّ إِبْـرَاهِـيـمَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم .فَقَالَ) :(أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا .(ابن ماجة، كتاب العتق، حديث (2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔"

حدثنا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ومحمد بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالاَ :ثنا وَكِيعٌ .ثـنا شَرِيكٌ، عَنْ حسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ الـلَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :قَالَ :قَـال رَسُـولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم)(أَيُّمَا رَجُلٍ وَلَـدَتْ أَمَتُـهُ مِنْهُ، فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ .(ابـن ماجة، كتاب العتق، حديث 2515، مشكوة، كتاب العتق، حديث (3394)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حدثنا عبد الله بن إسحاق بن إبراهيم البغوي نا أبو زيد بن طريف نا إبراهيم بن يوسف الحضرمي نا الحسن بن عيسى الحنفي عن الحكم بن أبان عن عكرمة عن بن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أم الولد حرة وإن كان سقطا .(دارقطني، كتاب المكاتب، مسند ابن الجعد)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے

مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَـدَّثَنِـي مَـالِكٌ، عَـنْ نَـافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ :أَيُّـمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لاَ يَبِيعُهَا، وَلاَ يَهَبُهَا، وَلاَ يُوَرِّثُهَا ,وَهُـوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ .(موطا مالك، كتاب العتق، حديث (2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گی۔

ام ولد کی بیع کی ممانعت کا بیان

(وَإِذَا وَلَـدَتْ الْأَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَـا فَـقَـدْ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهَا وَلَا تَمْلِيكُهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا) أَخْبَرَ عَنْ إعْتَاقِهَا فَيَثْبُتُ بَعْضُ مَوَاجِبِهِ وَهُوَ حُرْمَةُ الْبَيْعِ ، وَلِأَنَّ الْجُزْئِيَّةَ قَدْ حَصَلَتْ بَيْنَ الْوَاطِئِ وَالْمَوْطُوءَةِ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ فَإِنَّ الْمَاءَيْنِ قَدْ اخْتَلَطَا بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ الْمَيْزُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ ، إلَّا أَنَّ بَعْدَ الِانْفِصَالِ تَبْقَى الْجُزْئِيَّةُ حُكْمًا لَا حَقِيقَةً فَضَعُفَ السَّبَبُ فَأَوْجَبَ حُكْمًا مُؤَجَّلًا إلَى مَا بَعْدِ الْمَوْتِ ، وَبَقَاءُ الْجُزْئِيَّةِ حُكْمًا بِاعْتِبَارِ النَّسَبِ وَهُوَ مِنْ جَانِبِ الرِّجَالِ .

فَكَذَا الْحُرِّيَّةُ تَثْبُتُ فِي حَقِّهِمْ لَا فِي حَقِّهِنَّ ، حَتَّى إذَا مَلَكَتْ الْحُرَّةُ زَوْجَهَا وَقَدْ وَلَدَتْ مِنْهُ لَمْ يُعْتَقْ الزَّوْجُ الَّذِي مَلَكَتْهُ بِمَوْتِهَا ، وَبِثُبُوتِ عِتْقٍ مُؤَجَّلٍ يَثْبُتُ حَقُّ الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ فَيَمْنَعُ جَوَازَ الْبَيْعِ وَإِخْرَاجَهَا لَا إلَى الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ وَيُوجِبُ عِتْقَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ ، وَكَذَا إذَا كَانَ بَعْضُهَا مَمْلُوكًا لَهُ ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَادَ لَا يَتَجَزَّأُ ؛ فَإِنَّهُ فَرْعُ النَّسَبِ فَيُعْتَبَرُ بِأَصْلِهِ .

ترجمہ

جب باندی نے اپنے آقا (کے نطفہ) سے بچہ جنا تو وہ اپنے آقا کی ام ولد ہو گئی اور اسے بیچنا اور (دوسرے کی) ملکیت میں

دینا جائز نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اسے اس کے لڑکے نے آزاد کر دیا آپ ﷺ نے باندی کے آزاد ہونے کی خبر دی، لہٰذا اس آزادی سے اس کے بعض احکام بھی ثابت ہو جائیں گے اور وہ بیع کا حرام ہونا ہے۔ اور اس لئے کہ واطی اور موطوء، کے مابین لڑکے کے واسطے سے جزئیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں پانی اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے کہ ان میں فرق کرنا ناممکن ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں یہ معلوم ہو چکا ہے اس وجہ سے بچہ نکلنے کے بعد یہ جزئیت حکما ثابت رہتی ہے نہ کہ حقیقتا لہٰذا سبب کمزور ہو گیا اسی وجہ سے اس سبب نے ایسا حکم ثابت کیا جو موت کے بعد تک موخر ہے اور حکما جزئیت کا باقی رہنا نسب کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نسب کا اعتبار مردوں کی طرف سے ہوتا ہے اسی لئے آزادی بھی مردوں کے حق میں ثابت ہوگی عورتوں کے حق میں ثابت نہیں ہوگی حتی اگر کہ آزاد عورت اپنے شوہر کی مالک ہو گئی اور اس شوہر سے اس کی اولاد بھی ہو تو بھی اس عورت کے مرنے سے اس کا شوہر آزاد نہیں ہوگا۔

اور آزادی مؤجل کا ثبوت (ام ولد میں) فی الحال حق آزادی کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا اسے فی الوقت فروخت کرنا اور غیر حریت کی طرف نکالنا ممتنع ہوگا اور آقا کی موت کے بعد باندی کی آزادی کو ثابت کرے گی، ایسے ہی جب باندی کا کچھ حصہ آقا کا مملوک ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کے اجزاء نہیں ہوتے، اس وجہ سے کہ استیلاد نسب کی فرع ہے اس لئے اسے اس کی اصل پر قیاس کیا جائے گا۔

ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی آزاد بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یارسول اللہ! ﷺ میں خارجہ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور

فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔" (ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث 3953)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔" (ابن ماجۃ، کتاب العتق، حدیث 2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔" (ابن ماجۃ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث 3394)

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔" (دار قطنی، کتاب المکاتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لاَ يَبِيعُهَا، وَلاَ يَهَبُهَا، وَلاَ يُوَرِّثُهَا ,وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ .(موطا مالك، كتاب العتق، حديث 2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گی۔

یہ حکم جاری کرتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح فرمائی تھی کہ انہوں نے ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا تھا۔

حدثنا محمد بن الحسن النقاش ثنا الحسن بن سفيان نا مصرف بن عمرو نا سفيان بن عيينة عن عبد الرحمن الأفريقي عن مسلم بن يسار عن سعيد بن المسيب أن عمر رضى الله تعالى عنه أعتق أمهات

الأولاد وقال عمر أعتقهن رسول الله صلى الله عليه وسلم .(دارقطني، كتاب المكاتب(

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ام ولد لونڈیوں کو آزاد کیا تو فرمایا، "انہیں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔"

ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول

آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں؛ لیکن حضرت عمرؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتیں ہیں نہ ان میں وراثت جاری ہوسکتی، نہ ان کا ہبہ ہوسکتا؛ بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی، اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔ (موطا امام محمد باب بیع امہات الاولاد)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو مدبر کرے بعد اس کے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ لونڈی مولی کے سامنے مرجائے تو اس کی اولاد اپنی ماں کی طرح مدبر رہے گی جب مولی مرجائے گا اور ثلث مال میں گنجائش ہو تو آزاد ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر عورت کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی اگر وہ مدبر ہے یا مکاتبہ ہے یا معتقہ الی اجل ہے یا مخدمہ ہے یا معتقہ البعض ہے یا گرو ہے یا ام ولد ہے۔ ہر ایک کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی وہ آزاد تو وہ آزاد اور وہ لونی ہو جائے گی تو وہ بھی مملوک ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر لونڈی حالت حمل میں مدبر ہوئی تو اس کا بچہ بھی مدبر ہو جائے گا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ لونڈی کو آزاد کردیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ حاملہ ہے تو اس کا بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح اگر ایک شخص حاملہ لونڈی کو بیچے تو وہ لونڈی اور اس کے پیٹ کا بچہ مشتری کا ہوگا خواہ مشتری نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح بائع کے لئے درست نہیں کہ لونڈی کو بیچے اور اس کا حمل بیچے کیونکہ اس میں دھوکا ہے شاید بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص پیٹ کے بچے کو بیچے اس کی بیع درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدبر اپنے مولی سے کہے تو مجھے ابھی آزاد کردے میں تجھے پچاس دینار قسط وار دیتا ہوں مولی کہے اچھا تو آزاد ہے تو مجھے پچاس دینار پانچ برس میں دے دینا ہر سال دس دینار کے حساب سے مدبر اس پر راضی ہو جائے بعد اس کے دو تین دن میں مولی مرجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور پچاس دینار اس پر قرض رہیں گے اور اس کی گواہی جائز ہو جائے گی اور اس کی حرمت اور میراث اور حدود پورے ہو جائیں گے اور مولی کے مرجانے سے ان پچاس دینار میں کچھ کمی نہ ہو گی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1184)

ام ولد سے خدمات لینے کا بیان

قَالَ: (وَلَهُ وَطْؤُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَإِجَارَتُهَا وَتَزْوِيجُهَا) لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهَا قَائِمٌ فَأَشْبَهَتْ الْمُدَبَّرَةَ (وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إلَّا أَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَدَّعِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ بِالْعَقْدِ فَلَأَنْ يَثْبُتَ بِالْوَطْءِ وَأَنَّهُ أَكْثَرُ إفْضَاءً أَوْلَى . وَلَنَا أَنَّ وَطْءَ الْأَمَةِ يُقْصَدُ بِهِ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ ؛ لِوُجُودِ الْمَانِعِ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنْ الدَّعْوَةِ بِمَنْزِلَةِ مَالِكِ الْيَمِينِ مِنْ غَيْرِ وَطْءٍ ، بِخِلَافِ الْعَقْدِ ؛ لِأَنَّ الْوَلَدَ يَتَعَيَّنُ مَقْصُودًا مِنْهُ فَلَا حَاجَةَ إلَى الدَّعْوَةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ آقا کا اس ام ولد سے جماع کرنا خدمت لینا اور اسے اجرت پر دینا اور اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں ملکیت موجود ہے تو یہ مدبرہ کے مشابہ ہوگئی اور اس کے لڑکے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ آقا اس کا اقرار کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بچے کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا اگرچہ آقا اس کا دعوی نہ کرے۔ اس وجہ سے کہ جب عقد نکاح سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو جماع سے بدرجہ اولی ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ جماع عقد نکاح سے زیادہ بچے کی طرف لے جانے والا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ باندی کے جماع سے قضاء شہوت مقصود ہوتی ہے سوائے ولد کے۔ کیونکہ بچے کے طلب کے مانع پایا جارہا ہے اس لئے نسب کا دعوی کرنا لازم ہے جس طرح کہ وہ باندی جو ملکیت میں ہو اور اس سے جماع نہ کیا گیا ہو جبکہ عقد میں ایسا نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح سے بچے کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اسی دلیل کے پیش نظر دعوی کی ضرورت نہیں ہے۔

ام ولد کے مدبرہ کے مشابہ ہونے کا فقہی بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ بیان کیا ہے کہ ام ولد سے خدمت لینا اور اسی طرح اس سے جماع کرنا اور اس کو اجرت پر دینا یا نکاح کرنا سب جائز ہے اس کی دلیل مصنف علیہ الرحمہ نے یہ بیان کی ہے کہ ام ولد میں ملکیت کا وجود پایا جارہا ہے اور مذکورہ کام ملکیت کے سبب کے پیش نظر ثابت ہوئے ہیں۔ لہذا جب ملکیت یعنی اصل جو مذکورہ احکام کا سبب ہے وہ پائی گئی تو حکم بھی اسی طرح پایا جائے گا۔

ام ولد اور اولاد کے درمیان علیحدگی کی ممانعت کا فقہی بیان

غلام خاندانوں کو یہ حق بھی دے دیا گیا کہ ان کی کسی قسم کی منتقلی کی صورت میں ان کے خاندان کو الگ نہ کیا جائے گا۔

حدثنا عمر بن حفص بن عمر الشيباني أخبرنا عبد الله بن وهب أخبرني حيي عن أبي عبد الرحمن

الحبلی عن أبی أیوب قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من فرق بین والدة وولدها فرق الله بینه وبین أحبته یوم القیامة . قال أبو عیسی وفی الباب عن علی وهذا حدیث حسن غریب . والعمل علی هذا عند أهل العلم من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم کرهوا التفریق بین السبی بین الوالدة وولدها وبین الولد والوالد وبین الأخوة . (ترمذی، کتاب الجهاد، حدیث(1566)

حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "جس نے ماں اوراس کے بچے کوالگ کیا، اللہ قیامت کے دن اس کواس کے پیاروں سے الگ کردے گا۔"

ترمذی کہتے ہیں، "یہ حدیث حسن غریب درجے کی ہے اوراس کی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علماء صحابہ اوردیگر اہل علم کا عمل بھی یہی ہے۔ وہ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ غلاموں میں ماں اور بچے، باپ اور بچے اور، بہن بھائیوں کوعلیحدہ کردیا جائے۔

حَدَّثَنَا وَکِیعٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْیَانُ ، عَنْ جَابِرٍ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ أَبِیهِ ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ، قَالَ : کَانَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم إِذَا أُتِیَ بِالسَّبْیِ أَعْطَی أهل البیت أَهْلَ الْبَیْتِ جَمِیعًا کَرَاهِیَةَ أَنْ یُفَرِّقَ بَیْنَهُمْ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (23265)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب بھی جنگی قیدیوں کی خدمات کوتقسیم کرتے توان کے ایک پورے گھرانے کوایک گھر کی خدمت کے لئے دیا کرتے۔ آپ اسے سخت ناپسند فرماتے کہ ایک ہی گھر کے افراد میں علیحدگی کروائی جائے۔

حَدَّثَنَا حَفْصٌ ، عَنِ ابْنِ أَبِی لَیْلَی ، عَنِ الْحَکَمِ ، عَنْ عَلِیٍّ ، قَالَ : بَعَثَ مَعِی النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم بِغُلاَمَیْنِ سَبِیَّیْنِ مَمْلُوکَیْنِ أَبِیعُهُمَا ، فَلَمَّا أَتَیْتُهُ ، قَالَ : جَمَعْتَ أَوْ فَرَّقْتَ ؟ قُلْتُ : فَرَّقْتُ ، قَالَ : فَأَدْرِکْ أَدْرِکْ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (23258)

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دوجنگی قیدی غلاموں کومیرے ساتھ بھیجا کہ ان کی خدمات کوفروخت کردیا جائے۔ جب میں واپس آیا تو آپ نے پوچھا، "انہیں اکٹھا رکھا ہے یا الگ الگ؟ "میں نے عرض کیا، "الگ الگ۔" آپ نے فرمایا، "تمہیں اس بات کاعلم ہونا چاہیے تھا(کہ انہیں الگ کرنا جائز نہیں ہے۔"

حَدَّثَنَا وَکِیعٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْیَانُ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ ، عَنْ أُمِّهِ فَاطِمَةَ ابْنَةِ حُسَیْنٍ ، أَنَّ زَیْدَ بْنَ حَارِثَةَ قَدِمَ یَعْنِی مِنْ أَیْلَةَ ، فَاحْتَاجَ إِلَی ظَهْرٍ فَبَاعَ بَعْضَهُمْ ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم رَأَی امْرَأَةً مِنْهُمْ تَبْکِی ، قَالَ : مَا شَأْنُ هَذِهِ ؟ فَأُخْبِرَ أَنَّ زَیْدًا بَاعَ وَلَدَهَا ، فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم : أُرْدُدْهُ أَوِ اشْتَرِهِ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (23257)

حضرت فاطمہ بنت حسین بیان کرتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایلہ سے واپس آئے۔ انہوں نے کچھ غلاموں کی خدمات کوفروخت کردیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم آئے تو آپ نے ایک خاتون کوروتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا، "انہیں کیا ہوا؟ " آپ کو بتایا گیا کہ زید نے ان کے بیٹے کی خدمات کوفروخت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (خدمات خریدنے والوں سے) فرمایا، "یاتوان کے بیٹے کوواپس کرو یا پھر ماں کی خدمات کوبھی خریدلو۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَیَّةَ ، عَنْ أَیُّوبَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِینَارٍ ، عَنْ فَرُّوخَ ، قَالَ : کَتَبَ عُمَرُ : أَنْ لاَ تُفَرِّقُوا بَیْنَ الأَخَوَیْنِ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (23259)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنایا، "(خدمات کی منتقلی کے وقت) دوبھائیوں میں علیحدگی نہ کروائی جائے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُیَیْنَةَ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ فَرُّوخَ -وَرُبَّمَا قَالَ : عَنْ أَبِیهِ : أَنَّ عُمَرَ ، قَالَ : لاَ تُفَرِّقُوا بَیْنَ الأُمِّ وَوَلَدِهَا .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (23260)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنایا، "(خدمات کی منتقلی کے وقت) ماں اوراس کی اولاد میں علیحدگی نہ کروائی جائے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَیَّةَ ، عَنْ یُونُسَ ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ هِلاَلٍ ، قَالَ : قَالَ عِقَالُ -أَوْ حَکِیمُ بْنُ عِقَالٍ- قَالَ : کَتَبَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَی عِقَالٍ : أَنْ یَشْتَرِیَ مِنهُ أَهْلَ بَیْتٍ یَرْفَعُهُمْ إِلَی الْمَدِینَةِ ، وَلاَ تَشْتَرِی لِی شَیْئًا تُفَرِّقُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ وَالِدِهِ .(ابن ابی شیبة؛ حدیث (23261)

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عقال کولکھا، "ایک ہی خاندان کے سوافراد کی خدمات کوخرید کرانہیں مدینہ روانہ کردو۔ خدمات کی خریداری اس طرح سے مت کرنا جس کے نتیجے میں اولاد اوروالدین میں علیحدگی ہوجائے۔"

ان احادیث کودرج ذیل حدیث کے ساتھ ملاکر پڑھا جائے توصورت اورواضح ہوجاتی ہے۔

حدثنا أبو کریب حدثنا وکیع عن زکریا بن إسحاق عن یحیی بن عبد الله بن صیفی عن أبی معبد عن ابن عباس أن رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث معاذ بن جبل إلی الیمن فقال اتق دعوة المظلوم فإنها لیس بینها وبین الله حجاب . قال أبو عیسی وفی الباب عن أنس وأبی هریرة وعبد الله بن عمر وأبی سعید وهذا حدیث حسن صحیح وأبو معبد اسمه نافذ . (ترمذی، کتاب الادب، حدیث(2014)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کویمن کا عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا، "مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ اس کے اوراللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ " ترمذی نے اس حدیث کوانس، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمراورابوسعیدرضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے اورکہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس معاملے میں مسلمانوں کے اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کسی بھی حالت میں غلاموں کے خاندان کوتقسیم نہیں کیا

جائے گا۔ خطابی لکھتے ہیں:

و لا یختلف مذاهب العلماء فی کراهة التفریق بین الجاریة و ولدها الصغیر سواء کانت مسبیة من بلاد الکفر او کان الولد من زنا او کان زوجها اهلها فی الاسلام فجاء ت بولد ۔ و لا اعلمهم یختلفون فی ان التفرقة بینهما فی العتق جائز و ذلك ان العتق لا یمنع من الحضانة کما یمنع منها البیع ۔ (خطابی، معالم السنن، کتاب الجهاد)

ایک لونڈی اور اس کے چھوٹے بچے کو علیحدہ کرنے کے بارے میں علماء کے نقطہ ہائے نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ دشمن کے کسی ملک سے آئی ہو یا اس کا بچہ بدکاری کا نتیجہ ہو یا اس کے مالکوں نے اس کی شادی مسلمانوں میں کردی ہو (ہر صورت میں اس کا بچہ اس کے پاس ہی رہے گا۔) اس معاملے میں بھی مجھے کوئی اختلاف نہیں مل سکا کہ (ماں یا بچے میں سے کسی ایک کو) آزاد کردینے کی صورت میں علیحدگی جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کردینے کی صورت میں تو ماں اپنے بچے کی پرورش کرسکتی ہے مگر خدمات کی منتقلی کی صورت میں نہیں۔

ولد ثانی کیلئے ولد اول کا ثبوت نسب میں عدم اقرار کا بیان

(فَإِنْ) (جَاءَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِوَلَدٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ بِغَيْرِ إِقْرَارٍ) مَعْنَاهُ بَعْدَ اعْتِرَافٍ مِنْهُ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ بِدَعْوَى الْوَلَدِ الْأَوَّلِ تَعَيَّنَ الْوَلَدُ مَقْصُودًا مِنْهَا فَصَارَتْ فِرَاشًا كَالْمَعْقُودَةِ (إلَّا أَنَّهُ إذَا نَفَاهُ يَنْتَفِي بِقَوْلِهِ) ؛ لِأَنَّ فِرَاشَهَا ضَعِيفٌ حَتَّى يَمْلِكَ نَقْلَهُ بِالتَّزْوِيجِ ، بِخِلَافِ الْمَنْكُوحَةِ حَيْثُ لَا يَنْتَفِي الْوَلَدُ بِنَفْيِهِ إلَّا بِاللِّعَانِ ؛ لِتَأَكُّدِ الْفِرَاشِ حَتَّى لَا يَمْلِكَ إبْطَالَهُ بِالتَّزْوِيجِ ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ حُكْمٌ .

فَأَمَّا الدِّيَانَةُ ، فَإِنْ كَانَ وَطِئَهَا وَحَصَّنَهَا وَلَمْ يَعْزِلْ عَنْهَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ وَيَدَّعِي ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْوَلَدَ مِنْهُ ، وَإِنْ عَزَلَ عَنْهَا أَوْ لَمْ يُحَصِّنْهَا جَازَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ ؛ لِأَنَّ هَذَا الظَّاهِرَ يُقَابِلُهُ ظَاهِرٌ آخَرُ ، هَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَفِيهِ رِوَايَتَانِ أُخْرَيَانِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ذَكَرْنَاهُمَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى .

ترجمہ

پس جب آقا کے پہلے بچے کا اقرار لیا جائے گا تو اگر اس کے بعد دوسرا بچہ اس باندی سے پیدا ہوگا تو اقرار کے بغیر اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اس کا حکم یہ ہے کہ آقا کی طرف سے پہلے بچے کے اقرار کے بعد جبکہ اس باندی سے بچے کا حصول مقصود بن

متعین ہوچکا ہے تو یہ ام ولد فراش ہوگئی جس طرح شادی شدہ عورت فراش ہوجاتی ہے مگر جب آقا دوسرے بچے کی نفی کردے تو اس کے قول سے اس بچے کے نسب کی نفی ثابت ہوجائے گی کیونکہ اس کا فراش کمزور ہے اسی لئے شوہر اپنی منکوحہ کا کسی اور سے نکاح کرا کے اس فراش کو ختم کرنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ حکم لیکن دیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آقا نے ام ولد سے جماع کرلیا اور اسے محفوظ رکھا اور اس سے عزل نہیں کیا تو آقا کے لئے ضروری ہے۔ اس بچے کا اقرار کرے اور اس کا دعویٰ کرے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ اسی کا ہی ہے اگر آقا اس سے عزل کرتا رہا یا اس کو محفوظ نہیں رکھا تو اس بچے کی نفی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس ظاہر کے مقابلے میں ایک اور ظاہر بھی ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ نے بیان کیا ہے اور صاحبین سے دو روایات اور بھی روایت کی گئی ہیں۔ جن کو ہم نے کفایت المنتہی میں بیان کردیا ہے۔

شرح

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ ولد ثانی کیلئے الگ اقرار لینا ضروری نہ ہوگا کیونکہ جب آقا پہلے بچے کا اقرار کرچکا ہے اور دوسرا بچہ بھی اسی باندی سے پیدا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے ولد اول ولد ثانی کیلئے بطور اصل باعتبار حکم اور ولد ثانی ولد اول کیلئے فرع بطور حکم ہوا اور دونوں میں علت مشترکہ اقرار اول ہے۔ ہاں البتہ جب وہ نفی کردے گا تو حکم ولد ثانی سے ختم ہوجائے گا کیونکہ علت مشترکہ کا معدوم ہونا حکم کے عدم کو لازم ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

ام ولد کی خدمات کے انتقال میں بعض فقہی نظریات

امام خطابی نے معالم السنن میں بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں بھی ایسا بہت ہی کم ہوتا تھا کہ کوئی اپنے بچے کی ماں کی خدمات کسی اور کی طرف منتقل کردے۔ اپنے بچے کی ماں کو منتقل کرنا آسان کام نہیں۔ اگر ایسا کرتے ہوئے بچے کو ماں سے الگ کرلیا جائے تو یہ بدترین ظلم ہوگا جس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفاء راشدین نے ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ اگر بچے کی ماں کو منتقل کرتے ہوئے بچے کو اس کے ساتھ ہی رہنے دیا جائے تو وہ کون سا غیرت مند باپ ہوگا جو اپنے بچے کو کسی اور کی غلامی میں جانے دے گا۔

اس روایت کو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی جلیل القدر صحابی ہیں جن کا ذاتی کردار خود اس روایت کی نفی کردیتا ہے۔ بخاری کی مشہور روایت کے مطابق سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد جب جنگ احد میں شہید ہوئے تو یہ نوجوان تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی بہنیں تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے نوجوانی کے جذبات کو ایک طرف رکھ کر ایک بڑی عمر کی خاتون سے شادی کرلی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایسا صرف اپنی بہنوں کے لئے کیا ہے تاکہ بڑی عمر کی خاتون ان کی بہنوں کی دیکھ بھال آسانی سے کرسکے۔ ایسے کردار کے شخص سے کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی والدہ کو کسی اور کی طرف منتقل کردے گا؟

اس روایت سے بظاہر تاثر یہ ملتا ہے کہ ام ولد کی خدمات کو فروخت کرنا عہد رسالت میں گویا ایک عام معمول تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو اس ضمن میں ایسی بہت سی روایات ملنی چاہییں جن میں لوگوں نے ام ولد کی خدمات کو منتقل کیا ہو۔ عہد رسالت میں ایسا ایک ہی واقعہ ملتا ہے جس کی اطلاع ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود جا کر اس معاملے کو روک دیا۔ عہد رسالت تو کیا دور جاہلیت میں بھی ایسے واقعات استثنائی تھے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بات کو سمجھنے میں کسی راوی کو شدید غلطی لاحق ہوئی ہے۔ انہوں نے کچھ اور فرمایا ہوگا جسے راوی نے کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ غالب گمان ہے کہ انہوں نے یہ بیان فرمایا ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے ام ولد کی خدمات کو منتقل کرنے کے خلاف حکومت کی جانب سے باقاعدہ کاروائی نہیں کی گئی تھی جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے قابل تعزیر جرم قرار دے دیا گیا تھا۔

امام بغوی نے شرح السنۃ میں بیان کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے پہلے لوگوں میں کچھ تشویش پائی جاتی تھی۔ آپ کے اس اقدام کے بعد سب لوگوں کا ذہن اس معاملے میں واضح ہو گیا اور اس پر امت کا اجماع ہو گیا کہ ام ولد کی خدمات کو منتقل نہیں کیا جائے گا۔

ام ولد کے نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا بیان

(فَإِنْ زَوَّجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ) ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْحُرِّيَّةِ يَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ كَالتَّدْبِيرِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ وَلَدَ الْحُرَّةِ حُرٌّ وَوَلَدَ الْقِنَّةِ رَقِيقٌ وَالنَّسَبُ يَثْبُتُ مِنْ الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّ الْفِرَاشَ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ النِّكَاحُ فَاسِدًا إِذْ الْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ فِي حَقِّ الْأَحْكَامِ ، وَلَوْ ادَّعَاهُ الْمَوْلَى لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ مِنْ غَيْرِهِ ، وَيُعْتَقُ الْوَلَدُ وَتَصِيرُ أُمُّهُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لِإِقْرَارِهِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی ام ولد کا نکاح کر دیا تو اس کے بعد اگر اس نے بچہ پیدا کیا تو وہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا اس لئے کہ آزاد ہونے کا حق بچے کی طرف سرائیت کر جاتا ہے جس طرح تدبیر میں سرائیت کر جاتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آزاد عورت کا بچہ آزاد ہوتا ہے۔ اور خالص باندی کا بچہ خالص غلام ہوتا ہے۔ اور نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ فراش اسی کا ہوتا ہے اگرچہ نکاح فاسد ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے کہ نکاح فاسد بھی احکام میں نکاح صحیح کے ساتھ ملا ہوا ہے اس لئے اگر آقا اس بچے کا دعویٰ بھی کرے تو آقا سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس بچے کا نسب آقا کے علاوہ دوسرے باپ سے ثابت ہے اور بچہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ماں اس آقا کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ آقا اس کا اقرار کر چکا ہے۔

شرح

ان سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کے بچے کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لڑکا میرا ہے۔ پھر جب فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ) تشریف لائے، تو سعد رضی اللہ عنہ نے زمعہ کی باندی کے لڑکے کو لے لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عبد بن زمعہ بھی ساتھ تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ! یہ میرا بھائی ہے۔ جو زمعہ (میرے والد) کی باندی کا لڑکا ہے۔ انہیں کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمعہ کی باندی کے لڑکے کو دیکھا تو واقعی وہ عتبہ کی صورت پر تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عبد بن زمعہ ! یہ تمہاری پرورش میں رہے گا۔ کیوں کہ بچہ تمہارے والد ہی کے فرش میں پیدا ہوا ہے۔ آپ نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اے سودہ بن زمعہ !(رضی اللہ عنہا ام المؤمنین) اس سے پردہ کیا کر یہ ہدایت آپ نے اس لیے کی تھی کہ بچے میں عتبہ کی شباہت دیکھ لی تھی۔ سودہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ (بخاری) اس حدیث میں ام ولد کا ذکر ہے۔ یہاں یہ حدیث لانے کا یہی مطلب ہے۔

آقا کی موت کے بعد ام ولد کا پورے مال سے آزاد ہونا

(وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ) لِحَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِعِتْقِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ وَأَنْ لَا يُبَعْنَ فِي دَيْنٍ وَلَا يُجْعَلْنَ مِنْ الثُّلُثِ) . وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى الْوَلَدِ أَصْلِيَّةٌ فَتُقَدَّمُ عَلَى حَقِّ الْوَرَثَةِ وَالدَّيْنِ كَالتَّكْفِينِ ، بِخِلَافِ التَّدْبِيرِ ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ مِنْ زَوَائِدِ الْحَوَائِجِ .

ترجمہ

اور جب آقا فوت ہو جائے تو ام ولد مکمل مال کے ساتھ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات الاولاد کو آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ ان کو کسی قرض میں فروخت نہ کیا جائے اور ان کو تہائی مال کے ساتھ آزاد نہ کیا جائے اس لئے کہ بچے کی ضرورت اصل ہے اس وجہ سے یہ ورثاء کے حق اور قرض پر مقدم کی جائے گی جیسے کفن دفن تدبیر کے خلاف کیونکہ تدبیر ضرورت اصلیہ سے زائد چیز کی وصیت ہے۔

موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ

ام ولد وہ لونڈی ہے جو اپنے مالک کو جنے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز

ہے۔ترجیح قول اول ہی کو حاصل ہے۔قیامت کی نشانی والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس لیے لائے تا کہ اشارہ ہو کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بکنا یا اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں :وقد اختلف السلف والخلف فی عتق ام الولد و فی جواز بیعها فالثابت عن عمر عدم جواز بیعها ۔

یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزادی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم جواز ثابت ہے۔یہ بھی مروی ہے کہ عہد رسالت میں پھر عہد صدیقی میں ام ولد کی خرید وفروخت ہوا کرتی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصالح کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

قال الطیبی ھذا من اقوی الدلائل علی بطلان بیع امھات الاولاد و ذلك ان الصحابة لولم یعلموا ان الحق مع عمر لم یتابعوه علیه ولم یسکتوا عنه (حاشیه بخاری ج1 :ص 344) یعنی طیبی نے کہا کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اولاد والی لونڈی کا بیچنا باطل ہے ۔ اگر صحابہ کرام یہ نہ جانتے کہ حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو وہ نہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے اور نہ اس فیصلہ پر خاموش رہتے ۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق تھا ۔

الفاظ حدیث :ان تلدالامة ربها کے ذیل میں شارحین لکھتے ہیں ۔ الرب لغة السید و المالك والمربی والمنعم والمراد ھھنا المولیٰ معناه اتساع الاسلام واستیلاء اهله علی الترك واتخاذهم سراری واذا استولد الجاریة کان الولد بمنزلة ربها لانه ولد سیدها ولانه فی الحسب کابیه اولان الاماء یلدن الملوك فتصیر الامام من جملة الرعایا اوهو کنایة عن عقوق الاولاد بان یعامل الولد امه معاملة السید امته الخ (شرح بخاری)

یعنی رب لغت میں سید اور مالک اور مربی اور منعم کو کہا جاتا ہے۔یہاں مولا مراد ہے۔یعنی یہ کہ اسلام بہت وسیع ہو جائے گا اور مسلمان ترکوں پر غالب آ کر ان کو غلام بنالیں گے اور جب لونڈی بچہ جنے تو گویا اس نے خود اپنے مالک کو جنم دیا۔اس لیے کہ وہ

اس کے مالک کا بچہ ہے یا وہ حسب میں اپنے باپ کے مانند ہے یا یہ کہ لونڈیاں بادشاہوں کو جنیں گی پس امام بھی رعایا میں ہو جائیں گے۔یا اس جملہ میں اولاد کی نافرمانیوں پر اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ ایک لونڈی کے ساتھ اس کا آقا برتاؤ کرتا ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرب قیامت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ لونڈیوں کی اولاد بادشاہ بن جائے گی۔

مالک کے قرض خواہوں کے سبب ام ولد پر کمائی کے عدم وجوب کا بیان

(وَلَا سِعَايَةَ عَلَيْهَا فِي دَيْنِ الْمَوْلَى لِلْغُرَمَاءِ) لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ حَتَّى لَا تُضْمَنُ بِالْغَصْبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهَا حَقُّ الْغُرَمَاءِ كَالْقِصَاصِ ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ .

ترجمہ

اور ام ولد پر آقا کے قرض داروں کے لئے کمائی واجب نہیں ہوگی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ ام ولد مال متقوم نہیں ہے جبکہ غصب کی وجہ سے ام ولد مضمون نہیں ہوتی اس لئے ام ولد سے قرض داروں کا حق متعلق نہیں ہوگا جیسے قصاص ہے جبکہ مدبر میں اس طرح نہیں ہے۔اس لئے کہ مدبر مال متقوم ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل مذکورہ دلائل میں بیان کردہ حدیث ہے۔اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ام ولد کا مال متقوم نہ ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ مالک کے قرض داروں کو قرض کرنے کی مکلّف نہیں ہے۔کیونکہ اس میں اس تکلیف کی اہلیت ہی نہیں ہے۔اور غیر کے حق میں کسی کو مکلّف کرنا درست نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل دوسری یہ ہے کہ اس مسئلہ کو قصاص پر قیاس کیا گیا ہے۔جس طرح قصاص والوں کیلئے ام ولد مکلّف نہ ہوگی اور البتہ مدبرہ اس صورت میں فرق کرنا فقہی تفریع کے طور پر ضروزی ہوگا کیونکہ بطور تنوع ام ولد اور مدبرہ میں فرق واضح ہے۔

نصرانی کی ام ولد کے مکاتبہ کی طرح ہونے کا بیان

(وَإِذَا أَسْلَمَتْ أُمُّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ فَعَلَيْهَا أَنْ تَسْعَى فِي قِيمَتِهَا) وَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ لَا تُعْتَقُ حَتَّى تُؤَدِّيَ السِّعَايَةَ .وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ :تُعْتَقُ فِي الْحَالِ وَالسِّعَايَةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا ، وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إذَا عُرِضَ عَلَى الْمَوْلَى الْإِسْلَامُ فَأَبَى ، فَإِنْ أَسْلَمَ تَبْقَى عَلَى حَالِهَا .لَهُ أَنَّ إزَالَةَ الذُّلِّ عَنْهَا بَعْدَمَا أَسْلَمَتْ وَاجِبَةٌ وَذَلِكَ بِالْبَيْعِ أَوْ الْإِعْتَاقِ وَقَدْ تَعَذَّرَ الْبَيْعُ فَتَعَيَّنَ الْإِعْتَاقُ .

وَلَنَا أَنَّ النَّظَرَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِي جَعْلِهَا مُكَاتَبَةً ؛ لِأَنَّهُ يَنْدَفِعُ الذُّلُّ عَنْهَا بِصَيْرُورَتِهَا حُرَّةً يَدًا وَالضَّرَرُ عَنْ الذِّمِّيِّ لِانْبِعَاثِهَا عَلَى الْكَسْبِ نَيْلًا لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ فَيَصِلُ الذِّمِّيُّ إلَى بَدَلِ مِلْكِهِ ، أَمَّا لَوْ أُعْتِقَتْ وَهِيَ مُفْلِسَةٌ تَتَوَانَى فِي الْكَسْبِ وَمَالِيَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ يَعْتَقِدُهَا الذِّمِّيُّ مُتَقَوِّمَةً فَيُتْرَكُ وَمَا يَعْتَقِدُهُ ، وَلِأَنَّهَا إنْ لَمْ تَكُنْ مُتَقَوِّمَةً فَهِيَ مُحْتَرَمَةٌ ، وَهَذَا يَكْفِي لِوُجُوبِ الضَّمَانِ كَمَا فِي الْقِصَاصِ الْمُشْتَرَكِ إذَا عَفَا أَحَدُ الْأَوْلِيَاءِ يَجِبُ الْمَالُ لِلْبَاقِينَ .

(وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهَا عَتَقَتْ بِلَا سِعَايَةٍ) ؛ لِأَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ، وَلَوْ عَجَزَتْ فِي حَيَاتِهِ لَا تُرَدُّ قِنَّةً ؛ لِأَنَّهَا لَوْ رُدَّتْ قِنَّةً أُعِيدَتْ مُكَاتَبَةً لِقِيَامِ الْمُوجِبِ

ترجمہ

اوراگر نصرانی کی ام ولد ایمان لے آئے تو وہ کوشش کرے گی اپنی قیمت کے لئے اور وہ مکاتبہ کی طرح ہو جائے گی اور وہ آزاد نہیں ہوگی جب تک وہ سعایہ نہ ادا کردے امام زفرؒ بیان فرماتے ہیں کہ وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گی اور سعایہ اس پر قرض ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب آقا پر اسلام پیش کیا گیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو اس کے بعد اگر وہ ایمان لے آئے تو ام ولد اسی حالت میں لوٹ آئے گی امام زفرؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ام ولد مسلمان ہونے کے بعد اس سے ذلت کو دور کر دینا واجب ہے اور یہ ازالہ یا تو بیع سے ہوگا یا آزاد کرنے سے ہوگا اور بیع تو ناممکن ہو چکی ہے اس لئے آزاد کرنا متعین ہو گیا اور ہم کہتے ہیں ام ولد کو نصرانی بنانے میں دونوں طرف سے شفقت ہے کیونکہ ام ولد کے قبضہ کے اعتبار سے آزاد ب ہونے کی وجہ سے اس سے ذلت دور ہو جائے گی اور ذمی سے ضرر دور ہو جائے گا اس لئے کہ ام ولد کی حریت کا شرف حاصل کرنے کے لئے آقا اس کو کمائے کرنے پر ابھارے گا اور ذمی اپنی ملکیت کا بدل پالے گا اور اگر وہ ام ولد اسی وقت آزاد کر دی جائے اس حال میں کہ وہ مفلس ہو تو وہ کمائی کرنے میں سستی کرے گی۔ اور ذمی اپنی ام ولد کی مالیت کو متقوم سمجھتا ہے اس لئے ذمی کو اس کے اعتقاد کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا اور اس لئے کہ ام ولد کی مالیت اگرچہ متقوم نہیں اس کے باوجود بھی وہ محترم ضرور ہے۔ اور اس کا محترم ہونا اس کے ضمان کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے۔ جس طرح قصاص مشترک میں اگر ایک ولی معاف کر دے تو دوسروں کے لئے مال واجب ہوگا اور جب اس کا آقا مر جائے تو یہ ام ولد کمائی کئے بغیر آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ام ولد ہے اور اگر آقا کی زندگی میں وہ سعایہ سے عاجز ہو گئی تو وہ دوبارہ خالص باندی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر اسے خالص غلام قرار دیا جائے تو وہ دوبارہ مکاتبہ ہو جائے گی کیونکہ سبب موجود ہے۔

شرح

ام ولد وہ لونڈی ہے جو اپنے مالک کو جنے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ

اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز ہے۔ ترجیح قول اول ہی کو حاصل ہے۔ قیامت کی نشانی والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس لیے لائے تا کہ اشارہ ہو کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بکنا یا اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں :وقد اختلف السلف والخلف فی عتق ام الولد و فی جواز بیعها فالثابت عن عمر عدم جواز بیعها الخ یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزادی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم جواز ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عہد رسالت میں پھر عہد صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصالح کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

قال الطیبی هذا من اقوی الدلائل علی بطلان بیع امهات الاولاد و ذلك ان الصحابة لولم یعلموا ان الحق مع عمر لم یتابعوه علیه ولمیسکتوا عنه(حاشیہ بخاری ج1 :ص 344 :)

یعنی طیبی نے کہا کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اولاد والی لونڈی کا بیچنا باطل ہے۔ اگر صحابہ کرام یہ نہ جانتے کہ حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو وہ نہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے اور نہ اس فیصلہ پر خاموش رہتے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق تھا۔

. الفاظ حدیث :ان تلد الامة ربها کے ذیل میں شارحین لکھتے ہیں ۔ الرب لغة السید و المالك والمربی والمنعم و المراد ههنا المولیٰ معناه اتساع الاسلام و استیلاء اهله علی الترك و اتخاذهم سراری واذا استولد الجاریة کان الولد بمنزلة ربها لانه ولد سیدها ولانه فی الحسب کابیه اولان الاماء یلدن الملوك فتصیر الامام من جملة الرعایا اوهو کنایة عن عقوق الاولاد بان یعامل الولد امه معاملة السید امته الخ (شرح بخاری)

یعنی رب لغت میں سید اور مالک اور مربی اور منعم کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مولا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام بہت وسیع ہو جائے گا اور مسلمان ترکوں پر غالب آ کر ان کو غلام بنالیں گے اور جب لونڈی بچہ جنے تو گویا اس نے خود اپنے مالک کو جنم دیا۔ اس لیے کہ وہ اس کے مالک کا بچہ ہے یا وہ حسب میں اپنے باپ کے مانند ہے یا یہ کہ لونڈیاں بادشاہوں کو جنیں گی پس امام بھی رعایا میں ہو جائیں گے۔ یا اس جملہ میں اولاد کی نافرمانیوں پر اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ ایک لونڈی کے ساتھ اس کا آقا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب قیامت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ لونڈیوں کی اولاد بادشاہ بن جائے گی

دوسرے کی باندی سے نکاح کے ذریعے بچہ حاصل کرنے کا بیان

(وَمَنْ اسْتَوْلَدَ أَمَةَ غَيْرِهِ بِنِكَاحٍ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ

:لَا تَصِيرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ، وَلَوْ اسْتَوْلَدَهَا بِمِلْكِ يَمِينٍ ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ ثُمَّ مَلَكَهَا تَصِيرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ عِنْدَنَا ، وَلَهُ فِيهِ قَوْلَانِ وَهُوَ وَلَدُ الْمَغْرُورِ.

لَـهُ أَنَّهَا عَلِقَتْ بِرَقِيقٍ فَلَا تَكُونُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ كَمَا إذَا عَلِقَتْ مِنْ الزِّنَا ثُمَّ مَلَكَهَا الزَّانِي ، وَهَـذَا ؛ لِأَنَّ أُمُومِيَّةَ الْوَلَدِ بِاعْتِبَارِ عُلُوقِ الْوَلَدِ حُرًّا ؛ لِأَنَّهُ جُزْءُ الْأُمِّ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ وَالْجُزْءُ لَا يُخَالِفُ الْكُلَّ .

وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْئِيَّةُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَالْجُزْئِيَّةُ إنَّمَا تَثْبُتُ بَيْنَهُمَا بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ الْوَاحِدِ إلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَلًا وَقَدْ ثَبَتَ النَّسَبُ فَتَثْبُتُ الْجُزْئِيَّةُ بِهَذِهِ الْوَاسِطَةِ ، بِخِلَافِ الزِّنَا ؛ لِأَنَّهُ لَا نَسَبَ فِيهِ لِلْوَلَدِ إلَى الزَّانِي ، وَإِنَّمَا يُعْتَقُ عَلَى الزَّانِي إذَا مَلَكَهُ ؛ لِأَنَّهُ جُزْؤُهُ حَقِيقَةً بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ .

نَظِيرُهُ مَنْ اشْتَرَى أَخَاهُ مِنْ الزِّنَا لَا يُعْتَقُ ؛ لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إلَيْهِ بِوَاسِطَةِ نِسْبَتِهِ إلَى الْوَالِدِ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ .

ترجمہ

جس شخص نے کسی دوسرے کی باندی سے نکاح کر کے بچہ حاصل کیا پھر وہ اس باندی کا مالک بن گیا اس صورت میں وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ باندی ام ولد نہیں ہوگی۔ اور اگر ملک یمین کے ساتھ کسی باندی سے بچہ حاصل کیا ہو تو اس کے بعد اگر وہ باندی مستحق نکلی پھر مستولد اس کا مالک بن گیا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس بارے میں دو قول ہیں اور یہی ولد المغرور ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ باندی غلام سے حاملہ ہوئی ہے اس لئے وہ مستولد کی ام ولد نہیں ہوگی جبکہ اسی صورت میں وہ زنا سے حاملہ ہوئی ہو پھر زانی اس کا مالک ہو گیا ہو۔ کیونکہ ام ولد ہونا بچے کے آزاد حمل قرار پانے کے اعتبار سے ہے اسی وجہ کہ حمل کی حالت میں بچہ اپنی ماں کا حصہ ہوتا ہے اور جز کل سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا ہمارے نزدیک استیلاد کا حکم جزئیت کی طرح ہے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں واطی اور موطوئہ کے درمیان اسی وقت جزئیت ثابت ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کی طرف ولد کی نسبت کی جائے اور اس صورت میں نسب ثابت ہے اس لئے اسی واسطے سے جزئیت بھی ثابت ہو گئی۔ جبکہ زنا میں ایسا نہیں ہے کیونکہ زنا زانی کی طرف بچے کی نسبت کو ثابت نہیں کرتا۔ اور جب زانی بچے کا مالک ہو جاتا ہے تو لڑکا اس پر آزاد ہے ۔اس وجہ سے کہ وہ بچہ کسی واسطے کے بغیر حقیقی طور پر زنا کرنے والے کا جزء ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح کسی نے زنا سے

پیدا ہونے والے اپنے بھائی کو خریدا تو وہ بھائی اس خریدنے والے پر آزاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ بھائی باپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس خریدنے والے کی طرف منسوب ہوگا جبکہ باپ کی نسبت ثابت نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اسکو ایک حیض نہ آ جائے (احمد ابوداؤد داری)

اگر کسی غیر حاملہ کو اسکی کم عمری کی جہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبرائیہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔ لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں الحیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائگا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دار الحرب سے کسی کافرہ کو بطور لونڈی کے پکڑ لانے سے اسکا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے یعنی کفار سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائگا) لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ انکے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

اور حضرت رویفع ابن ثابت الانصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسکے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حاملہ ہے جائز نہیں ہے اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے) ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ زرع تک نقل کیا ہے۔

بیٹے کی باندی سے بچہ پیدا ہونے کا بیان

(وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ ابْنِهِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَعَلَيْهِ

قِيمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَلَا قِيمَةُ وَلَدِهَا) وَقَدْ ذَكَرْنَا الْمَسْأَلَةَ بِدَلَائِلِهَا فِي كِتَابِ النِّكَاحِ مِنْ هَذَا الْكِتَابِ ، وَإِنَّمَا لَا يَضْمَنُ قِيمَةَ الْوَلَدِ ؛ لِأَنَّهُ انْعَلَقَ حُرَّ الْأَصْلِ لِاسْتِنَادِ الْمِلْكِ إلَى مَا قَبْلَ الِاسْتِيلَادِ .

(وَإِنْ وَطِءَ أَبُو الْأَبِ مَعَ بَقَاءِ الْأَبِ لَمْ يَثْبُتْ النَّسَبُ) ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْجَدِّ حَالَ قِيَامِ الْأَبِ (وَلَوْ كَانَ الْأَبُ مَيِّتًا ثَبَتَ مِنْ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ مِنْ الْأَبِ) ؛ لِظُهُورِ وِلَايَتِهِ عِنْدَ فَقْدِ الْأَبِ ، وَكُفْرُ الْأَبِ وَرِقُّهُ بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهِ ؛ لِأَنَّهُ قَاطِعٌ لِلْوِلَايَةِ

ترجمہ

اور جب باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کرلیا اور باندی نے بچہ اور باپ نے اس بچے کا دعوٰی کیا تو باپ سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ باندیاس کی ام ولد ہو جائے گی اور باپ پر اس باندی کی قیمت لازم ہوگی لیکن اس کا مہر باپ پر لازم نہیں ہوگا اور نہ ہی اس باندی کے بچے کی قیمت لازم ہوگی اور یہ بات ہم کتاب النکاح میں دلائل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔اور باپ اس وجہ سے بچے کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ وہ بچہ حرالاصل ہوکر حمل قرار پایا تھا اس لئے کہ بچے کے حاصل ہوکرنے سے پہلے ہی باپ کی ملکیت کا اقرار ہو چکا تھا اور جب باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے اپنے پوتے کی باندی سے جماع کرلیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو ولایت حاصل نہیں ہے اور جب باپ فوت ہو چکا ہو تو دادا سے نسب ثابت ہو جائے گا جس طرح باپ سے ثابت ہو جاتا ہے اس وجہ سے کہ باپ کے موجود نہ ہونے سے دادا کی ولایت ثابت ہو جاتی ہے۔اور باپ کا کافر ہونا اور غلام ہونا اس کی موت کے درجے میں ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ بھی ولایت منقطع ہو جاتی ہے۔

شرح

اگر باندی سے آقا نے مجامعت کی اور اسے حمل ٹھہر گیا، یہاں تک کہ اس نے صحیح سالم تندرست یا کم زور بچہ جنا، یا اس کا اسقاط ہو گیا یا اس نے مردہ بچہ کو جنا تو وہ آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی اور بچہ آقا کا ہی شمار کیا جائے گا اور اگر بچہ زندہ رہا تو اپنے والد کا وارث ہوگا، اب مالک نہ تو باندی کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہبہ، خلفائے اربعہ کے عہد میں بھی اس پر بہ کثرت عمل ہوتا تھا؛ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : امہاتِ ولد کی بیع نہیں کی جائے گی، نہ انھیں فروخت کیا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ وراثت میں بانٹا جائے گا۔آقا جب تک زندہ رہے، ام ولد سے تمتع کرتا رہے اور جب مر جائے تو وہ آزاد ہے۔

باندی سے اس کے بچہ کو بھی الگ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: جو ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی کرائے گا، قیامت کے دن اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔کچھ لوگ اپنی باندی سے

مجامعت تو کرتے تھے، مگر اس خوف سے عزل کر لیتے تھے کہ اگر اسے حمل ٹھہر گیا اور اس سے بچہ پیدا ہو گیا تو وہ آزاد ہو جائے گی ، ایسا کرنے کو اللہ کے رسول ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔کیوں کہ اس سے اس کا حق آزادی سلب ہوتا ہے۔

(موطا امام مالک، کتاب العتق، مسند احمد بن حنبل۔جامع الترمذی، کتاب السیر)

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔تشریح : حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تا کہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ ونسب کا اختلاط نہ ہو۔غیر حائضہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

مشترکہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

(وَإِذَا كَانَتْ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ فِي نِصْفِهِ لِمُصَادَفَتِهِ مِلْكَهُ ثَبَتَ فِي الْبَاقِي ضَرُورَةَ أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ ؛ لِمَا أَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ الْعُلُوقُ إذْ الْوَلَدُ الْوَاحِدُ لَا يَنْعَلِقُ مِنْ مَاءَيْنِ .

(وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ) ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَادَ لَا يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُمَا (وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِيرُ نَصِيبُهُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ثُمَّ يَتَمَلَّكُ نَصِيبَ صَاحِبَهُ إذْ هُوَ قَابِلٌ لِلْمِلْكِ وَيَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهَا) ؛ لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ لَمَّا اسْتَكْمَلَ الِاسْتِيلَادَ وَيَضْمَنُ نِصْفَ عُقْرِهَا ؛ لِأَنَّهُ وَطِءَ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً ، إذْ الْمِلْكُ يَثْبُتُ حُكْمًا لِلِاسْتِيلَادِ فَيَتَعَقَّبُهُ الْمِلْكُ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ بِخِلَافِ الْأَبِ إذَا اسْتَوْلَدَ جَارِيَةَ ابْنِهِ ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ هُنَالِكَ يَثْبُتُ

شَرْطًا لِلاسْتِيلَادِ فَيَتَقَدَّمُهُ فَصَارَ وَاطِئًا مِلْكَ نَفْسِهِ (وَلَا يَغْرَمُ قِيمَةَ وَلَدِهَا) ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مُسْتَنِدًا إلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ شَيْءٌ مِنْهُ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيكِ .

ترجمہ

اور جب کوئی باندی دو شرکاء کے درمیان مشترک ہو اور اس نے بچہ جن دیا اور دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا تو مدعی سے اس بچے کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا کیونکہ جب وہ نصف ولد میں ہے تو اس شریک کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بچہ اس کی ملکیت سے ملا ہوا ہے۔ لہذا البقیہ میں لازمی طور پر اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب میں اجزاء نہیں ہوتے۔ لہذا اس کے نسب کا سبب یعنی علوق میں بھی اجزاء کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک بچہ دو نطفوں سے حمل قرار نہیں پاتا۔ اور وہ باندی مدعی کیلئے ام ولد ہو جائے گی۔ لہذا طرفین کے نزدیک استیلاد کے اجزاء نہیں ہوتے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدعی کے حصے میں وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی۔

اس کے بعد مدعی اپنے شریک کے حصے کا بھی مالک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ حصہ ملکیت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور مدعی اس باندی کے آدھے عقر کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے مشترکہ باندی سے جماع کیا ہے۔ اور وہ شخص استیلاد کے سبب حکمی طور پر ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور وطی کرنے کے ساتھ ہی اس کے ساتھی میں واطی کی ملکیت ثابت ہوگی۔

جبکہ باپ کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کر کے ام ولد بنانے والا ہے لہذا ملکیت استیلاد کی شرط بن کر ثابت ہوگی۔ اور استیلاد سے مقدم ہوگی۔ اور باپ اپنی ملکیت سے جماع کرنے والا ہے۔ اور مدعی باندی کی بچی کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ لڑکے کا نسب وقت علوق کی طرف ہو کر ثابت ہو جائے گا۔ اور اس بچے کا کوئی بھی حصہ شریک کی ملکیت پر محمول نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے: علماء کرام کا اجماع ہے کہ اگر بچہ مرد کے بستر پر پیدا ہوا اور کوء دوسرا شخص اس کا دعوی کرے تو بچے کی نسبت دعوی کرنے والے کی طرف نہیں کی جائے گی، لیکن اگر بچہ بستر کے علاوہ (شادی کے بغیر) پیدا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر عورت بیوی نہ ہو اور زنا سے بچہ پیدا ہو جائے اور زانی اس کا دعوی کرے تو کیا اس بچے کی نسبت اس کی طرف کی جائے گی؟ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بچہ کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی۔ حسن اور ابن سیرین اور عروہ، امام نخعی، اسحاق، سلیمان بن یسار رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ بچہ اس (زانی کی طرف منسوب ہوگا)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا قول نقل کیا ہے (علی بن عاصم نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی سے راویت کیا ہے کہ ان کا قول ہے: میرے خیال میں اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے زنی کرے اور اس سے وہ

حاملہ ہو اور وہ اس حمل میں ہی اس سے شادی کر لے اور اس پر پردہ ڈالے رکھے اور وہ بچہ اسی کا ہوگا) ۔(المغنی (9 / 122) نے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنے زنا کی بچے کی نسبت اپنی کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ عورت اس کی بیوی نہ ہو تو اس بچے کے الحاق اس کی طرف کر دیا جائے گا۔(الفروع (6 / 625)

جس باندی سے وطی نہ کر سکتا ہو مثلاً وہ مشرکہ ہے یا مکاتبہ یا مشترکہ یا رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے اس سے وطی حرام ہو وہ اجنبیہ کے حکم میں ہے۔ (درمختار، کتاب حظر واباحت، ج۹ ص۶۰۵)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک صاف کرے البتہ باکرہ کنواری کو پاک صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہ یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں۔

اس حدیث پر ابن شریح نے عمل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارہ میں استبارء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مر جائے یا اسکو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اسمول یکے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہیں ہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی وجہ سے یا آقا کے مر جانے کے سبب س یا س پر عدت واجب نہیں ہوگی یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مر جانے کی صورت میں ام ولد کی عدت ایک حیض ہے حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔(فتح القدیر، ج۸، ۲۸۰، بیروت)

آزاد ماں اور غلام باپ کی اولاد

بالکل یہی معاملہ ان بچوں کے ساتھ کیا گیا جن کا باپ غلام اور ماں آزاد ہو۔ ان بچوں کو بھی مکمل طور پر آزاد قرار دے دیا گیا۔

حدثنا يعلى عن الأعمش عن إبراهيم قال قال عمر المملوك يكون تحته الحرة يعتق الولد بعتق أمه فإذا عتق الأب جر الولاء . (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث (3170)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "غلام باپ اور آزاد خاتون کے بچے اپنی ماں کے آزاد ہونے کے باعث آزاد ہی ہوں گے۔ جب ان کا باپ آزاد ہوگا تو (ان بچوں کی) ولاء کا رشتہ (باپ کے سابقہ مالک) سے قائم ہو جائے گا۔"

ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل کا یہ نقطہ نظر بیان کرتے ہیں کہ آزاد ماں اور غلام باپ کے بچے بھی آزاد ہی ہوں گے۔

قال أحمد :إذا تزوج العبد حرة عتق نصفه .ومعنى هذا، أن أولاده يكونون أحراراً وهم فرعه، فالأصل عبد وفرعه حر والفرع جزء من الأصل . (ابن تيميه، السياسة الشرعية فى اصلاح الراعى و الرعية)

احمد بن حنبل کہتے ہیں، "جب کوئی غلام کسی آزاد خاتون سے شادی کر لے تو اس کا نصف آزاد ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کی اولاد آزاد ہو گئی کیونکہ وہ اسی کی ایک شاخ ہے۔ تنا تو غلام ہے لیکن شاخیں آزاد ہیں اور شاخ تو تنے کا ایک حصہ ہی ہے۔"

آزاد باپ اور غلام ماں کی اولاد

ایسے بچے جن کی ماں غلام اور باپ آزاد ہو تو ان کے ضمن میں کوئی مرفوع حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ رہی ہو گی کہ ایسا کوئی مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پیش ہی نہ ہوا ہو گا۔ اول تو ایسے جوڑوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جن میں آزاد مردوں نے غلام خواتین سے نکاح کی ہو کیونکہ لونڈیوں کی اخلاقی حالت کے باعث ان سے آزاد مرد بہت کم نکاح کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جو ایسے جوڑے ہوں گے بھی، انہوں نے اپنے مالکان کو بچوں کی آزادی پر راضی کر لیا ہو گا اور عدالت میں مقدمے کی نوبت ہی نہ آئی ہو گی۔

حضرت سیدنا عمر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک لونڈی نے جھوٹ بول کر خود کو آزاد عورت ظاہر کر کے شادی کر لی۔ اس مقدمے میں خلیفہ وقت نے ان بچوں کے آزاد باپ کو حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے بچوں کو آزاد کروا لے۔ (موطاء مالک، کتاب الاقضیۃ، حدیث 2160)۔ ایک اور مقدمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس پیش کیا گیا تو انہوں نے ایسے بچوں کو غلام بنانے سے منع فرما دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی ایک فیصلہ کیا:

قال (احمد :(و اخبرنا ثقه عن ابن ابى ذئب، عن الزهرى، عن سعيد بن المسيب، ان عمر بن الخطاب كان يقضى فى العرب الذين ينكحون الاماء بالفداء بالغرة . (بيهقى، معرفة السنن والآثار، كتاب السير، حديث (17964)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے عربوں سے جو لونڈیوں سے نکاح کر لیتے تھے، (کی اولاد کے بارے میں) یہ فیصلہ کیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنی اولاد کو آزاد کروا سکتے ہیں۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ وَسُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ الْأَحْنَفِ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ :إِنَّ عَمِّى زَوَّجَنِى وَلِيدَتَهُ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَسْتَرِقَّ وَلَدِى، قَالَ :لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ .(مصنف ابن

ابی شیبة؛ حدیث (21277)

ایک شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرے چچا نے اپنی لونڈی کی شادی مجھ سے کر دی تھی۔ اب وہ میری اولاد کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "اس ایسا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔"

ابن کثیر نے امام شافعی کا ایک نقطہ نظر یہ درج کیا ہے کہ ماں یا باپ میں سے اگر ایک بھی آزاد ہو تو ان کے بچے بھی آزاد ہی تصور کئے جائیں گے۔ (تفسیر سورۃ نساء (4:25)

غلام ماں اور غلام باپ کی اولاد

وہ بچے جن کے ماں اور باپ دونوں ہی غلام ہوں، ان کے بارے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل سکی۔ تفسیر وفقہ کی کتب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ جب تک ان کے والدین غلام رہیں گے، یہ بچے بھی غلام ہی تصور کئے جائیں گے اور جب والدین آزاد ہوں گے یا ان میں سے کوئی مکاتبت کرے گا تو یہ بچے خود بخود ان کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِىٍّ، عَنِ الْعُمَرِىِّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَتِهَا .(مصنف ابن ابی شیبة؛ حدیث (21000)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، "لونڈی کی (اپنے مالک کے علاوہ کسی اور شوہر کی اولاد) اپنی ماں کے درجے پر ہے۔ یعنی وہ ماں کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ؛ فِى الرَّجُلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ عَبْدَهُ فَتَلِدُ لَهُ أَوْلَادًا، قَالَ :هُمْ بِمَنْزِلَةِ أُمِّهِمْ، يَعْتِقُونَ بِعِتْقِهَا وَيُرَقُّونَ بِرِقِّهَا، فَإِذَا مَاتَ سَيِّدُهُمْ عَتَقُوا .(مصنف ابن ابی شیبة؛ حدیث (20996)

حضرت ابراہیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتوی دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔ جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہو جائے گی تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔ جب ماں کا آقا فوت ہو گا تو یہ سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔"

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا لونڈی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل

ہو جائے گا کہ یہ مکاتبت کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔

غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقاؤں کے ذمہ تھی۔ اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقاؤں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا اور بالغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

دو شرکاء کا دعویٰ ولد کرنے کا بیان

(وَإِنِ ادَّعَيَاهُ مَعًا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُمَا) مَعْنَاهُ إِذَا حَمَلَتْ عَلَى مِلْكِهِمَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يُرْجَعُ إلَى قَوْلِ الْقَافَةِ ؛لِأَنَّ إثْبَاتَ النَّسَبِ مِنْ شَخْصَيْنِ مَعَ عِلْمِنَا أَنَّ الْوَلَدَ لَا يَتَخَلَّقُ مِنْ مَاءَيْنِ مُتَعَذِّرٌ فَعَمِلْنَا بِالشَّبَهِ ، وَقَدْ سُرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِ الْقَائِفِ فِي أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ .

وَلَنَا كِتَابُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إلَى شُرَيْحٍ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ :لَبَّسَا فَلُبِّسَ عَلَيْهِمَا ، وَلَوْ بَيَّنَا لَبُيِّنَ لَهُمَا ، هُوَ ابْنُهُمَا يَرِثُهُمَا وَيَرِثَانِهِ وَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا ، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ ، وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِثْلُ ذَلِكَ .وَلِأَنَّهُمَا اسْتَوَيَا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ ، وَالنَّسَبُ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَجَزَّأُ وَلَكِنْ تَتَعَلَّقُ بِهِ أَحْكَامٌ مُتَجَزِّئَةٌ ، فَمَا يَقْبَلُ التَّجْزِئَةَ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِمَا عَلَى التَّجْزِئَةِ ، وَمَا لَا يَقْبَلُهَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَلًا كَأَنْ لَيْسَ مَعَهُ غَيْرُهُ إلَّا إذَا كَانَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَبًا لِلْآخَرِ ، أَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُسْلِمًا وَالْآخَرُ ذِمِّيًّا لِوُجُودِ الْمُرَجِّحِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَفِي حَقِّ الْأَبِ وَهُوَ مَا لَهُ مِنْ الْحَقِّ فِي نَصِيبِ الِابْنِ ، وَسُرُورُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا رُوِيَ ؛لِأَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوا يَطْعَنُونَ فِي نَسَبِ أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ، وَكَانَ قَوْلُ الْقَائِفِ مُقْطِعًا لِطَعْنِهِمْ فَسُرَّ بِهِ (وَكَانَتْ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُمَا) ؛لِصِحَّةِ دَعْوَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ فِي الْوَلَدِ فَيَصِيرُ نَصِيبُهُ مِنْهَا أُمَّ وَلَدٍ لَهُ تَبَعًا لِوَلَدِهَا (وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ قِصَاصًا بِمَا لَهُ عَلَى الْآخَرِ ،

وَيَرِثُ الِابْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيرَاثَ ابْنٍ كَامِلٍ) ؛لِأَنَّهُ أَقَرَّ لَهُ بِمِيرَاثِهِ كُلِّهِ وَهُوَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ (وَيَرِثَانِ مِنْهُ مِيرَاثَ أَبٍ وَاحِدٍ) لِاسْتِوَائِهِمَا فِي النَّسَبِ كَمَا إذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ .

ترجمہ

اور جب دونوں شریکوں نے مل کر اکٹھا دعویٰ کیا تو دونو سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اس صورت میں کہ جب وہ باندی دونو کی ملکیت میں حاملہ ہوئی ہو حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کہ قیافہ شناس کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ ایک بچہ دو نطفوں سے پیدا نہیں ہو سکتا تو ایک بچے کا نسب دو لوگوں سے ثابت کرنا ناممکن ہے پھر بھی ہم نے مشابہت پر عمل اور حضرت اسامہ کے متعلق ایک قیافہ شناس کے قول پر آپ ﷺ خوش ہوئے تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا وہ مکتوب گرامی ہے جو اس واقعہ میں آپؓ نے حضرت شریح کو لکھا تھا دونوں شرکاء نے معاملہ ملا دیا تھا تو آپؓ نے فرمایا تم بھی ان پر حکم مبہم کر دو اور جب وہ معاملہ واضح کر دیں تو تم بھی ان پر حکم واضح کر دینا اور وہ ان دونوں کا بچہ ہوگا اور ان دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں شریک اس کے وارث ہوں گے اور ان میں سے جو زندہ رہ گیا اسے اس کی میراث ملے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب گرامی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں صادر ہوا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اس لئے کہ جب وہ سبب استحقاق میں برابر کے وارث ہیں تو استحقاق میں بھی وہ دونوں برابر کے وارث ہوں گے اور نصب کی اگرچہ جزیں نہیں ہوتی اسکے باوجود بھی کچھ ایسے احکام متعلق ہوتے ہیں جن میں جزیں ہو سکتی ہیں اس لئے جو حکم تجزی کو قبول کرے گا وہ انکے کے حق میں متجزی ہو کر ثابت ہو جائے گا اور جو حکم تجزی قبول نہیں کرے گا وہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں پورے طریقے سے اس طرح ثابت ہوگا کہ دوسرا اس کے ساتھ نہیں تھا لیکن جب شریکین میں سے ایک دوسرے کا باپ ہو یا ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہو تو ان میں اس بچے کا باپ ہونے میں مسلمان ذمی سے زیادہ راجح ہوگا اس لئے کہ مسلمان کے حق میں مرجح موجود ہے اور وہ اسلام ہے اور باپ کے حق میں بھی مرجح موجود ہے اور وہ بچے کے حصے میں اس کا حق ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث میں آپ ﷺ کا خوش ہونا اس وجہ سے ہے کہ کفار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے اور قیافہ شناس کا قول ان کے طعنے کو ختم کر رہا تھا اس لئے آپ ﷺ اس سے خوش ہوئے تھے۔ اور وہ باندی ان دونوں کی ام ولد ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ بچے کے متعلق اپنے حق میں درست ہے اسی وجہ سے باندی میں ہر شریک کا حصہ اپنے بچے کے تابع ہو کر اس شریک کا ام لد ہو جائے گا اور ان میں سے ہر شریک پر آدھا عقر واجب ہوگا تا کہ وہ بدل ہو جائے اس چیز کا جو ایک شریک کا دوسرے پر لازم ہے اور وہ بچہ ان دونوں شریکوں میں سے ہر ایک سے اتنا حصہ پائے گا جتنا کامل بیٹے کو دیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کے کامل باپ کی میراث کا اقرار کیا تھا اور یہ اقرار ہر ایک شریک کے حق میں حجت ہے۔ اور

یہ دونوں شریک اس بچے سے ایک باپ کی میراث پائیں گے کیونکہ دونوں سبب میں برابر ہیں جس طرح اس صورت میں جب دونوں نے بینہ پیش کر دیا ہو۔

شرح

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے اور فرمایا کہ اے عائشہ ! کیا تو نے نہ دیکھا کہ مجز زمدلجی میرے پاس آیا اور اسامہ اور زید دونوں کو دیکھا اور یہ دونوں ایک چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ان کا سر ڈھپا ہوا تھا اور پیر کھلے تھے تو اس نے کہا کہ یہ پیر ایک دوسرے کے جزو ہیں (یعنی ایک باپ کے ہیں دوسرے بیٹے کے)۔ (صحیح مسلم ،لعان کے مسائل، رقم الحدیث،۳۸۷۳)

قیافہ شناسی سے متعلق احادیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی فزارہ کا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے پاس اونٹ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کے رنگ کیا ہیں اس نے عرض کیا کہ سرخ رنگ کے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان اونٹوں میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں ان میں خاکی رنگ کا بھی اونٹ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ان میں کیسے آ گیا اس نے عرض کیا کہ شاید کہ اس اونٹ کے بڑے آباؤ اجداد کی کسی رگ نے وہ رنگ کھینچ لیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تیرے لڑکے میں بھی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1273)

حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سند کے ساتھ معمر کی حدیث کی طرح روایت کیا ہے اس میں ہے کہ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کا لڑکا جنا ہے وہ آدمی اس وقت اپنے نسب کی نفی کر رہا تھا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نسب کی نفی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1274)

صحیح بخاری میں ہے۔ بہت سارے لوگ جمع ہو کر کسی خاتون سے بدکاری کرتے وہ خاتون اپنے پاس آنے والے کسی مرد کو اس لئے نہ روکتی کہ وہ کسبی اور زنا کار ہوتی ایسی خواتین کے دروازے پر علامت کے طور پر جھنڈے لگے ہوتے تھے جو آدمی زنا کاری اور بدکاری کرنا چاہتا اس کے پاس چلا جاتا پس ان میں سے کوئی خاتون ان زانیوں میں سے کسی سے حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو اس سے زنا کاری کرنے والے سب لوگوں کو جمع کیا جاتا اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا کہ اس کا تعین کریں کہ یہ بچہ ان میں سے کس کا ہے؟ پس قیافہ شناس جس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وہ بچہ اسی کا کہلاتا اور وہ شخص اس بچے کی نسب کا انکار نہ کر سکتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کاموں سے منع فرمایا اور صرف

اس نکاح کو باقی رکھا جو آج مسلمانوں میں رائج ہے۔ (صحیح بخاری، ج۲،۷۶۰)

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دورِ حاضر کا ترقی یافتہ طریقہ کار زمانہ جاہلیت کے طریق اور انداز سے ذرہ بھر مختلف نہیں بلکہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو مشرکین مکہ اور قبل از اسلام جاہلیت کے علمبردار دورِ حاضر کے ترقی کے دعویداروں سے ایک قدم آگے تھے کیونکہ وہ ایسے بچے کا باپ معلوم کرنے کے لئے کسی مشینی ٹیسٹ کے محتاج نہیں تھے بلکہ وہ محض قیافہ کی مدد سے یہ کام سر انجام دے لیتے تھے جبکہ ان کے جانشین اور ترقی کے دعویداروں کو ایسی حرامی اولادوں کے باپ کے تعین کے لئے ایک نہیں دسیوں ڈی این اے ٹیسٹ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ الغرض یہ طریقہ کار مشرکین مکہ کی غلیظ سوسائٹی اور متعفن و بدبودار معاشرہ کی میراث ہے اسلام بلکہ کوئی باحیا اور باغیرت انسانی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا گویا اس طریقہ کار سے زنا اور اولاد زنا کو قانونی تحفظ دیا جاتا ہے جبکہ اسلام نے ایسی تمام بے حیائی اور بے شرمی کی صورتوں کی شدت سے نفی کی ہے اور زنا جیسی بدکاری کی حوصلہ افزائی کے بجائے اس پر سخت سزاؤں کا نفاذ و اجرا کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اگر ایسا کوئی مجرم پایا جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس پر سخت سے سخت سزا دی جائے چنانچہ اگر ایسے جرم کا مرتکب شادی شدہ ہو تو اسے پتھر مار مار کر مار دیا جائے اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور یہ سب کچھ علی رؤس الاشہاد ہو تا کہ دوسروں کو اس سے عبرت ہو اور معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کی جڑ اور بنیاد ہی ختم ہو جائے نہ یہ کہ اس کو اچھالا جائے اور بدکار و زنا کاروں کو باپ کا مقام دے کر ایک معصوم پر ولد الزنا ہونے کی تہمت دھری جائے۔ تاہم اگر ایسی کوئی صورت ہو کہ کوئی بدکردار کسی خاتون پر یہ الزام لگائے کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے اور یہ بچہ میرا ہے یا کوئی خاتون فریاد کرے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ حمل ٹھہر گیا ہے تو اس صورت میں بچہ تو اس کا ہو گا جس کے نکاح میں وہ عورت ہے البتہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا اس لئے حکم دیا گیا کہا الولد للفراش وللعاهر الحجر (ترمذی ج ۲،ص ۱۳۸) بچہ اس کا ہے جس کا نکاح ہے اور زنا کار کے لئے صرف پتھر ہی ہیں۔

اقرار سے نسبت ولد ہونے کا بیان

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لاوارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہو گا، اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے ، اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں ،لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعوی کرنے والا منفرد شخص ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعوی کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافے والا بچے کو جس کے ساتھ ملحق کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہو گا ، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد

ہواور عادل اور اور اس کے قیافہ کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

مکاتبہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

(وَإِذَا وَطِىءَ الْمَوْلَى جَارِيَةَ مُكَاتَبِهِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ فَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتَبُ ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ تَصْدِيقُهُ اعْتِبَارًا بِالْأَبِ يَدَّعِي وَلَدَ جَارِيَةِ ابْنِهِ .

وَوَجْهُ الظَّاهِرِ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ الْمَوْلَى لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي أَكْسَابِ مُكَاتَبِهِ حَتَّى لَا يَتَمَلَّكَهُ وَالْأَبُ يَمْلِكُ تَمَلُّكَهُ فَلَا مُعْتَبَرَ بِتَصْدِيقِ الِابْنِ .

قَالَ : (وَعَلَيْهِ عُقْرُهَا) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَقَدَّمُهُ الْمِلْكُ ؛ لِأَنَّ مَا لَهُ مِنْ الْحَقِّ كَافٍ لِصِحَّةِ الِاسْتِيلَادِ لِمَا نَذْكُرُهُ .

قَالَ : (وَقِيمَةُ وَلَدِهَا) ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَغْرُورِ حَيْثُ إنَّهُ اعْتَمَدَ دَلِيلًا وَهُوَ أَنَّهُ كَسْبُ كَسْبِهِ فَلَمْ يَرْضَ بِرِقِّهِ فَيَكُونُ حُرًّا بِالْقِيمَةِ ثَابِتَ النَّسَبِ مِنْهُ (وَلَا تَصِيرُ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ فِيهَا حَقِيقَةً كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْرُورِ (وَإِنْ كَذَّبَهُ الْمُكَاتَبُ فِي النَّسَبِ لَمْ يَثْبُتْ) ؛ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِهِ (فَلَوْ مَلَكَهُ يَوْمًا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ) ؛ لِقِيَامِ الْمُوجِبِ وَزَوَالِ حَقِّ الْمُكَاتَبِ إذْ هُوَ الْمَانِعُ ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کی۔ تو اس سے بچہ پیدا ہوا۔ جس پر آقا نے دعوی کر دیا ہو تو اگر مکاتب اس کی تصدیق کر دے تو آقا سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مکاتب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس باپ پر قیاس کرتے ہوئے جو اپنے بیٹے کی باندی کے بچے کا دعوی کرے۔ اور ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ آقا اپنے مکاتب کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا کیونکہ آقا مکاتب کی کمائی کا مالک نہیں ہو سکتا۔ جبکہ باپ بیٹے کی کمائی کا مالک ہو سکتا ہے لہذا بیٹے کی تصدیق کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور آقا پر اس باندی کے جماع کا جرمانہ واجب ہے کیونکہ کہ آقا کی ملکیت جماع سے مقدم نہیں ہے لہذا آقا کو جو حق حاصل ہے وہ استیلاد کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کریں گے۔

اور آقا پر باندی کے بچے کی قیمت بھی واجب ہوگی کیونکہ آقا دھوکا کھائے ہوئے شخص کی طرح ہے کہ اس نے ایک دلیل پر اعتماد کر لیا یعنی اس نے اپنی کمائی کو حاصل کر لیا لہذا وہ اس بچے کو غلام بنانے پر راضی نہیں ہوا اس لئے یہ بچہ قیمت کے عوض آزاد ہوگا

اور آقا سے نسب ثابت ہوگا اور وہ باندی جس سے جماع کیا ہے وہ آقا کی ام ولد نہیں ہوگی کیونکہ حقیقت میں اس پر آقا کی ملکیت نہیں جس طرح ولد مغرور میں نہیں ہوتی اور اگر مکاتب نسب کے بارے میں آقا کو جھٹلا دے تو نسب ثات نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکاتب کی تصدیق کی ضرورت نہیں اس کے بعد اگر آقا اس کا مالک ہوا تو آقا سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ موجب پایا جا رہا ہے اور مکاتب کا حق زائل ہو چکا ہے اور یہی مانع تھا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکاتبہ لونڈی سے مولیٰ وطی نہیں کر سکتا اگر وطی کریگا تو عقر لازم آئیگا اور اگر لونڈی کے مولیٰ سے بچہ پیدا ہو تو اوسے اختیار ہے کہ عقد کتابت باقی رکھے اور مولیٰ سے عقر لے یا عقد کتابت سے انکار کر کے ام ولد ہو جائے۔ آقا نے مکاتب کا مال ضائع کر دیا تو تاوان لازم ہوگا۔ ام ولد کو بھی مکاتبہ کر سکتا ہے اور مکاتب کو آزاد کر دیا تو بدل کتابت ساقط ہو گیا۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب عتاق)

مکاتبت واجب ہے یا مستحب؟

اس ضمن میں فقہاء کے مابین یہ اختلاف موجود ہے کہ جب کوئی غلام اپنی آزادی خریدنے کا ارادہ کرے تو اس کے مالک کے لئے کیا یہ بات ضروری ہے کہ وہ اسے آزادی دے دے یا پھر اس کے لئے یہ محض ایک مستحب حکم ہے کہ وہ اپنے غلام کو چاہے تو آزادی دے اور چاہے تو نہ دے۔

دور صحابہ میں مکاتبت کے واجب یا مستحب ہونے کا معاملہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ دور صحابہ میں تو اس کا کوئی تصور موجود نہ تھا کہ اگر کوئی غلام اپنی آزادی خریدنے کا طالب ہو تو کوئی آقا اسے اس کی آزادی دینے سے انکار کر دے۔ ہر صحابی مکاتبت کے طالب غلاموں کو فوراً آزادی دے دیا کرتا تھا۔ استثنائی طور پر صرف دو واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں آقا نے غلام کو مکاتبت دینے سے انکار کیا ہو۔ ایک واقع سیدنا صبیح رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا۔

واحتجوا أيضا بأن هذه الآية نزلت فى غلام لحويطب بن عبد العزى يقال له صبيح سأل مولاه أن يكاتبه فأبى عليه فأنزل الله تعالى هذه الآية فكاتبه حويطب على مائة دينار ووهب له منها عشرين دينارا فأداها وقتل يوم حنين فى الحرب .(عينى، شرح البخارى، كتاب المكاتب)

اہل علم نے اس بات سے بھی دلیل حاصل کی ہے کہ (مکاتبت کی یہ آیت) حویطب بن عبد العزی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں صبیح کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے آقا سے مکاتبت کی درخواست کی جس سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اس

پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ انہوں نے حویطب سے سو دینار پر مکاتبت کر لی اور اس میں سے بیس دینار انہیں معاف بھی کر دیے۔ انہوں نے یہ رقم ادا کی۔ یہ صاحب جنگ حنین میں شہید ہو گئے۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سیرین کو آزادی دینے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ خلیفہ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کوڑا لے کر ان پر پل پڑے۔ یہ واقعہ امام بخاری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وقال روح، عن ابن جريج :قلت لعطاء :أواجب علي إذا علمت له مالا أن أكاتبه؟ قال :ما أراه إلا واجبا .وقاله عمرو بن دينار .قلت لعطاء :تأثره عن أحد، قال :لا. ثم أخبرني :أن موسى بن أنس أخبره :أن سيرين سأل أنسا المكاتبة، وكان كثير المال فأبى، فانطلق إلى عمر رضي الله عنه فقال :كاتبه، فأبى، فضربه بالدرة ويتلو عمر :(فكاتبوهم إن علمتم فيهم خيرا) .فكاتبه .(بخاري، كتاب المكاتب، ترجمة الباب عند حديث (2559)

حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا، "کیا مجھ پر یہ لازم ہے کہ اگر مجھے علم ہو کہ غلام ادائیگی کر سکتا ہے تو اس سے مکاتبت کر لوں؟" وہ کہنے لگے، "میں اسے ضروری تو نہیں سمجھتا۔" عمرو بن دینار نے ان سے کہا، "کیا آپ کو اس معاملے میں کسی صحابی کے قول و فعل کا علم ہے؟" وہ کہنے لگے، "نہیں"۔ انہوں نے یہ موسیٰ بن انس کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا:

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس سے) کہا": مکاتبت کرو۔ "انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی، "ان سے مکاتبت کرو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔ "اب انس نے مکاتبت کر لی۔ (یہ روایت طبرانی میں متصل سند کے ساتھ موجود ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتبت کے واجب یا مستحب ہونے کا اختلاف پہلی مرتبہ تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوا جب بنو امیہ کی ملوکیت پوری طرح مسلم معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے کیا ثابت ہوتا ہے، اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

مکاتبت کو مستحب قرار دینے والوں کی توضیح کا جواب

جو حضرات مکاتبت کو مستحب قرار دیتے ہیں، وہ اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو جو کوڑے سے مارا، وہ محض ایک بزرگ نے نصیحت کے طور پر کیا۔ یہ قانونی سزا نہ تھی بلکہ محض ایک نصیحت ہی تھی۔ ان حضرات نے اپنی اس توجیہ کی صرف یہ دلیل پیش کی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ اگر وہ مکاتبت کو واجب سمجھتے تو اس سے انکار نہ کرتے۔

ان حضرات سے چند سوالات کرنے کی ہم جسارت کریں گے: پہلا سوال یہ ہے کہ اگر سیرین نے محض ایک بزرگانہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تو یہ کام تو وہ مدینہ کے اور بزرگوں سے بھی کروا سکتے تھے، اس کام کے لئے خاص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہی کیوں کیا گیا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مستحب عمل کی ترغیب دینے کے لئے نصیحت کا طریقہ تو یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کو پیار محبت سے سمجھایا جائے۔ کسی کو کوڑے مار کر تو نفل نماز پڑھنے یا نفلی روزے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی دین کے کسی لازمی قانون پر عمل نہ کر رہا ہو۔ اگر مکاتبت محض مستحب ہوتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیار محبت سے یا بہت ہوتا تو ڈانٹ ڈپٹ کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو سمجھا دیتے۔ کوڑے سے پیٹنے کی آخر انہیں کیا ضرورت پیش آ گئی تھی جبکہ مخاطب محض ایک نفلی کام ہی ترک کر رہا تھا۔ اس سے متعلق علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں۔

وفيه نظر لا يخفى لأن الضرب غير موجه على ترك المندوب خصوصا من مثل عمر لمثل أنس رضي الله تعالى عنهما ولا سيما تلا عمر قوله تعالى فكاتبوهم الآية عند ضربه إياه .(عيني، شرح البخاري، كتاب المكاتب)

اس میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ایک مستحب امر کے ترک کرنے پر خاص طور پر مارا تو نہیں جاتا جیسا کہ سیدنا عمر نے انس رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا۔ انہیں مارتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ان سے مکاتبت کرو" تلاوت کر رہے تھے (جس کا معنی یہی ہے کہ وہ مکاتبت کو واجب سمجھتے تھے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ بھی مکاتبت کو واجب سمجھا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ حافظ ابن حجر کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

واستدل بفعل عمر على أنه كان يرى بوجوب الكتابة إذا سألها العبد لأن عمر لما ضرب أنسا على الامتناع دل على ذلك وليس ذلك بلازم لاحتمال أنه أدبه على ترك المندوب المؤكد وكذلك ما رواه عبد الرزاق أن عثمان قال لمن سأله

الكتابة لولا آية من كتاب الله ما فعلت فلا يدل أيضا على أنه كان يرى الوجوب ونقل بن حزم القول بوجوبها عن مسروق و الضحاك .

(ابن حجر عسقلانی؛ فتح الباری شرح البخاری؛ کتاب المکاتب)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو غلام کی طلب پر کتابت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو اس بات پر جو مارا تھا، وہی اس بات کی دلیل ہے کہ مکاتبت واجب ہے۔ اس میں یہ احتمال نہیں ہے کہ انہوں نے ایک مستحب موکد کو ترک کرنے پر انہیں مارا ہو گا۔ یہی بات عبدالرزاق نے روایت کہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جب کتابت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، "اگر اللہ کی کتاب میں یہ آیت نہ ہوتی تو (شاید) میں ایسا نہ کرتا۔ " یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی اسے واجب سمجھتے تھے۔ ابن حزم نے مسروق اور ضحاک (تابعین) سے اس کے واجب ہونے کی رائے نقل کی ہے۔

ابن حزم (d. 456H) نے المحلی کی کتاب الکتابۃ میں مکاتبت کے واجب ہونے پر تفصیلی بحث کی ہے اور انہوں نے اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے اسے واجب قرار دیا ہے۔ انہوں نے مکاتبت کو مستحب قرار دینے والوں پر کڑی تنقید کی ہے اور اسے کتاب اللہ کے خلاف قرار دیا ہے۔

غلاموں کے مال کا بیان

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس نے غلام آزاد کیا اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا، تو وہ مال غلام ہی کا ہو گا سوائے اس کے کہ مالک (مکاتبت کی) شرط لگا لے تو وہ مال اسی کا ہو جائے گا۔

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى . ثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الجرمِيُّ . ثنا الْمُطَّلِبُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ جَدِّهِ عُمَيْرٍ، وَهُوَ مَوْلَى ابْنِ مَسْعُودٍ؛ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ قَالَ لَهُ: يَا عُمَيْرُ ! إِنِّي أَعْتَقْتُكَ عِتْقاً هَنِيئاً . إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ :) (أَيُّما رَجُلٍ أَعْتَقَ غُلاماً، وَلَمْ يُسَمِّ مَالَهُ، فَالْمَالُ لَهُ)فَأَخْبَرَنِي مَا مَالُكَ؟

(ابن ماجة، کتاب العتق، حدیث (2530)

عمیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے عمیر سے کہا، "اے عمیر ! میں تمہیں اپنی خوشی سے آزادی دے رہا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، 'جو شخص بھی غلام آزاد کرے اور اس کے مال کا ذکر نہ کیا جائے، تو مال غلام ہی کا ہے۔ ' یہ تو بتاؤ تمہارے پاس مال ہے کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک شخص کے فوت ہو جانے پر اس کا کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں غلام ہی کو وارث

بھی بنایا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا سفيان عن عمرو عن عوسجة عن ابن عباس :رجل مات على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يترك وارثا إلا عبدا هو أعتقه فأعطاه ميراثه .(مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے سوائے ایک غلام کے اور کوئی وارث نہ چھوڑا تھا جسے اس نے آزادی دے دی تھی۔ حضور نے اس شخص کی میراث بھی غلام کو دلا دی۔

یہ تمام احادیث اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ غلاموں کو مال رکھنے اور اسے استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مال غنیمت میں سے غلاموں کو جو حصہ ملتا تھا وہ بھی انہی کا مال ہوا کرتا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا أبو النضر عن ابن أبي ذئب عن القاسم بن عباس عن ابن عباس قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطي المرأة والمملوك من الغنائم ما يصيب الجيش .(مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لشکر کو جو بھی مال غنیمت ملتا تھا، آپ اس میں سے خواتین اور غلاموں کو بھی حصہ دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ أَبِي قُرَّةَ ، قَالَ :قَسَمَ لِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ كَمَا قَسَمَ لِسَيِّدِي .(ابن ابی شیبۃ، حدیث (33889)

حضرت ابو قرہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسا میرے آقا کو غنیمت میں سے حصہ دیا ویسا ہی مجھے بھی دیا۔

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ ، قَالَ :حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نِيَارٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِظَبْيَةِ خَرَزٍ ,فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالأَمَةِ ,وَقَالَتْ عَائِشَةُ :كَانَ أَبِي يَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ .(ابن ابی شیبۃ، حدیث (33895)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس ظبیہ کے مقام پر خرز لائی گئی۔ آپ

نے اسے ایک آزاد اور ایک لونڈی میں تقسیم کر دیا۔ میرے والد (ابوبکر) بھی آزاد اور غلام دونوں کو حصہ دیا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جب ان کے غلام سیرین نے مکاتبت طلب کی تو سیرین کے پاس کثیر تعداد میں مال موجود تھا۔

أن سيرين سأل أنسا المكاتبة، وكان كثير المال فأبى، فانطلق إلى عمر رضى الله عنه فقال : كاتبه، فأبى، فضربه بالدرة ويتلو عمر :(فكاتبوهم إن علمتم فيهم خيرا). فكاتبه .(بخارى، كتاب المكاتب، ترجمة الباب عند حديث (2559)

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس سے) کہا" : مکاتبت کرو۔ "انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی، "ان سے مکاتبت کروا گر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔ "اب انس نے مکاتبت کر لی۔

ان احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں غلاموں کے پاس مال ہوا کرتا تھا اور وہ ان کے مالک ہی سمجھے جاتے تھے۔

حضرت سیرین نے جو کثیر مال کمایا تھا، وہ اسی کے ذریعے اپنی مکاتبت خریدنا چاہتے تھے۔ اگر غلام اپنے مال کا مالک نہ ہوتا اور اس کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ ان سے وہ مال لے لیتے اور کہہ دیتے کہ " یہ تو میرا ہی ہے، جاؤ جا کر مزید کما کر لاؤ اور پھر مکاتبت کی بات کرنا۔ "سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس مال کی کوئی بات نہیں کی۔ سیرین کے پاس اتنا مال تھا کہ 40,000 درہم بطور مکاتبت ادا کرے وہ آزاد ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے بصرہ کے نواح میں زرعی زمین کا ایک بڑا ٹکڑا خریدا اور اس پر ایک زرعی فارم بنا کر اپنے بیوی بچوں کو وہاں آباد کیا۔ ان کے بچوں میں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ کے فقیہ کا درجہ حاصل کیا۔

بنو عباس کے دور میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، کسی فقیہ پر نہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔ فقہ کے تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ان کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو تو اسے دیوار پر دے مارا جائے۔

غلام کے مال رکھنے کے حق پر چند شبہات اور ان کا جواب

غلام کے لئے مال رکھنے کے حق پر جو سب سے بڑا شبہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ حدیث ہے:

"من باع عبدا وله مال فماله للبائع إلا أن يشترطه المبتاع ."

جس کے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال تھا تو مال، بیچنے والے مالک کا ہوگا سوائے اس کے کہ

خریدار شرط لگا دے۔

اس حدیث پر غور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں "مال " سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ غلام کے ذاتی مال کی بات ہو رہی ہے یا کسی اور مال کی۔

اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غلام، اپنے مال کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے مال کا مالک اس کا آقا ہے۔ یہ حضرات نہایت ہی شدت پسندی سے کام لیتے ہوئے اس کے بعد غلام کے لئے اپنے باپ کی وراثت سے حاصل ہونے والے مال کو بھی اس کا حق قرار نہیں دیتے بلکہ اسے اس کے آقا کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔

ان فقہاء کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم صرف اتنا کہنے کی جسارت کریں گے کہ ان کا یہ قول اوپر بیان کردہ ان تمام احادیث کے خلاف ہے جن میں غلام کے مال رکھنے کے حق کی اجازت دی گئی ہے۔ ان حضرات کو یہ غلط فہمی دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اس کے موقع و محل اور سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس حدیث کے مزید طرق اکٹھے کیے جائیں تو ایک مختلف صورتحال سامنے آتی ہے۔ یہ حدیث ایک عمومی حکم نہیں ہے بلکہ ایک خاص مقدمے کے فیصلے سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے اس حدیث کی دیگر روایات پر غور کیجیے۔

وهو من حديث عبد الله بن عمر رضى الله عنهما ، وله عنه طرق .الأولى :عن سالم بن عبد الله عن أبيه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ":من ابتاع نخلا بعد أن تؤبر فثمرتها للبائع الا أن يشترط المبتاع ، ومن ابتاع عبدا ، وله مال ، فماله للذى باعه إلا أن يشترط المبتاع "(بخارى، كتاب المساقاة، حديث (2379)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا" : جس نے پیوند کاری کرنے کے بعد کھجور کا درخت خریدا تو اس درخت کا پھل بیچنے والے کا ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔ اسی طرح جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو اس کا مال اسی کا ہوگا جس نے اسے بیچا تھا سوائے اس کے خریدار شرط لگا دے (کہ یہ مال میرا ہوگا)۔

مسند احمد کی روایت میں صورتحال مزید واضح ہو جاتی ہے۔

قال عبد اللَّهِ وَجَدْتُ فى كِتَابِ أبى أنا الْحَكَمُ بن مُوسَى قال عبد اللَّهِ وثناه الْحَكَمُ بن مُوسَى ثنا يحيى بن حَمْزَةَ عن أبى وَهْبٍ عن سُلَيْمَانَ بن مُوسَى أَنَّ نَافِعاً حدثه عن عبد اللَّهِ بن عُمَرَ وَعَطَاءَ بن أبى رَبَاحٍ عن جَابِرِ بن عبد اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه

وسلم قال من باع عبداً وله مال فله ماله وعليه دينه إلا أن يشترط المبتاع (مسند احمد بن حنبل، باب ابو سعيد خدری)

حضرت عبداللہ بن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔"

اس روایت سے پوری صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ عہد رسالت میں بہت سے غلام اپنے آقاؤں کے بزنس منیجر ہوا کرتے تھے۔ جب ان کے آقا ان کی خدمات کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرتے تو بسا اوقات غلام کے ساتھ اس کے مالک کا کاروبار بھی خریدار کی طرف منتقل ہو جایا کرتا تھا۔

اس وقت ایک ایسا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے لایا گیا جس میں کاروبار کی منتقلی کی شرط خریدار کی جانب سے نہیں لگائی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ اگر کوئی شرط موجود نہ ہو تو اس کاروبار کے تمام اثاثے اور قرضے (sses & Libiliies) پہلے مالک کے ہوں گے کیونکہ یہ اسی کا کاروبار تھا۔ ہاں اگر خرید و فروخت کے وقت شرط لگا دی گئی ہو تب یہ کاروبار بھی غلام کے ساتھ ہی نئے آقا کو منتقل کر دیا جائے گا۔ اس میں کہیں بھی غلام کے ذاتی مال کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ امام بیہقی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن إسحاق الصغاني ثنا الحكم بن موسى ثنا يحيى بن حمزة عن أبي وهب عن سليمان بن موسى أن نافعا حدثه عن عبد الله بن عمر وعطاء بن أبي رباح عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من باع عبدا وله مال فله ماله وعليه دينه إلا أن يشترط المبتاع ومن أبر نخلا فباعه بعد توبيره فله ثمرته إلا أن يشترط المبتاع وهذا إن صح فإنما أراد والله أعلم العبد المأذون له فى التجارة إذا كان فى يده مال وفيه دين يتعلق به فالسيد يأخذ ماله ويقضى منه دينه (بيهقى سنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب الولى يخلط ماله بمال اليتيم وهو يريد إصلاح ماله بمال نفسه، حديث (10786)

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام

کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدنے والا شرط لگا دے۔ اسی طرح اگر پیوندکاری کے بعد کسی نے درخت بیچا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا غلام جسے اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہے اور (اس کی خدمات کی منتقلی کے وقت) اس کے ہاتھ میں (تجارتی) مال ہے اور اس پر کوئی (کاروباری) قرض بھی ہے تو اس کا تعلق پہلے آقا سے ہوگا۔ وہ یہ مال لے لے گا اور اس سے (کاروباری) قرضے ادا کر دے گا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہاں جس مال کی بات ارشاد فرمائی تھی، اس کا کوئی تعلق غلام کے مال سے نہیں تھا بلکہ آقا کے اس مال سے تھا جسے اس نے تجارت میں لگا کر اس کا ذمہ دار غلام کو بنایا تھا۔ یہ معاملہ بالکل کھجور کے پھل کا سا تھا جس پر ساری محنت پہلے آقا نے کی تو اس کا پھل بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ اس تفصیل کے بعد اس حدیث کو غلام کے مال رکھنے کے حق کے خلاف پیش کرنا نہایت ہی نامعقولیت ہوگی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی حدیث سے فقہ کے ایک بڑے امام بھی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ غلام کو مال رکھنے کی اجازت ہے۔

وقال مالك وأصحابه يملك ماله كما يملك عصمة نكاحه وجائز له التسرى فيما ملك وحجتهم قول رسول الله صلى الله عليه وسلم من باع عبدا وله مال فأضاف المال إليه وقال الله عز وجل فانكحوهن بإذن أهلهن وآتوهن أجورهن بالمعروف فأضاف أجورهن إليهن إضافة تمليك (ابن عبدالبر، التمهيد)

حضرت امام مالک اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ نکاح کے ذریعے اپنی عصمت کا مالک ہوتا ہے اور اس کے لئے لونڈی رکھنا بھی درست ہے۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "جس نے غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس کا مال تھا۔ "اس میں مال کا تعلق اس غلام سے جوڑا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، "ان کے گھر والوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر معروف طریقے سے ادا کرو۔ "اس میں بھی اضافت کا صیغہ ملکیت کے لئے ہے۔

مکاتب غلام ہے یا آزاد؟

بعض فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مکاتب کے ذمے جب تک ایک درہم بھی باقی ہے، وہ غلام ہی رہے گا اور اگر وہ رقم ادا کرنے سے عاجز آ جائے تو اسے دوبارہ غلام بنا دیا جائے گا۔ یہ نقطہ نظر صریح احادیث کے خلاف ہے۔ چند احادیث و آثار ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن قال حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهري عن نبهان مولى أم سلمة عن أم سلمة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان عند مكاتب إحداكن ما يؤدي فلتحتجب منه قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح (ترمذی، كتاب البيوع، حديث (1261)

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جنہوں نے اپنے غلام سے مکاتبت کر لی تھی) کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جب تم میں کوئی مکاتبت کرے اور اس نے پوری ادائیگی نہ بھی کی ہو تب بھی اس سے حجاب کرو۔"

حدثنا هارون بن عبد الله البزار حدثنا يزيد بن هارون أخبرنا حماد بن سلمة عن أيوب عن عكرمة عن بن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا أصاب المكاتب حدا أو ميراثا ورث بحساب ما عتق منه وقال النبي صلى الله عليه وسلم يؤدي المكاتب بحصة ما أدى دية حر وما بقي دية عبد . (ترمذی، كتاب البيوع، حديث 1259، مستدرك حاكم، (2866-2865)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "اگر مکاتب کو (کسی جرم میں) سزا دی جائے یا اسے (مالک کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے) وارثوں کے حوالے کیا جائے تو ایسا کرتے ہوئے اس کا معاملہ اس کی آزادی کے تناسب سے کیا جائے۔ آپ نے فرمایا، "(اگر مکاتب کو کسی حادثے میں نقصان پہنچا ہو تو) اس کی دیت کی ادائیگی اس حساب سے کی جائے گی کہ اس نے جتنے (فیصد مکاتبت کی رقم) ادا کی ہو، اسے اتنے (فیصد) آزاد سمجھا جائے گا اور جتنے (فیصد) باقی ہو، غلام سمجھا جائے گا۔

مکاتب کے حقوق و فرائض کے بارے میں اگر تمام روایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم مکاتب کو وہ اکثر حقوق دیے گئے ہیں جو کسی آزاد شخص کو حاصل تھے لیکن اس پر وہ ذمہ داریاں جیسے زکوۃ، حج، جہاد اور حکومتی جرمانے وغیرہ کے معاملے میں عائد نہیں کی گئیں جو کہ آزاد افراد پر عائد کی گئی تھیں۔

حدثنا عبد الباقي بن قانع وعبد الصمد بن علي قالا نا الفضل بن العباس الصواف ثنا يحيى بن غيلان ثنا عبد الله بن بزيع عن بن جريج عن أبي الزبير عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس في مال المكاتب زكاة حتى يعتق .(دارقطنی، سنن، كتاب الزكوة)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "مکاتب کے مال میں کوئی زکوۃ نہیں ہے جب تک وہ مکمل آزاد نہ ہو جائے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو اس بات کے قائل تھے کہ مکاتبت کرتے ہی غلام آزاد ہو جاتا ہے اور کی حیثیت سابقہ مالک کے مقروض کی سی ہو جاتی ہے اور بعض اسے ادائیگی کے تناسب سے آزاد قرار دیا کرتے تھے۔

عند ابن عباس فإنه يعتق بنفس العقد وهو غريم المولى بما عليه من بدل الكتابة وعند علي رضي الله تعالى عنه يعتق بقدر ما أدى . (عینی، عمدة القاری شرح البخاری)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ معاہدہ کرتے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ اب وہ اپنے سابقہ مالک کا مقروض ہے کیونکہ اس پر مکاتبت کی رقم کی ادائیگی لازم ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ جتنی رقم ادا کر دے، اسی تناسب سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ قانون بنا دیا تھا کہ اگر مکاتب نصف رقم کی ادائیگی کر چکا ہو اور اس کے بعد وہ باقی رقم ادا نہ بھی کر سکے تب بھی اسے غلامی کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنِ الْمَسْعُودِيِّ ، عَنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :إِنَّكُمْ تُكَاتِبُونَ مُكَاتِبِينَ ، فَإِذَا أَدَّى النِّصْفَ فَلاَ رَدَّ عَلَيْهِ فِي الرِّقِّ .(مصنف ابن ابی شیبة؛ حديث (20960)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "تم لوگ مکاتبت کرتے ہو، جب مکاتب آدھی رقم ادا کر دے تو پھر اسے غلامی کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔

یہی بات سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نصف رقم کی ادائیگی کے بعد مکاتب آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت ایک مقروض شخص کی ہو جایا کرتی ہے۔ (مسند ابن الجعد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مکاتب کا مالک کسی اور شخص سے رقم لے کر مکاتب کی بقیہ اقساط کو کسی اور شخص کی طرف منتقل کر دے۔ ہاں اگر وہ خود اس کی اجازت دے دے تو اسے منتقل کیا جا سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ :أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ بَيْعَ الْمُكَاتَبِ .(مصنف ابن ابی شیبة؛ حديث (23054)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکاتب کے منتقل کیے جانے کو سخت ناپسند کیا کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مکاتب کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ پوری رقم کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے اور اس کے بچے ہوں تو وہ بچے آزاد ہی قرار پائیں گے۔ (بیہقی، معرفۃ السنن والآثار، کتاب المکاتب)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ اگر مکاتبین رقم ادا کرنے سے عاجز آ جاتے تو وہ انہیں بالعموم رقم معاف کر کے آزاد کر دیا کرتے تھے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَسَنِ وَأَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالاَ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ :مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ أَنْبَأَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ :أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَاتَبَ غُلاَمًا لَهُ يُقَالُ لَهُ شَرَفًا بِأَرْبَعِينَ أَلْفًا فَخَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ فَكَانَ يَعْمَلُ عَلَى حُمُرٍ لَهُ حَتَّى أَدَّى خَمْسَةَ عَشَرَ أَلْفًا فَجَاءَهُ إِنْسَانٌ فَقَالَ مَجْنُونٌ أَنْتَ أَنْتَ هَا هُنَا تُعَذِّبُ نَفْسَكَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَشْتَرِي الرَّقِيقَ يَمِينًا وَشِمَالاً ثُمَّ يُعْتِقُهُمْ ارْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ قَدْ عَجَزْتُ فَجَاءَ إِلَيْهِ بِصَحِيفَتِهِ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَدْ عَجَزْتُ وَهَذِهِ صَحِيفَتِي فَامْحُهَا فَقَالَ لاَ وَلَكِنِ امْحُهَا إِنْ شِئْتَ فَمَحَاهَا فَفَاضَتْ عَيْنَا عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اذْهَبْ فَأَنْتَ حُرٌّ قَالَ أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَحْسِنْ إِلَى ابْنَيَّ قَالَ هُمَا حُرَّانِ قَالَ : أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَحْسِنْ إِلَى أُمَّيْ وَلَدَيَّ قَالَ هُمَا حُرَّتَانِ فَأَعْتَقَهُمْ خَمْسَتَهُمْ جَمِيعًا فِي مَقْعَدٍ .(بیهقی، معرفة السنن والآثار، کتاب المکاتب)

حضرت زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عبداللہ بن عمر نے ایک غلام، جس کا نام شرف تھا، سے 40,000 درہم پر مکاتبت کی۔ وہ کوفہ کی جانب نکل گیا اور وہاں وہ اسفالٹ کا کام کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے 15,000 درہم ادا کر دیے۔ اس کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، "تم عجیب پاگل آدمی ہو، یہاں تم سخت محنت کر رہے ہو جبکہ عبداللہ بن عمر تو ادھر ادھر سے غلام خریدتے ہیں اور اسے آزاد کر دیتے ہیں۔ تم ان کے پاس جاؤ اور کہو، میں رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔"

(اب وہ واپس ان کے پاس آیا اور اس کے طلب کرنے پر) اس کے پاس اس کی مکاتبت کا معاہدہ لایا گیا۔ وہ کہنے لگا، "اے ابوعبدالرحمٰن! میں رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ یہ میرا معاہدہ ہے، اسے مٹا دیجیے۔" آپ نے فرمایا، "نہیں، ہاں تم ہی غلام رہنا چاہو تو میں اسے مٹا دوں گا۔" جب معاہدہ مٹایا گیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما نے فرمایا، "جاؤ، تم آزاد ہو۔" وہ کہنے لگا، "اللہ آپ کے ساتھ بھلائی کرے، میرے دونوں بیٹوں پر بھی احسان کیجیے۔" فرمایا، "وہ دونوں بھی آزاد ہیں۔" کہنے لگا، "میرے دونوں بچوں کی ماؤں پر بھی احسان کیجیے۔" آپ نے فرمایا، "وہ دونوں بھی آزاد ہیں۔" اس طرح آپ نے بیٹھے بیٹھے وہیں ان پانچوں کو آزاد کر دیا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب کا اسٹیٹس آزاد اور غلام کے درمیان ہے۔ اسے آزاد شخص کے سے بہت سے حقوق حاصل ہوں گے لیکن اس پر ذمہ داریاں وہی ہوں گی جو غلام کی ہوں گی۔ اس ضمن میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

والمكاتب عبد ما بقي عليه درهم.

مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔ یہ مکمل حدیث نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پوری بات کا ایک ٹکڑا ہے جس سے غلط طور پر ایک قانون اخذ کر لیا گیا ہے۔ یہاں پر دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکاتب کے حقوق کی نہیں بلکہ اس کے فرائض کی بات کر رہے ہیں۔ اس کا منشا یہ ہے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں غلام کی طرح کمی کی جائے گی۔ اس پر نماز جمعہ، زکوۃ، حج، جہاد، جرمانہ اور جزیہ واجب نہیں ہوں گے۔ فقہ کے جلیل القدر ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے ابن قیم لکھتے ہیں:

قال :أبو طالب سألت أبا عبد الله عن العبد النصراني عليه جزية قال :ليس عليه جزية .وقال :في موضع آخر قلت فالعبد ليس عليه جزية لنصراني كان أم لمسلم كما قال :أبو محمد رضي الله عنه .وقال :عبد الله بن أحمد سألت أبي عن رجل مسلم كاتب عبدا نصرانيا هل تؤخذ من العبد الجزية من مكاتبته؟ فقال :إن العبد ليس عليه جزية والمكاتب عبد ما بقي عليه درهم .(ابن قيم، احكام اهل الذمة)

حضرت عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ایسے مسلمان کے بارے میں پوچھا جس نے اپنے عیسائی غلام کو مکاتبت دی ہوئی ہو تو کیا ایسی صورت میں اس غلام سے دوران مکاتبت جزیہ لیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا، "غلام کے ذمے جزیہ کی ادائیگی نہیں ہوگی کیونکہ مکاتب کے ذمے جب تک ایک درہم بھی باقی ہو، وہ غلام ہی سمجھا جائے گا۔"

صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ مکاتب پر ذمہ داریوں میں اسی طرح کمی جاری رکھی جائے گی جیسا کہ دین میں غلام پر ذمہ داریوں میں کمی رکھی گئی ہے لیکن اسے وہ حقوق حاصل ہوں گے جو آزاد شخص کو حاصل ہوا کرتے ہیں۔

کیا اسلام میں غلام کا فرار ہونا حرام ہے؟

فقہاء کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ ایک مسلمان غلام کے لئے فرار ہو کر اپنے مالک سے چھٹکارا پانا جائز نہیں ہے۔ وہ اسے گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة .حدثنا حفص بن غياث، عن داود، عن الشعبي، عن جرير؛ قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :أيما عبد أبق فقد برئت منه الذمة ."(مسلم، كتاب الايمان، حديث (229)

حضرت سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جو غلام بھی فرار ہو جائے، وہ ذمہ داری سے نکل گیا۔"

حدثنا يحيى بن يحيى .أخبرنا جرير عن مغيرة، عن الشعبي؛ قال :كان جرير بن عبدالله يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال" :إذا أبق العبد لم تقبل له صلاة ." (مسلم، كتاب الايمان، حديث (230)

حضرت سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جب غلام فرار ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔"

یہ صحیح احادیث ہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے کے جو احکام جاری فرمائے تھے، اس کے بعد کسی غلام کو فرار ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جو غلام آزادی کا طالب ہوتا، وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر سکتا تھا اور اس کی رقم کی ادائیگی کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مدد طلب کر سکتا تھا۔ جس غلام کو آزادی کی خواہش نہ ہوتی، اس کے حقوق کی ادائیگی اس کے آقا کے ذمہ تھی۔حکومت کا یہ فرض تھا کہ وہ غلاموں کو ان کے حقوق دلوائے۔

ان حالات میں غلام اگر فرار ہوتا تو اس کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہ تھا کہ وہ مسلم کمیونٹی میں رہنا نہیں چاہتا۔ایسی صورت میں مسلم کمیونٹی اس کی ذمہ داریوں کی پابند کس طرح سے ہو سکتی ہے۔اس تفصیل کو مدنظر رکھا جائے تو غلام کے لئے فرار ہونے کی یہ ممانعت بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی غلام کسی ایسے معاشرے میں موجود ہو، جہاں اس کا آقا اس پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہو اور حکومت اس ضمن میں اس کی کوئی مدد کرنے کو تیار نہ ہو تو کیا اس غلام کے لئے فرار ہونا بھی حرام ہوگا؟ اس کا جواب بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت سے مل جاتا ہے۔آپ کے عہد میں اپنے آقاؤں کے ظلم و ستم کے ستائے ہوئے غلام جب فرار ہو کر مدینہ آ جایا کرتے تھے تو انہیں نہ صرف مسلم معاشرے میں قبول کر لیا جاتا تھا بلکہ انہیں فوراً ہی آزادی دے دی جاتی تھی اور ان کی "ولاء " کا تعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قائم کیا جاتا تھا۔

حدثنا إبراهيم بن موسى :أخبرنا هشام، عن ابن جريج، وقال عطاء ، عن ابن عباس:

كان المشركون على منزلتين من النبي صلى الله عليه وسلم والمؤمنين :كانوا مشركي أهل حرب، يقاتلهم ويقاتلونه، ومشركي أهل عهد، لا يقاتلهم ولا يقاتلونه، وكان إذا هاجرت امرأة من أهل الحرب لم تخطب حتى تحيض وتطهر، فإذا طهرت حل لها النكاح، فإن هاجر زوجها قبل أن تنكح ردت إليه، وأن هاجر عبد منهم أو أمة فهما حران ولهما ما للمهاجرين، ثم ذكر من أهل العهد مثل حديث مجاهد :وأن هاجر عبد أو أمة للمشركين أهل عهد لم يردوا، وردت أثمانهم .(بخاری، کتاب النكاح، حديث (5286)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔بعض مشرکین "اہل حرب " تھے۔وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد " تھے۔نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہو کر) ہجرت کرتیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔۔۔۔اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحرّاني، قال :حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد بن إسحاق، عن أبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن رِبعيّ بن حِراش، عن عليّ بن أبي طالب قال :خرج عِبْدَانٌ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليه مواليهم فقالوا :يامحمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرّق، فقال ناس :صدقوا يارسول الله رُدّهم

إليهم، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال" :ما أراكم تنتهون يا معشر قريشٍ حتى يبعث الله (عزوجل) عليكم من يضرب رقابكم على هذا "وأبى أن يردَّهم، وقال" :هم عتقاء الله عزوجل ."(ابو داؤد، كتاب الجهاد، حديث (2700)

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آ گئے۔ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔"لوگ کہنے لگے،"یارسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے،"اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عزوجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا،"وہ اللہ عزوجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرما دیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آ جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال :لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف أعتق من رقيقهم .(مسند احمد، باب عبدالله بن عباس، مصنف ابن ابی شیبة، حدیث (34283)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرما دیا۔

مشہور مستشرق ولیم میور اس اعلان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجا جس سے وہ لوگ بہت ناراض ہوئے۔اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے سچے اور بہادر پیرو ثابت ہوئے۔(ولیم میور، The life of ohed) اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے فرار ہونے کی حرمت صرف اسی صورت میں ہے جب وہ ایسے معاشرے میں موجود ہو جہاں اس کی آزادی کے قانونی راستے کھلے ہوئے ہوں اور اس پر ظلم و ستم نہ کیا جاتا ہو۔

خلافت راشدہ کی جنگی مہمات میں غلاموں سے حسن سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین (بشمول عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ) کے طرز عمل سے متعلق تاریخی روایات کا جائزہ لیا جائے تو قیدیوں کے بارے میں ان کے یہ اقدامات سامنے آتے ہیں:

عمومی طور پر خلفاء راشدین "اما منا او اما فداء " کے اصول کے تحت جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا پھر کچھ معاوضہ لے کر رہا کر دیا کرتے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیدی کا فدیہ 400 درہم مقرر کیا گیا۔بسا اوقات اس میں کمی بیشی بھی کی گئی۔(عمری، عصر الخلافۃ الراشدہ)

جنگی قیدیوں کا تبادلہ دشمن کی قید میں موجود اسلامی ریاست کے قیدیوں سے کیا جاتا تھا۔

بعض موقعوں پر استثنائی طور پر جنگی قیدیوں کو غلام بھی بنایا گیا لیکن یہ معاملہ عارضی طور پر تھا۔حکومت کی اطاعت قبول کر لینے پر ان جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔

اسلامی ریاست کے جو شہری جنگی قیدی بن کر دشمن کی غلامی میں چلے جاتے، خواہ وہ مذہباً مسلمان ہوں یا نہ ہوں، انہیں بیت المال سے رقم ادا کر کے آزاد کروا لیا جاتا تھا۔اگر وہ قیدی جنگ کے ذریعے دوبارہ مسلمانوں کے پاس آ جاتے تو انہیں فوراً آزاد کر دیا جاتا تھا۔

غلام نہ بنانے میں اسلامی خدمات کا بیان

اس تمام اقدامات کی مثالوں کے لئے یہ روایات ملاحظہ فرمائیے۔

قال شافعي :و لا نعلم النبي صلى الله عليه وسلم سبى بعد حنين احدا . و لا نعلم ابابكر سبى عربيا من اهل الردة . ولكن اسرهم ابوبكر حتى خلاصهم عمر . (بيهقي، معرفة السنن و الآثار، كتاب السير، حديث (17966)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں،"ہمارے علم میں نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد کسی کو غلام بنایا ہو۔نہ ہی ہمارے علم میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ جنگوں میں کسی عرب کو غلام بنایا ہو۔ابوبکر نے انہیں قید ضرور کیا۔(یہ لوگ قید میں رہے) یہاں تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ رَجُلٍ لَمْ يُسَمِّهِ ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أُتِيَ بِسَبْيٍ فَأَعْتَقَهُمْ .(مصنف ابن ابی شیبه، كتاب الجهاد، حديث (33889)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جنگی قیدی لائے گئے، انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْن أَبِي حَفْصَةَ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مِهْرَانَ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :كُلُّ أَسِيرٍ كَانَ فِي أَيْدِي الْمُشْرِكِينَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، فَفِكَاكُهُ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ .(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33937)

حضرت سیدنا ابن عباس روایت کرتے ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا، "ہر وہ مسلمان قیدی جو مشرکین کے پاس ہے، اس کا فدیہ مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ :حَدَّثَنَا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :لأَنْ أَسْتَنْقِذَ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ أَيْدِي الْكُفَّارِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ .(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33928)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، "اگر میں مسلمانوں کے ایک شخص کو بھی دشمن کی قید سے آزاد کرواؤں تو یہ میرے لئے پورے عرب کے جزیرے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَرِيكٍ ، عَنْ بِشْرِ بْنِ غَالِبٍ ، قَالَ :سَأَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ عَنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ ، فَيُؤْسَرُ ؟ قَالَ :فَفِكَاكُهُ مِنْ خَرَاجِ أُولَئِكَ الْقَوْمِ الَّذِينَ قَاتَلَ عَنْهُمْ .(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33938)

حضرت ابن زبیر نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو (غیر مسلم) اہل ذمہ میں سے ہو اور قیدی بنا لیا گیا ہو۔ انہوں نے فرمایا، "اس کا فدیہ مسلمانوں کے خراج (بیت المال) میں سے ادا کیا جائے گا کیونکہ وہ انہی کی طرف سے جنگ کر رہا تھا۔"

حَدَّثَنَا شَرِيكٌ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ، قَالَ :كَانَ عَلِيٌّ إِذَا أُتِيَ بِأَسِيرٍ يَوْمَ صِفِّينَ ، أَخَذَ دَابَّتَهُ ، وَأَخَذَ سِلاَحَهُ ، وَأَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ لاَ يَعُودَ ، وَخَلَّى سَبِيلَهُ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33944)

حضرت ابو جعفر کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جنگ صفین کا ایک قیدی لایا گیا۔ آپ نے اس کا جانور اور اسلحہ لے لیا اور اس سے یہ وعدہ لے کر اسے آزاد کر دیا کہ وہ دوبارہ آپ سے جنگ کرنے نہیں آئے گا۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ، عَنْ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :أَمَرَ عَلِيٌّ مُنَادِيَهُ ، فَنَادَى يَوْمَ الْبَصْرَةِ :لاَ يُقْتَلُ أَسِيرٌ .(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33950)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی جنگ میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ خُلَيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنِ الْحَسَنِ ؛ أَنَّ الْحَجَّاجَ أُتِيَ بِأَسِيرٍ ، فَقَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ :قُمْ فَاقْتُلْهُ ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ :مَا بِهَذَا أُمِرْنَا ,يَقُولُ اللَّهُ :(حَتَّى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً) .(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33946)

حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ حجاج (بن یوسف) کے پاس ایک جنگی قیدی لایا گیا۔ اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا، "اٹھیے اور اسے قتل کر دیجیے۔" ابن عمر نے فرمایا، "ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، 'جب تم انہیں (جنگ میں) قتل کر چکو تو انہیں مضبوطی سے باندھ لو۔ اس کے بعد یا تو بطور احسان رہا کر دو یا پھر بطور فدیہ رہا کر دو۔'" (اس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وقت کے ایک ظالم و جابر گورنر کے سامنے کلمہ حق ادا کیا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ حَيَّانَ ، عَنْ عَمَّارٍ الدُّهْنِيِّ ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبُو الطُّفَيْلِ ، قَالَ :كُنْتُ فِي الْجَيْشِ الَّذِينَ بَعَثَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى بَنِي نَاجِيَةَ ,فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ فَوَجَدْنَاهُمْ عَلَى ثَلاَثِ فِرَقٍ ، قَالَ :فَقَالَ :أَمِيرُنَا لِفِرْقَةٍ مِنْهُمْ :مَا أَنْتُمْ ؟ قَالُوا :نَحْنُ قَوْمٌ نَصَارَى وَأَسْلَمْنَا ,فثبتنا على إسلامنا ، قَالَ اعتزلوا ,ثم قَالَ للثانية :ما أنتم ؟ قالوا نحن قوم من النصارى لم نر دينا أَفْضَلَ مِنْ دِينِنَا فثبتنا عليه فقال اعتزلو ,ثم قَالَ لفرقة أخرى :ما أنتم ؟ قالوا نحن قوم من النصارى فَأَبَوْا ، فَقَالَ لأَصْحَابِهِ :إذَا مَسَحْتُ رَأْسِي ثَلاَثَ مَرَّاتٍ فَشُدُّوا عَلَيْهِمْ فَفَعَلُوا فَقَتَلُوا الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَوْا الذَّرَارِي ,فَجِئْت بِالذَّرَارِيِّ إِلَى عَلِيٍّ وَجَاءَ مَصْقَلَةُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَاشْتَرَاهُمْ بِمِائَتَيْ أَلْفٍ فَجَاءَ بِمِئَةِ أَلْفٍ إِلَى عَلِيٍّ ,فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ ,فَانْطَلَقَ مَصْقَلَةُ بِدَرَاهِمِهِ وَعَمَدَ إِلَيْهِمْ مَصْقَلَةُ فَأَعْتَقَهُمْ .(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجهاد، حدیث (33408)

ابو طفیل کہتے ہیں کہ میں ایک لشکر میں تھا جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کی طرف بھیجا تھا۔ جب ہم ان تک پہنچے تو ہمیں

ان کے تین گروہ ملے۔ ہمارے امیر نے ایک گروہ سے پوچھا، "تم کون ہو؟" وہ کہنے لگے، "ہم عیسائی قوم ہیں لیکن ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے اسلام پر ثابت قدم رہنے دیجیے۔" امیر نے کہا، انہیں چھوڑ دو۔

اس کے بعد ہمارا سامنا دوسرے گروہ سے ہوا تو ان سے پوچھا، "تم کون ہو؟" وہ کہنے لگے، "ہم عیسائی قوم ہیں۔ ہمیں اپنے دین سے اچھا کوئی دین نہیں لگتا۔ (ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں بس) ہمیں اسی پر قائم رہنے دیجیے۔" امیر نے کہا، "انہیں بھی چھوڑ دو۔"

اس کے بعد ہمارا سامنا تیسرے گروہ سے ہوا۔ ان سے بھی پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا، "ہم عیسائی قوم ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے سرکشی دکھائی (یعنی جنگ پر تیار ہو گئے۔) امیر لشکر کہنے لگے، "جب میں اپنے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیروں تو ان پر حملہ کر دینا۔" ہم نے ان سے جنگ کی اور ان کے فوجیوں کو ہلاک کر کے ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا۔ ہم ان قیدیوں کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ رہے تھے کہ مصقلہ بن ھبیرہ آیا اور اس نے ان قیدیوں کی خدمات کو دو لاکھ درہم (ایڈوانس دے کر) خرید لیا۔ اس کے بعد وہ ایک لاکھ درہم لے کر سیدنا علی کے پاس آیا۔ آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے مصقلہ کو اس کی رقم واپس کی اور تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

حدثنا حمید ثنا ابو جعفر النفیلی انا ابن عینیه عن عبدالله ابن شریك عن بشر بن غال مسع ابن الزبیر یسال الحسین بن علی عن الاسیر من اهل الذمه یاسره العدو . قال :فکاکه علی المسلمین . (حمید بن زنجویه، کتاب الاموال)

حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے ذمی غیر مسلم قیدی کے بارے میں سوال کیا جسے دشمن نے قید کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا، "اسے آزاد کروانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔"

حدثنا الحکم بن نافع انا صفوان بن عمرو ان عمر بن عبدالعزیز قال :اذا خرج الاسیر المسلم یفادی نفسه، فقد وجب فداؤه علی المسلمین . لیس لهم رده الی المشرکین . (حمید بن زنجویه، کتاب الاموال)

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا، "اگر کوئی مسلمان جنگی قیدی اپنا فدیہ خود ادا کر کے نکل آئے تو اس فدیے کو اسے ادا کرنا مسلمانوں (کی حکومت) کی ذمہ داری ہوگی۔ اسے کسی صورت میں بھی مشرک دشمنوں کے حوالے نہ کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ أَبِي الْجُوَيْرِيَةِ ، وَعَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ الْجَرْمِيِّ ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَدَى رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ جَرْمٍ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ بِمِئَةِ أَلْفٍ (مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الجهاد، حدیث (33923)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے ایک فوجی کا ایک لاکھ جرمانہ ادا کر کے اسے آزاد کروایا۔ جلیل القدر تابعین کا بھی یہی موقف تھا کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا فدیہ لے کر رہا کرنا ہی قرآن کا بنیادی حکم ہے۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ، عَنْ أَشْعَثَ ، عَنِ الْحَسَنِ ، وَعَطَاءٍ ، قَالاَ فِي الأَسِيرِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ :يُمَنَّ عَلَيْهِ ، أَوْ يُفَادَى .(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الجهاد، حدیث (33922)

حضرت حسن بصری اور عطا خراسانی (تابعین کے دو بڑے اور مشہور علماء) مشرکین کے قیدیوں کے متعلق کہا کرتے تھے، "یا تو انہیں بطور احسان رہا کیا جائے یا پھر ان سے فدیہ لے لیا جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ جَابِرٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ فِي الأَسِيرِ :يُمَنَّ عَلَيْهِ ، أَوْ يُفَادَى بِهِ .(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الجهاد، حدیث (33925)

حضرت شعبی (تابعین کے ایک جلیل القدر عالم) قیدیوں کے متعلق کہا کرتے تھے، "یا تو انہیں بطور احسان رہا کیا جائے یا پھر ان سے فدیہ لے لیا جائے۔"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، قَالَ :قُلْتُ لِعَطَاءٍ :نِسَاءٌ حَرَائِرُ أَصَابَهُنَّ الْعَدُوُّ ، فَابْتَاعَهُنَّ رَجُلٌ ,أَيُصِيبُهُنَّ ؟ قَالَ :لاَ ,وَلاَ يَسْتَرِقُّهُنَّ ، وَلَكِنْ يُعْطِيهِنَّ أَنْفُسَهُنَّ بِالَّذِي أَخَذَهُنَّ بِهِ ، وَلاَ يَزِدْ عَلَيْهِنَّ .(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الجهاد، حدیث (34203)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا، "آزاد خواتین اگر دشمن کے قبضے میں چلی جائیں اور دشمن سے انہیں مسلمانوں کا کوئی شخص خرید لے تو کیا وہ اس کی لونڈیاں بن جائیں گی؟" انہوں نے کہا "ہرگز نہیں، وہ بالکل لونڈی نہیں بنائی جائیں گی۔ ہاں جو رقم اس شخص نے ادا کی ہے، وہ ان خواتین (یا ان کے وارثوں یا بیت المال) سے لے لی جائے گی اور اس رقم میں کوئی منافع شامل نہیں کیا جائے گا۔"

حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ ، عَنْ أَبِي حَرِيزٍ ؛ أَنَّهُ سَمِعَ الشَّعْبِيَّ ، يَقُولُ :مَا كَانَ مِنْ أُسَارَى فِي أَيْدِي التُّجَّارِ ، فَإِنَّ الْحُرَّ لاَ يُبَاعُ ، فَارْدُدْ إِلَى التَّاجِرِ رَأْسَ مَالِه .(مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الجهاد، حدیث (33211)

حضرت شعبی کہا کرتے تھے، "تاجروں کے ہاتھ میں جو قیدی ہیں، ان میں سے کسی آزاد کو نہ بیچا جائے۔ تاجر کو اس کی اصل

رقم واپس کردی جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُغِيرَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ؛ فِي أَهْلِ الْعَهْدِ إِذَا سَبَاهُمَ الْمُشْرِكُونَ ، ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمَ الْمُسْلِمُونَ ، قَالَ : لاَ يُسْتَرَقُّونَ .(مصنف ابن ابی شيبه، كتاب الجهاد، حديث (33939)

حضرت (جلیل القدر تابعی عالم) ابراہیم نخعی (غیر مسلم) اہل عہد کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر دشمن مشرک انہیں غلام بنا لیں اور اس کے بعد وہ مسلمانوں کے قبضے میں آ جائیں تو انہیں غلام نہ بنایا جائے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ان جنگی قیدیوں کو غلام بنایا ہی کیوں گیا؟ اس کا جواب سید قطب نے یہ دیا ہے کہ ایسا اسلام کے قانون کے تحت نہیں بلکہ اس دور کے بین الاقوامی قانون کے تحت کیا گیا۔ موجودہ دور میں جب بین الاقوامی قانون تبدیل ہو چکا ہے، تو جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت اسلام میں موجود نہیں ہے۔

وقد سبق لنا في مواضع مختلفة من هذه الظلال القول بأنه كان لمواجهة أوضاع عالمية قائمة ,وتقاليد في الحرب عامة .ولم يكن ممكنا أن يطبق الإسلام في جميع الحالات النص العام :(فإما منا بعد وإما فداء . .(في الوقت الذي يسترق أعداء الإسلام من يأسرونهم من المسلمين .ومن ثم طبقه الرسول (ص) في بعض الحالات فأطلق بعض الأسارى منا .وفادى ببعضهم أسرى المسلمين ,وفادى بعضهم بالمال .وفي حالات أخرى وقع الاسترقاق لمواجهة حالات قائمة لا تعالج بغير هذا الإجراء .فإذا حدث أن اتفقت المعسكرات كلها على عدم استرقاق الأسرى ,فإن الإسلام يرجع حينئذ إلى قاعدته الإيجابية الوحيدة وهي :(فإما منا بعد وإما فداء) لانقضاء الأوضاع التي كانت تقضي بالاسترقاق .فليس الاسترقاق حتميا ,وليس قاعدة من قواعد معاملة الأسرى في الإسلام .(سيد قطب، تفسير في ظلال القرآن؛ سورة محمد (47:4)

ہماری اس تفسیر "ظلال" میں مختلف مقامات پر یہ بحث گزر چکی ہے کہ (عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے دور میں) غلام بنائے جانے کا معاملہ بین الاقوامی جنگی قانون کے تحت تھا۔ ہر قسم کے حالات میں اس عام صریح حکم کہ "قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو" پر عمل کرنا ناممکن تھا۔ (خاص طور پر) اس دور میں جب اسلام کے دشمن مسلمان قیدیوں کو غلام بنا کر رکھا

کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض حالات میں بعض قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ بعض قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلے رہا کر دیا گیا اور بعض قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ بعض ایسے حالات میں غلام بھی بنائے گئے جس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد دنیا بھر کی افواج (اور حکومتیں) اس بات پر متفق ہو گئی ہیں کہ جنگی قیدیوں کو غلام نہ بنایا جائے گا تو مسلمان بھی اپنے اصل قانون کی طرف لوٹ جائیں گے کہ "قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ حالات ہی ختم ہو چکے ہیں جن میں غلام بنائے جاتے تھے۔ اب غلام بنائے جانے کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے اور غلام بنا لیا جانا اسلام کا قانون نہیں ہے۔

انسداد غلامی کی تحریک میں خلفاء راشدین کا کردار اور اس کے اثرات

انسداد غلامی کی اس تحریک میں خلفاء راشدین کے کردار کا ایک پہلو تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرات غلاموں کو دیے جانے والے تمام حقوق کے ضامن تھے۔ اگر کوئی آقا کسی غلام کو اس کا حق دینے میں ٹال مٹول کرتا تو غلاموں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ کسی بھی وقت آ کر خلیفہ سے شکایت کر سکیں اور ان کی شکایات پر خلیفہ فوراً حرکت میں آ جایا کرتے تھے۔ اس کی نوبت کم ہی آیا کرتی تھی کیونکہ آبادی کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے قریبی صحابہ کا تربیت یافتہ تھا اور وہ خود ہی غلاموں کو ان کی آزادی سمیت وہ تمام حقوق دینے کو تیار تھے جس کی تفصیل ہم پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں۔

عرب میں غلامی کا مکمل خاتمہ

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غلامی کے خاتمے کے لئے ایک بہت بڑی پیش رفت کی گئی۔ آپ کے دور میں ایران، شام اور مصر کی طرف پیش قدمی جاری تھی جس کی وجہ سے خلافت اسلامیہ کی سرحدیں مسلسل پھیل رہی تھیں جبکہ عرب معاشرہ اب پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ عربوں میں اس وقت کسی قسم کی بغاوت موجود نہ تھی۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرب کی حدود میں غلامی کا مکمل خاتمہ کرنے کے لئے یہ حکم جاری فرمایا کہ عرب کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

بِذَلِكَ مَضَتْ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَسْتَرِقَّ أَحَدًا مِنْ ذُكُورِهِمْ .وَكَذَلِكَ حَكَمَ عُمَرُ فِيهِمْ أَيْضًا حَتَّى رَدَّ سَبْيَ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَأَوْلاَدَ الإِمَاءِ مِنْهُمْ أَحْرَارًا إِلَى عَشَائِرِهِمْ عَلَى فِدْيَةٍ يُؤَدُّونَهَا إِلَى الَّذِينَ أَسْلَمُوا وَهُمْ فِي أَيْدِيهِمْ .قَالَ : وَهَذَا مَشْهُورٌ مِنْ رَأْيِ عُمَرَ .وَرَوَى عَنْهُ الشَّعْبِيُّ أَنَّ عُمَرَ قَالَ :لَيْسَ عَلَى عَرَبِيٍّ مِلْكٌ .وَنُقِلَ عَنْهُ أَنَّهُ قَضَى بِفِدَاءِ مَنْ كَانَ فِي الرِّقِّ مِنْهُمْ.

(ابو عبید، کتاب الاموال بحوالہ موسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ)

یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے ہی جاری ہوگئی تھی کہ اہل عرب کے مردوں کو غلام نہ بنایا جائے۔اسی بات کا حکم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت جاری فرمایا جب انہوں نے مسلمانوں کے ہاں قید، اہل جاہلیت کے جنگی قیدیوں اور لونڈیوں کی اولادوں کو اہل اسلام کو فدیہ ادا کرنے کے بدلے آزاد کر کے اپنے قبائل میں جانے کی اجازت دے دی۔یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور رائے ہے۔شعبی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "عرب کو غلام نہ بنایا جائے گا۔" ان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے عرب میں موجود غلاموں کو فدیہ ادا کر کے آزاد کرنے کا فیصلہ دیا۔

آپ عربوں کو شرم دلایا کرتے تھے کہ وہ اپنے بھائیوں ہی کو غلام بنائے ہوئے ہیں:

وَلِذَلِكَ قَال عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :مِنَ الْعَارِ أَنْ يَمْلِكَ الرَّجُل ابْنَ عَمِّهِ أَوْ بِنْتَ عَمِّهِ

(ابن حجر، فتح الباری بحوالہ موسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "یہ شرم کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے چچا کے بیٹے یا بیٹی کا مالک ہو۔اپنی شہادت کے وقت آپ نے یہ حکم جاری کیا کہ عرب معاشرے میں جتنے غلام موجود ہیں ان سب کو اس طرح سے آزاد کر دیا جائے کہ ان کی قیمت کی ادائیگی حکومت کے ذمہ ہوگی۔اس کے بعد آئندہ عرب میں کوئی نیا غلام نہ بنایا جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة عن زيد بن أبي رافع أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان مستندا إلى ابن عباس وعنده ابن عمر وسعيد بن زيد رضي الله عنهما فقال: اعلموا أني لم أقل في الكلالة شيئا، ولم أستخلف من بعدي أحد، وأنه من ادرك وفاتي من سبي العرب فهو حر من مال الله عز وجل

فقال سعيد بن زيد :أما انك لو أشرت برجل من المسلمين لأتمنك الناس وقد فعل ذلك أبو بكر رضي الله عنه واتمنه الناس .فقال عمر رضي الله عنه قد رأيت من أصحابي حرصا سيئا .واني جاعل هذا الأمر إلى هؤلاء النفر الستة الذين مات رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض ثم قال عمر رضي الله عنه :لو أدركني أحد رجلين ثم جعلت هذا الأمر اليه لوثقت به سالم مولى أبي حذيفة وأبو عبيدة بن الجراح .(مسند احمد، باب عمر بن خطاب)

زید بن ابو رافع کہتے ہیں کہ (اپنی شہادت کے وقت) سیدنا عمر، ابن عباس کو وصیت لکھوا رہے تھے اور ان کے پاس ابن عمر اور سعید بن زید (عمر کے بیٹے اور بہنوئی) رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔آپ نے فرمایا، "یہ بات اچھی طرح جان لو کہ کلالہ کے

بارے میں میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکا اور نہ ہی میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنا کر جا رہا ہوں۔عرب میں موجود جنگی قیدیوں میں جو شخص بھی (بطور غلام) میری وفات کے وقت موجود ہو، اسے اللہ کے مال کے ذریعے آزاد کر دیا جائے۔

حضرت سعید بن زید کہنے لگے، "کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مسلمانوں میں سے کسی کو جانشین مقرر فرما دیں جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو جانشین بنایا تھا۔" عمر نے جواب دیا، "میں نے اس معاملے میں اپنے ساتھیوں میں خواہش دیکھی ہے۔میں اس معاملے کو ان چھ افراد (علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم) کے سپرد کرنے والا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی وفات کے وقت خوش تھے۔" اس کے بعد فرمانے لگے، "اگر ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم یا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کر دیتا۔"

قال الشافعي اخبرنا سفيان عن يحيى بن يحيى الغساني، عن عمر بن عبدالعزيز، قال و اخبرنا سفيان عن رجل، عن شعبي ان عمر قال :لا يسترق العربي . (بيهقي، معرفة السنن والآثار، كتاب السير، حديث (17958)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اہل عرب کو غلام نہ بنایا جائے۔"

رواه الشافعي في الام، و البيهقي في سننه الكبرى، و جاء في الاموال، ان الفاروق فدى كل رجل من اسرى العرب باربع مئة درهم . و جاء في الاموال و في سنن البيهقي الكبرى ان الفاروق عمر قال :ليس على عربي ملك، و لسنا نازعي من يد رجل اسلم عليه، و لكنا نقومهم الدية خمسا من الابل للذى سباه . وهذا بالنسبة لاسرى العرب الذين وقعوا في الاسر في ظل جاهلية . ثم ادركهم الاسلام فاسلم مالكوهم . فكان على كل اسير من هذا النوع ضرب عليه الرق ان يدفع هو، او يدفع ذروه فدا، لمن يملكه حرا الى عشيرته . (حاشيه معرفة السنن والآثار، كتاب السير، حديث (17958)

امام شافعی کتاب الام میں، بیہقی سنن الکبری میں اور (ابوعبید) کتاب الاموال میں بیان کرتے ہیں، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرب کے قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ 400 درہم ادا کیا۔کتاب الاموال اور سنن الکبری میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عمر فاروق نے فرمایا، "عرب میں غلامی نہیں رہے گی اور ہم ہر اسلام قبول کرنے والے کو اس کے آقا کی غلامی سے نکال لیں گے۔ہم ہر غلام کا فدیہ پانچ اونٹ مقرر کریں گے۔یہ عرب کے ان غلاموں کا معاملہ ہے جو کہ دور جاہلیت میں غلام بن گئے تھے،

اس کے بعد وہ اوران کے مالک مسلمان ہو گئے تھے۔اس قسم کے ہر قیدی پر "غلام " کا اطلاق ہوتا ہے اور اسے اور اس کی اولاد کو فدیہ ادا کر کے آزاد کروایا جائے گا۔اس کے بعد وہ آزاد ہو کر اپنے خاندان کی طرف جاسکیں گے۔

فَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الْكَارِزِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ :لَمَّا قَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :لَيْسَ عَلَى عَرَبِيٍّ مِلْكٌ وَلَسْنَا بِنَازِعِي مِنْ يَدِ رَجُلٍ شَيْئًا أَسْلَمَ عَلَيْهِ وَلَكِنَّا نُقَوِّمُهُمُ الْمِلَّةَ خَمْسًا مِنَ الإِبِلِ .قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ يَقُولُ هَذَا الَّذِي فِي يَدِهِ السَّبْيُ لاَ نَنْزِعُهُ مِنْ يَدِهِ بِلاَ عِوَضٍ لأَنَّهُ أَسْلَمَ عَلَيْهِ وَلاَ نَتْرُكُهُ مَمْلُوكًا وَهُوَ مِنَ الْعَرَبِ وَلَكِنَّهُ قَوَّمَ قِيمَتَهُ خَمْسًا مِنَ الإِبِلِ لِلَّذِي سَبَاهُ وَيَرْجِعُ إِلَى نَسَبِهِ عَرَبِيًّا كَمَا كَانَ .(بیهقی، سنن الکبری؛ کتاب السیر، حدیث (18069)

حضرت سیدنا عمر فاروق نے کھڑے ہو کر (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا، "عرب میں غلامی نہیں رہے گی اور ہم ہر اسلام قبول کرنے والے کو اس کے آقا کی غلامی سے نکال لیں گے۔ہم ہر غلام کا فدیہ پانچ اونٹ مقرر کریں گے۔ابوعبید کہتے ہیں کہ انہوں نے ان غلاموں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں بلاعوض غلامی سے نہیں نکالیں گے لیکن چونکہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں اس وجہ سے انہیں غلام بھی نہیں رہنے دیں گے۔یہ اہل عرب تھے، ان کا فدیہ ان کے مالکوں کے لئے پانچ اونٹ مقرر کیا گیا اور انہیں اپنے عرب خاندانوں میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے یہ واضح ہے کہ آپ نے ایسا عرب نسل کے لئے نہیں کیا بلکہ عرب معاشرے میں جو بھی غلام باقی رہ گئے تھے، انہیں آزاد کرنے کے لئے کیا۔انہوں نے غلام کی آزادی کے لئے "عربیت " نہیں بلکہ "اسلام لانے " کی شرط لگائی تھی۔یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اس وقت عرب میں جو غلام موجود تھے، وہ عرب ہی تھے۔

بعد کے دور میں چونکہ مسلمانوں کے اندر نسل پرستی پھیل گئی تھی اس وجہ سے آپ کے اس فرمان کو کہیں بعد میں بعض لوگوں نے نسل پرستی کا مسئلہ بنالیا اور کہنے لگے کہ اب عربوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔جن افراد نے صرف قرآن مجید کی سورۃ حجرات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں کسی نسل کو کسی دوسری نسل پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور جو بھی آپ پر ایمان لے آئے وہ دوسرے مسلمان بھائی کے برابر ہے۔

غلامی کے خاتمہ میں اسلاف کے کردار کا امتیازی مقام

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مزید کچھ عرصہ زندہ رہتے تو امید کی جاسکتی تھی کہ عرب معاشرے سے باہر بھی آپ غلامی کا خاتمہ کر

دیتے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحات پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری لکھتے ہیں:

وقد كثر المكاتبون من الرقيق فى خلافة عمر ، فكانوا يساعدون تنفيذاً لأمر الله تعالى، كما أن الدولة كانت ترضخ للعبيد من الغنائم والعطاء ، لتكون لهم مال يعملون بتنميته حتى يتحرروا من الرق .وقد ألزم سادتهم بتحريرهم إذا سددوا ما تعهدوا به من مال، وكان مقدار الفداء حسب مهارة العبد وقد يبلغ 40,000 . درهم أحياناً .ولما تحسنت موارد بيت المال فى خلافة عمر رضى الله عنه قدم وصيته قبل موته -بتحرير جميع الأرقاء المسلمين فى الدولة .(عمرى، عصر الخلافة الراشده)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں غلاموں میں سے مکاتبت کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کے لئے حکومت مدد کیا کرتی تھی۔یہ اسی طرح تھا کہ غنیمت اور وظائف میں غلاموں کو بھی حصہ دیا جاتا تھا تاکہ ان کے پاس مال آجائے اور وہ ترقی کرتے ہوئے غلامی سے نجات حاصل کر کے آزاد ہو سکیں۔ان کے آقاؤں پر یہ لازم تھا کہ معاہدے کے مطابق جب بھی غلام ادائیگی کر دے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔مکاتبت کے فدیے کی رقم کا تعین غلام کی صلاحیت و مہارت کے مطابق ہوا کرتا تھا جو بعض اوقات 40,000 درہم تک پہنچ جایا کرتی تھی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کی حالت جب بہت بہتر ہو گئی تو انہوں نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ملک میں موجود تمام مسلمان غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

آپ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آٹھ نو سال تک سکون سے کام کرنے کا موقع ملا لیکن فتوحات کے سیلاب کے باعث اس پر عمل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا۔اس کے بعد امت مسلمہ انارکی کا شکار ہو گئی اور سیدنا عثمان کا آخری اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کا پورا دور ہی خانہ جنگی کی نظر ہو گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب معاشرے کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا۔اس حکم کو غلط سمجھ لینے کے باوجود بعد میں بھی کم از کم یہ فائدہ تو ہوا کہ اس کے بعد عربوں کو غلام نہیں بنایا گیا۔

غلاموں کی آزادی میں ہمارے اسلاف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس کثیر تعداد میں جمع کی گئی دولت موجود تھی۔ آپ نے اس دولت کا بڑا حصہ غلاموں کی آزادی پر صرف کیا۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ غلام آزاد کرنے کی وجہ سے ان کا لقب "عتیق" مشہور ہو گیا تھا۔ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ متعدد غلاموں کا ذکر اپنی سیرت کی کتاب میں کیا ہے۔ غلاموں کی آزادی کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا، اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ ، قَالَ :اشْتَرَى أَبُو بَكْرٍ بِلاَلاً بِخَمْسِ أَوَاقٍ ، ثُمَّ أَعْتَقَهُ ، قَالَ :فَقَالَ لَهُ بِلاَلٌ :يَا أَبَا بَكْرٍ إِنْ كُنْتَ إِنَّمَا أَعْتَقْتَنِي لِتَتَّخِذَنِي خَازِنًا ,فَاتَّخِذْنِي خَازِنًا وَإِنْ كُنْت إِنَّمَا أَعْتَقْتَنِي لِلَّهِ فَدَعْنِي فَأَعْمَلُ لِلَّهِ ، قَالَ :فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ ، ثُمَّ قَالَ :بَلْ أَعْتَقْتُكَ لِلَّهِ .(مصنف ابن ابی شیبة، حدیث (33002)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال کو پانچ اوقیہ (چاندی) کے بدلے خریدا اور انہیں آزاد کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بلال مجھ سے کہنے لگے، "اے ابوبکر! اگر آپ نے مجھے (اپنے مال کا) خزانچی بنانے کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے خزانچی بنا دیجیے۔ اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے چھوڑ دیجیے کہ میں اللہ کے لئے عمل کروں۔ "ابوبکر یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا، "میں نے تو آپ کو صرف اللہ ہی کے لئے آزاد کیا تھا۔"

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چن چن کر کمزور غلام آزاد کرنے کا اتنا شوق تھا کہ انہوں نے اس معاملے میں اپنے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت اسلام نہ لائے تھے) کی تنبیہ کو بھی اہمیت نہ دی۔

حدثنا أحمد بن سهل الفقيه ببخارا حدثنا صالح بن محمد بن حبيب الحافظ حدثنا سعيد بن يحيى الأموى حدثنى عمى عبد الله بن سعيد عن زيادة بن عبد الله البكائى عن محمد بن إسحاق قال حدثنى محمد بن عبد الله بن أبى عتيق عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن أبيه قال قال أبو قحافة لأبى بكر أراك تعتق رقابا ضعافا، فلو إنك إذ فعلت ما فعلت أعتقت رجالا جلدا يمنعونك ويقومون دونك . فقال أبو

بكر يا أبت إنى إنما أريد ما أريد لما . نزلت هذه الآية فيه فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسرى إلى قوله عز وجل (وما لأحد عنده من نعمة تجزى إلا ابتغاء وجه ربه الأعلى ولسوف يرضى) هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه .(مستدرك حاكم، حديث (3942)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوقحافہ نے ابوبکر سے کہا، "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت سے کمزور غلاموں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو جوان مردوں کو آزاد کرو جو تمہاری حفاظت کریں اور تمہاری حمایت میں کھڑے ہوں۔ "ابوبکر نے کہا، "ابا جان! میں دنیاوی فائدے کے لئے ایسا نہیں کرتا "اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "جس نے اپنا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا، اور پرہیز گاری اختیار کی، اور نیک بات کو سچ سمجھا، اس کے لئے ہم نیکی کو آسان کر دیں گے۔ "(سورۃ والیل)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بکثرت غلام آزاد کئے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں آپ کے پاس جو غلام موجود تھے، ان سب کو آزاد کر دیا۔ (مسند احمد، باب عمر بن خطاب) نافع کہتے ہیں کہ سیدنا عمر نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زائد غلام آزاد کئے۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ)

غلاموں کو آزادی دیتے وقت آپ نے بحیثیت مسلمانوں کے لیڈر کے، ایسی مثالیں قائم کیں جو معاشرے کے دیگر افراد کے لئے قابل رشک تھیں۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ غلام کو آزادی دیتے وقت آپ کے پاس رقم نہ تھی۔ آپ نے اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرض لے کر اپنے غلام کو یہ رقم دی کہ اس سے وہ کاروبار کر سکے۔ یہ سب آپ نے اپنی ذاتی حیثیت سے کیا۔ اس کے علاوہ بحیثیت خلیفہ آپ بیت المال سے غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے اور ضرورت مند مکاتبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی دولت سے نوازا تھا جسے آپ غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا کرتے تھے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک ہی وقت میں بیس غلام آزاد فرمائے۔ (مسند احمد، باب عثمان بن عفان) آپ خود بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْمِقْدَامُ بن دَاوُدَ الْمِصْرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الأَسْوَدِ النَّضْرُ بن عَبْدِ الْجَبَّارِ ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بن عَمْرٍو الْمَعَافِرِيُّ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا ثَوْرٍ النَّهْمِيَّ يُحَدِّثُ ، عَنْ عُثْمَانَ بن عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ :لَقَدِ اخْتَبَأْتُ عِنْدَ رَبِّي عَشْرًا ، إِنِّي لَرَابِعُ

أَرْبَعَةٍ فِي الإِسْلامِ ، وَمَا تَعَنَّيْتُ ، وَلا تَمَنَّيْتُ ، وَلا وَضَعْتُ يَمِينِي عَلَى فَرْجِي ، مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا مَرَّتْ عَلَيَّ جُمُعَةٌ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلا وَأَنَا أَعْتِقُ فِيهَا رَقَبَةً ، إِلا أَنْ لا يَكُونَ عِنْدِي فَأَعْتِقَهَا بَعْدَ ذَلِكَ ، وَلا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلا إِسْلامٍ .(طبرانی؛ معجم الكبير)

(جب باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا اوران کے گھر کھانا اور پانی نہ پہنچنے دیا تو انہوں نے باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا : میں دس ایسی باتیں چھپا تا رہا ہوں جو میرے رب ہی کو معلوم ہیں۔ میں چوتھا شخص ہوں جس نے اسلام قبول کیا، میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی کسی چیز کی خواہش کی، نہ ہی میں نے کبھی اپنے دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا ، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی میں نے بیعت کی تو مجھ پر کوئی ایسا جمعہ نہیں گزرا ہے جب میں نے غلام آزاد نہ کیا ہو سوائے اس کے کہ میرے پاس کوئی غلام موجود ہی نہ ہو، میں نے نہ تو کبھی دور جاہلیت میں اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔"

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تراسی برس کی عمر پائی۔ اس قبول کرنے کے وقت آپ کم وبیش پچپن برس زندہ رہے۔ اگر ہر جمعے کو غلام آزاد کرنے کا حساب لگایا جائے تو آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 2860 بنتی ہے۔ اس میں ایسے مواقع بھی آئے ہیں جب آپ نے ایک سے زائد غلاموں کو آزادی دی تھی۔ اس کی ایک مثال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا علی المرتضی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کی زندگی زیادہ تر غربت میں گزری تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زیادہ تر محنت مزدوری کر کے گزر بسر کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان میں غلاموں کو آزادی دینے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ غربت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تربیت اور آپ کے غلام آزاد کرنے کے شوق کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔

أخبرنا عبيد الله بن سعيد ، قال :حدثنا معاذ بن هشام ، قال :حدثني أبي عن يحيى بن أبي كثير ، قال :حدثني زيد ، عن أبي سلام ، عن أبي أسماء الرحبي أن ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثه قال جاء ت ابنة هبيرة إلى رسول الله وفي يدها فطخ فقال كذا في كتاب أبي أي خواتيم ضخام فجعل رسول الله يضرب يدها . فدخلت على فاطمة بنت رسول الله تشكو إليها الذي صنع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم . فانتزعت فاطمة سلسلة في عنقها من ذهب وقالت هذه

أهداها إلى أبو حسن فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم والسلسلة في يدها فقال يا فاطمة أيغرك أن يقول الناس ابنة رسول الله وفي يدها سلسلة من نار ثم خرج ولم يقعد فأرسلت فاطمة بالسلسلة إلى السوق فباعتها واشترت بثمنها غلاما وقال مرة أخرى عبدا وذكر كلمة معناها فأعتقته فحدث بذلك وقال الحمد لله الذي نجى فاطمة من النار .(سنن الكبرى از نسائی، كتاب الزينة، حديث 9378، مستدرك حاكم، حديث (4725)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ابن ہبیرہ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ان کے ہاتھ میں موٹی سی انگوٹھی تھی۔ (اسے ناپسند فرماتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر (بطور تادیب ہلکی سی) ضرب لگائی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس عمل کی شکایت کرنے لگیں۔ وہ سیدہ سے کہہ رہی تھیں کہ آپ نے اپنے گلے میں سونے کی ایک چین کیوں پہن رکھی ہے؟

حضرت سیدہ فاطمہ کہنے لگیں، "یہ چین تو مجھے (میرے خاوند) ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ نے تحفتاً دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو سیدہ نے یہ زنجیر اتار کر ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، "اے فاطمہ ! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے۔ "یہ فرما کر آپ بغیر بیٹھے ان کے گھر سے نکل گئے۔ سیدہ نے وہ زنجیر بازار میں بھیجی اور اسے بیچ کر اس کا ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا، "اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو اس آگ سے نجات دے دی ہے۔ "

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج مطہرات نے بھی بکثرت غلام آزاد کرنے کی مثال قائم کی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو غلاموں کی آزادی سے خصوصی دلچسپی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں آپ کے گھر والوں کے مالی وسائل بہت محدود تھے۔ آپ اپنے خاندان کے لئے ایسا مال کبھی قبول نہ فرماتے تھے جو کسی نے اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کیا ہو۔ اس مال کو آپ نے ضرورت مندوں یا دین کی اشاعت کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ان محدود مالی وسائل کے باوجود کہ جب آپ کے گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا نامی کنیز کو خرید کر آزاد کیا۔ یہ حدیث، صحاح ستہ کی تمام کتب میں بہت سے مقامات پر موجود ہے۔ ایک مثال یہ ہے:

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه

وسلم أَنَّهَا قَالَتْ :جَاءَتْ بَرِيرَةُ فَقَالَتْ :إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي .فَقَالَتْ عَائِشَةُ :إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عَنْكِ عَدَدْتُهَا ، وَيَكُونَ لِي وَلاؤُكِ فَعَلْتُ .فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ ذَلِكَ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِ أَهْلِهَا وَرَسُولُ اللَّهِ جَالِسٌ، فَقَالَتْ لِعَائِشَةَ إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ فَأَبَوْا عَلَيَّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلاءُ لَهُمْ .فَسَمِعَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَهَا، فَأَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم : خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلاءَ ، فَإِنَّمَا الْوَلاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ .فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطاً لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِئَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ .(موطاء مالك، كتاب العتق و الولاء ، حديث 2265، بخارى، كتاب الشرائط، حديث (2729)

نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :بریرہ میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں، "میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی کے بدلے آزادی خریدنے کا معاہدہ کیا ہے۔ ہر سال ایک اوقیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔میری کچھ مدد کیجیے۔ "عائشہ نے فرمایا، "اگر وہ پسند کریں تو میں انہیں تمہاری طرف سے پوری قیمت اکٹھی ادا کر کے آزاد کر دوں اور تمہارا ولاء کا رشتہ مجھ سے قائم ہو جائے۔ "بریرہ اپنے مالک کے پاس گئیں اور ان سے یہی بات کہی۔انہوں نے انکار کر دیا۔

اب وہ واپس ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے۔انہوں نے پوری بات سیدہ عائشہ کو بتا دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا، "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرائط عائد کر رہے ہیں جن کی اجازت اللہ کے قانون میں نہیں دی گئی۔ جو شرط بھی اللہ کے قانون کے خلاف ہو، وہ باطل ہے اگرچہ ایسی سو شرائط ہوں۔اللہ کا فیصلہ ہی حق ہے اور اللہ ہی کی شرائط سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ ولاء کا رشتہ تو آزاد کرنے والوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین آپ کی ازواج مطہرات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور باقاعدگی سے انہیں وظائف بھیجا کرتے تھے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان وظائف کو زیادہ تر غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کیا کرتی تھیں۔دو مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے:

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ :تَوَفَّى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ، فَأَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رِقَاباً كَثِيرَةً .قَالَ مَالِكٌ :وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ .(موطاء مالك، كتاب العتق و الولاء ، حديث (2262)

حضرت یحیی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نیند کی حالت میں فوت ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زوجہ سیدہ عائشہ نے ان کی طرف سے کثیر تعداد میں غلام آزاد کیے۔ مالک کہتے ہیں کہ یہ سب سے اچھی بات ہے جو اس ضمن میں میں نے سنی ہے۔

حدثنا عبد الله بن يوسف :حدثنا الليث قال :حدثنى أبو الأسود، عن عروة بن الزبير قال :كان عبد الله بن الزبير أحب البشر إلى عائشة بعد النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكر، وكان أبر الناس بها، وكانت لا تمسك شيئا مما جاء ها من رزق الله إلا تصدقت، فقال ابن الزبير :ينبغى أن يؤخذ على يديها، فقالت :أيؤخذ على يدى، على نذر إن كلمته، فاستشفع إليها برجال من قريش، وبأخوال رسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة فامتنعت، فقال له الزهريون، أخوال النبى صلى الله عليه وسلم، منهم عبد الرحمن بن الأسود ابن عبد يغوث، والمسور بن مخرمة :إذا استأذنا فاقتحم الحجاب، ففعل فأرسل إليها بعشر رقاب فأعتقهم، ثم لم تزل تعتقهم، حتى بلغت أربعين، فقالت :وددت أنى جعلت حين حلفت عملا أعمله فأفرغ منه. بخارى، كتاب الفضائل، حديث (3505)

حضرت (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد (سیدہ کے بڑے بھانجے) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما انہیں سب انسانوں سے زیادہ پیارے اور اچھے لگتے تھے۔سیدہ کے پاس جو بھی اللہ کا رزق آتا وہ اسے (غرباء ومساکین پر) خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ایک مرتبہ ابن زبیر نے (مذاقاً) کہا، "ان کے ہاتھ کو روکنا پڑے گا۔ "(جب سیدہ کو خبر ہوئی تو) آپ نے فرمایا، "کیا وہ میرا ہاتھ روکے گا؟ میں قسم کھاتی ہوں کہ اب اس سے بات نہ کروں گی۔"

حضرت (عبداللہ ابن زبیر نے) قریش اور بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتے داروں بنو زہرہ میں سے

آپ کے رشتے کے ماموں عبدالرحمٰن بن اسود اور مسور بن مخرمہ کو ان کی خدمت میں معافی کی سفارش کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ابن زبیر سے کہا، "جب سیدہ ہمیں اندر آنے کی اجازت دیں تو تم دوڑ کر ان کے پردے کے پیچھے گھس جانا (اور معافی مانگ لینا۔ ان کی اس حرکت اور بزرگوں کی سفارش پر سیدہ نے انہیں معاف کر دیا۔

حضرت ابن زبیر نے (آپ کو خوش کرنے کے لئے) آپ کے پاس دس غلام (آزاد کرنے کے لئے) بھیجے اور آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ (اسی قسم کے کفارے میں) مسلسل غلام آزاد کرتی رہیں یہاں تک کہ چالیس غلام آزاد کر دیے۔ آپ کہنے لگیں، " کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں قسم کھاتے ہوئے کوئی تعداد مقرر کر لیتی تو اب تک اس کام سے فارغ ہو چکی ہوتی۔"

دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر امہات المومنین بھی غلام آزاد کیا کرتی تھیں۔ احادیث اور اسماء الرجال کے ذخیرے میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کا ذکر ملتا ہے جسے انہوں نے آزاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشہور تابعی عالم سلیمان بن یسار کو ان کے چار بھائیوں سمیت آزاد کیا تھا۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہ و ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کے غلام آزاد کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

حدثنا مسدد بن مسرهد، قال :ثنا عبد الوارث، عن سعيد بن جُمْهان، عن سفينة قال :كنت مملوكاً لأم سلمة فقالت :أعتقك وأشترط عليك أن تخْدُمَ رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عشت، فقلت :وإن لم تشترطي عليّ ما فارقت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عشتُ، فأعتقتني واشترطت عليَّ .(سنن ابو داؤد، كتاب العتق ، حديث (3932)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا۔ آپ مجھ سے کہنے لگیں، "میں تمہیں آزاد کرتی ہوں بشرطیکہ تم جب تک زندہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کیا کرو۔ " میں نے کہا، "اگر آپ یہ شرط نہ بھی رکھیں تب بھی میں جب تک زندہ ہوں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جدائی برداشت نہ کروں گا۔ " انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور یہ شرط برقرار رکھی۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم

احادیث میں ایسے بہت سے صحابہ کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غلام آزاد کئے۔ چند مزید واقعات پیش خدمت ہیں۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة أنبأنا أبو غالب عن أبي

أمامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من خيبر ومعه غلامان فقال علي رضي الله عنه :يا رسول الله أخدمنا فقال :خذ أيهما شئت فقال :خر لي قال :خذ هذا ولا تضربه فإني قد رأيته يصلي مقبلنا من خيبر واني قد نهيت عن ضرب أهل الصلاة وأعطى أبا ذر الغلام الآخر فقال :استوص به خيرا ثم قال :يا أبا ذر ما فعل الغلام الذي أعطيتك قال :أمرتني أن أستوص به خيرا فأعتقته .(مسند احمد، باب ابو امامة باهلي)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب خیبر سے واپس آئے تو آپ کے ساتھ دو غلام تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے، "یا رسول اللہ ﷺ! ان میں سے ایک مجھے کام کے لئے دے دیجیے۔ " آپ نے فرمایا، "جو تمہیں پسند ہے، لے لو۔ " میں نے ایک کو پسند کیا تو آپ نے فرمایا، "اسے کبھی مارنا نہیں۔ میں نے واپسی پر اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور نماز پڑھنے والوں کو مارنے سے میں نے تمہیں منع کیا ہے۔"

آپ نے دوسرا غلام ابوذر (غفاری) رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا، "میں تمہیں اس کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ " کچھ عرصے بعد آپ نے پوچھا، "ابوذر! میں نے تمہیں جو غلام دیا تھا، تم نے اس کا کیا کیا؟ " وہ بولے، "آپ نے مجھے اس کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کی تھی، میں نے اسے آزاد کر دیا۔

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، عن محمد بن بشر، عن إسماعيل، عن قيس، عن أبي هريرة رضى الله عنه :أنه لما أقبل يريد الإسلام، ومعه غلامه، ضل كل واحد منهما من صاحبه، فأقبل بعد ذلك وأبو هريرة جالس مع النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :(يا أبا هريرة، هذا غلامك قد أتاك). فقال :أما إني أشهدك أنه حر، قال :فهو حين يقول :يا ليلة من طولها وعنائها * على أنها من دارة الكفر نجت .(بخاري، كتاب العتق، حديث (2530

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی (اسلام قبول کرنے کے ارادے سے) چلا۔ یہ دونوں حضرات راستے میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ (ابوہریرہ پہلے مدینہ پہنچ گئے) اور وہ بعد میں پہنچا تو ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا، "ابوہریرہ! تمہارا غلام بھی پہنچ گیا۔ " وہ کہنے لگے، "میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ آج سے آزاد ہے۔ " اس کے بعد انہوں نے شعر پڑھا، "آج کی

رات بہت لمبی لیکن بہت پیاری ہے کیونکہ اس نے مجھے دار کفر سے نجات دی ہے۔"

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِي :أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُوصِيَ، ثُمَّ أَخَّرَتْ ذَلِكَ إِلَى أَنْ تُصْبِحَ فَهَلَكَتْ، وَقَدْ كَانَتْ هَمَّتْ بِأَنْ تُعْتِقَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ :لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَيَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، فَقَالَ الْقَاسِمُ إِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم :إِنَّ أُمِّي هَلَكَتْ، فَهَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم : نَعَمْ .(موطا مالك، كتاب العتق والولاء، حديث (2261)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ الانصاری بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ غلام آزاد کرنے کی وصیت کرنا چاہتی تھیں۔اس میں کچھ تاخیر ہوگئی اور وہ وفات پا گئیں۔عبدالرحمن نے قاسم بن محمد (بن ابوبکر صدیق) سے پوچھا،"اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو کیا یہ ان کے لئے فائدہ مند ہوگا؟ " قاسم کہنے لگے،"سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہی بات پوچھی تھی،"میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔اگر میں ان کی جانب سے غلام آزاد کروں تو کیا انہیں اس کا فائدہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا تھا،"بالکل ہوگا۔"

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا أبو نوح قراد قال أنبأنا ليث بن سعد عن مالك بن أنس عن الزهري عن عروة عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن بعض شيوخهم أن زيادا مولى عبد الله بن عباد بن أبي ربيعة حدثهم عمن حدثه عن النبي صلى الله عليه وسلم أن رجلا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم جلس بين يديه فقال :يا رسول الله إن لي مملوكين يكذبونني ويخونونني ويعصونني وأضربهم وأسبهم فكيف أنا منهم فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم:
بحسب ما خانوك وعصوك ويكذبوك وعقابك إياهم إن كان دون ذنوبهم كان فضلا لك عليهم . وإن كان عقابك إياهم بقدر ذنوبهم كان كفافا لا لك ولا عليك . وإن كان عقابك إياهم فوق ذنوبهم اقتص لهم منك الفضل الذي بقي قبلك . فجعل الرجل يبكي بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ويهتف فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما له ما يقرأ كتاب الله ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا وإن كان مثقال حبة من خردل أتينا بها وكفى بنا حاسبين . فقال الرجل :يا

رسول الله ما أجد شيئا خيرا من فراق هؤلاء يعني عبيده إني أشهدك أنهم أحرار كلهم .

(مسند احمد، باب عائشة)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب آ کر آپ کے قریب بیٹھ گئے اور کہنے لگے،"یارسول اللہ !میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں،خیانت کرتے ہیں اور میری بات نہیں مانتے۔میں نے انہیں مارا ہے اور برا بھلا کہا ہے۔میں انہیں کس طریقے سے اس سے باز رکھوں۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم نے ان کی خیانت،نافرمانی اور جھوٹ کی نسبت کم سزا انہیں دی ہے تو یہ ان پر تمہاری مہربانی ہے۔اگر تم نے ان کے جرائم کے مطابق سزا دی ہے تو معاملہ برابر برابر ہے۔نہ تو تمہاری مہربانی ہے اور نہ ہی تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔اگر تم نے ان کے جرائم کی نسبت انہیں زیادہ سزا دی ہے تو پھر یاد رکھو کہ جتنی زیادتی تم نے کی ہے،اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔"

(ان صاحب پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے زور زور سے رونے لگے۔حضور نے فرمایا،" کیا تم اللہ کی کتاب میں نہیں پڑھتے کہ 'ہم قیامت کے دن میزان لگا دیں گے۔کسی شخص پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔اگر کسی نے مٹی کے ذرے کے برابر بھی (نیکی یا برائی) کی ہوگی تو ہم اسے اس کا بدلہ دیں گے اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔ " 'وہ شخص یہ سن کر کہنے لگا،"یارسول اللہ ﷺ میرے لئے ان غلاموں کو چھوڑنے سے بہتر کوئی بات نہیں ہے۔میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب کے سب آزاد ہیں۔"

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ ، قَالَ:حَدَّثَنَا هُرَيْمٌ ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ: أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ مَرَّ بِرَاعٍ يَرْعَى ، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ فَأَهْدَاهَا لَهُ ، فَقَالَ لَهُ :حُرٌّ أَنْتَ أَمْ مَمْلُوكٌ ؟ فَقَالَ :مَمْلُوكٌ ، فَرَدَّهَا عَلَيْهِ ، فَقَالَ :إِنَّهَا لِي ، فَقَبِلَهَا مِنْهُ ، ثُمَّ اشْتَرَاهُ وَاشْتَرَى الْغَنَمَ ، وَأَعْتَقَهُ وَجَعَلَ الْغَنَمَ لَهُ .(ابن ابی شیبة، حدیث (23642)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جو کہ بھیڑیں چرا رہا تھا۔اس نے ایک بھیڑ ان کی خدمت میں تحفتاً پیش کی۔آپ نے پوچھا،"تم آزاد ہو یا غلام ہو؟ "اس نے کہا،"غلام ہوں۔ "آپ نے بھیڑ اسے واپس کر دی۔اس نے کہا،"یہ میری اپنی ہے۔ "آپ نے تب اس کا تحفہ قبول فرما لیا۔اس کے بعد آپ نے اس غلام کو پورے گلے سمیت خرید لیا اور اسے آزاد کر کے تمام بھیڑ بکریاں اسے تحفتاً دے دیں۔

حدثنا علي بن حمشاذ ثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل ثنا أحمد بن إبراهيم الدورقي

حدثنی أبو نعیم الفضل بن دکین ثنا زهیر عن لیث عن مجاهد عن علی بن عبد الله بن عباس قال أعتق العباس عند موته سبعین مملوكا ۔

(مستدرک حاکم، حدیث (5402)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عباس نے اپنی وفات کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا۔

اختتامی کلمات شرح ہدایہ جلد ہفتم

الحمد للہ! ہم آج بروز جمعرات ۷ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۸ جون ۲۰۱۲ء کو شرح ہدایہ کی ساتویں جلد کے اختتامی کلمات لکھتے ہوئے اللہ تعالی کی بارگاہ میں شکر گزار ہیں کہ جس نے مجھ سے جیسے بندہ نہ کارہ کو یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آج دنیائے عالم میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اسلام کی حقانیت لوگوں پر واضح کی جائے۔ کیونکہ اس دنیا میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے اس دنیا سے غلامی کا خاتمہ کیا ہے۔ اور دنیا سے غلامی کے خاتمے کا شرف صرف مذہب اسلام کو حاصل ہے۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب اپنانے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ اسلام کی صداقت کو سورج کی کرن سلام کرنے والی اور وقت کا ہر لمحہ خراج تحسین پیش کرنے والا ہے لہذا تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کو اپنا مذہب بنا لینا چاہیے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قارئین کیلئے اور دینی مدارس کے طلباء اور تمام مسلمانوں کیلئے نفع مند بنائے اور میرے لئے، میرے والدین واساتذہ کرام کیلئے اس کتاب کو بخشش کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنتیکا بھاولنگر